وانک لعلی خلق عظیم
شرح
شمائل ترمذی
جلد دوم
مولانا عبدالقیوم حقانی
القاسم اکیڈمی ○ جامعہ ابوہریرہ

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔
شرح
شمائل ترمذی
جلد دوم
مولانا
عبد القیوم حقانی
القاسم اکیڈمی ● جامعہ ابوھریرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام : شرح شمائل ترمذی (جلد دوم)

تصنیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

ضخامت : 634 صفحات

پروف ریڈنگ : اُستاذ العلماء حضرت مولانا محمد زمان صاحب کلاچوی مدظلہ

کمپوزنگ : مولوی گل رحمان، جان محمد جان، مولوی مظہر علی ارا کین القاسم اکیڈمی

سنِ اشاعت اوّل : شعبان ۱۴۲۳ھ / اکتوبر ۲۰۰۲ء

سنِ اشاعت پنجم : صفر المظفر ۱۴۳۳ھ / جنوری ۲۰۱۲ء

ناشر : القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ

مطبع : مطبع عربیہ، پرانی انارکلی لاہور

موبائل : 0333-9102770......0346-4010613......0333-6544950

ملنے کے پتے

☆ صدیقی ٹرسٹ، صدیقی ہاؤس، المنظر اپارٹمنٹس، 458 گارڈن ایسٹ، نزد لسبیلہ چوک کراچی 74800

☆ مکتبہ رشیدیہ ...... جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ ☆ زم زم پبلشرز اردو بازار کراچی

☆ کتب خانہ رشیدیہ، مدینہ کلاتھ مارکیٹ، راجہ بازار راولپنڈی ☆ مولانا خلیل الرحمٰن راشدی،

جامعہ ابوہریرہ، چنوں موم سیالکوٹ ☆ مکتبہ سید احمد شہید، ۱۰۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور

اس کے علاوہ پشاور کے ہر کتب خانہ میں یہ کتاب دستیاب ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ
عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ o
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی
اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی
اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ o

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صلوا علیہ و آلہ

اُمیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی اُمید ہے یہ

کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا نام شُمار

جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں

مروں تو کھائیں مدینے کے مجھ کو مور و مار

اُڑا کے بادِ مری مُشتِ خاک کو پسِ مرگ

کرے حضور کے روضے کے آس پاس نثار

اقتباس قصیدۂ بہاریہ حجۃ الاسلام نانوتوی

ماخوذ فضائل درود شریف از شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ

مدفون جنت البقیع، المتوفی ۲۹ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ ۲۴ مئی ۱۹۸۲ء دوشنبہ بعد عصر

کتبہ الفقیر نفیس الحسینی ۱۴۰۲ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرستِ مضامین

''شرح شمائل ترمذی''

باب ماجآء فی فراش رسول الله ﷺ

باب ماجآء تواضع رسول الله ﷺ

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ تَعَطُّرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خوشبو استعمال کرنے کے بیان میں

تعطر : کا معنیٰ خوشبو لگانا، التعطر استعمال العِطر کما ان التطیّب استعمال الطیب (جمع ج۲ص۲) (تعطر کا معنیٰ عطر استعمال کرنا جیسے کہ تطیب کا معنیٰ خوشبو لگانا) عِطر عین کے کسرہ کے ساتھ الطیب کو کہتے ہیں۔ العطر بکسر العین وھو الطیب (مواہب ص۱۵۶) عرب کثیر التعطر یعنی بہت عطر استعمال کرنے والے شخص کو "رجل معطر" کہتے ہیں (جمع ج۲ص۲)

انعقادِ باب کی غرض ان احادیث کا بیان ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمالِ عطر کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ جیسے کہ علامہ بیجوریؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ ای باب بیان الاحادیث الواردۃ فی تعطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مواہب ص۱۵۶)

خلاصۂ باب :

جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطر کے استعمال کرنے' عطر کے تحفہ قبول فرمانے اور مردوں کے لئے کس قسم کے عطر کے استعمال اور خواتین کے لئے کس قسم کی خوشبو استعمال کرنے کا ذکر ہے۔

جسمِ اقدس کے خوشبو کی مہک :

احادیث میں استعمالِ عطر کا بیان ہے، حالانکہ اگر آپ عطر استعمال نہ بھی فرماتے، تب بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے عمدہ ترین خوشبو مہکتی تھی جیسے علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں قد کان صلی اللہ علیہ وسلم طیب الرائحۃ وان لم یمس طیبا کما جاء ذلک فی الاخبار الصحیحۃ (مواہب ص۱۵۶)

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ میں نے کوئی خوشبو عنبر، مشک اور نہ کوئی اور خوشبو آپ کی خوشبو سے زیادہ

عمدہ نہیں سونگھی۔

(امام بخاریؒ اور احمدؒ نے اس کی روایت ان الفاظ میں کی ہے کہ ماشممت ریحا قط ولا مسکا ولا عنبرا اطیب من ریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رواہ احمد و البخاری (جمع ج۲ ص۲) مگر اس کے باوجود آپؐ خارجی خوشبو بھی استعمال فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک پر دم فرما کر حضرت عقبہؓ کی کمر اور پیٹ پر ہاتھ پھیرا، اس سے اس قدر پائیدار اور بے مثال خوشبو ہوئی کہ ان کی چاروں بیویاں (ہر ایک عمدہ ترین خوشبو استعمال کرتی تھیں) جن میں ہر ایک کی خواہش تھی کہ ان کے زیر استعمال خوشبو بھی حضرت عقبہؓ کی خوشبو کے برابر ہو جائے، مگر وہ مغلوب رہیں اور حضرت عقبہؓ کی خوشبو غالب رہی۔ علامہ ملا علی قاریؒ طبرانی کی روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کان عندہ اربع نسوۃ کلھن تجتھد ان تساویہ فیہ فلم تستطع مع انہ کان لایتطیب۔ (جمع ج۲ ص۲)

آپؐ جس راستے سے گذرتے وہ مہک اٹھتا :

علامہ ملا علی قاریؒ نے ابو یعلی کے حوالے سے روایت نقل کی ہے کہ جس راستے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم گذرتے تھے، آپؐ کے بعد گزرنے والے اس راستہ کو خوشبو سے مہکتا ہوا پا کر سمجھ لیتے تھے کہ آپؐ کا ابھی اس راستہ سے گذر ہوا ہے (جمع ج۲ ص۲)

آپؐ کا پسینہ عمدہ ترین خوشبو :

علامہ ملا علی قاریؒ نے مسلم کے حوالے سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ سوئے ہوئے تھے اور آپؐ کے بدن مبارک سے پسینہ نکل رہا تھا۔ حضرت ام سلیمؓ نے ایک شیشی میں اسے بھرنا شروع کر دیا کہ اچانک آپؐ کی آنکھ کھل گئی۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا کر رہی ہو؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! اس کو ہم اپنی دیگر خوشبوؤں میں ملائیں گے، کیونکہ یہ سب سے زیادہ عمدہ خوشبو ہے' فقالت ھذا عرقک نجعلہ لطیبنا وھو اطیب الطیب (جمع ج۲ ص۲) اسی طرح جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کرتا، تمام روز اپنے ہاتھ سے عمدہ ترین خوشبو سونگھتا رہتا۔ یہی حال اس بچے کا ہوتا جس

کے سر پر آپ دستِ شفقت رکھ لیتے (اتحافات ص ۲۶۳)

استعمالِ خوشبو اُمت کے لئے دستور العمل :

یہ تو آپ کی ذاتی اور جسم مبارک کی خوشبو تھی، جو قدرت نے ودیعت فرمائی تھی، مگر اس کے باوجود بھی آپ عالم اسباب میں خارجی خوشبو بھی استعمال فرماتے تھے تاکہ عام افرادِ اُمت' مرد و خواتین کے لئے بھی ایک مسنون عمل کا نمونہ موجود ہو اور امت کے لئے ایک دستور العمل بن جائے اور ان کے لئے خوشبو لگانے کی حدود متعین ہو جائیں۔

خوشبو کب لگانی چاہئے :

جمعہ' عیدین' نماز باجماعت' قرآن کی تلاوت' درس و تدریس اور ذکر کے حلقوں میں اور مباشرت کے وقت خوشبو لگانا چاہئے۔ صاحبِ اتحافات لکھتے ہیں ویتأ کد لکل من الرجل والمرأة عند المباشرة ' فانها من حسن المعاشرة (اتحافات ص ۲۶۳) تاکہ کسی کے پسینہ کی وجہ سے دوسرے مسلمان کو اذیت نہ پہنچے۔ طہارت تو دین اسلام کی بنیادی تعلیم ہے۔ خوشبو اسی طہارت کا ایک حصہ ہے۔ اس باب میں مصنفؒ نے چھ احادیث ذکر کی ہیں۔

(۲۰۹/۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوْا اَخْبَرَنَا اَبُوْاَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُخْتَارِ عَنْ مُوْسَى بْنِ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُكَّةٌ يَتَطَيَّبُ مِنْهَا ـ

ترجمہ ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث محمد بن رافع اور بہت سے دوسرے لوگوں (رواۃ) نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں ہمیں اس کی خبر احمد زبیری نے دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ روایت شیبان نے عبداللہ بن مختار کے واسطہ سے بیان کی اور انہوں نے یہ روایت موسیٰ بن انس بن مالکؓ سے ان کے باپ کے واسطہ سے نقل کی۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سُکّہ تھا

اس میں سے خوشبو استعمال فرماتے تھے۔

راویان حدیث (۴۶۹) محمد بن رافع (۴۷۰) شیبان ؒ (۴۷۱) عبداللہ بن المختارؒ اور (۴۷۲) موسیٰ بن انسؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظِ سکۃ کے معانی :

قال کان لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سکۃ یتطیب منھا ! لفظِ سکۃ کے دو معنیٰ آئے ہیں (۱) ظرفِ عطر یعنی ڈبیہ، شیشی یا عطر دانی، جس میں خوشبو رکھی جاتی ہے۔ و یحتمل ان تکون وعاء، وان کان المراد بھا الوعاء فھی للابتداء و قال الشارح والظاھر ان المراد بھا ظرف یوضع فیہ الطیب کما یشعر بہ قولہ منھا (مواہب ص۱۵۶) (جب سکّہ سے مراد خوشبو دانی ہو تو پھر یتطیب منھا میں لفظ من ابتدائیہ ہے اور شارحؒ بھی یہی کہتے ہیں کہ بظاہر اس سے وہ شیشی یا عطر دانی مراد ہے جس میں عطر رکھا جاتا ہے جیسا کہ کہ اس کا قرینہ لفظ منھا ہے)

(۲) دوسرا معنیٰ ایک خاص قسم کی مرکب خوشبو نقل ہوا ہے۔ جو صندل زعفران گلاب وغیرہ کو ملا کر بڑی محنت سے تیار کی جاتی ہے۔ صاحبِ قاموس نے تو اس کے بنانے کا طریقہ بھی نقل کیا ہے۔ و قال العسقلانی وھی طیب مرکب (اتحافات ص۲۶۴) (علامہ عسقلانیؒ نے سکّہ کو ایک خاص مرکب خوشبو کہا ہے) کان المراد بھا ھنا نفس الطیب فمن فی قولہ یتطیب منھا للتبعیض (مواہب ص۱۵۶) (علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں یعنی سکّہ سے مراد یہاں خوشبو ہی ہے تو پھر اس صورت میں یتطیب منھا میں لفظ من تبعیضیہ ہوگا)۔

الغرض خوشبو دانی مراد ہو یا خوشبو، آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں نظم و ترتیب مدلول ہوتا ہے کہ سفر و حضر میں ضروریاتِ زندگی آپ ﷺ اپنے پاس رکھتے تھے۔ سرمہ دانی، کنگھی، شیشہ اور خوشبو یا خوشبو دانی وغیرہ۔

مضمونِ حدیث :

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

خوشبو یا خوشبودانی تھی، جس سے آپ ؐ خوشبو لگاتے تھے۔

سراپا خوشبو یا جسمِ معطر :

ابتداءِ باب میں یہ عرض کیا گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ اطہر ہر وقت خوشبو سے معطر اور مہکتا رہتا تھا۔ حضراتِ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ آپ ؐ کے جسمِ اقدس کی خوشبو راستہ میں پھیل جاتی تھی اور ہم سمجھ لیتے کہ حضور اقدس ﷺ اسی راہ سے گذرے ہیں۔ لہٰذا ہم اسی خوشبو پر آپ ؐ تک پہنچ جاتے۔

علامہ ملا علی قاریؒ، دارمی، بیہقی اور ابونعیم سے نقل کرتے ہیں :

انہ لم یکن یمر بطریق فیتبعہ احد الاعرف انہ سلکہ من طیب عرقہ و عرفہ ولم یکن یمر بحجر الا یسجد لہ (جمع ج۲ص۲)

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کسی راستے سے تشریف لے جاتے، تو آپ ؐ کے پسینہ مبارک کی خوشبو کی وجہ سے صحابہ کرامؓ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتے تھے اور کسی ایک پتھر پر آپ ؐ کا گذر نہ ہوتا، مگر وہ پتھر آپ ؐ کو سجدہ کرتا۔

جہیز میں پسینۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو :

علامہ ملا علی قاریؒ ابویعلیٰ سے نقل کرتے ہیں :

کہ ایک صحابی نے اپنی لڑکی کے جہیز میں کچھ کپڑے تیار کیئے اور حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں آپ ؐ کا پسینہ مبارک طلب کرنے کی غرض سے حاضرِ خدمت ہوا۔ آپ ؐ نے اپنے دستِ مبارک کی ایک انگلی کو اپنے اسی مبارک پسینہ سے تر کیا جو کہ ایک شیشی میں بند کیا ہوا تھا اور پھر چند قطرے اس صحابی کو عطا فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ اپنی لڑکی سے کہہ دو کہ جب وہ جہیز کے کپڑے پہنے تو پسینہ کے ان قطروں کو بطورِ خوشبو استعمال کرے۔ اس کے بعد جب کبھی وہ نیک بخت خاتون یہ خوشبو استعمال کرتی تو اہل مدینہ اس کو سونگھتے اور اس گھر میں خواتین جمع ہو جاتیں۔ اس کے بعد اس گھر کا نام ہی ۔۔۔ "بیت المطیبین" یعنی خوشبو سونگھنے والوں کا گھر مشہور ہو گیا۔ **فکانت اذا تطیبت بہ شم اھل المدینۃ**

ذلک الطیب فسموا بیت المطیبین (جمع ج۲ص۲)

دستِ مبارک کی خوشبو کی عطر بیزیاں :

جابر بن سمرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک بار اپنا دستِ مبارک میرے چہرے پر پھیرا، میں نے اسے ٹھنڈا اور ایسی معطّر ہوا کی طرح پایا جو کسی عطر فروش کی شیشی یا صندوق سے نکلتی ہے ۔

حضرت عقبہ کا واقعہ اس سے قبل بھی اجمالاً عرض کیا جا چکا ہے۔ تفصیل سے ملاحظہ فرمایئے اور لطف اٹھایئے۔

اُم عاصم کہتی ہیں کہ ہم عقبہ کی زوجیت میں چار عورتیں تھیں، ہم میں سے ہر ایک اس کوشش میں رہتی کہ وہ خوشبو میں اپنے شوہر عقبہ سے بڑھ جائے اور عقبہ' وہ صرف اپنی داڑھی کو ایک عام تیل لگاتے' اس کے سوا اور کوئی خوشبو نہ استعمال کرتے، لیکن اس کے باوجود ہم سب سے زیادہ معطّر اور پاکیزہ تھے، جب گھر سے نکلتے تو لوگ کہتے کہ ہم نے اس خوشبو سے زیادہ نفیس خوشبو نہیں سونگھی جو عقبہ لگاتے ہیں۔ ام عاصم کہتی ہیں کہ میں نے ایک روز عقبہ سے کہا ہم بہتر سے بہتر خوشبو لگانے کی کوشش کرتے ہیں، مگر آپ کی خوشبو سے نہیں بڑھ پاتیں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے۔ کہنے لگے مجھے نبی علیہ السلام کے عہد مبارک میں ایک بیماری لگ گئی تھی۔

میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بیماری کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے مجھے کپڑے (یعنی قمیص وغیرہ) اُتارنے کا حکم دیا۔ میں نے کپڑے اُتار دیئے اور آپ ﷺ کے آگے بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک پر پھونک ماری، پھر اپنا ہاتھ میری پیٹھ پر پھیرا۔ اس روز سے میرے پورے جسم میں یہ خوشبو مہکی ہوئی ہے ۔

حضرت الشیخ علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی المتوفی ۱۳۵۰ھ وسائل الوصول میں تحریر فرماتے ہیں کہ اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک سے جو خوشبو آتی تھی۔ وہ دوسری تمام خوشبوؤں سے مختلف ہوتی تھی۔ نیز فرماتے ہیں مسلم شریف میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام کو کثرت سے پسینہ آتا تھا، چہرۂ انور پر پسینہ آتا تو موتیوں کی طرح محسوس ہوتا اور اس کی

خوشبو مشک اور اذفر سے بھی زیادہ ہوتی۔

(۲/۲۱۰) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا عَزْرَةُ بْنُ ثَابِتٍ عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ لَايُرَدُّ الطِّيْبَ وَ قَالَ اَنَسٌ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَايُرَدُّ الطِّيْبَ۔

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں ہمیں یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عزرۃ بن ثابت نے ثمامۃ بن عبداللہ کے حوالہ سے بیان کی۔ حضرت ثمامہ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ خوشبو کو رد نہیں کرتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی خوشبو کو رد نہ فرمایا کرتے تھے۔

مضمونِ حدیث تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے کہ جب کبھی بھی خوشبو تحفۃً یا ہدیۃً دی جائے تو قبول کر لی جائے۔ حضرت انس بن مالکؓ کا یہی معمول تھا۔ **لایرد الطیب**، پھر ان کا یہ معمول حضور اقدس ﷺ کے عملِ مبارک کا پرتو تھا، **ان النبی ﷺ کان لایرد الطیب** پھر ظاہر ہے کہ خوشبو کا ہدیہ خوش دلی سے دیا جاتا ہے تو خوش دلی سے لے لیا جائے، اس میں حکمت بھی یہی ہے کہ یہ ہدیہ اتنا قیمتی نہیں ہوتا کہ پیش کرنے والے پر گراں گذرے، پھر بھاری مقدار میں بھی نہیں ہوتا، چونکہ تھوڑی مقدار میں ہوتا ہے، اس لئے لینے والے کی طبیعت کو محسوس نہیں ہوتا، جیسا کہ مسلم شریف میں حدیث ہے، **من عرض علیہ ریحان فلا یرد فانہ خفیف المحمل وطیب الریح** (جمع ج۲ص۲)

(جس شخص کو عطر اور خوشبو کا ہدیہ پیش کیا جائے وہ اسے رد نہ کرے کیونکہ اس کا بوجھ اور وزن تو ہے نہیں اور اس کی خوشبو اچھی ہے)

درحقیقت حضور اقدس ﷺ سب کی دلجوئی فرماتے تھے اور کسی کی دل شکنی پسند ہی نہیں کرتے تھے۔ خوشبو کا رد کرنا ایک مخلص ومحبّ صادق کی دل شکنی کا سبب بن سکتا ہے۔ لہٰذا آپؐ قطعاً ہدیۂ خوشبو کو رد نہ فرماتے تھے۔ دوسرا یہ بھی کہ آپؐ کو خوشبو بہت پسند تھی۔ اس لئے اس ہدیۂ جمیلہ کو پسند کرنا ہی بہت

احسن واجمل بات تھی۔علامہ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں :

المعنی انہ لیس بثقیل بل قلیل المنۃ ومع ھذا طیب الرائحۃ فالھدیۃ اذا کانت قلیلۃ و تتضمن منفعۃ فلا ترد لئلا یتأذی المھدی اذا لم یکن طماعاً (جمع ج۲ص۴) (مطلب یہ کہ یہ کوئی وزنی چیز نہیں بلکہ وہ احسان کرنے میں کوئی بڑی چیز بھی نہیں اس کے باوجود اس کی خوشبو اچھی ہے۔ ھدیہ اگر چہ معمولی ہو،لیکن اس کا نفع اگر زیادہ ہے تو اس کو رد نہ کیا جائے تا کہ ہدیہ کرنے والے کی دل شکنی نہ ہو جب کہ وہ لالچی اور حریص نہ ہو)

(۲۱۱/۳) حَدَّثَنَا قُتَیْبَۃُ بْنُ سَعِیْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ فُدَیْکٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مُسْلِمِ بْنِ جُنْدُبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلاثٌ لَا تُرَدُّ الْوَسَائِدُ وَالدُّھْنُ الطِّیْبُ وَاللَّبَنُ۔

امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابن ابی فدیک نے بیان کی۔انہوں نے یہ روایت عبداللہ بن مسلم بن جندب سے ان کے باپ کے واسطہ سے اخذ کی۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں نہیں لوٹانی چاہئیں،تکیہ،اور خوشبودار تیل اور دودھ۔

راویان حدیث (۴۷۳) ابن ابی فدیکؒ (۴۷۴) عبداللہ بن مسلمؒ اور (۴۷۵) عن ابیہ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

الوسائد جمع وسادۃ کی ہے،جو سوتے وقت سر کے نیچے رکھا جاتا ہے۔اسے مخدۃ بھی کہتے ہیں۔ اذ قد یوضع تحت الخد والدھن کل ما یدھن بہ والمراد ھنا الذی فیہ طیب (مخدۃ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ چونکہ وہ رخسار کے نیچے بھی کبھی رکھا جاتا ہے اور دھن ہر وہ چیز ہے جو تیل کی جگہ استعمال کی جائے اور یہاں اس سے مراد خوشبودار تیل ہے) (اتحافات ص ۲۶۵)

مضمونِ حدیث کی تشریح :

مضمونِ حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے۔ اس روایت میں مذکور تمام چیزیں خواہ وہ تکیے ہوں یا خوشبودار تیل یا خوشبو اور دودھ' خفیف المحمل ہیں اور باہمی اعتماد و محبت کا باعث ہیں۔ جیسے یہی بات علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ولا بد من اعتبار معنی فی ثلاث من العظمة والشرف و قلة المؤنة و خفة المحمل (جمع ج۲ص۴) لہٰذا جب ہدیہ کے طور پر پیش کئے جائیں تو لا ترد یعنی واپس نہ کی جائیں بلکہ انہیں اللہ کی نعمت سمجھ کر قبول کر لی جائیں۔

شمائل میں بعض نسخوں میں الوسائد' الدھن اور الطیب مذکور ہے، اللبن نہیں ہے۔ بعض نسخوں میں اللبن ہے، الطیب نہیں ہے ، وفی نسخة صحیحة بدله اللبن (مواہب ص۱۵۷) اور نسخہ صحیحہ میں طیب کی بجائے لبن کا لفظ ہے ولعل المراد باللدھن ھوالذی له طیب فعبر تارة بالطیب و اخریٰ باللدھن (جمع ج۲ص۴) (اور شاید کہ دہن سے مراد خوشبودار تیل ہے تو کبھی اس کی تعبیر لفظ طیب (عطر) اور کبھی دھن (تیل) سے کی جاتی ہے) بعض روایات میں خوشبودار پودے اور پھول کا بھی ذکر آیا ہے۔

امام شافعیؒ نے ایسی سات چیزیں گنوائی ہیں اور انہیں اشعار میں نظم کیا ہے ....

عن المصطفیٰ سبع یسن قبولها　　　اذا مابها قد اتحف المرء خلان

فحلو و البان و دهن و وسادة　　　ورزق لمحتاج و طیب و ریحان

(مواہب ص۱۵۷)

(سات چیزوں کا قبول کرنا سنت نبویہؐ ہے جب کوئی انسان وہ اپنے دوستوں کو بطور ہدیہ دے پس وہ حلوہ (میٹھی چیزیں) دودھ۔ تیل۔ تکیہ اور مسکین کے لئے کھانا اور عطر و خوشبو ہیں)

(۲۱۲/۴) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوٗدَ الْحَفَرِیُّ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ الْجُرَيْرِیِّ عَنْ اَبِیْ نَضْرَةَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طِيْبُ الرِّجَالِ مَا ظَهَرَ رِيْحُهٗ وَ خَفِیَ لَوْنُهٗ وَطِيْبُ النِّسَآءِ مَاظَهَرَ لَوْنُهٗ وَخَفِیَ رِيْحُهٗ .

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيلُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ عَنِ الْجُرَيْرِيُّ عَنْ اَبِيْ نَضْرَةَ عَنِ الطُّفَاوِيِّ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ بِمَعْنَاهُ ۔

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابوداؤد حفری نے سفیان کے واسطہ سے ابونضرۃ کی وساطت سے روایت کی اور انہوں نے یہ ایک شخص (طفاوی) سے سُنی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ مردانہ خوشبو وہ ہے کہ جس کی خوشبو پھیلتی ہوئی ہو اور رنگ غیر محسوس ہو (جیسے گلاب کیوڑہ وغیرہ) اور زنانہ خوشبو وہ ہے کہ جس کا رنگ غالب ہو اور خوشبو مغلوب (جیسے حنا زعفران وغیرہ)۔

امام ترمذیؒ دوسری سند اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت علی بن حجر نے بیان کی۔ ان کے پاس اسمٰعیل بن ابراہیم نے جریری کے واسطہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ابونضرۃ سے طفاوی کے ذریعے روایت کی اور انہوں نے صحابی رسول حضرت ابوہریرہ سے سُنی جو رسول اللہ ﷺ سے نقل فرماتے تھے اور یہ روایت پہلی روایت سے معنی میں متفق ہے۔

راویان حدیث (٤٧٦) ابوداؤد الحفری اور (٤٧٧) عن رجل کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

مرد اور خواتین کے لئے خوشبو کا استعمال :

حضور اقدس ﷺ کا ارشادِ گرامی واضح ہے۔ لہٰذا مردوں کو چاہئے کہ وہ تو ایسی خوشبو ضرور استعمال کریں جو محفل میں دوسروں کو بھی محسوس ہو اور فضا معطر ہو، مگر اس کا رنگ نہ ہو۔ کماء الورد والمسک والعنبر و الکافور (جمع ج ۲ ص ۵) مگر عورتوں کی خوشبو کا رنگ نمایاں نہ ہو، وہ عطر انتہائی پوشیدہ ہو، کالزعفران والصندل ' والحناء (جمع ج ۲ ص ۵) علماء کہتے ہیں خواتین کے لئے خوشبو کا استعمال اس وقت ممنوع ہے جب وہ گھر سے باہر نکلیں۔ فان مرورها علی الرجال مع ظهور رائحة الطیب منها منهی عنه ' (بے شک عورت کا خوشبو سے معطر ہو کر مردوں پر گزرنا شرعاً ممنوع ہے) گھر میں ہو یا اگر شوہر کے پاس ہو تب استعمال جائز ہے فاما اذا کانت عند زوجها فلتطیب بما شاء ت

(جمع ج۲ص ۵) اور جب عورت اپنے خاوند کے پاس ہو پھر جو عطر چاہے لگا سکتی ہے) جیسا کہ ترمذی شریف کی ایک حدیث سے اس کی تائید ہو جاتی ہے۔ عن ابی موسٰی کل عین زانیة والمرأة اذا استعطرت فمرت بالمجلس فهی زانیة (جمع ج۲ص۶) (حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں ہر آنکھ (غلط نظر کرنے میں) زنا کرنے والی ہے اور جب عورت عطر لگا کر کسی مجلس پر گزرتی ہے تو وہ (اس صورت میں گویا کہ) زانیہ ہے)

اسی طرح احمد، صحیح مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ جو عورت بخور لے وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں نہ آئے۔ ایما امراۃ اصابت بخورا فلا تشهد معنا العشاء الآخرة (جمع ج۲ص۴)

مسلمان خواتین کی غفلت وجہالت :

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ نے یہاں مسلمان خواتین کے موجودہ اور مروجہ طرزِ عمل پر بہت رونا رویا ہے کہ عام مسلمان خواتین تو اپنی جگہ، عرب مسلمان خواتین بھی فرنگی تہذیب کی لپیٹ میں ہیں۔

حضور اقدس ﷺ کے پاکیزہ اخلاق وتعلیمات سے غافل ہوگئی ہیں۔ واتت من الاعمال ماندی له جبین الاسلام (اتحافات ص۲۶۷) (اور ایسے اعمال کرتی ہیں جس سے اسلام کا چہرہ داغدار ہو جاتا ہے) مسلمان خواتین مغربی تہذیب کی تقلید میں اندھا دھند چلی جارہی ہیں، نہ حیا ہے نہ پردہ، نہ شرم نہ غیرت، بلکہ مختلف قسم کے سینٹ لگا کر بازاروں کی زینت بنتیں اور شیطان کا کردار ادا کرتی ہیں۔

حضور اقدس ﷺ ہی کی تعلیمات وہدایات اور سنتوں میں عزت بھی ہے اور عظمت بھی، نجات بھی ہے اور فلاح بھی۔

(۵/۳۱۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَلِيفَةَ وَعَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَا حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ ذُرَيْعٍ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ الصَّوَّافُ عَنْ حَنَّانٍ عَنْ اَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُعْطِيَ اَحَدُكُمُ الرَّيْحَانَ فَلَا يَرُدُّهُ فَاِنَّهُ خَرَجَ مِنَ الْجَنَّةِ قَالَ اَبُوْ عِيسٰى وَلَا

نَعْرِفُ لِحَنَّانٍ غَيْرَ هٰذَا الْحَدِيْثِ وَ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِىْ حَاتِمٍ فِىْ كِتَابِ الْجَرْحِ وَالتَّعْدِيْلِ حَنَّانُ الْاَسَدِىُّ مِنْ بَنِىْ اَسَدِ بْنِ شَرِيْكٍ وَهُوَ صَاحِبُ الرَّقِيْقِ عَمُّ وَالِدِ مُسَدَّدٍ وَ رَوٰى عَنْ اَبِىْ عُثْمَانَ النَّهْدِىِّ وَ رَوٰى عَنْهُ الْحَجَّاجُ بْنُ اَبِىْ عُثْمَانَ الصَّوَّافُ وَ سَمِعْتُ اَبِىْ يَقُوْلُ ذٰلِكَ ۔

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں ہمیں یہ روایت محمد بن خلیفہ اور عمرو بن علی نے بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم کو اسے یزید بن ذریع نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت حجاج صواف نے حنان کے واسطہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ابوعثمان نہدی سے روایت کی۔ ابوعثمان نہدی تابعی کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو ریحان دیا جائے اس کو چاہئے کہ لوٹائے نہیں، اس لئے کہ (اس کی اصل) جنت سے نکلی ہے۔

راویان حدیث (۴۷۸) محمد بن خلیفہؒ (۴۷۹) حجاج الصوافؒ (۴۸۰) حنانؒ اور (۴۸۱) ابوعثمان النہدیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

سند کی بحث :

ابوعثمان النہدی تابعی ہیں۔ ظاہر ہے کہ انہیں حضور اقدس ﷺ کی زیارت و ملاقات کا شرف حاصل نہیں، مگر اس کے باوجود انہوں نے یہ روایت آپؐ سے مرفوعاً نقل کی ہے۔ لہٰذا یہ روایت مرسلات سے ہے۔ جیسے کہ علامہ سیوطیؒ نے اس کی تصریح کی ہے' فالحديث مرسل كما صرح به السيوطى (جمع ج۲ص۶) جو اس صورت میں معتبر ہوتی ہیں، جب اس کے راوی ضعیف نہ ہوں بلکہ ثقہ ہوں۔

لفظ ''ریحان'' کی تشریح :

ریحان کا اطلاق عموماً ایک خاص قسم کے خوشبودار پودے ''نیاز بو' پر آتا ہے، جس کی ٹہنی اور پھول نہایت خوشبودار ہوتا ہے۔ لغوی اعتبار سے اس کی تعریف كل نبت طيب فهو ريحان (ہر خوشبودار پودا ریحان ہے) سے کی گئی ہے۔ علامہ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں وهو كل نبت طيب الريح من

انواع المشموم علی ما فی النهایة (جمع ج۲ص۶) (کہ مشمومات (سونگھی جانی والی چیزوں) میں اچھے خوشبودار پودے کو کہتے ہیں جیسے کہ نہایہ میں بھی اس طرح ہے)۔

اہل مغرب ریحان کو ایک خاص درخت سے مخصوص کرتے ہیں، جسے آس کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ حدیث صحیح میں بھی یہی مراد ہے، جس میں آیا ہے کہ...... مثل المنافق الذی یقرأ القرآن کمثل الریحانة ریحها طیب و طعمها مر (جمع ج۲ص۶) (اس منافق کی مثال جو کہ قرآن پڑھتا ہے ایسی ہے جیسے کہ ریحانہ کا درخت کہ اس کی خوشبو تو اچھی ہے لیکن ذائقہ کڑوا ہے) اہل شام وعراق حبق کو ریحان کہتے ہیں اور حبق پودینہ کو کہتے ہیں۔ بہرحال لغوی اعتبار سے ریحان کا معنیٰ خوشبو، رحمت آرام، چین، آسائش، صاحب اور دوست کے بھی آتے ہیں۔ اس کے معنیٰ میں وسعت ہے۔

جنت البقیع کا ایک واقعہ :

مجھے اس موقع پر ایک واقعہ یاد آرہا ہے، جب اپنے ایک بزرگ اور مہربان دوست ماہنامہ الحق کے کاتب (جب کمپیوٹر اور کمپوزنگ مروج نہ تھے) جناب الحاج عبدالواحد صاحب خوشنویس (جو معروف سکالر، عظیم مصنف حضرت مولانا عبدالمعبود صاحب مدظلہ صاحب تاریخ مکۃ المکرمہ و مدینۃ المنورہ کے برادر بزرگ تھے) صبح سویرے چمن سے چنبیلی کے پھول کاٹ کر اپنے میز پر سجاتے اور باوضو الحق کی کتابت کرتے، احقر اُن دنوں ماہنامہ الحق کی خدمت پر مامور تھا، بلکہ مادر علمی جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں درس وتدریس، خطابت اور دیگر متنوع ذمہ داریوں سمیت الحق کی ادارت سے لے کر پروف ریڈنگ اور کاپی پیسٹنگ تک کے تمام امور تن تنہا انجام دیتا تھا۔ مرحوم جب چنبیلی کے پھول سجا کر کتابت شروع کرتے اور میں حاضر ہوتا، تو فرماتے' حقانی صاحب! ''ریحانہ'' سجا رکھا ہے، جنت کا پھول ہے جنت کا' ایک روز علی الصبح کچھ مسودات لے کر حاضر خدمت ہوا تو دیکھا کتابت بھی جاری ہے، وجود پر لرزہ بھی اور آنکھوں سے آنسو بھی ٹپ ٹپ گر رہے ہیں۔ میں نے سلام عرض کیا تو گلوگیر آواز میں جواب دیا اور پھر دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ میں نے ہر چند تسلی دینی چاہی، مگر مرحوم کا رونا کب رُکنے کا تھا اور پس منظر تو مجھے معلوم نہ تھا۔ آخر کیا تسلی دے سکتا تھا، جب جذبات پر قابو پایا اور قدرے

بات کرنے کے موڈ میں ہوئے تو فرمانے لگے :

حقانی صاحب ! کیا پوچھتے ہو کیا انجام ہوگا، اب کے بار جب عمرے پر گیا تھا تو جنت البقیع میں بھی حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، دیکھا ایک نئی قبر کھودی جاری ہے، لوگ اچانک کسی چیز کے نمودار ہونے سے پریشان ہو گئے، میں بھی لپک کر اُن کے پاس جا پہنچا تو دیکھا کہ نئی کھودی جانے والی قبر سے ایک خطرناک بچھو ظاہر ہوا، جس کی لمبائی کوئی آٹھ انچ کے برابر ہوگی۔ اسے دیکھا میں تو تب سے اب تک پریشان ہوں۔ حقانی صاحب! جب جنت البقیع (جس کے مدفون سعادت مند ہیں) میں اتنے بڑے بڑے خطرناک بچھو موجود ہیں، تو ہم گنہگاروں کا انجام کیا ہوگا اور پھر رونے میں ڈوب گئے' بس اتنی سی بات بہ مشکل کر سکے کہ پھر گریہ طاری ہوا۔ اب پس منظر مجھے معلوم ہو چکا تھا، ان کے رونے سے میرا دل بھی پسیج گیا اور چند لمحے مجھے بھی ان کی معیت میں اشک ندامت کے حاصل ہوئے۔ یہ سارا واقعہ مجھے لفظ ''ریحان'' کی بحث سے یاد آیا، امانت تھی جو قارئین کے حوالے کر دی۔

بات یہاں تک پہنچی تھی کہ اسی مضمون کی ایک نقل میں نے اپنے استاذ محترم حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہٗ بانی و مہتمم مدرسۂ عربی نجم المدارس کو بھیجی۔ غرض یہ تھی کہ واقعہ عبرتناک ہے، انہوں نے جو جواب مرحمت فرمایا، ذیل میں وہ بھی مِن وعَن نقل کر دیا جاتا ہے کہ میری اصلاح ہو جائے گی اور قارئین کو نفع ہوگا۔

جناب محترم حقانی صاحب سلمک اللّٰہ معنا من الفتن ما ظهر و ما بطن

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اخلاص نامہ کسی جدید حالتِ منتظرہ کے بغیر نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوا۔

حکیم ابراہیم کا سانحۂ ارتحال :

جناب محترم حکیم ابراہیم صاحب مرحوم کا اچانک حادثہ وارتحال ہم جیسے عمر رسیدہ پڑوسیوں کے لئے جرس کی جگانے والی فریاد تھی مگر ہم پنبہ بگوش لوگ حسبِ سابق نومِ ارنبی (خوابِ خرگوش) میں ہی

مدہوش ہیں۔ اللہ کریم ہی معاف فرماویں۔ آمین۔

مرحوم خوش قسمت تھا کوئی ایک نماز بھی قضا کئے بغیر چلا گیا۔ موت فجاءۃ بظاہر ان کے لئے رحمت ہی رہی کہ سکرات کی سختی کسی کو محسوس نہیں ہوئی۔ ماشاء اللّٰہ والحقیقة عند اللہ یہ سطور کافی نقاہت کی حالت میں لکھے گئے۔

مکتوباتِ قدسیہ :

مکتوبات قدسیہ (حضرت مولانا شمس الحق افغانی کے مکاتیب) کے لئے آپ کی انتظار بجا سہی لیکن اپنی مجبوری بھی اختیار میں نہیں۔ پہلے ہی مکتوب پر چند سطریں لکھیں، اب غالباً دو ہفتہ سے ہمت اور فرصت دونوں سدِ سکندری بنے ہوئے ہیں۔ جنت البقیع مبارک کی کسی قبر مبارک سے بچھو کے واقعہ پر کچھ عرض کرنا ضروری سمجھ کر قلم کو ہاتھ میں لیا۔ ۲ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ جمعہ کو یہاں تک لکھا، نہ معلوم کب تک پہنچ سکوں۔

جنت البقیع میں بچھو کا مسئلہ :

عرض ہے ہم گنہ گاروں کا بقیع کے بچھو سے ڈرنا کیا ضروری ہے۔ جناب کاتب کا خوفِ خداوندی کے غلبہ سے رونا قابل صد تحسین ہے اور پھر آپ کی ان سے ہمنوائی میں متاثر ہونا بھی باعث تبریک سہی لیکن یہ کسی کافر منافق اور فی زمانہ کے کسی ملحد زندیق کی قبر کا بچھو ہوگا۔ کیا دجال کے علاوہ کسی کافر کا مدینہ منورہ میں داخلہ تکوینی طور پر کسی آیت سے ثابت ہے۔ دجال کی رفاقت کے لئے زلازل کا آنا خود اس کی دلیل ہے کہ اس وقت تک کافر بصورتِ نفاق والحال بصورتِ الحاد وزندقہ مدینہ پاک میں سکونت کر رہے ہوں گے اور خود دورِ مبارک میں تو آیت وَ مِنْ اَھْلِ الْمَدِیْنَةِ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ (التوبہ: ۱۰۱) (اور کچھ مدینے والوں میں ایسے منافق ہیں کہ نفاق پر اڑے ہوئے ہیں) اور وَاٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِھِمْ لَا تَعْلَمُوْنَھُمْ اَللّٰہُ یَعْلَمُھُمْ (الانفال: ۶۰) (اور ان کے سوا اوروں کو بھی، جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ انہیں خوب جان رہا ہے) سے ثابت ہے اور یہ لوگ وہاں مرتے بھی ہوں گے اور وہیں صورتِ اسلام کی وجہ سے دفن بھی کئے گئے ہوں گے۔ ہاں تشریعی طور پر ان کا داخلہ ممنوع سہی لیکن یہ تو ہم کمزور مسلمانوں کا قصور ہے کہ

ان کو نکالنے میں کوتاہی کریں اور آج کل کی عام بیماری ہیضہ اتحاد میں نہ صرف اس کو حرام نہیں بلکہ باعث حفاظت بھی کہتے رہیں۔

حقانی صاحب! کیا رئیس المنافقین کی قبر اسی پاک شہر کے کسی گوشہ میں نہیں رکھی گئی ہوگی۔ کسی اعرابی کے بیعت توڑ دینے اور پھر بھاگ جانے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد سے عموم کا حکم غالباً کسی نے بھی نہیں لگایا ہوگا کہ کوئی کافر یہاں نہ رہ سکے گا۔

خاکِ یثرب میں دفن ہونے کی آرزو :

اگر گنہگاروں کو وہیں دفن ہونے پر عذابِ برزخ سے چھٹکارے کی امید اور بہت ہی بڑی امید نہ ہو تو وہ وہیں دفن ہونے کی رو رو کر کیوں دعائیں کرتے رہے ہیں۔ شاعر مشرق کے اس مصرعہ کو کہ ......

ع میں موت چاہتا ہوں زمین حجاز میں

اگر صرف شاعری بھی کہہ دیا جاوے تو سیدنا امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کا نفلی حج پر نہ جانے کی وجہ کیا یہی نہیں کہی جاتی کہ کہیں مدینہ پاک سے باہر دفن نہ ہونا پڑے۔

کیا وہ اپنے آپ کو معصوم سمجھتے تھے۔ معصومین کو یہاں دفن ہونے کی زیادہ ضرورت ہے یا ماوشما مذنبین (گنہ گاروں) کو۔

اچھا سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد بھی جو تقریباً بتواتر ثابت ہے کہ "اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃَ فِیْ سَبِیْلِکَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ نَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّم" (اے اللہ مجھے شہادت دے اپنے راستے میں اور میرے موت مقرر کر واپنے حبیب کے شہر میں) کسے معلوم نہیں۔ اگر صرف روحانی زیارت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ کی مقصود تھی تو وہ تو ...... ع بعد منزل نبود در سفر روحانی ...... سے بھی ہوسکتی تھی۔ مدینہ پاک میں دفن سے یہی تو امیدیں ہیں کہ اب ان شاء اللہ گناہوں کے باوجود عذاب برزخ سے محفوظ رہیں گے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا اعترافِ ذنوب (و لو بالصغائر عند اللہ) آپ کو یقیناً معلوم ہوگا۔ موت کے خوف سے حضرت کیوں رو رہے ہو؟ کے جواب میں آپ کا ارشادِ گرامی

ہے............

مَالِیْ حَذَارَ الْمَوْتِ اِنِّیْ مَیِّتٌ
وَلٰکِنَّ حَذَارَ الذَّنْبِ یَتْبَعُھَا ذَنْبٌ
ظَلُوْمٌ لِنَفْسِیْ غَیْرَ اَنِّیْ مُسْلِمٌ
اُصَلِّیْ الصَّلَوَاتِ کُلَّھَا وَ اَصُوْمُ

نہیں ہے میرے لئے ڈرنا موت سے کہ میں مرنے والا ہوں، لیکن ڈرنا ہے گناہ سے جس کے بعد دوسرے گناہ ہوں، زیادہ ظلم کرنے والا ہوں اپنے آپ پر سوای اس کے کہ میں مسلمان ہوں، نمازیں پڑھتا ہوں سب اور روزہ رکھتا ہوں۔

حضرت نانوتویؒ کی تمنا :

پھر یہ کل کی بات ہے، حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد کیوں یاد نہ رہا کہ............

جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں
مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مور و مار

ہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ مور و مار کا غذا بننا اور بات ہے اور بچھو اور سانپ کا کاٹنا اور ڈسنا شیٔ آخر ہے۔ پہلی صورت محبوب و مرغوب و مطلوبِ عشاق ہے۔

دیکھئے مشکوٰۃ شریف کی یہ حدیث...... "کُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِیْحَ الطَّعَامِ وَھُوَ یُؤْکَلُ" (جب کھانا کھایا جاتا تو ہم اس کھانے کی تسبیح پڑھنا بھی سنا کرتے تھے) کسی صحابی کی غذا بننے پر لقمہ طعام کو کتنی خوشی ہو رہی ہے یہی حضرتِ قاسم نانوتویؒ کی تمنا ہے اور دوسری بات قابل صد استعاذہ ہے۔ وَ اَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اَمُوْتَ مُدْبِراً او لدِیْغاً اَوْ کَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ مجھے موت آئے اس حالت میں کہ میں میدانِ جنگ سے پیٹھ پھرنے والا ہوں یا (سانپ بچھو وغیرہ) کا ڈسا ہوا ہوں)

خاکِ مدینہ :

خاکِ مدینہ منورہ کے متعلق مَنْ مَاتَ فِیْ اِحْدَی الْحَرَمَیْنِ بَعَثَهُ اللّٰهُ مِنَ الآمِنِیْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مشکوٰۃ شریف میں موجود ہے۔ من مات میں مذنبین بھی شامل ہیں۔ بین السطور من الفزع الاکبر کے ساتھ اور من کل کدورة بھی لکھا گیا ہے۔ یوم القیامة کے ساتھ من مات فقد قامت قیامته (جو مر گیا اس کی تو قیامت قائم ہوگئی) کا خیال رہے تو برزخ کو بھی شامل ہے۔

اسی میں یہ بھی ہے کہ ما علے الارض بقعة احب الی ان اکون قبری بها منها (کہ آپؐ نے مدینہ منورہ کے متعلق یہ بھی فرمایا کہ دنیا میں مجھے اپنی قبر کے لئے مدینہ شریف سے کوئی دوسری جگہ زیادہ محبوب اور پیاری نہیں ہے)

اصلاحِ کتاب :

ایسی ترغیبات کے ہوتے ہوئے ہم گنہ گاروں کو کسی قبر کے کسی بچھو کا واقعہ بالخصوص مطالعہ کرانا اپنی ناقص خیال میں نہیں آیا۔ کتاب میں ضمناً آجانا تو ایک بات ہے اور ناچیز کا مشورہ تو یہی ہے کہ وہاں بھی اس واقعہ پر یہ حاشیہ لگا دینا چاہیئے کہ یہ کسی کافر، منافق، ملحد اور زندیق کی قبر کا بقایا ہوگا۔

بنیادی عقائد کے انکار کا وبال :

اور اسی تاکید کے ساتھ کہ یہاں بنیادی عقائد کے انکار کرنیوالوں کو جلد از جلد توبہ کر لینی چاہیئے۔ جن میں حضرت حق جل مجدہ کی ذات وصفات میں کسی مخلوق کو ولو کان ملکاً او نبیاً مرسلاً (اگرچہ وہ فرشتے یا نبی اور رسول کیوں نہ ہوں) شریک کرنا، قیامت رسالت یا ختم نبوت میں شک وتردد کرنا بھی شامل ہے اور اسی طرح صحابہ کرام علیہم الرضوان کی عظمت اور بزرگی بالخصوص عشرہ مبشرہ اور بالاخص خلفاء راشدین یارانِ اربعہ ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم کی جنتی ہونے کا انکار کرنا بھی شامل ہے ورنہ شدید خطرہ ہے۔ یوں کہہ سکتے ہیں کہ خاک پاک مدینہ مثل الشہادۃ ہے یمحی السیئات لا النفاق والالحاد (کہ غلطیوں اور گناہوں کو تو مٹا دے گی نہ کہ منافقت اور الحاد وبے دینی کو)

جوارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی برکتیں :

ہاں عذابِ قبر سے حفاظت کے جتنے اسباب ہیں ان میں سب سے اقوی صحیح العقیدہ مسلمان کے لئے تو جوارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ہی ہونا چاہیئے۔

قصیدہ بردہ کے اشعار :

قصیدہ بردہ کے یہ مبارک اشعار تو ورِدِ زبان رہنے چاہیئے، نہ معلوم کیوں بروقت آپ کو یاد نہ رہے۔

حَاشَاهُ اَنْ یُّحْرَمَ الرَّاجِیْ مَکَارِمَهٗ اَوْ یَرْجِعَ الْجَارُ مِنْهُ غَیْرَ مُحْتَرَمٖ

اور حاشا یہ کہ آپ کا امیدوار بخششوں کا محروم رہے یا پناہ لینے والا یوں ہی الٹا پھرے بے توقیر

وَ لَنْ یَّفُوْتَ الْغِنٰی مِنْهُ یَداً تَرِبَتْ اِنَّ الْحَیَا یُنْبِتُ الْاَزْهَارَ فِیْ الْاَکَمٖ

اور ہرگز بے نیازی فوت نہ ہوگی، اس ہاتھ کی جو خاک پر پہنچا جس نے وسیلہ آپ کا لیا کیونکہ مینہ ٹیلوں پر سبزہ پیدا کرتا ہے۔

یَا اَکْرَمَ الْخَلْقِ مَالِیَ مَنْ اَلُوْذُ بِهٖ سِوَاکَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمٖ

اے تمام مخلوق سے بزرگ تر آپ کے سوا میرا کوئی ایسا نہیں جس سے پناہ چاہوں حادثۂ عام کے نازل ہونے میں۔

مَا سَامَنِی الدَّهْرُ ضَیْمًا وَّاسْتَجَرْتُ بِهٖ اِلَّا وَنِلْتُ جِوَاراً مِّنْهُ لَمْ یُضَمٖ

مجھ پر زمانہ نے جب کبھی رنج وخواری سے ستم کیا اور میں نے آپ کی پناہ لی فوراً حمایت میں آ گیا اور اس کے ستم سے بچ گیا۔

اے فخر نوح کیا کہیں پوچھے اگر کوئی
کشتی یہ ڈوبتی ہوئی کس ناخدا کی ہے

بہر حال ڈرائیں نہیں بلکہ بخلوصِ قلب دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ ایمان وادب کے ساتھ وہیں کی خاکِ پاک کا شرف عطا فرماویں۔ آمین ثم و ثم۔

ناکارہ عبدالکریم غفرلہ ولوالدیہ (۱۴ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ)

خوشبو تحفۂ رحمت ہے :

فانه خرج من الجنة...... شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ لکھتے ہیں ،ولعل المراد ان اصل الطيب من الجنة فكل ريح طيب يذكر بالجنة و يشوق اليها و يرغب فى الاعمال الصالحة (اتحافات ص ۲۶۸) (اور شاید کہ اس سے مراد یہ ہو کہ خوشبو کی اصل اور بنیاد جنت میں سے ہو پس ہر اچھی خوشبو جنت کی یاد اور شوق دلا کر اعمالِ صالحہ کی ترغیب پر ابھارتی ہے)

ظاہر ہے کہ جس چیز کی اصل جنت سے آئی ہو وہ رحمت ہوا کرتی ہے ۔لہٰذا تحفۂ رحمت یا ہدیۂ رحمت کو رد نہیں کرنا چاہئے ۔علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں یعنی اصل الطيب من الجنة و خلق الله الطيب فى الدنيا ليذكر العباد بطيب الدنيا طيب الآخرة و يرغبون فى الجنة و يزيدون فى الاعمال الصالحة ليصلوا بسببها الى الجنة (جمع ج۲ص۷) (کہ خوشبو کا اصل و منبع جنت سے ہے اور دنیا میں اللہ تعالیٰ نے خوشبو کو اس لئے پیدا کیا کہ اس دنیاوی خوشبوؤں کی وجہ سے آخرت کی خوشبوئیں یاد دلائیں اور یہ لوگ جنت کی رغبت اور اعمالِ صالحہ میں زیادتی کے سبب جنت تک رسائی حاصل کریں)۔

(۲۱۴/۶) حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ اِسْمٰعِيلَ بْنِ مُجَالِدِ بْنِ سَعِيدِ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا اَبِىْ عَنْ بَيَانٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِىْ حَازِمٍ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ عُرِضْتُ بَيْنَ يَدَىْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَاَلْقٰى جَرِيْرٌ رِدَآءَهٗ وَمَشٰى فِىْ اِزَارٍ فَقَالَ لَهٗ خُذْ رِدَآءَكَ فَقَالَ عُمَرُ لِلْقَوْمِ مَارَاَيْتُ رَجُلًا اَحْسَنَ صُوْرَةً مِنْ جَرِيْرٍ اِلَّا مَابَلَغَنَا مِنْ صُوْرَةِ يُوْسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ ۔

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عمر بن اسمٰعیل بن مجالد بن سعید ہمدانی نے بیان کی ۔وہ کہتے ہیں کہ ہم کو میرے والد نے بیان کے واسطہ سے بیان کی ۔انہوں نے یہ روایت قیس بن ابی حازم سے روایت کی اور انہوں نے جریر بن عبداللہ بجلیؓ سے سُنی جو کہ صحابی رسول ہیں ۔جریر بن عبداللہ بجلی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں (معائنہ کے لئے) پیش کئے گئے ،انہوں نے چادر اتار کر صرف لُنگی میں چل کر اپنا امتحان کرایا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چادر لے لو(معائنہ ہو چکا) پھر قوم

کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ میں نے جریر سے زیادہ خوبصورت کبھی کسی کو نہیں دیکھا، سوائے حضرت یوسف علیہ السلام کی صورت کے جیسا کہ ہم تک پہنچا۔

راویان حدیث (۴۸۲) عمر بن اسماعیل الھمدانیؒ (۴۸۳) ابی اسماعیل الھمدانی ابوعمر الکوفیؒ (۴۸۴) بیان (۴۸۵) قیس بن ابی حازم اور (۴۸۶) جریر بن عبداللہؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت :

شمائل کے بعض نسخوں میں یہ حدیث نہیں ہے۔۔۔ **وقال میرک و لعله من ملحقات بعض النساخ سهواً** (جمع ج۲ ص۲) (ملا میرکؒ فرماتے ہیں کہ شاید یہ حدیث ملحقاتِ کاتبین میں سے ہو) کیونکہ بظاہر اس حدیث کی ترجمۃ الباب سے کوئی مناسبت بھی نہیں ہے، تاہم شارحینِ حدیث نے وجہ مناسبت لکھی ہے اور وہ صرف اتنی ہے کہ ہر خوبصورت آدمی خوشبو کو پسند اور استعمال کرتا ہے، اگرچہ وہ خوشبو ہر کسی پر ظاہر نہ ہو۔

البتہ وہ لوگ جن کے حواس کدورات سے پاک وصاف ہوتے ہیں، وہ اس خوشبو کا ادراک کر لیتے ہیں، جیسے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے وجود کی خوشبو کو حضرت یعقوب علیہ السلام نے دور مسافت سے سونگھ لیا **انی لاجد ریح یوسف** (کہ میں تو حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو محسوس کرتا ہوں) لہٰذا حضرت جریرؓ کی خوبصورتی میں بھی خوشبو کا حصہ ہے۔ گویا اس روایت کو ترجمۃ الباب کے ساتھ التزامی مناسبت ہے۔

علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، **ولا یخفٰی مافیه من التکلف بل التعسف والاقرب ان یتصرف فی عنوان الباب بزیادة و حسن صورة الاصحاب و عرضهم علی ابن الخطاب واللہ اعلم بالصواب** (جمع ج۲ ص۹) (اور اس میں جو تکلف اور تعسف ہوا (یعنی غیر واضح توجیہ اختیار کرنے میں جو تکلف ہوا) وہ مخفی نہیں ہے اور زیادہ قریب توجیہ یہ ہے کہ باب کے عنوان میں تصرف کرکے یہ زیادتی کی جائے کہ **حسن صورة الاصحاب وعرضهم علی ابن الخطاب**

حضرت جریر کا معائنہ :

عرضت بین یدی عمر بن الخطاب حضرت جریر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر بن الخطابؓ کے سامنے پیش کیا گیا، جیسے سپاہیوں کو امیر لشکر کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تاکہ وہ ان کی جسمانی اہلیت جاننے کے لئے معائنہ کریں، جو معیار پر پورا اتریں، انہیں لے لیں اور جو معیار پر پورا نہ اتریں انہیں واپس کردیں۔ او ھو للبناء للمفعول ای عرضنی علیه من ولاہ ذلک لینظر فی قوتی و جلادتی علی القتال (جمع ج۲ص۸) (عرضت فعل مجہول کے صیغے پر) یعنی حضرت عمرؓ نے جس کو معائنہ کا متولی بنایا تھا اس نے مجھے آپؓ کے سامنے اس لئے پیش کیا کہ حضرت عمرؓ میری قوت ِمضبوطی اور جنگ پر صبر واستقلال کا ازخود ملاحظہ فرمالیں) اس موقع پر حضرت جریر نے چادر اتاردی اور صرف تہبند میں جسمانی ساخت کا معائنہ کرایا، قدرے چلے تو حضرت عمرؓ نے ان کے جسم کی ساخت سینہ، کندھے، چال ڈھال اور رفتار ملاحظہ فرمائی۔ انه فعل ذلک جریر اظهاراً لقوته و تجلده فی شجاعته (جمع ج۲ص۸) (جریرؓ نے اپنا معائنہ مذکورہ طریقہ پر اس لئے کرایا تاکہ حضرت عمرؓ پر آپ کی بہادری اور زور وقوت کا ظہور ہوجاوے) تب حضرت عمرؓ نے فرمایا 'خذ ردآءک' یعنی چادر اوڑھ لو تمہارے جسم کا معائنہ ہو چکا ہے ای و اترک مشیک فانه قد ظهر امرک (جمع ج۲ص۸) (اور اپنی یہ چال ڈھال چھوڑ دے کہ آپ کا معائنہ اب مکمل ہو چکا ہے)

حضرت جریرؓ کی خوبصورتی :

اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے حاضرین کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا ما رایت رجلاً احسن صورۃ من جریر میں نے آج تک جریر سے قدوقامت ، جسم واندام، ساخت اور وضع قطع اور حسن و جمال میں بڑھ کر کسی دوسرے کو نہیں دیکھا۔

جمالِ محمدؐ اور حسنِ یوسفؑ :

الا ما بلغنا من صورت یوسف الصدیق علیه السلام پھر حضرت عمرؓ فرمانے لگے کہ اپنی

معلومات کی حد تک حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق جو سنا تھا بس وہی ہیں جو حسن و جمال میں ان سے بڑھ کر ہو سکتے ہیں۔ یہاں یہ اشکال نہ کیا جائے' حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت یوسف علیہ السلام کا استثناء تو کیا لیکن جمالِ محمدؐ کا تذکرہ نہ کیا حالانکہ آپ تو خلاصۂ کائنات تھے، حسن و جمال کا مرقع اور جسم ،قد و قامت اور ساخت و وضع میں تمام نسل انسانی میں معتدل اور متوازن ترین خوبصورت شخصیت کے مالک تھے۔ حضرات محدثینؒ جواب میں فرماتے ہیں' **وسكت سيدنا عمر عن جمال النبي محمد صلى الله عليه وسلم و ذكر جمال يوسف ' لأن جمال نبينا فوق كل جمال ولايقاس به اي جمال** (اتحافات ص ۲۶۹) (اور حضرت عمرؓ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے جمال کا تذکرہ کر کے آپؐ کے حسن و جمال کے بیان کرنے سے اس لئے خاموشی اور سکوت فرمایا کیونکہ ہمارے نبی کریم ﷺ کی خوبصورتی اور جمال جملہ خوبصورتیوں پر فوقیت رکھتا ہے اور اس پر کسی خوبصورتی کو قیاس نہیں کیا جاسکتا)

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں **و قال بعض المحققين ان جمال نبينا صلى الله عليه وسلم كان في غاية الكمال و ان من جملة صفائه و كثرة ضيائه على ماروى ان صورته كان يقع نورها على الجدار بحيث يصير كالمرأة يحكي ما قابله من مرور المار لكن الله ستر عن اصحابه كثيرا من ذلك الجمال الزاهر والكمال الباهر اذ لو برز اليهم لصعب النظر اليه عليهم** (جمع ج ۲ ص ۹) (اور بعض محققین یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کا حسن و جمال بے حد اور انتہائی درجہ کمال میں تھا اور آپ ﷺ کے حسن و جمال کی صفائی کی روشنی کی ایک معمولی سی جھلک کا اندازہ اس روایت سے کیا جاسکتا ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کا نور جب آئینہ کی مانند دیوار پر پڑتا تو اس کے برتاؤ میں سامنے کی چیزیں اور گزرنے والوں کی شکلیں صاف نظر آجاتی تھیں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے صحابہؓ سے بارہا ان کے حسن و جمال کی رونق اور خوشنمائی کو اس لئے پوشیدہ اور چھپائے رکھا کہ اگر ان پر آپؐ کے حسن و جمال کی خوبصورتی اور چمک دمک ظاہر کردی جاتی تو پھر آپؐ کی طرف دیکھنا بھی مشکل ہوجاتا)

==========================

بَابُ كَيْفَ كَانَ كَلَامُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب ! اس بیان میں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کیسی گفتگو فرماتے تھے

باب کیف ای علی ایّ صفة کان کلام رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔
درحقیقت یہاں پر مضاف الیہ مقدر ہے ای باب جواب کیف کاَن کلام رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم (مناوی ص۹)

لفظ کلام کی بحث :

کلام اسم مصدر ہے، بمعنی تکلّم کے یا بمعنی ما یتکلم به (جس چیز کے ساتھ بات کی جائے) کے اور اگر دونوں معانی مراد لئے جائیں تب بھی درست ہے۔ ویصح ارادة کل منھما ھنا اذ یلزم من بیان کیفیة التکلم بیان کیفیة مایتکلم به و بالعکس (مواہب ص۱۶۰) (اور یہاں دونوں معانی کا ارادہ بھی کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ تکلم کی کیفیت کے بیان سے جس چیز کے ساتھ تکلم کیا جائے کی بیانِ کیفیت خود بخود معلوم ہو جاتی ہے) اس بات میں حضور اقدس ﷺ کے اندازِ گفتگو کا بیان ہے کہ آپؐ کا بیان اور طرزِ بیان کیا تھا، الفاظ کتنے متناسب اور موزون تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ فصاحت و بلاغت اور عربی ادب کو آپؐ پر ناز تھا اور کیوں نہ ہوتا کہ آپؐ کی گفتگو بھی تو وحی الٰہی تھی۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم:۳،۴) (اور نہیں بولتا خواہش اپنی نہیں وہ مگر وحی کہ بھیجی جاتی ہے)

حدیثِ رسول ﷺ کا شغل رکھنے والے جانتے ہیں کہ آپ ﷺ کے کلام میں کس قدر محبوبیت ہے ....

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد   بسا کیں دولت از گفتار خیزد

اس باب میں مصنفؒ نے تین احادیث درج فرمائی ہیں۔

(۱/۲۱۶) حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ الاَسْوَدِ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ مَاكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْرُدُ سَرْدَكُمْ هٰذَا وَ لٰكِنَّهُ كَانَ يَتَكَلَّمُ بِكَلَامٍ بَيِّنٍ فَصْلٍ يَحْفَظُهُ مَنْ جَلَسَ اِلَيْهِ۔

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث حمید بن مسعدہ بصری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے حمید بن اسود نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت اسامۃ بن زید سے اور انہوں نے زہری سے روایت کی۔ انہوں نے یہ روایت عروۃ سے سُنی، جنہوں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی گفتگو تم لوگوں کی طرح سے لگا تار جلدی جلدی نہیں ہوتی تھی بلکہ صاف صاف ہر مضمون دوسرے سے ممتاز ہوتا تھا۔ پاس بیٹھنے والے اچھی طرح ذہن نشین کر لیتے تھے۔

راویان حدیث (۴۸۷) حمید بن مسعدۃؒ اور (۴۸۸) اسامہ بن زیدؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

شیرینی گفتار :

قالت ما کان رسول اللہ ﷺ یسرد .... **یسرد** کا معنیٰ جوڑنا' ٹانکنا' فرفر بولنا اور بلاتوقف پڑھتے چلے جانا۔ علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں **یسرد ای فی کلامہ والمعنی لم یصل بعضہ ببعض بحیث لا یتبیّن بعض حروفہ لسامعہ** (جمع ج۲ ص۱۰) (یعنی آپؐ لگا تار گفتگو نہ فرماتے تھے مطلب یہ کہ آپ ﷺ اپنی گفتگو میں ایسا خلط ملط نہ فرماتے جس سے سننے والے کو بعض حروف سمجھ میں نہ آسکیں)

بیّن کا معنیٰ واضح اور ظاہر۔ **فصل** یہ بیّن کی تاکید ہے۔ **والمراد بہ انہ کلام فاصل بین الحق والباطل** (جمع ۲ص۱۰) (اور فصل سے مراد ایسا کلام جو حق و باطل کے درمیان امتیاز اور حدِ فاصل ہو) معنیٰ ظاہر ہے کہ سرور عالم ﷺ کی گفتگو میں سکون' اطمینان' تسلی اور تشفی ہوا کرتی تھی۔ اپنی بات واضح

طور پر سمجھاتے، گفتگو میں ٹھہراؤ ہوتا، ٹھہر ٹھہر کر کلام فرماتے۔ حاضرین آپ ﷺ کی سنجیدہ، حکیمانہ اور میٹھی گفتگو بہ آسانی سمجھ کر یاد کرلیا کرتے تھے ۔ یحفظه من جلس اليه . وفي الجامع الصغير أحبوا العرب لثلاث لأني عربي ، والقرآن عربي و كلام اهل الجنة عربي رواه الطبراني والبيهقي عن ابن عباس (جامع صغیر میں طبرانی اور بیہقیؒ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عرب لوگوں سے تین وجوہ سے محبت کیا کرو۔ اس لئے کہ میں عربی ہوں اور قرآن مجید عربی میں ہے اور جنت والوں کی گفتگو بھی عربی ہوگی)

حافظ ابن حجر کا ارشاد :

قال ابن حجر كان رسول الله ﷺ افصح الخلق لسانا ، واعذبهم كلاماً واسرعهم رداً واحلاهم منطقاً و احلهم جناناً ، و اوضحهم بياناً ، كيف و لسانه أعظم سيف من سيوف الله بين عنه مراده ، و يقصم بساطع نوره حجج المبطلين ، ويهدى الله به عباده (اتحافات ص ۲۷۰) (ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ سب مخلوق میں خوش بیانی کے لحاظ سے فصیح ترین اور گفتگو میں زیادہ شیرین اور جواب دہی میں حاضر جواب تھے ان کا بیان انتہائی واضح اور دلوں پر زیادہ اثر انداز ہوتا تھا اور کیوں نہ ہو جبکہ آپ ﷺ کی زبان مبارک اللہ کی تلواروں میں ایک بڑی تلوار تھی کہ اس کے ذریعہ اپنے مقصد اور مراد کو واضح کیا اور نور کی بلندی اور پھیلاؤ سے اہل باطل کے دلائل کو توڑ دیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ اپنے بندوں کو ہدایت سے سرفراز فرمایا)

صحیحین میں سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ اس قدر تسہیل، ٹھہراؤ اور میٹھا بولتے تھے کہ اگر کوئی سامع آپ ﷺ کے الفاظِ گفتگو گننا بھی چاہتا، تو وہ اس میں کامیاب ہو جاتا لو عدّہ العادّ لأحصاه (جمع ج۲ ص۱۱)

(۲/۲۱۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا اَبُوْقُتَيْبَةَ سَلْمُ بْنُ قُتَيْبَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْمُثَنّٰى عَنْ ثُمَامَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعِيْدُ الْكَلِمَةَ ثَلَاثًا لِتُعْقَلَ عَنْهُ ۔

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث محمد بن یحییٰ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے قتیبہ نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت عبداللہ بن مثنیٰ سے سُنی۔ انہوں نے اسے ثمامہ سے روایت کیا۔ جنہوں نے اسے خادمِ رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (بعض مرتبہ) کلام کو (حسبِ ضرورت) تین تین مرتبہ دہراتے تاکہ آپؐ کے سننے والے اچھی طرح سمجھ لیں۔

راوی حدیث (۴۸۹) ابوقتیبہ سلم بن قتیبہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

حضور اقدس ﷺ کا تین مرتبہ کلام دہرانا :

قال کان رسول اللہ ﷺ یعید الکلمۃ ثلثا لتعقل عنہ حضور اقدس ﷺ کا تین مرتبہ ایک ایک بات کا دہرانا اپنی امت پر کمال درجہ کی شفقت سے تھا، تاکہ صحابہ کرامؓ آپؐ کے ارشادات' احکام اور اوامر اور ہدایات کو ذہن نشین کر کے حفظ کر لیں اور امت مرحومہ تک پہنچا دیں۔ حدیث میں لفظ الکلمۃ سے مراد کلمہ ٔ مفردہ جملہ ٔ قصیرہ اور الطّویلہ تینوں مراد لئے جا سکتے ہیں۔ تطلق علی کلمۃ المفردۃ ' والجملۃ القصیرۃ والطویلۃ (اتحافات ص۲۷۲) شفیقِ انسانیت ﷺ کی گفتگو نہایت ہی دلجمعی، اطمینانِ قلب اور بھرپور توجہ کے ساتھ ہوتی۔

تکرارِ کلام کیوں ؟

تکرار کی وجہ بھی یہی تھی تاکہ ادنیٰ، اوسط اور اعلیٰ سب آپ ﷺ کے کلام سے برابر مستفید ہو سکیں۔ تین مرتبہ غایت اکثر یہ ہے، ورنہ ایک مرتبہ یا دو مرتبہ سے بھی اگر مقصد حاصل ہو جاتا، تو اسی پر اکتفا فرما لیتے۔ علامہ مناویؒ فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ بات کو دہرانا آخری درجہ ہوتا اس کے بعد پھر اسی بات کو نہ دہراتے۔ ان الثلاثۃ غایۃ و بعدہ لا مراجعۃ (مناوی ص۱۱)

یہ تکرار کلام بھی تب ہوتی، جب سامعین کی کثرت ہوتی اور مجلس میں مختلف الاذھان حاضرین موجود ہوتے یا کبھی ایسا ہوتا کہ بعض الفاظ یا ارشاد سامعین پر مختلط ہو جاتا اور وہ مراد حاصل نہ کر پاتے تو آپؐ اس جملہ کا تکرار فرما دیتے و لعل التکرار کان حین یدعو الی ذلک حاجۃ (اتحافات ص۲۷۲)

)(اور آپؐ کلام میں تکرار بھی حسب ضرورت کیا کرتے)الشیخ ابراہیم البیجوریؒ لکھتے ہیں والمراد انه كان يكرر الكلام ثلاثاً اذا اقتضى المقام ذلك لصعوبة المعنىٰ او غرابته او كثرة السامعين لادائما فان تكرير الكلام من غير حاجة لتكريره ليس من البلاغة (مواہب ص۱۶۱)(اور مطلب یہ کہ حضور علیہ کا بات کو تین بار دہرانا بھی اس وقت ہوتا کہ جب کلام کا معنیٰ مشکل یا اس میں کوئی غرابت (اجنبیت وغیرہ) ہوتی اور یا پھر سننے والوں کی کثرت نہ کہ دائمی طور پر اس لئے کہ کلام کو بلاضرورت مکرر لانا علمِ بلاغت کے اصول میں سے نہیں) وحمله على ما اذا عرض للسامعين نحو لغط فاختلط عليهم فيعيده لهم ليفهموه او علىٰ ما اذ كثر المخاطبون فيلتفت مرة يميناً و اخرىٰ شمالا ليسمع الكل (مناوی ص۱۱)(علامہ مناویؒ فرماتے ہیں اور اس کا حمل کرنا اس صورت پر کہ سامعین کو شور وغیرہ پیش ہونے سے چونکہ ان پر گفتگو خلط ملط ہوگئی پس اس کلام کو اس لئے دہرایا کہ وہ سمجھ جائیں یا چونکہ مخاطبین کثیر تعداد میں تھے تو آپؐ کبھی دائیں طرف متوجہ ہوتے اور پھر بائیں طرف متوجہ ہوکر وہی کلام مکرر دہراتے تاکہ سب سن لیں (تو اس توجیہ کو عصام نے رد کیا ہے لیکن شارحؒ نے بھی اسے تسلیم نہیں کیا)۔

نیز امام مناویؒ نے آپؐ کے تکرارِ کلام کی مزید حکمتیں بھی لکھی ہیں وحكمته ان الاولىٰ للاسماع والثانية للوعى والثالثة للفكر او الاولىٰ اسماع والثانية تنبيه والثالثة امر (مناوی ص۱۱)(فرماتے ہیں کہ آپؐ کے تکرار کلام کی علت اور حکمت یہ ہے کہ پہلا کلام تو سنانے کے لئے اور دوبارہ تکرار اس کے محفوظ کرنے کے لئے اور تیسری بار اس میں غور وفکر کرنے کے لئے یا پھر پہلی بار تو سنانے کے لئے اور دوسری بار تنبیہ کے لئے اور تیسری بار حکم کے لئے)

مبلغ، واعظ اور مدرس کے لئے ہدایات :

لتعقل عنه ! یہ حضور اقدس علیہ کے کمالِ حسن خلق، کمال شفقت وعنایت اور رحمت علی الخلق کی دلیل ہے هذا دليل على كمال حسن الخلق والشفقة والمرحمة على الخلق (جمع ج۲ ص۱۱) لہٰذا ایک مبلغ، واعظ اور مدرس کو بھی چاہئے کہ اپنی گفتگو میں تسہیل اور تکرار رکھے تاکہ سامعین اس کی بات

کو اچھی طرح سمجھ کر یاد کر لیں اور عمل کر سکیں۔ ویوخذ من الحدیث ان المعلم یتأنی فی القائه الموعظة لیفهمها السامعون (اتحافات ص۲۷۱)

(۳/۲۱۸) حَدَّثَنَا سُفْیَانُ بْنُ وَکِیْعٍ اَنْبَانَا جُمَیْعُ بْنُ عَمْرِو بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْعِجْلِیُّ حَدَّثَنِیْ رَجُلٌ مِنْ بَنِیْ تَمِیْمٍ مِنْ وُلْدِ اَبِیْ هَالَةَ زَوْجِ خَدِیْجَةَ یُکْنٰی اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنٍ لِاَبِیْ هَالَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ قَالَ سَاَلْتُ خَالِیْ هِنْدَ بْنَ اَبِیْ هَالَةَ وَ کَانَ وَصَّافًا قُلْتُ صِفْ لِیْ مَنْطِقَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُتَوَاصِلَ الْاَحْزَانِ دَائِمَ الْفِکْرَةِ لَیْسَتْ لَهٗ رَاحَةٌ طَوِیْلُ السَّکْتِ لَایَتَکَلَّمُ فِیْ غَیْرِ حَاجَةٍ یَفْتَتِحُ الْکَلَامَ وَیَخْتِمُهٗ بِاَشْدَاقِهٖ وَ یَتَکَلَّمُ بِجَوَامِعِ الْکَلِمِ کَلَامُهٗ فَصْلٌ لَا فُضُوْلَ وَلَا تَقْصِیْرَ لَیْسَ بِالْجَافِیْ وَلَا الْمُهِیْنِ یُعَظِّمُ النِّعْمَةَ وَاِنْ دَقَّتْ لَا یَذُمُّ مِنْهَا شَیْئًا غَیْرَ اَنَّهٗ لَمْ یَکُنْ یَذُمُّ ذَوَاقًا وَلَا یَمْدَحُهٗ وَلَا تُغْضِبُهُ الدُّنْیَا وَلَا مَاکَانَ لَهَا فَاِذَا تُعُدِّیَ الْحَقُّ لَمْ یَقُمْ لِغَضَبِهٖ شَیْءٌ حَتّٰی یَنْتَصِرَ لَهٗ وَلَا یَغْضَبُ لِنَفْسِهٖ وَلَایَنْتَصِرُ لَهَا اِذَا اَشَارَ اَشَارَ بِکَفِّهٖ کُلِّهَا وَاِذَا تَعَجَّبَ قَلَبَهَا وَاِذَا تَحَدَّثَ اتَّصَلَ بِهَا وَ ضَرَبَ بِرَاحَتِهِ الْیُمْنٰی بَطْنَ اِبْهَامِهِ الْیُسْرٰی وَاِذَا غَضِبَ اَعْرَضَ وَ اَشَاحَ وَاِذَا فَرِحَ غَضَّ طَرْفَهٗ جُلُّ ضِحْکِهِ التَّبَسُّمُ یَفْتَرُّ عَنْ مِثْلِ حَبِّ الْغَمَامِ۔

ترجمہ ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث سفیان بن وکیع نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اس کی جُمیع بن عمرو بن عبدالرحمٰن عجلی نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت بنی تمیم کے ایک آدمی ابو عبداللہ نے بیان کی جو کہ ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر ابو ہالہ کی اولاد میں سے تھا۔ اُس نے یہ روایت ابن ابی ہالہ سے روایت کی۔ وہ یہ روایت حضرت حسن بن علیؓ سے کرتے ہیں۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے جو حضور ﷺ کے اوصاف اکثر بیان فرماتے تھے عرض کیا کہ حضور اقدس ﷺ کی گفتگو کی کیفیت مجھ سے بیان فرمائیے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ (آخرت کے) غم میں متواتر مشغول رہتے۔ ہر وقت سوچ میں رہتے تھے۔ ان امور کی

وجہ سے کسی وقت آپ ﷺ کو بے فکری اور راحت نہیں ہوتی تھی، اکثر اوقات خاموش رہتے تھے۔ بلا ضرورت گفتگو نہ فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کی تمام گفتگو ابتدا سے انتہاء تک منہ بھر کر ہوتی تھی۔ جامع الفاظ کے ساتھ کلام فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کا کلام ایک دوسرے سے ممتاز ہوتا تھا نہ اس میں فضولیات ہوتی تھیں نہ کوتاہیاں کہ مطلب پوری طرح واضح نہ ہو۔ آپ ﷺ نہ سخت مزاج تھے نہ کسی کی تذلیل فرماتے تھے۔ اللہ کی نعمت خواہ کتنی ہی تھوڑی ہو، اس کو بہت بڑا سمجھتے تھے۔ اس کی مذمت نہ فرماتے تھے۔ البتہ کھانے کی اشیاء کی نہ مذمت فرماتے نہ زیادہ تعریف۔ دنیا اور دنیاوی امور کی وجہ سے آپ ﷺ کو کبھی غصہ نہ آتا تھا۔ البتہ کسی دینی امر اور حق بات سے کوئی شخص تجاوز کرتا تو اس وقت آپ ﷺ کے غصہ کی کوئی شخص تاب نہ لاسکتا تھا اور کوئی اس کو روک بھی نہ سکتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ اس کا انتقام نہ لے لیں۔ اپنی ذات کے لئے نہ کسی پر ناراض ہوتے تھے نہ اس کا انتقام لیتے تھے، جب کسی وجہ سے کسی جانب اشارہ فرماتے تو پورے ہاتھ سے اشارہ فرماتے۔ جب کسی بات پر تعجب فرماتے تو ہاتھ پلٹ لیتے تھے اور جب بات کرتے تو اس کو ملا لیتے (کبھی گفتگو کے ساتھ ہاتھوں کو بھی حرکت فرماتے) اور کبھی داہنی ہتھیلی کو بائیں انگوٹھے کے اندرونی حصہ پر مارتے اور جب کسی پر ناراض ہوتے تو اس سے منہ پھیر لیتے اور بے توجہی فرماتے یا درگزر فرماتے اور جب خوش ہوتے تو حیا کی وجہ سے آنکھیں گویا بند فرما لیتے۔ آپ ﷺ کی اکثر ہنسی تبسم ہوتی تھی۔ اُس وقت آپ ﷺ کے دندانِ مبارک اولے کی طرح چمک دار سفید ظاہر ہوتے تھے۔

(صلی اللّٰہ علیه وآلهٖ : بحسب جمالهٖ و کمالهٖ)

حضرت حسن بن علیؓ سے منقول اس حدیث کا کچھ حصہ پہلے باب کی حدیث نمبر سات (۷) میں بھی نقل ہو چکا ہے۔ کچھ حصہ بعد میں بھی بیان ہوا ہے، کچھ حصہ اس روایت میں اور کچھ بعد والی روایات میں نقل ہوا ہے۔

”وصافا“ کی مراد :

وکان وصافا" ہند بن ابی ہالہ جو حضرت خدیجہؓ کے پہلے خاوند سے فرزند تھے اور اُن کے ساتھ

حضور اقدس ﷺ کی آغوشِ تربیت میں آئے تھے۔اُن کی یہ خصوصیت تھی کہ آپؓ کے گھر میں پرورش پانے اور آپ ﷺ کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس، احوال واعمال اور اوصاف کا بہت قریب سے مشاہدہ کیا تھا۔اس لئے آپ ﷺ کے اوصاف بہت واضح اور عشق ومحبت سے بیان کیا کرتے تھے۔حضور اقدس ﷺ کے ارتحال کے وقت حضرت حسنؓ کی عمر چھوٹی تھی۔لہٰذا آپ اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے آپ ﷺ کے اوصاف سنانے کا مطالبہ کیا کرتے تھے۔

یہاں وصافاً سے مراد حضور اقدس ﷺ کے حلیہ مبارک کے وصف کا بیان ہے۔ ای لحلیة النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما صرحت به الروایة السابقة اول الکتاب (مناوی ص ۱۱) (جیسے کہ کتاب کے شروع میں ایک گذشتہ روایت میں اس کی تصریح ہے)

ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے :

کان متواصل الاحزان ...... سوال تو صرف حضور اقدس ﷺ کی گفتگو سے متعلق تھا، لیکن جواب میں تفصیل ہے یہ تو حضور ﷺ سے محبت، عشق ووالہیت اور ذکرِ محبوب میں حصولِ لذت ومحبت کی اک ادا ہے کہ ع ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

اس میں امت کے محبینِ صادقین کے لئے بھی بہت کچھ سامانِ فرحت ومحبت اور بہت سے علمی فوائد کا حصول ہے جیسا کہ صاحبِ اتحافات لکھتے ہیں۔ ولکن المجیب استرسل فی الجواب واستطرد فیه، فأفادنا فوائد کثیرة (اتحافات ص ۲۷۳)

متواصل الاحزان :

متواصل الاحزان، یعنی آپ ﷺ غمِ متواتر میں مشغول رہتے تھے۔حزن سے یہ مراد نہیں کہ آپ ﷺ کو ترکِ مطلوب پر الم یا فوتِ مرغوب پر ملال ہوتا تھا کیونکہ آپ ﷺ ان چیزوں سے بری تھے لایحزن لشیء من ھذا کله (اتحافات ص ۲۷۳)

بلکہ تواصل سے مراد فکرِ اُمت کے اہتمام کا تسلسل تھا۔فروغِ دعوت کی فکر تھی اور مستقبل کے چیلنجز کے مقابلہ کے لئے امت کو تیار کرنے کی مساعی کا غم ہوتا تھا، گویا بہبودِ اُمت کی ہمہ وقتی فکر رہتی تھی

یاحزن سے مرادذات وصفات باری تعالیٰ کامشاہدہ ہےاو المراد بالحزن الهدؤ الذی یشمله ﷺ والجلال الذی یحیط به من كثرة مشاهدته لجلال الله و عظمته (اتحافات ص۲۷۳) علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں والتواصل یفید معنی الدیمومة وقد صرح بها فی المعطوفِ والحزن صفة الانبیاء قدیماً اذ هو حالة خوف وهو علی قدر المعرفة کما قال بعضهم ...... ؎

علی قدر علم المرء یعظم خوفه فلا عالم الا من الله خائف

(المواہب ص ۱۶۱)

(کہ متوصل الاحزان میں دوامِ حزن کے معنیٰ کا فائدہ ہےاوراس کی تصریح معطوف میں کردی یعنی دائم الفکرۃ کے لفظ سے ہوگئی اور یہ حزن اور متواتر غم تو انبیاء کرام علیہم السلام کی عادتِ مستمرہ قدیمہ ہی ہے اور پھران میں ہَم وحزن بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بقدر ہوتا ہے۔جیسے کہ بعض حضرات نے فرمایا انسان کے علم ہی کی مقدار پراس کے خوف کی عظمت ہوتی ہے پس کوئی عالم نہیں مگراللہ ہی سے ڈرنے والا ہوتا ہے)

ایک تعارض کا جواب :

یہ جوبظاہر متواصل الاحزان کاان روایات سےجن میں آپؐ کاوصف کان دائم البشر اوضحوک السن (کہ آپؐ ہمیشہ خندہ رواور متبسم ہوا کرتے) بیان کیا گیا ہے سے جوتعارض ہے ہمارے بیان کردہ معنیٰ سے اس کا بھی دفعیہ ہوگیا ہے۔آپؐ کادائم البشر ہونا قطعی ثابت ہےلان حزنه لایمنع إشراق جبینه ' والذین و صفوه بدوام البشر ' وصفوه به لأن اشراقه و بشره کان هادئین یلقیان بجمال النبوة و أدبها و قال بعض المحبین ...... ؎

اذا ماشرعت فی مدیحک راقنی لحسنه و استجلاله فاغیب

و یتبع بعض بعضا لارتباط و کثرته ' و الکل منه عجیب

(اتحافات ص۲۷۴)

(اس لئے کہ آپؐ کی غمگینی اورحزن آپؐ کے چہرہ کی رونق اورخوش روئی سے مانع نہ ہوتا اورجن لوگوں

نے آپ ؐ کو ہمیشہ خندہ پیشانی اور بارونق ہونے سے ہمیشہ موصوف کیا ہے وہ اس لئے کہ یہ تو آپ ؐ کی ایک عادت اور دائمی خصلت تھی جو کہ نبوت کے برتاؤ اور اچھی روِش کا نتیجہ ہوتی تھی اور بعض محبین (عشاق) حضرات کہتے ہیں کہ جب کبھی میں آپ ؐ کی مدح اور تعریف کرتا ہوں تو ان کے حسن وجلاء سے متعجب ہو کر مستغرق ہو جاتا ہوں اور مدائح بوجہ اپنی کثرت اور مربوط ہونے کے پے درپے اور مسلسل وارد ہوتے رہے اور یہ سب کچھ اس سے عجیب اور حیران کن ہے)

دائم الفكرة :

الفكرة ' العبرة من الاعتبار کی طرح الافتکار سے اسم ہے۔ الفکر' کا لغوی معنیٰ علامہ بیجوریؒ تردد القلب بالنظر و التدبر لطلب المعاني (دل کا معانی کی طلب اور تلاش میں تدبر اور سوچ میں پڑ جانا) سے کرتے ہیں اور اصطلاحی تعریف یوں نقل فرماتے ہیں ترتيب امور معلومة ليتوصل بها الى مطلوب علمي أو ظني (مواہب ص۱۶۲) (امورِ معلومہ کو ایسی ترتیب دینا جس کے ذریعہ ایک یقینی یا ظنی مطلوب اور نتیجہ تک پہنچ جائیں)

اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت' کبریائی و بے نیازی اور جلوۂ جمال میں آپ ؐ کو جو شہود تھا، اس کی وجہ سے ہر وقت تفکر میں رہتے۔ بقول شیخ ابن حجرؒ ہر وقت صنائع الٰہی میں فکر کرتے رہتے تھے۔ علامہ احمد عبدالجواد الدومی لکھتے ہیں في خلق السموٰت والارض و ادارة الملكوت العظيم و قد جاء في الخبر تفكر ساعة خير من عبادة سبعين سنة (الاتحافات ص۲۷۴) (کہ آپ ؐ اکثر اوقات آسمان و زمین کی پیدائش اور اس کائناتِ عظیمہ کو متحرک رکھنے وغیرہ میں غور و فکر فرمایا کرتے تھے اور حدیث شریف میں ہے کہ ایک لحہ کا تفکر و تدبر کرنا ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے)

ليست له راحة :

یہ دائم الفکرۃ کے لوازم سے ہے کہ آپ ؐ کو آرام نہیں ملا۔ آپ ؐ نے مکی زندگی انتہائی جہد و مشقت' محنت و مجاہدہ میں گذاری، پھر ہجرت بجائے خود ایک محنت و امتحان ہے۔ مدنی زندگی کفار کے ساتھ جہاد میں گذاری۔ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے مسلسل ہر لحہ فکر اور عمل میں رہے۔ عبادات' مجاہدات اور

ریاضت میں انہماک اس کے علاوہ تھا، دعوت و تبلیغ کے امور اس پر مستزاد۔ آرام کہاں اور راحت کیسے؟ وکیف یستریح والراحة فرع فراغ الخاطر وله الفکر المتواتر والصلاة والجهاد و التعلیم والاعتبار والاهتمام باظهار الاسلام والذب عن اهله و حماية بيضتة (مناوی ج۲ص۱۲)(اور آپؐ کیسے آرام فرما سکتے جب کہ راحت و آرام دل و دماغ کی فراغت اور اطمینان پر متفرع ہے حالانکہ حضورﷺ یا تو متواتر اور مسلسل فکر و تدبر میں مشغول ہوتے یا پھر نماز، جہاد، تعلیم و تبلیغ اور اظہارِ اسلام کے اہتمام اور اسلام و مسلمانوں کی مدافعت اور حفاظت کے امور میں فکرمند ہوا کرتے)فظاهره مشغول بذلك و باطنه موصول بذی الجلال والاکرام (اتحافات ص۲۷۴)(پس آپؐ ظاہری طور پر تو ان امور میں فکرمند اور مشغول ہوا کرتے اور باطنی طور پر اللہ تعالیٰ کی عظمت جلالت و کبریائی میں مستغرق ہوتے)

طویل السکت :

طویل السکت 'طویل خاموشی بھی دوام الفکر کے لوازم میں سے ہے لمنافاة الفکر النطق (مناوی ج۲ص۱۲)(کیونکہ غور وفکر اور تدبر بول چال کے منافی ہے)چونکہ آپؐ اکثر اللہ تعالیٰ کی قدرتوں 'اس کی عجائبِ مخلوقات 'عظمت وکمال اور دلائل و براہینِ توحید میں غور فرماتے رہتے ۔لہٰذا اکثر خاموش رہتے ، جیسے کہ ترمذی اور احمد نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے من صمت نجا (جو خاموش رہا نجات پائی)ایک دوسری روایت ہے من کان یومن بالله والیوم الآخر فلیقل خیرا او لیسکت (جو شخص اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان ویقین رکھتا ہے پس چاہیئے کہ وہ نیکی اور بھلائی کی بات کرے یا پھر چپ رہے)ایک روایت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ قول منقول ہے لیتنی کنت اخرس الاعن ذکر الله (جمع ج۲ص۱۲)(کاش کہ میں اللہ کے ذکر کرنے کے سوا گونگا ہوتا)

حسبِ ضرورت گفتگو :

لایتکلم فی غیر حاجةای لنفسه او لغیره (مواہب ص۱۶۲)یعنی آپؐ بلاضرورت گفتگو نہ فرماتے تھے کہ بے ضرورت گفتگو لغو باتوں اور لایعنی قصوں میں مشغولیت ہے اور آپؐ تو ان سے محفوظ ہیں لان الکلام فی غیر حاجة من العبث وهو مصؤن عنه(مواہب ص۱۶۲) جبکہ حضور اقدس ﷺ

کی عام گفتگو بھی تو وحی الٰہی ہوا کرتی تھی۔ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ (اور نہیں بولتا خواہش اپنی سے نہیں وہ مگر وحی کہ بھیجی جاتی ہے) پھر آپؐ ہی کے تعلیمات ہیں من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه (کسی انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ فضول اور بے فائدہ چیزیں چھوڑ دے) ایک جگہ یہ بھی ارشاد فرمایا من کان یومن باللّٰہ والیوم الآخر فلیقل خیرا او لیصمت (مواہب ص۱۶۲) (جس کا اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ویقین ہو تو پھر چاہئے کہ نیکی اور بھلائی کی گفتگو کرے یا پھر خاموشی اختیار کرے)

آغاز واختتامِ کلام کی کیفیت :

یفتتح الکلام و یختمه بأشداقه یعنی حضور اقدس ﷺ اپنے کلام کا آغاز واختتام بھرے منہ کیا کرتے تھے۔ شدق' طرف الفم کو کہتے ہیں۔ یہاں اشداق سے مراد مافوق الواحد ہے۔ لان له شدقین (مواہب ص۱۶۲) (اس لئے کہ آپؐ کے منہ کے دو طرف تھے) یعنی آپ مغروروں اور متکبروں کے طرح ادھوری بات نہیں کرتے تھے، نہ الفاظ چباتے اور نہ ناز و انداز سے حروف توڑتے نہ صرف ہونٹوں کی حرکت پر اکتفا کرتے بلکہ آپ بھرے منہ کلام فرماتے۔ علامہ بیجوریؒ کے الفاظ یہ ہیں انه کان یستعمل جمیع فمه للتکلم ولا یقتصر علی تحریک شفتیه کما یفعله المتکبرون (مواہب ص۱۶۲) بعض روایات میں اشداق کی جگہ اسم اللہ نقل ہوا ہے جو دونوں افعال افتتاح واختتام سے مربوط ہے علی سبیل التنازع کیونکہ آپؐ کا کلام اللہ کے نام کی برکت کے ساتھ محفوف ہوا کرتا تھا۔ مراد یہ ہے کہ آغازِ کلام میں بسملہ پڑھتے تھے اور اختتام کلام میں حمدلہ۔ اختتام میں خصوصِ بسملہ مراد نہیں جیسا کہ یہ آپؐ کا مشہور معمول بھی نہ تھا۔ لہٰذا متکلم کے لئے بھی یہی سنت ہے کہ وہ کلام کا آغاز بسملہ پر اور اختتام حمدلہ پر کریں۔ علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ماا ظن انه صدر من صدره الشریف کلمة ولاحرف الا مقروناً بذکر اللّٰہ المنیف لان بعض اتباعه یقول ؎

ولو خطرت لی فی سواک ارادة   علی خاطری سهواً حکمت بردتی

(جمع ج۲ص۱۲)

(میں تو یہ گمان نہیں کرسکتا کہ آپؐ کے دل سے کوئی کلمہ یا حرف نکلا ہو اور وہ اللہ کے ذکر کے ساتھ مقرون نہ ہوا کرتا ہو اس لئے بعض متبعین کا تو یہ کہنا ہے کہ اگر میرے دل میں تیرے سوا کوئی ارادہ غلطی سے بھی آئے تو پھر میں اپنے مرتد ہونے کا حکم دوں گا)

و یتکلم بجوامع الکلم :

الجوامع 'جامعۃ کی جمع ہے اور الکلم (بفتح الکاف و کسر اللام) اسم جنس ہے۔ ویؤیدہ قولہ تعالیٰ الیہ یصعد الکلم الطیب (جمع ج۲ص۱۳) حدیث میں اضافت من قبیل اضافۃ الصفۃ الی الموصوف (جوامع الکلم کی اضافت از قبیلِ اضافت صفت کی موصوف کی طرف) کے ہے۔ معنی یہ ہے کہ آپؐ گفتگو میں کم سے کم الفاظ استعمال فرماتے تھے، جو کثیر معانی کو متضمن ہوا کرتے تھے وھذا یسمٰی عند علماء المعانی بالایجاز و ھو من البلاغۃ ان اقتضاہ المقام (مواہب ص۱۶۲) (اور علماء معانی و بیان کے نزدیک اس کا نام ایجاز ہے یہ بلاغت سے شمار ہوتا ہے اگر مقام اس کا مقتضی ہو) بعض حضرات کہتے ہیں کہ جوامع الکلم سے مراد قرآن ہے جیسا کہ ابن حجرؒ وغیرہ سے منقول ہے، مگر زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس کی مراد اس سے اعم ہے جو قرآن کے علاوہ احادیث کو بھی شامل ہے۔

بعض حضرات نے اس سے قواعد لئے ہیں و قیل المراد بجوامع الکلم القواعد الکلیۃ الجامعۃ للفروع الجزئیۃ (مواہب ص۱۶۳) (اور بعض نے کہا کہ جوامع الکلم سے ایسے قوانین کلیہ مراد ہیں جو فروع جزئیہ کے جامع ہوں) بعض روایات میں جوامع الکلم کے ساتھ حضور ﷺ کی فضیلت کی تخصیص کی گئی، جیسے کہ مسلم شریف میں ہے۔ فضلت علی الانبیاء بست منہ جوامع الکلم (مجھے دوسرے انبیاء کرامؑ پر چھ چیزوں کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے انہی میں سے جامع کلمات بھی ہیں)

تاہم جب عموم راجح ٹھہرا تو وہ قواعد کلیہ کو بھی متضمن ہے۔ ملا علی قاریؒ نے جمع الوسائل ج۲ص ۱۴ میں چہل حدیث نقل کر دی ہیں، جو جوامع الکلم کی ایک مثال ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بھی چہل حدیث مرتب کی ہے جو باقاعدہ دینی مدارس کے ابتدائی نصابِ تعلیم میں شامل ہے۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ نے جوامع الکلم کی چند مثالیں نقل کی ہیں۔

(۱) الذنب لاينسى ، والبر لا يبلى ، والديان لايموت ، فكن كيف شئت .(۲) صنائع المعروف تطفئی غضب الرب (۳) صدقة السر تطفئ غضب الرب (۴) الحياء خير كله (۵) الاقتصاد فی النفقة نصف المعيشة ، والتودد للناس نصف العقل وحسن السؤال نصف العلم (اتحافات ص ۲۷۵)

(۱) (گناہ بھلایا نہیں جاسکتا اور نیکی پرانی نہیں ہوتی اور بدلہ دینے والی ذات (اللہ جل جلالہ) پر موت نہیں ہوگی پس تو رہ جیسے تیرے مرضی ہو (۲) نیکی اور بھلائی کے کام اللہ کے غصہ کو بجھا دیتے ہیں (۳) خفیہ طور پر صدقہ کرنا بھی اللہ کے غصہ کو بجھا دیتا ہے (۴) حیا میں مکمل بہتری اور خیر ہے (۵) خرچ میں اعتدال اور میانہ روی آدھی معیشت ہے (۶) لوگوں کے دل میں محبت پیدا کر لینا آدھا عقل ہے (۷) اور اچھے انداز سے سوال کرنا نصف علم ہے)

گفتگو مبارک :

کلامه فصل ، اس کا معنیٰ پہلے واضح کیا جاچکا ہے۔ فصل مصدر ہے بمعنیٰ اسم فاعل یا بمعنیٰ اسم مفعول کے۔ پہلی صورت میں معنی یہ ہوں گے فاصل بين الحق والباطل وهو من قبيل رجل عدل للمبالغة (جمع ج۲ ص۱۴) (کہ آپ کی گفتگو حق وباطل کے درمیان حد فاصل ہوتی تھی یہ بطور مبالغہ کہ از قبیلِ رجل عدل کے ہے کہ جیسے وہ عدل بھی بمعنیٰ عادل کے ہے یہاں بھی فصل بمعنیٰ فاصل کے ہے) ہوگا۔ دوسری صورت میں معنی مفصول من الباطل ومصئون عنه (جمع ج۲ ص۱۴) (کہ آپ کا کلام باطل سے محفوظ اور جدا ہوتا تھا) ہوگا یعنی آپ کی گفتگو صاف اور واضح، حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی، تذبذب، تردد اور ہر قسم کے شک وشبہ سے پاک ہوتی تھی۔ لافضول ولا تقصير، یہ پچھلے جملے کے لئے بمنزلہ بیان اور تفسیر کے ہے۔ وفی الاصول المعتمدة بفتح الاسمين بناءً على ان لا لنفي الجنس والخبر محذوف اى لا فضول فی كلامه ولاتقصير فی تحصيل مرامه (جمع ج۲ ص۱۵) (اور بعض معتبر نسخوں میں دونوں اسم (لا فضول ولا تقصير) مفتوح ہیں بناء بر اسم لائے نفی جنس کے اور ان کی خبر محذوف ہے یعنی اصل عبارت یہ ہوگی لا فضول فی كلامه (آپ کی گفتگو میں زائد بات نہ ہوتی تھی) ولا تقصير فی تحصيل مرامه (اور مقصد حاصل کرنے میں کوئی کمی نہ

ہوتی) آپؐ کا کلام مبارک جملہ جملہ ہوتا تھا، جس میں خفیف سکتہ ہوتا تھا، جبکہ کلامِ طویل سے آدمی اُکتا جاتا ہے اور کلام قصیر مخل فی الفہم ہوتا ہے۔ احمد عبدالجواد الدومیؒ لکھتے ہیں۔ ای کان کلامه حسبما یقتضیه المقام من ایجاز واطناب وهو المساواة (اتحافات ص۲۷۵) (کہ آپؐ کا کلام مبارک مطابق اقتضاءِ مقام ہوتا نہ تو مختصر اور نہ طویل بلکہ متوسط اور درمیانی درجہ کا ہوتا تھا)

احبا اور اعداء کے ساتھ معاملہ :

لیس بالجافی 'یہاں تک تو حدیث کا وہ حصہ بیان ہوا جو سائل کو مطلوب تھا۔ مزید اوصاف کا بیان گویا سائل کو اس کے سوال سے بڑھ کر نوازا جا رہا ہے، جیسے کہ محبِّ صادق کا حال ہوتا ہے۔ ذرہ محبوب کا ذکر چھڑے تو دل کے بندھن کھل جاتے ہیں اور وصف محبوب جاری رہتا ہے' الجافی ' الجفا سے ماخوذ ہے جو البر اور الوفا کی ضد ہے معنی ہوگا، عدیم البر قولاً و فعلاً (جمع ج۲ص۱۵) گویا آپ عدیم البر والوفا نہ تھے۔ آپ کی نیکیاں' شفقتیں' محبتیں اور احسانات تو اجانب کو بھی حاصل تھیں، چہ جائیکہ اقارب کی بات کی جائے۔ احباب کی محرومی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اعداء بھی مالا مال ہو جاتے تھے۔ لانه نعمة مهداة للمومنين و رحمة مرسلة للعالمين (جمع ج۲ص۱۵) (کیونکہ آپؐ کی ذاتِ اقدس ایک ایسی نعمت جو مومنین کے لئے تو ہدیہ اور تحفہ ہے اور سب جہاں والوں کے لئے ایک رحمت مرسلہ ہیں)

یا معنیٰ یہ ہے کہ آپؐ کی طبیعت میں اکڑپن' غلاظتِ طبع' بدگوئی نہ تھی، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ من بدا جفا ای سکن البادية غلظ طبعه لقلة مخالطة الناس (جمع ج۲ص۱۵) (یعنی جو جنگل میں رہتا ہے اس کی طبیعت سخت ہو جاتی ہے کیونکہ اس کا لوگوں کے ساتھ ملنا جلنا بہت کم ہوتا ہے) مقصد یہ ہے کہ آپؐ از روئے صلہ رحمی' نیکی واحسان کے' اپنے احباب واقارب بلکہ اجانب تک کے ساتھ صرف احبا ہی نہیں، اعداء کے ساتھ بھی انتہائی بھلائی' حلیمی' بردباری' نرمی اور رواداری کے ساتھ پیش آتے تھے یہ فطرت اللہ ہی نے آپ کو بخشی تھی۔

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران : ۱۵۹) (اور اگر آپ

بدزبان اور سخت دل ہوتے، تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے)

عظمتِ مقام و رفعتِ شان :

ولا المھین (۱) میم کی فتح کے ساتھ پڑھیں تو صفتِ مشبہ کا صیغہ بنتا ہے۔ بمعنیٰ حقیر و ضعیف کے، یعنی آپؐ حقیر و ضعیف اور معاشرے میں پست و خلیق نہ تھے بلکہ انہیں عظمت و رفعت اور اعتماد و محبت کا مقام حاصل تھا۔ آپؐ کے وقار و مہابت اور جلالتِ قدر سے کفار و فجار کانپتے تھے اور عرب کے جابر و ظالم لوگ آپؐ کی عظمت و مہابت کے سامنے جھک جھک جاتے تھے۔ آپؐ کے دروازے پر کوئی چوکیدار اور دربان نہ تھا، مگر بایں وصف بھی بڑے بڑے رئیس، سردار اور بادشاہ تک اپنی سرداری اور شان و شوکت کے باوصف آپ کی عظمت و مقام کے قائل اور صلابت فکر پر اعتماد کرتے تھے۔

(۲) بعض روایات میں میم کے ضمہ کے ساتھ منقول ہوا ہے، تو بمعنیٰ اسم فاعل کے ہوگا تو معنیٰ یہ ہوگا کہ آپؐ نہ تو کسی کی توہین کرتے تھے اور نہ کسی کو حقیر سمجھتے تھے جیسے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں **لایھین ولا یحقر احدا من الناس** (جمع ج۲ص۱۵)

والمعنیٰ انه غیر جاف للاحباء ولا ذلیل لدی الاعداء بل متواضع للمومنین و متکبر علی المتجبرین فیطابق فی قوله تعالیٰ (اور مطلب یہ ہوا کہ آپؐ نہ تو اپنے دوستوں سے بے وفائی اور سخت مزاجی فرماتے اور نہ دشمنوں کی نظر میں کمزور اور عاجز بلکہ آپؐ ایمان والوں کے لئے تو متواضع اور سرکشوں کے لئے مغرور ہوا کرتے تو پھر یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہوا) **اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ** ○ (المائدہ:۵۴) (وہ نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر اور سخت اور تیز ہوں گے کفار پر) **ویوافق قوله عز وجل اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ** ○ (الفتح:۲۹) (کافروں پر سخت ہیں، آپس میں رحمدل ہیں)

تعظیم نعمت :

یعظم النعمة ...... یعنی آپؐ نعمت کی کبھی تحقیر نہ فرماتے، اگر چہ وہ بہت ہی قلیل ہوتی، ادنیٰ سے ادنیٰ نعمت کو بڑی وقعت و اہمیت سے دیکھتے تھے۔ قولاً تعظیم یہ تھی کہ نعمت ملنے پر زبان سے خدا تعالیٰ کا

شکر ادا کرتے اور فعلاً تعظیم یہ تھی کہ نعمت سے حاصل ہونے والی صحت وقوۃ کو اپنے رب کی رضا میں صَرف فرماتے تھے۔ وان دقت ای و ان صغرت و قلت النعمة سواء کانت نعمة ظاهرية او باطنية دنيوية او اُخروية فان القليل من الخليل جليل ' و ما يشكر الكثير من لم يشكر القليل (جمع ج ٢ص ١٥) (آپؐ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بہت قدردانی فرماتے اگرچہ وہ نعمت بہت تھوڑی اور کم قیمت ہوتیں اور چاہے وہ نعمت ظاہری ہوتی یا باطنی اسی طرح چاہے وہ دنیوی ہوتی یا اخروی اس لئے کہ دوست کی عطا کردہ چیز اگرچہ قلیل ہو در اصل وہ بڑی اور عظیم ہوتی ہے اور جو چھوٹی نعمتوں کا شکریہ نہ ادا کرسکے وہ بڑی نعمتوں کا شکر ہرگز نہیں کرسکتا)

لایذم منها ' یہ بھی تعظیم نعمت ہی کی ایک نوع ہے کیونکہ نعمۃ کی برائی درحقیقت منعم کی برائی ہے لان ذم النعمة هو فی الواقع ذم المنعم و ليس هذا خلق النبی ﷺ (اتحافات ص ٢٧٢) ولايمدحه کیونکہ نعمت کی تحقیر یہ متکبرین کا کام ہے اور بھرپور توجہ سے پل پڑنا حریصوں کا کام ہے۔ علامہ مناویؒ کے الفاظ یہ ہے وذلک لان ذمه شأن المتكبرين والاعتناء بمدحه شأن المكثرين و ذوی الشرة والنهمة والحرص (مناوی ص ١٦) شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں، البتہ رغبت یا کسی کی دلداری کی وجہ سے کبھی کبھی خاص خاص چیزوں کی تعریف فرمائی ہے (خصائل)

دنیا اور امورِ دنیا سے تعلق کی نوعیت :

لاتغضبه الدنيا ...... یعنی دنیا اور دنیا کے معاملات اور دنیوی امور کی وجہ سے آپؐ کو کبھی غصہ نہیں آتا تھا، کیونکہ آپؐ کو اس میں دلچسپی نہ تھی۔ لدنائتها و سرعة فنائها و كثرة عنائها و خسة شركائها و زيادة لالمزيد تاكيد النفی (جمع ج ٢ص ١٧) (اس لئے کہ دنیا ایک ردی اور گھٹیا اور جلد فنا ہونے والی چیز ہے نیز اس میں سخت تکلیف اور دنیا داروں کے لئے بڑی ذلت اور رسوائی کا باعث ہوتی ہے اور کلمہ لا کی زیادتی (ولاما کان الخ) میں مزید تاکید نفی کے لئے ہے) یہ معنیٰ تب ہے جب لا ثانیہ تاکید اولیٰ کے لئے ہو اور ما موصولہ ہے۔ بعض نے لا ثانیہ کو زائدہ اور ما کو نافیہ قرار دیا ہے، تو اس صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ آپؐ کو دنیا غضب میں نہیں لاتی تھی اور نہ ہی آپؐ دنیا کے لئے تھے بلکہ دنیا

میں رہتے ہوئے دنیا سے بے تعلق تھے۔ **اذ اِغضاب الدنیا لیس الاغضاب ما کان لها** (مواہب ص ۱۶۳) (اس لئے کہ دنیا کا غضب وغصہ نہیں ہوتا مگر دنیاوی امور کی وجہ سے)

حضور اقدس ﷺ کا غصہ حق کے لئے ہوتا تھا :

واذا تعدی الحق ... اس کا معنیٰ تو تحت اللفظ ترجمہ میں تفصیل سے بیان کر دیا ہے یعنی کوئی شخص دینی اُمور میں یا حق بات میں حد سے تجاوز کر لیتا۔ **بصیغة المجهول من التعدی ای اذا تجاوز احد** (مناوی ج۲ ص ۱۶) **لم یقم لغضبه** 'قام کے صلہ میں جب لام آ جائے تو سامنے مقابلہ کے لئے ٹھہرنے کے معنیٰ میں آتا ہے۔

جب اشارہ فرماتے :

اذا اشار ... جب آپ اشارے کا ارادہ فرماتے تو **اشار بکفه کلها** 'پورے ہاتھ کے ساتھ اشارہ فرماتے تا کہ ابہام رفع ہو اور افہام وتفہیم آسان ہو۔ چند انگلیوں سے اشارہ سے گریز کرتے۔ **لأنه شأن المتكبرين** (مواہب ص ۱۶۴) (اس لئے کہ یہ تکبر کرنے والوں کا طریقہ ودستور ہے)۔

نہایة میں ہے، آپ کا اشارہ مختلف امور کے لئے مختلف ہوا کرتا تھا توحید اور تشہد کے لئے **مسبحه** کے ساتھ اشارہ فرماتے اور دیگر امور کے لئے پورے ہاتھ کے ساتھ، تا کہ دونوں اشاروں میں فرق واضح ہو کہ **مسبحه** سے اشارہ کی غرض توحید تھی، لہٰذا غیر اللہ کی طرف انگلی سے اشارہ نہ فرماتے۔

جب غصہ ہوتے :

و اذا غضب اعرض و اشاح ' جب کسی سے ناراض ہوتے تو اس سے منہ پھیر کر اعراض فرماتے اور بے توجہی کرتے اور غضب کے مقتضا پر مزید عمل نہ کرتے جیسا کہ حکم ہے۔ **وأعرض عن الجاهلين** (اور اعراض (روگردانی) کر جاہل لوگوں سے) **و اشاح** ' **ای بالغ فی الاعراض (والعفو والصفح) هذا هو المراد هنا** (مواہب ص ۱۶۴) (اشاح کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے علامہ بیجوریؒ کہتے ہیں کہ اعراض میں آپ نے مبالغہ فرمایا اور یہی معنیٰ یہاں مراد ہے) ورنہ **اشاح لغةً** بولا جاتا

ہے۔ اذا تنحی و انکمش او منع او صرف او قبض وجهه (مناوی ج۲ص۱۷) (جب کوئی یکسو ہو جائے یا دوڑے یا رو کے یا ہٹائے اور یا چہرے میں انقباضی کیفیت ہو جسے منہ چھڑانا کہتے ہیں) اشاح کا معنیٰ اعراض میں مبالغہ کرنا نقل کر دیا ہے، گویا اعراض کی تاکید ہے۔ آج کل رواداری اور مداہنت کی جاتی ہے کہ دل میں بغض ہوتا ہے اور ظاہر لطف وعنایت کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ یہی وہ معاملہ ہے جسے شریعت میں عملی نفاق کہتے ہیں۔ مومن کا ہرگز یہ کام اور مقام نہیں کہ وہ دل میں بغض رکھے اور بظاہر لطف وعنایت اور رواداری کا معاملہ کرے بلکہ اپنی ناراضگی کا اظہار کر دینا چاہئے تاکہ جس پر غصہ کیا جارہا ہے، وہ بھی عملاً اس کا ازالہ کرے۔

جب خوش ہوتے :

اذا فرح غض طرفه ' اور جب خوش ہوتے تو حیا کی وجہ سے آنکھیں گویا بند فرما لیتے۔ لان الفرح لا یستخفه و لایحرکه ولایجعله متکلماً وانما غایة تاثیره فیه هذا القدر (مناوی ج۲ص۱۷) (اس لئے کہ خوشی نہ اس کو ہلکا بناتی ہے اور نہ اس کو حرکت دیتی ہے اور نہ اس کو متکلم بناتی ہے ہاں اس کی انتہائی تاثیر اسی قدر (آنکھیں بند کر لینا) ہے) ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں، غض طرفه ای اطرق و لم یفتح عینه تواضعاً و تمکیناً و فی روایة کان اذا رَضِی و سُرّ ای صار مسروراً و فرحاً فکان وجهه وجه المرأة (جمع ج۲ص۱۷) (یعنی آپؐ سر جھکا دیتے اور بوجہ تواضع عاجزی اور تمکین (اللہ تعالیٰ کے پاس مرتبہ تلاش کرنا) کے اپنی آنکھیں مبارک نہ کھولتے اور ایک روایت میں ہے جب خوش اور راضی ہوتے تو آپؐ کا چہرہ مبارک شیشہ کی مانند ہوتا تھا)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تبسم :

و جل ضحكه ...... جُل بمعنیٰ معظم کے آتا ہے۔ ای معظم ضحكه (مواہب ص۱۶۴) یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہنسی اکثر تبسم سے نہیں بڑھتی تھی، تبسم یہی ہوتا ہے کہ ہنسی میں قہقہہ نہ ہو، جسے ہم مسکراہٹ بھی کہتے ہیں ۔ التبسم وهو بشاشة الوجه من غير تاثير تام فی هيئة الفم (مناوی ج۲ص۱۸) (تبسم کا معنیٰ چہرہ کا ہنس مکھ ہونا بغیر کسی اثر تامہ کے منہ کی ہیئت اور شکل میں) قہقہہ وقار کے بھی

خلاف ہے۔غفلت اور لاپرواہی سے ہوتا ہے۔لفظ جُلّ بمعنی اکثر کے استعمال ہوا ہے۔یہی درست ہے۔
لانہ ربما ضحک حتی بدت نواجذہ (مواہب ص۱۶۴)(اس لئے کہ بعض اوقات میں آپؐ ایسا بھی ہنستے کہ نواجذ (دانت) ظاہر ہو جاتے) جبکہ کچھ زیادہ منہ کھل جائے۔

ظہورِنواجذ اور تبسم میں تعارض کا جواب :

نواجذ کے ظہور اور تبسم دونوں روایات میں بظاہر تعارض ہے تو ملا علی قاریؒ دونوں میں تطبیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امورِ دنیا میں ہنسی، تبسم سے نہیں بڑھتی تھی۔
وجہ ظاہر ہے کہ دنیا میں آپؐ کی دلچسپی ہی نہیں تھی، نہ اس سے آپؐ کو خوشی ہوتی تھی اور نہ ناراضگی۔البتہ امورِ آخرت میں ہنسی میں ظہورِ نواجذ ہو جاتا تھا۔

یفتر : افتر سے ہے بمعنی دانت کھلنا **ای ضحک ضحکاً حسناً حتی بدت اسنانہ من غیر قھقھة** (مناوی ج۲ص۱۸)(یعنی آپؐ ایسا مبارک ہنسنا ہنسے کہ آپؐ کے دانت مبارک صرف ظاہر ہوئے بغیر قہقہہ کرنے کے)**مثل حب الغمام** حب دانہ کو کہتے ہیں۔
اسی مناسبت سے غلہ فروش کو حباب کہتے ہیں۔ **الغمام** بادل **حب الغمام** یعنی ژالہ اور اولہ آپؐ کے دانتوں کو اولے سے تشبیہ دی ہے۔صفائی اور سفیدی اور لطافت میں ۔

فالمعنیٰ یضحک ضحکا حسنا عن سن مثل حب الغمام فی البیاض والصفاء والبریق واللمعان وورد انہ ﷺ کان اذا ضحک یتلألأ فی الجدر ای یشرق علیھا اشراقاً کاشراق الشمس (مواہب ص۱۶۴)
(مطلب یہ ہوا کہ آپؐ ایسے خوبصورت دانتوں سے ہنسا کرتے جو کہ ژالہ اور اولوں کی مانند سفیدی اور چمک میں ہوا کرتے اور یہ بھی احادیث میں آیا ہے کہ جب آپؐ ہنستے تو دیواروں پر ایسی روشنی پڑتی جیسے سورج کی روشنی)۔

وقیل حب الغمام اللؤلؤ لانہ یحصل من ماء المطر النازل من الغمام وھو انسب فی باب التشبیہ لما فی الاول من البرودة ولما فی الثانی من زیادة تشبیہ الفم بالصدف والریق بماء

الرحمة فی بحر النعمة (جمع ج۲ص۱۸) (اور بعض کہتے ہیں کہ حب الغمام سے مراد موتی ہیں کیونکہ یہ اس بارش کے پانی سے بنتے ہیں جو بادل سے نازل ہو کر برستا ہے اور یہی توجیہ باب تشبیہ سے زیادہ مناسب ہے۔

کیونکہ پہلی صورت ژالہ وغیرہ میں برودت ہے اور دوسری توجیہ پر کچھ زیادتی ہے کہ یہاں منہ کو صدف کے ساتھ اور لعاب کو اس رحمت کے پانی کے ساتھ جو رحمت کے سمندر میں ہو تشبیہ دی گئی ہے)

=====================================

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ ضِحْکِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہنسنے کے بیان میں

ضحک ہو یا تبسم، دونوں فطری چیزیں ہیں۔ خوشی، مسرت اور سرور و انبساط کے موقع پر، ہنسنا یا مسکرانا قدرت کا عطیہ اور انسان کا خاصہ ہے۔ والضحک خاصیة للانسان واصله مِن سرور یعرض للقلب و قد یضحک غیر المسرور (مناوی ج۲ ص۱۸) (اور مسکراہٹ انسانی خاصیت ہے اور اس کا مبدأ وہ خوشی ہے جو دل میں آ جاتی ہے البتہ کبھی ناخوش انسان بھی ہنستا ہے) مگر بعض لوگ اس موقع پر بھی حدود سے تجاوز کر کے بد اخلاقی، کراہت اور بدروئی کی انتہاؤں تک چلے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حضور اقدس ﷺ کا اسوۂ حسنہ کیا تھا، یہی غرضِ انعقاد باب ہے۔ مصنفؒ اس باب میں نو احادیث لائے ہیں۔

(۱/۲۱۹) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِیْعٍ حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ اَخْبَرَنَا الْحَجَّاجُ وَ هُوَ ابْنُ اَرْطَاةَ عَنْ سِمَاکِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ کَانَ فِیْ سَاقَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حُمُوْشَةٌ وَ کَانَ لَا یَضْحَکُ اِلَّا تَبَسُّمًا فَکُنْتُ اِذَا نَظَرْتُ اِلَیْہِ قُلْتُ اَکْحَلُ الْعَیْنَیْنِ وَ لَیْسَ بِاَکْحَلَ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث احمد بن منیع نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو بیان کیا عباد بن عوام نے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر حجاج نے جو کہ ابن ارطاۃ ہے۔ سماک بن حرب کے واسطہ سے دی، انہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت جابر بن سمرۃؓ سے سماعت کی۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی پنڈلیاں کسی قدر باریک تھیں، اور آپ کا ہنسنا صرف تبسم ہوتا تھا، میں جب حضور اقدس ﷺ کی زیارت کرتا تو دل میں سوچتا کہ آپؐ سرمہ لگائے ہوئے ہیں، حالانکہ اُس

وقت سُرمہ لگائے ہوئے نہیں ہوتے تھے۔

راوی حدیث (۴۹۰) الحجاج کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

پنڈلیاں مبارک :

کان فی ساقی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حموشة۔

الحموشة ! پنڈلی، پتلی اور درمیانی باریک تھی۔ رقة الساق و ھی مما یتمدح بہ (اتحافات ص ۲۷۸) (پنڈلی کا باریک اور پتلا ہونا قابل مدح وفخر سمجھا جاتا تھا) بعض نے الخموشة (بضم اولہ المعجم) نقل کیا ہے۔ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں فمخالف للاصول و معارض للغة و مغیر للمعنی فان الخمش (بالمعجمة) ھو خدش الوجہ ولطمہ وقطع عضو منہ (جمع ج ۲ ص ۱۸) (یہ تو قواعد اور اصول لغت کے بھی مخالف اور معنیٰ کو بھی تبدیل کرنے والا ہے کیونکہ خمش (خاء معجمہ کے ساتھ) چہرہ کو نوچنا اس پر تھپڑ لگانا اور اس سے کسی عضو کا کٹنا مراد ہوتا ہے)

روایت میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تین صفات کا بیان ہے۔ یہ پہلی صفت ہے کہ آپ کی پنڈلیاں مبارک قدرے پتلی تھیں اور ان پر گوشت کم تھا، بھاری نہ تھیں، یہ ایک صفت محمود ہے۔

غالب اوقات تبسم آپ کا معمول تھا :

و کان لا یضحک الا تبسماً یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم غالب اوقات تبسم ہی فرماتے اور مسکراتے۔قہقہہ آپ کی عظمتِ شان اور مقام رفیع کے خلاف تھا۔ پہلے بھی عرض کیا تھا کہ ہنسنے کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) تبسّم' منہ کھل جاتا ہے، مگر آواز نہیں آتی۔ (۲) ضحک (ہنسنا) منہ بھی کھل جاتا ہے، نواجذ بھی ظاہر ہوجاتے ہیں اور ہنسنے کی ہلکی سی آواز بھی آتی ہے۔ (۳) قہقہہ' انسان کا پورا منہ کھل جاتا ہے، خوب آواز سے ہنستا ہے، یہ ہنسنے کی آخری اور انتہائی قسم ہے، جو ناپسندیدہ ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تبسم اور ضحک تو ثابت ہے، مگر قہقہہ ثابت نہیں، جو قساوتِ قلبی اور غفلت کی علامت ہے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، لا تکثر الضحک فان کثرة الضحک تمیت القلب (ترمذی) ایاک و کثرة الضحک فانہ یمیت القلب. (معجم صغیر للطبرانی ج ۲، ص ۱۰۴)

(زیادہ نہ ہنسا کر کیونکہ کثرت سے ہنسا دل کو مردہ کر دیتا ہے (ترمذی) اور طبرانی کی روایت میں ہے زیادہ ہنسنے سے بچا کر کیونکہ یہ دل کو مردہ بنا دیتی ہے)

یہ بھی پہلے عرض کیا گیا ہے کہ آپ کا ہنسنا امور آخرت کی وجہ سے اور تبسم امور دنیا میں ہوتا تھا۔ علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں، هو انه كان يضحك في امور الآخرة و يتبسم في امور الدنيا (مواہب ص۱۶۵) حدیث کا یہی حصہ ترجمۃ الباب سے مناسبت رکھتا ہے۔ علامہ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں ويظهر ان التبسم هو خلق الانبياء ، قال سبحانه تعالیٰ في سليمان فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا (النمل:۱۹) (اس سے ظاہر ہوا کہ تبسم انبیاء کرام کی خصلت و عادت ہے اللہ تعالیٰ سورہ نمل میں سلیمانؑ کے بارے میں فرماتا ہے پس مسکرایا ہنستا ہوا اس (چیونٹی) کی بات سے)

سرمگین آنکھیں :

فكنت اذا نظرت ..... یہ آپؐ کی تیسری صفت کا بیان ہے کہ جب کوئی شخص حضور اقدس ﷺ کی زیارت کرتا، تو سمجھتا کہ آپ اكحل العينين ہیں ، یعنی آپ نے آنکھوں میں سرمہ لگا رکھا ہے۔ وليس باكحل ، حالانکہ آپؐ نے سرمہ نہیں لگایا ہوتا تھا۔ سید الکائنات حضور اقدس ﷺ سراپا حسن و جمال تھے۔ آپ کے دونوں پلکوں کی سیاہی آپؐ کی خلقتِ اصلیہ سے تھی۔ آپؐ کی آنکھیں خلقی اور فطری طور پر سرمگین تھیں۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ لکھتے ہیں، انما هو الجمال الخلقي الذي لا مثيل له (اتحافات ۲۷۸) (بے شک آپؐ کا حسن و جمال ایسا فطری اور خلقی تھا جس کی کوئی نظیر و شبیہ نہیں) دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ آپؐ نے سرمہ لگایا ہوا ہے، حالانکہ یہ قدرتی سرمہ تھا، جو خارجی سرمہ کی سیاہی سے زیادہ خوبصورت، دیدہ زیب اور پائیدار تھا، جو ہمیشہ رہتا اور زائل نہ ہوتا۔ زوال پذیر کاجل کے بارے میں بچپن میں سنا ہوا بہادر شاہ ظفر کا شعر یاد آ گیا ....

ہوتا ہے کالا جہاں مردم آزاروں کا منہ
پاگئے یہ رمز چشمِ شوخ کے کاجل سے ہم

تاہم متعدد فوائد و مقاصد کے حصول کے لئے حضور اقدس ﷺ سرمہ بھی استعمال فرماتے

ہیں۔اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپؐ نے کبھی سرمہ نہ کیا ہو، تاکہ منافی ہو حدیثِ اکتحال کے ساتھ، تاہم دوسرے مقاصد اور فوائد کے لئے گاہے گاہے سرمہ استعمال فرمایا ہے۔اس روایت میں الفاظ فکنت نظرت ' قلت' کو متکلم کے بجائے مخاطب کے صیغے بنا کر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

(۲۲۰/۲) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ اَخْبَرَنَا ابْنُ لَهِيْعَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُغِيْرَةِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحٰرِثِ بْنِ جَزْءٍ قَالَ مَا رَاَيْتُ اَحَدًا اَكْثَرَ تَبَسُّمًا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر ابن لہیعہ نے دی۔انہوں نے یہ روایت عبیداللہ بن مغیرۃ سے روایت کی۔انہوں نے یہ روایت عبداللہ بن حارث بن جزءؓ سے سُنی۔عبداللہ بن حارث کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے زیادہ تبسم کرنے والا نہیں دیکھا۔

راویانِ حدیث (۴۹۱) عبیداللہ بن المغیرہؒ اور (۴۹۲) عبداللہ بن الحارثؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

متواصل الاحزان سے تعارض اور جواب :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ اس کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں۔اس حدیث میں یہ اشکال ہے کہ اس سے پہلے باب کی اخیر حدیث میں یہ گزر چکا ہے کہ حضور اقدس ﷺ دائم الفکر اور پے درپے غموم میں مبتلا رہتے تھے۔یہ بظاہر اس کے منافی ہے، اس لئے اس حدیث کی دو توجیہیں کی گئی ہیں۔ایک تو یہ کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کا تبسم آپؐ کے ہنسنے سے زیادہ ہوتا تھا، ایسا کوئی اور شخص نہیں دیکھا، جس کا تبسم اس کے ہنسنے سے زیادہ ہو، چنانچہ آئندہ حدیث جو انہی صحابی سے روایت کی جا رہی ہے، اس میں یہی مطلب متعین ہے۔ دوسری توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ حضور اقدس ﷺ باوجود طبعی غموم کے صحابہؓ کی دلداری اور انبساط کے خیال سے خندہ پیشانی اور تبسم فرماتے ہوئے پیش آتے تھے اور یہ کمال درجہ اخلاق و تواضع ہے۔اسی باب کی حدیث نمبر۵ اور نمبر۶ میں حضرت جریرؓ

فرماتے ہیں کہ جب بھی حضور اقدس ﷺ مجھے دیکھتے، تبسم فرماتے یعنی خندہ پیشانی سے مسکراتے ہوئے ملتے تھے۔ اب پہلی حدیث سے کوئی تعارض نہیں ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کسی رنج وفکر میں مبتلا ہوتا ہے، لیکن دوسروں کی دلداری یا ضرورت سے وہ خندہ پیشانی سے ملتا ہے، جولوگ دل میں عشق کی چوٹ کھائے ہوئے ہیں، ان کو اس کا تجربہ بہت ہوتا ہے (خصائل ص ۱۷۱۔۱۷۲)

(۲۲۱/۳) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ خَالِدِ ٍ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اِسْحٰقَ السَّيْلَحَانِيُّ حَدَّثَنَا لَيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِىْ حَبِيْبٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ مَا كَانَ ضِحْكُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا تَبَسُّمًا قَالَ اَبُوْعِيْسٰى هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ مِنْ حَدِيْثِ لَيْثِ بْنِ سَعْدٍ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت احمد بن خالد خلال نے بیان کی۔ ان کو یہ روایت یحیٰی بن اسحٰق سیلحانی نے بیان کی۔ ان کو یہ روایت لیث بن سعد نے یزید بن ابی حبیب کے واسطہ سے بیان کی اور انہوں نے یہ حدیث صحابی رسول حضرت عبداللہ بن حارثؓ سے روایت کی۔ حضرت عبداللہ بن حارثؓ ہی کی یہ بھی روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا ہنسنا تبسم سے زیادہ نہیں ہوتا تھا ۔

راوی حدیث (۴۹۳) احمد بن خالد الخلالؒ اور (۴۹۴) یحیی بن اسحاق السیلحانیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حصرِ اضافی :

ما كان ضحک ..... یہ حصر اضافی ہے۔ حقیقی نہیں، کیونکہ آپؐ سے ہنسنا بھی ثابت ہے، **لما تقرر انه ضحک احیاناً حتی بدت نواجذه** (مناوی ج۲ ص ۲۰) (کیونکہ یہ پہلے ہی ثابت ہو چکا کہ آپؐ کبھی ایسے ہنستے کہ آپؐ کے نواجذ (دانت) مبارک ظاہر ہو گئے) البتہ آپؐ کا اکثر اوقات تبسم اور مسکرانا ہی ہوتا تھا، ہنسنے کی نوبت کم آتی تھی۔

قال ابو عیسیٰ هذا حدیث غریب من حدیث لیث بن سعد : اصطلاحِ محدثین میں

غریب حدیث وہ ہوتی ہے، جس کا صرف ایک ہی راوی ہو۔ امام ترمذیؒ جو فرماتے ہیں کہ یہ حدیث یہاں پر لیث بن سعد کی وجہ سے جو کہ یگانہ راوی ہیں، غریب ہے، یہ غرابت اسناد میں ہے، متنِ حدیث میں نہیں، لہٰذا غرابتِ سند، صحتِ متنِ حدیث کے منافی نہیں، اس روایت میں منفرد راوی لیث بن سعد کی جلالت علم اور امامت پر اتفاق، بلکہ اجماع ہے۔ علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: قیل انّ غرابته ناشئة من تفرد الليث وهو مجمع على امامته و جلالته فهي غرابة في السند وهي لا تنافي صحته (جمع ج۲ص۲۰)

دائمی تفکر وحزن اور ہمیشہ مسکراہٹ کی تطبیق :

یہاں بھی اشکال نہ کیا جائے، کہ اس سے قبل حدیث میں آپ ﷺ کی صفت تو متواصل الاحزان دائم الفكرة بیان کی گئی ہے اور یہاں اکثر الاوقات تبسم کا ذکر ہے، جو بظاہر متعارض ہے، کیونکہ علماء فرماتے ہیں کہ :

(۱) حزن کا تعلق ضحک سے ہے، آپ ﷺ کا ہنسنے کا عام معمول نہیں تھا، قہقہہ کی نوبت کم آئی ہے، البتہ تبسم آپ کا اکثر معمول تھا، جو قابلِ اعتراض نہیں۔

(۲) آپ ﷺ ذہنی فکری اور عملی طور پر تو متفکر اور متواصل الاحزان رہتے تھے، مگر حضرات صحابہؓ سامعین اور مخاطبین کے رعایت کے لئے مسکراہٹ فرماتے تھے تاکہ انہیں بے تکلفی رہے اور حصولِ فیض میں کوئی چیز مانع نہ ہو۔

(۲۲۲/۴) حَدَّثَنَا اَبُوْعَمَّارٍ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ اَنْبَأَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنِ الْمَعْرُوْرِ بْنِ سُوَيْدٍ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَاَعْلَمُ اَوَّلَ رَجُلٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ وَ اٰخِرَ رَجُلٍ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ يُؤْتٰى بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيُقَالُ اَعْرِضُوْا عَلَيْهِ صِغَارَ ذُنُوْبِهٖ وَتُخْبَأُ عَنْهُ كِبَارُهَا فَيُقَالُ لَهٗ عَمِلْتَ يَوْمَ كَذَا ، كَذَا وَ كَذَا وَهُوَ مُقِرٌّ لَا يُنْكِرُ وَهُوَ مُشْفِقٌ مِنْ كِبَارِهَا فَيُقَالُ اَعْطُوْهُ مَكَانَ كُلِّ سَيِّئَةٍ عَمِلَهَا

حَسَنَةً فَيَقُوْلُ اِنَّ لِیْ ذُنُوْبًا لَا اَرَاهَا هٰهُنَا قَالَ اَبُوْذَرٍّ فَلَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِکَ حَتّٰی بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابوعمار حسین بن حریث نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اس کی وکیع نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے اعمش نے معرور بن سوید کے واسطہ سے بیان کیا اور انہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت ابوذر غفاریؓ سے سُنی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اُس شخص کو خوب جانتا ہوں، جو سب سے اول جنت میں داخل ہوگا اور اس سے بھی واقف ہوں، جو سب سے آخر میں جہنم سے نکالا جائے گا۔ قیامت کے دن ایک آدمی دربارِ الٰہی میں حاضر کیا جائے گا، اس کے لئے یہ حکم ہوگا کہ اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ اس پر پیش کیے جائیں اور بڑے بڑے گناہ مخفی رکھے جائیں، جب اس پر چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کیے جائیں گے کہ تو نے فلاں دن فلاں گناہ کیے ہیں، تو وہ اقرار کرے گا، اس لئے کہ انکار کی گنجائش نہیں ہوگی اور اپنے دل میں نہایت خوف زدہ ہوگا کہ ابھی تو صغائر ہی کا نمبر ہے، کبائر پر دیکھیں کہ کیا گذرے کہ اس دوران میں یہ حکم ہوگا کہ اس شخص کو ہر ہر گناہ کے بدلے ایک ایک نیکی دی جائے تو وہ شخص یہ حکم سنتے ہی خود بولے گا کہ میرے تو ابھی بہت سے گناہ باقی ہیں، جو یہاں نظر نہیں آتے۔ ابوذرؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اس کا مقولہ نقل فرما کر ہنسے یہاں تک کہ آپؐ کے دانت مبارک ظاہر ہوگئے۔ ہنسی اس بات پر تھی کہ جن گناہوں کے اظہار سے وہ ڈر رہا تھا ان کے اظہار کا خود طالب بن گیا۔

راویان حدیث (۴۹۵) المعرور بن سویدؒ اور (۴۹۶) ابوذرؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اقدس ﷺ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے :

انی لَاَعْلَمُ ! آپؐ کو علم یا وحی کے ذریعہ ہوا ہوگا یا الہام کے ذریعہ یا کسی اور ذریعہ سے اعلم بمعنی اعرف کے ہے (جمع ج۲ ص۲۰) اول رجل یدخل الجنة ! مراد یہ ہے کہ دوزخ سے نکل کر جنت میں اوّل داخل ہونے والا اول آدمی مراد ہے، کیونکہ علی الاطلاق تو سب سے پہلے جنت میں حضور اقدس

ﷺ داخل ہونے والے ہیں جیسے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں وحاصله اول رجل يدخل الجنة ممن يخرج من النار لان اول من يدخل الجنة على الاطلاق انما هو النبی صلی الله عليه وسلم (جمع ج۲ص۲۰) علامہ عبدالجواد الدومیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہی پہلے وہ مبارک شخص ہیں، جو جنت میں داخل ہوں گے اور عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے ، و آخر من يدخل الجنة هو جهينة يخرج من النار زحفاً أوحبواً (اتحافات ۲۸۰) (اور آخری وہ شخص جو جنت میں داخل ہوگا وہ جہینہ ہے۔ دھیرے دھیرے گھسٹتے ہوئے یا پھر گھٹنوں کے بل چل کر دوزخ سے نکلے گا)

حدیث میں ذکر کس کا ہے ؟

خلاصہ یہ کہ حدیث میں اول و آخر کا بیان نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ یہ آدمی نہ تو اول ہے کہ حقیقی معنوں میں اول داخل ہونے والے خود حضور اقدس ﷺ ہیں یا وہ لوگ جنت میں اول داخل ہوں گے جو بغیر حساب والے ہیں اور یہ شخص تو مقامِ حساب میں ہے اور یہ شخص آخری بھی نہیں کہ ترمذی کی دوسری روایت میں آخری شخص ایک اور بیان کیا گیا ہے، تو یہ جملہ مستانفہ ہے اور بیان عجائبات کے لئے ہے، جیسے ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں هو استیناف بیان لحال رجل ثالث غير الاول والآخر (جمع ج۲ص۲۱)

علامہ ملا علی قاریؒ نے ایک اور توجیہ و تطبیق کی صورت ان الفاظ سے بھی بیان کردی ہے۔ على ان فی رواية الترمذی و همًا و الصواب انی لا علم آخر رجل يدخل الجنة الخ ' فانه هكذا رواه مسلم وغيره من حديث ابی ذر و يوتی الخ ' علی هذه الرواية ايضا بيان لحال رجل ثالث كما تقدم او بيان لآخر رجل يدخل الجنة من غير ان يدخل النار تأمل والله اعلم (جمع ج۲ص۲۱) (اس کے علاوہ یہ بھی کہ ترمذی کی روایت (انی لا علم اول رجل الخ) میں وہم ہوا ہے اور صحیح عبارت انی لا علم آخر رجل يدخل الجنة الخ ہے کیونکہ مسلم وغیرہ نے ابوذرؓ کی حدیث میں یہی الفاظ روایت کیے ہیں تو پھر اسی روایت پر بھی يوتى بالرجل الخ میں ایک تیسرے شخص کے حال کا بیان ہوگا جیسے پہلے گذر چکا ہے اور یا پھر اس آخری شخص کا بیان جو جنت کو داخل ہوگا بغیر اس کے کہ وہ پہلے دوزخ میں داخل ہوا ہو)

ماارا ھا ھھنا کی تشریح :

اس جملہ میں ما نافیہ اور اراھا کی ضمیر کا مرجع ذنوب ہے۔ ھھنا کا مشار الیہ یا مقام عرض و حساب ہے یا صحائف اعمال۔ مطلب یہ کہ میرے بعض بڑے گناہ ہیں، جو یہاں مجھے نظر نہیں آرہے۔

قسم کیوں لی گئی :

قال ابو ذر و لقد رایت ...... جناب ابوذرؓ نے فرمایا کہ پس قسم ہے کہ میں نے آپؐ کو دیکھا کہ ہنسے، یہاں تک کہ اگلے دانت مبارک نظر آئے۔ اس روایت کو مسلسل بالضحک کہتے ہیں کہ سب ہنسے پڑھنے والے، پڑھانے والے، حضرات صحابہ کرامؓ حضور اقدس ﷺ اور خود باری تعالیٰ کما یلیق بشانہ۔ (جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہو) ولقد ! قسم اس لئے لی گئی تا کہ ان کی خبر میں شک نہ کیا جائے، کیونکہ مشہور تو یہی ہے کہ آپؐ کا اکثر معمول تبسم کا تھا جیسا کہ علامہ بیجوریؒ بھی یہی لکھتے ہیں وانّما اقسم لئلا یرتاب فی خبرہ لما اشتھر ان المصطفیٰؐ کان لا یضحک الا تبسما (مواہب ص ۶۷)

روایاتِ ضحک و تبسم کا حاصل :

اس سلسلہ میں جس قدر روایات بھی آئی ہیں، سب کا حاصل یہی ہے کہ آپؐ اکثر اوقات اور بطورِ معمول کے تبسم ہی فرمایا کرتے تھے، جب کبھی اس میں زیادتی ہوتی، تو ہنس دیتے تھے، مگر مکروہ تو کثرتِ ضحک ہے، نہ نفسِ ضحک (کیونکہ کثرت اور افراطِ ضحک انسانی وقار ختم کر دیتا ہے۔ جیسے کہ علامہ مناویؒ فرماتے ہیں وربما زاد فضحک والمکروہ الاکثار او الافراط لانھا بہ الوقار (مناوی ج ۲ ص ۲۲) حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ حیرت و استعجاب کے مقام پر ضحک بھی مکروہ نہیں ہے ، جب وہ مسنون حدود سے متجاوز نہ ہو، علامہ بیجوریؒ کے الفاظ یہ ہیں و یؤخذ من الحدیث انہ لایکرہ الضحک فی مواطن التعجب اذا لم یجاوز الحد (مواہب ۱۶۷/ مناوی ج ۲ ص ۱۲)

ذکر نواجذ کا ہے مراد ضواحک ہیں :

حتی بدت نواجذہ ! نواجذ کی مفرد ناجذۃ ہے، بمعنیٰ اقصی اضراس یعنی داڑھ، مگر یہاں اس

کا حقیقی معنیٰ مراد نہیں، بلکہ مبالغہ مقصود ہے، ای بالغ فی الضحک حتی ظهرت نواجذه (مواہب ۱۶۷) (کہ آپ ؐ نے ہنسنے میں اتنا مبالغہ کیا کہ آپ ؐ کے نواجذ (دانت) بھی ظاہر ہو گئے) تو ذکر نواجذ کا ہے، مراد ضواحک ہیں۔ شیخ ابراہیم الپیجوریؒ بھی یہی لکھتے ہیں کہ وکانت مبالغته فی الضحک نادرة والمکروه الاکثار منه (مواہب ص ۱۶۷) (اور حضور ﷺ کا ضحک (ہنسنے) میں مبالغہ کرنا نادر ہوتا تھا اور دراصل کراہت کثرت اور افراطِ ضحک میں ہے)

(۲۲۳/۵) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ بَيَانٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِيْ حَازِمٍ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ مَا حَجَبَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْذُ اَسْلَمْتُ وَ لَا رَاٰنِیْ اِلَّا ضَحِکَ.

(۲۲۴/۶) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ اِسْمٰعِيْلَ بْنِ اَبِيْ خَالِدٍ عَنْ قَيْسٍ عَنْ جَرِيْرٍ قَالَ مَاحَجَبَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْذُ اَسْلَمْتُ وَلَا رَاٰنِیْ اِلَّا تَبَسَّمَ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن منیع نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے معاویہ بن عمرو نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں زائدہ نے یہ روایت بیان (راوی) کی وساطت سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت قیس بن ابی حاتم سے روایت کی اور انہوں نے صحابی رسول حضرت جریر بن عبداللہ سے نقل کیا۔ حضرت جریر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے میرے مسلمان ہونے کے بعد کسی وقت مجھے حاضری سے نہیں روکا، اور جب مجھے دیکھتے تھے، تو ہنستے تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ تبسم فرماتے تھے ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن منیع نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ روایت معاویہ بن عمرو نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے زائدہ نے اسمٰعیل ابن ابی خالد کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت قیس سے اور انہوں نے جریر بن عبداللہ صحابی رسول سے روایت کی۔

حضرت جریر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے میرے مسلمان ہونے کے بعد کسی وقت مجھے حاضری سے نہیں روکا، اور جب مجھے دیکھتے تھے، تو ہنستے تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ تبسم فرماتے تھے

بارگاہِ نبوت میں حضرت جریرؓ کا مقام :

ماحجبنی مفہوم حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔ مجھے حضور اقدس ﷺ نے منع نہیں فرمایا، گویا میرے لئے آپؐ کے دروازے ہر وقت کھلے ہوتے تھے۔ **حَجَبَ** ...... کا فاعل تو حضور ﷺ ہیں، ممنوع حضرت جریرؓ ہیں اور ممنوع عنہ کا ذکر نہیں، تو وہ محذوف ہے، **ای ما منعنی فی الدخول علیه فی بیته مع خواصه و خدمه لشدة اقباله علی** (مواہب ص۱۶۷) (یعنی حضور ﷺ نے مجھے اپنے گھر میں خواص اور خدام کی موجودگی میں داخل ہونے سے منع نہیں فرمایا اور آپؐ میری طرف انتہائی توجہ فرمایا کرتے)

والمقصود انی لم احتج الی الاستیئذان و یحتمل ان یکون المعنیٰ ما منعنی ملتمساتی عنه بل اعطانی البتة مطلوباتی منه (جمع ج۲ص۲۲) (اور اس سے مطلب یہ تھا کہ مجھے اجازت لینے کی ضرورت نہ تھی اور یہ بھی احتمال ہے کہ معنیٰ یہ ہو کہ آپؐ نے مجھ سے میرے مطالبات کو روکا نہیں بلکہ مجھے میرے مطالبات پورے پورے دے دیتے)

منذ اسلمت ! یعنی جب سے میں نے اسلام قبول کیا اور حضور اقدس ﷺ کا غلام بنا، آپؐ نے مجھے اپنے دربار میں حاضری اور قدموں میں بیٹھنے سے کسی وقت بھی نہیں روکا، حضرتِ جریرؓ نے آپؐ کی وفات کے سال میں اسلام قبول کیا تھا۔ **اسلم قبل وفاته اربعین یوماً** (مواہب ص۱۶۷) (حضرت جریرؓ آپؐ کی وفات سے چالیس دن پہلے مسلمان ہوئے)

ضحک بمعنیٰ تبسم :

ولا رآنی ! اس کے بعد **منذ اسلمت** حذف ہے، **اذا لحذف من الثانی لدلالة الاول کثیر** (جمع ج۲ص۲۲) (اس لئے کہ جملہ ثانیہ سے حذف کرنا بوجہ دلالت پہلے جملہ کے کثیر الوقوع عمل ہے)

الا ضحک ! یہاں پر ضحک بمعنیٰ تبسم کے ہے، جیسا کہ حدیث نمبر چھ میں اس کی تصریح ہے، **وفی هذا**

الحديث تخصيص الضحك بالتبسم (اتحافات ص۲۸۱) (اور اس حدیث میں ضحک کی تخصیص تبسم سے ہے) حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، **ولعل وجه التبسم له كل مرة فى رؤيته انه رآه مظهر الجمال فانه كان له صورة حسنة على وجه الكمال حتى قال عمرؓ فى حقه انه يوسف هذه الامة** (جمع ج۲ص۲۳) (حاشیہ مشکوٰۃ ص۴۰۶) (اور حضور ﷺ کا ہر بار حضرت جریرؓ کو دیکھ کر تبسم فرمانے کی وجہ شاید یہ کہ آپؐ نے حضرت جریرؓ کو مظہرِ جمال، خیال کیا ہو کیونکہ حضرت جریرؓ کی خوبصورتی حد درجہ کمال کی تھی اس لئے تو حضرت عمرؓ نے اس کے بارے میں اس امت کے یوسف ہونے کا قول اور تذکرہ کیا ہے)۔

حضور ﷺ کا تبسم وخندہ روئی :

بہرحال شارحینِ حدیث فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا ہنسا در حقیقت تبسم ہی ہوتا تھا، الشیخ یوسف بن اسماعیل النبہانی وسائل الوصول میں تحریر فرماتے ہیں کہ :

عبداللہ بن حارث بیان فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا ہنسا در حقیقت مسکرانا ہوا کرتا تھا، آواز کے ساتھ نہیں ہنستے تھے، آپؐ جب گفتگو فرماتے تو مسکرا کر اور بڑی خندہ روئی کے ساتھ فرماتے، آپؐ کے تمام ساتھی بھی آپؐ ہی کی طرح زور زور سے نہیں ہنستے تھے، صرف مسکراتے تھے، جب آپؐ کی مجلس میں بیٹھتے تھے، تو اس سنجیدگی اور متانت سے بیٹھتے تھے، گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اور انہیں خدشہ ہے کہ زور سے ہنسیں گے یا بات کریں گے تو پرندے اُڑ جائیں گے، گویا پوری مجلس میں پاس ادب سے سناٹا ہوتا تھا، اتفاقاً کسی کو کسی بات پر پوری ہنسی بھی آجاتی، تو وہ منہ پر ہاتھ یا رومال رکھ لیتا، کہیں آپؐ کے سامنے ہنسنے کی آواز نہ نکل جائے، اور گستاخی جانی جائے، حضرات صحابہ کرامؓ کا یہ حال ادب اور احترام کی بنا پر تھا۔

(۷/۲۲۵) حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَبِيْدَةَ السَّلْمَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّي

لَاَعْرِفُ اٰخِرَ اَهْلِ النَّارِ خُرُوْجًا رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنْهَا زَحْفًا فَيُقَالُ لَهُ انْطَلِقْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ فَيَذْهَبُ لِيَدْخُلَ الْجَنَّةَ فَيَجِدُ النَّاسَ قَدْ اَخَذُوا الْمَنَازِلَ فَيَرْجِعُ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ قَدْ اَخَذَ النَّاسُ الْمَنَازِلَ فَيُقَالُ لَهُ اَتَذْكُرُ الزَّمَانَ الَّذِىْ كُنْتَ فِيْهِ فَيَقُوْلُ نَعَمْ قَالَ فَيُقَالُ لَهُ تَمَنَّ قَالَ فَيَتَمَنّٰى فَيُقَالُ لَهُ فَاِنَّ لَكَ الَّذِىْ تَمَنَّيْتَ وَ عَشَرَةَ اَضْعَافِ الدُّنْيَا قَالَ فَيَقُوْلُ اَتَسْخَرُبِىْ (مِنِّىْ) وَ اَنْتَ الْمَلِكُ قَالَ فَلَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ھناد بن سری نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابومعاویہ نے اعمش کے واسطہ سے بیان کیا ۔ وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ روایت ابراہیم کے واسطہ سے عبیدۃ سلمانی سے روایت کی ، اور انہوں نے یہ حدیث صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ، عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اُس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے اخیر میں آگ سے نکلے گا ، وہ ایک ایسا آدمی ہوگا کہ زمین پر گھسیٹتا ہوا دوزخ سے نکلے گا ۔ اس کو حکم ہوگا کہ جا جنت میں داخل ہو جا ، وہ وہاں جا کر دیکھے گا کہ لوگوں نے تمام جگہوں پر قبضہ کر رکھا ہے ، سب جگہیں پُر ہو چکی ہیں ، لوٹ کر بارگاہِ الٰہی میں اس کی اطلاع کرے گا ۔ وہاں ارشاد ہوگا کیا دنیاوی منازل کی حالت بھی یاد ہے ۔ وہ عرض کرے گا کہ رب العزت خوب یاد ہے ، اس پر ارشاد ہوگا کہ اچھا کچھ تمنائیں کرو ، جس نوع سے دل چاہے ۔ وہ اپنی تمنائیں بیان کرے گا ، وہاں سے ارشاد ہوگا کہ اچھا تم کو تمہاری تمنائیں اور خواہشات بھی دیں اور تمام دنیا سے دس گنا زائد عطا کیا ، وہ عرض کرے گا کہ یا اللہ ! آپ بادشاہوں کے بادشاہ ہو کر مجھ سے تمسخر فرماتے ہیں کہ وہاں ذرا سی بھی جگہ نہیں ہے اور آپ تمام دنیا سے دس گنا زائد مجھے عطا فرما رہے ہیں ۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو دیکھا کہ جب اس شخص کا یہ مقولہ نقل فرما رہے تھے ، تو آپؐ کو ہنسی آ گئی ، حتیٰ کہ آپؐ کے دندانِ مبارک بھی ظاہر ہو گئے ۔

راویان حدیث (۴۹۷) ابراھیم اور (۴۹۸) عبیدۃؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں ۔

بعض الفاظ حدیث کی تشریح :

مفہوم حدیث تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے۔ ذیل میں بعض الفاظِ حدیث کی تشریح بھی کر دی جاتی ہے۔

زحف کا معنیٰ :

رجل یخرج منها زحفاً ، دوزخ سے نکلنے والے آخری آدمی کی صفت زحفًا مذکور ہے، زحف مفعول مطلق ہے، ای خروجاً زحفاً یا حال ہے بمعنیٰ زاحف کے ہے بمعنیٰ گھسٹتے ہوئے چلنا چوتڑوں کے بل۔ والزحف المشی علی الاست مع اشراف الصدر وفی روایة حبوا وهو المشی علی الیدین والرجلین والرکبتین ولاتنا فی بین الروایتین لاحتمال انه یزحف تارة ویحبو اخری (مواہب ص۱۶۸) (دونوں روایتوں میں منافات اور تعارض نہیں کیونکہ یہ احتمال ہے کہ وہ گھسٹتے ہوئے چلے یا گھٹنوں کے بل) زحوف اور زحفات اس کے ہم معنیٰ ہیں۔

یہ آدمی عامۃ المسلین میں ایک گنہگار ہوگا، من عصاة المومنین، اس کا نام جهینة یا هناد ہے۔ المنازل! مراد جنت کے درجات ہیں ، اس کی مفرد منزل آتی ہے ، وهی موضع النزول (مواہب ۱۶۷) (منزل کا معنیٰ رہنے کی جگہ)

آخری جنتی سے باری تعالیٰ کا خطاب :

اتذکر الزمان الذی کنت فیه ' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے فرمایا جائے گا، کیا تجھے اپنی زندگی کا وہ زمانہ یاد ہے، جب تمہارا دنیا میں قیام تھا، وہ کہے گا، مجھے یاد ہے کہ زمین کی وسعت کس قدر زیادہ تھی، اس پر کتنے ڈھیر سارے لوگ آباد تھے، اس کی نعمتیں' آرام و آسائش کے اسباب حکومتیں، سلطنتیں، بادشاہتیں سب یاد ہیں۔ اب دنیا کی حالت یاد کرو، جب بھر جاتی تھی، تو دوسرے کی جگہ نہ رہتی تھی، مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور ہے۔ ملا علی قاریؒ نے اسی مفہوم کو عبارتِ ہذا میں ذکر کر دیا ہے والمعنیٰ اتقیس زمنک هذا الذی انت فیه الآن بزمنک الذی کنت فی الدنیا ان الامکنة اذا

امتلأت بالساكنين لم يكن للاحق مسكن فيها(جمع ج۲ص۲۳)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں، اس عبارت کا ترجمہ اکابر علماء نے وہی تحریر کیا جو تحت اللفظ میں لکھ دیا ہے۔ مگر بندۂ ناچیز کے نزدیک اگر اس کا مطلب یہ کہا جائے تو زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ کیا دنیا کی وسعت اور فراخی بھی یاد ہے کہ تمام دنیا کتنی بڑی تھی اور یہ اس لئے یاد دلایا کہ آئندہ تمام دنیا سے دس گنا زائد اس کو عطا فرمانے کا اعلان ہونے والا ہے، تو ساری دنیا کا ایک مرتبہ تصور کرنے کے بعد اُس عطیہ کی کثرت کا اندازہ ہو۔

آخری جنتی کی تمنا :

تمن ! بمعنیٰ ادع کے ہے، دعا کو تمن سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تمنی غیر ممکن اشیاء کی بھی ہوتی ہے، جہاں حصولِ الشئ کے اسباب بعیدہ ہوں، مقصد دعا کا یہ ہے کہ انتہائی عظیم چیز کی تمنا کرو، کیونکہ دعا ہوتی ایسی چیز کے بارے میں ہے جو مل سکے، ای تمن من کل جنس و نوع تشتهی من وسع الدار وكثرة الاشجار فان لك مع امتلائها مساكن كثيرة واما كن كبيرة وجنت تجری من تحتها الانهار كلها على طريق خرق العادة بقدرة الملك الغفار (جمع ج۲ص۲۳) (اس کو کہا جائے گا کہ تو ہر جنس اور نوع کی آرزو اور تمنا کر چاہے آپ گھر یعنی (جنت کی وسعت) چاہتا ہے درختوں کی کثرت مطلوب ہے جنت کے بھر جانے کے باوجود آپ کے لئے اس میں بہت بڑے مکانات اور ایسے باغات جن کے نیچے نہریں ہوں گے یہ سب کچھ خلافِ عادت صرف اس ذاتِ اقدس کی قدرت سے ہوں گے جو بادشاہوں کے بادشاہ اور بہت بخشنے والی ذات ہے) ولا تقس حال الأخرىٰ بحال الدنيا فان تلك دار ضيقة و محنة و هذه دار متسعة و منحة (مواہب ص۱۶۸) (اور تو آخرت کے گھر کا قیاس دنیا کے گھروں پر نہ کر کیونکہ یہ تو بہت تنگ و تاریک اور تکلیف دہ ہیں اور آخرت کا گھر تو بڑا وسیع اور مخصوص حد یہ ہے)

ادنیٰ جنتی کا اعلیٰ مقام :

فيقال له ! پس اس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا جائے گا کہ تیرے لئے وہ بھی ہے، جس کی تو تمنا کر رہا ہے، و عشرة اضعاف الدنيا ، اور اس سے دس گنا بھی، اضعاف بمعنیٰ امثال کے ہے

فضعف الشئی مثله و ضعفاه مثلاه و اضعافه امثاله (مواہب ۱۶۹) (تو ایک چیز کا ضِعف اس کا مثل ہوا اور دوضعف دو مثل ہوئے اور ایک چیز کے چند اضعاف اس کے چند امثال ہوئے) لیکن دس گنا مساحت ومقدار کے اعتبار سے نہیں بلکہ قدر و قیمت کے اعتبار سے ہے، جو کچھ اسے آخرت میں دیا جائے گا، وہ دنیا کی نعمتوں میں سے دس گنا بڑھ کر ہوگا، جیسے علامہ بیجوریؒ کی اس عبارت سے ظاہر ہے **فما یعطاه فی الآخرة یکون مقدار عشرة اضعاف الدنیا ـــ بحسب القیمة بل افضل و اجل** (مواہب ص ۱۶۹) جیسا کہ سونا' دنانیر وغیرہ، گھوڑے کے مقابلہ میں مساحت ومقدار میں کم ہیں، لیکن قیمت میں بڑھ کر ہیں، ہاں یہ بھی یاد رہے کہ اگر مساحت ومقدار کے اعتبار سے بھی اضعاف ہو، تو اس کے لئے بھی کوئی مانع نہیں ہے ـــ **ولا مانع من المضاعفة بالمساحة والمقدار**، کیونکہ ایک روایت میں تصریح ہے، کہ ادنیٰ سے ادنیٰ جنتی کا گھر ایک ہزار سال کی مسافت کے برابر وسیع ہوگا، وہ اس کی انتہاء کو ایسے دیکھے گا، جیسے ابتداء کو دیکھ رہا ہے، **وینظر الی جناته و نعیمه و خدمه و سرره مسیرة الف سنة وارفعهم الذی ینظر الی ربه بالغداة والعشی** (مواہب ص ۱۶۹) (اور یہ جنتی شخص اس کے باغات اور اس کی نعمتیں اور اس کے خدام اور تخت وغیرہ کو ایک ہزار سال کی مسافت سے دیکھے گا اور ان میں سے سب سے مرتبہ کے لحاظ سے بڑا وہ ہوگا جو صبح وشام دیدارِ خداوندی سے مشرف ہوتا رہے)

آخری جنتی کی حیرت واستعجاب :

اتسخربی و انت الملک ! بعض نسخوں میں أتسخرنی اور بعض میں أتسخرمنی نقل ہوا ہے۔ سخر کا صلہ با اور مِن آتا ہے اور بغیر صلہ کے بھی تعدیہ ہوتا ہے۔ ایسے الفاظ انسان سے خوشی اور جوشِ مسرت کے وقت نکلتے ہیں۔ جیسے حدیث میں ایک شخص کا واقعہ منقول ہے، جس کی اونٹنی گم ہوگئی تھی اور وہ نا اُمیدی کے بعد اچانک مل گئی، تو اس نے جوشِ مسرت میں کہا، **انت عبدی و انا ربک** (تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں) اس کو سبقت لسانی کہتے ہیں، یعنی بارِالٰہا ! آپ تو ملِک الملوک ہیں، شہنشاہ اور احکم الحاکمین ہیں اور میں بندۂ فقیر، بادشاہوں کے بادشاہ کے شایانِ شان یہ نہیں کہ وہ ایک حقیر وفقیر اور ذرۂ بے مقدار سے مذاق کرے ـ اسی کو علامہ ملا علی قاریؒ نے **والحال انک الخ** کی

عبارت سے ذکر کیا ہے) والحال انک الملک العظیم الشان عظیم البرھان وانا العبد الذلیل المستھان والیک المشتکی وانت المستعان (جمع ج۲ص۲۴) وھذا نھایة الخضوع و ھوسبب لکمال جود الملک و لذالک نال ما نال من الاکرام. (مواہب۱۶۹)(اور یہ انتہائی عاجزی ہےاور یہی بادشاہ (ذاتِ خداوندی) کے کمالِ جودوسخا کا سبب ہے اس لئے کہ جو اکرام واعزاز ملنا تھا وہ مل گیا اوراس کو پالیا)

بعض حضرات نے کہا کہ ممکن ہے کہ یہ خطاب اس شخص سے کسی فرشتہ کے ذریعہ ہوا ہو، تو انت الملک (تو اس وقت لفظ ملک بفتح اللام بمعنیٰ فرشتے کے ہوگا تو پھر معنیٰ یہ ہوگا کہ تو میرے ساتھ مذاق کرتا ہے حالانکہ تو فرشتہ ہے) (بفتح اللام) پڑھا جائے گا، و خطر لی انہ یمکن ان یکون المخاطب بھذا المقال و احد من الملائکة(جمع ج۲ص۲۴) (جیسے کہ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ ممکن ہے کہ اس مقولہ کا مخاطب فرشتوں میں سے کوئی فرشتہ ہو)

ضحک 'اس موقع پر حضور اقدس ﷺ نے ہنس دیا دو وجہ سے'اس آدمی کی دہشت وحیرت اور ربّ قدیر سے معاملہ'اس آدمی کی اپنے گناہوں پر بھی اور وسعتِ رحمت پر نظر اور اللہ پاک کی شفقت وعنایت اوراس کے فضل ورحمت کا اس کے غضب پر غالب ہونے پر جیسے علامہ بیجوریؒ یہ لکھتے ہیں ای تعجبًا مِن دھش الرجل و مِن غلبة رحمته تعالیٰ علٰی غضبه(مواہب ص۱۶۹)

(۸/۲۲۶) حَدَّثَنِیْ قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ اَنْبَاَنَا اَبُوالْاَحْوَصِ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ عَنْ عَلِیِّ بْنِ رَبِیْعَةَ قَالَ شَهِدْتُ عَلِیًّا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اُتِیَ بِدَابَّةٍ لِیَرْكَبَهَا فَلَمَّا وَضَعَ رِجْلَهٗ فِی الرِّكَابِ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ فَلَمَّا اسْتَوٰی عَلٰی ظَهْرِهَا قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ثُمَّ قَالَ سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَ اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ثُمَّ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ثَلَاثًا وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ثَلَاثًا سُبْحَانَكَ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ثُمَّ ضَحِكَ فَقُلْتُ لَهٗ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ ضَحِكْتَ یَا اَمِیْرَ الْمُوْمِنِیْنَ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ كَمَا صَنَعْتُ ثُمَّ ضَحِكَ فَقُلْتُ

مِنْ اَیِّ شَیْئٍ ضَحِکْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اِنَّ رَبَّکَ لَیَعْجَبُ مِنْ عَبْدِہٖ اِذَا قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ یَعْلَمُ اَنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اَحَدٌ غَیْرِیْ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کی خبر ابوالاحوص نے ابی اسحٰق کے واسطہ سے دی اور انہوں نے یہ روایت علی بن ربیعۃ سے روایت کی۔ ابن ربیعہؓ کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس (ان کے زمانۂ خلافت میں) ایک مرتبہ (گھوڑا وغیرہ) کوئی سواری لائی گئی۔ آپ نے رکاب میں پاؤں رکھتے ہوئے بسم اللہ کہا اور جب سوار ہوئے تو الحمدللہ کہا، پھر یہ دعا پڑھی، سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ وَ اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْن۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارے لئے مسخر فرمادیا ورنہ ہم کو اس کے مطیع بنانے کی طاقت نہ تھی اور واقعی ہم سب لوگ اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ پھر حضرت علیؓ نے الحمدللہ تین مرتبہ کہا، پھر اللہ اکبر تین مرتبہ کہا، پھر سُبْحَانَکَ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔ تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے اور میں نے تیری نعمتوں کا شکر ادا نہ کرنے میں اور اوامر کی اطاعت نہ کرنے میں اپنے ہی نفس پر ظلم کیا ہے، پس یا اللہ آپ میری مغفرت فرمائیں، کیونکہ مغفرت تو آپ کے سوا اور کوئی کر ہی نہیں سکتا، اس دعاء کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہنسے۔ ابن ربیعہؓ کہتے ہیں کہ میں نے ہنسنے کی وجہ پوچھی، تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے بھی اسی طرح دعائیں پڑھی تھیں اور اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے بھی تبسم فرمایا تھا۔ میں نے بھی حضور اکرم ﷺ سے تبسم کی وجہ پوچھی تھی جیسا کہ تم نے مجھ سے پوچھی تو حضور اطہر واقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ حق تعالیٰ جل شانہٗ بندہ کے اس کہنے پر کہ میرے گناہ تیرے سوا کوئی معاف نہیں کر سکتا، خوش ہو کر فرماتے ہیں کہ میرا بندہ یہ جانتا ہے کہ میرے سوا کوئی شخص گناہ معاف نہیں کر سکتا۔

اَللّٰھُمَّ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ، اَللّٰھُمَّ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ لَکَ الْکِبْرِیَاءُ وَالْعَظَمَۃُ۔ (اے اللہ میری اور میرے والدین کی مغفرت فرمادیں کیونکہ آپ کی ذاتِ اقدس کے سوا اور کوئی مغفرت کر ہی نہیں سکتا اے اللہ! میں تو تیری حمد ثنا شمار ہی نہیں کر سکتا۔ تیرے ہی

لئے عظمت بڑائی اور کبریائی ہے)

راوی حدیث (۴۹۹) علی بن ربیعہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

تمہید :

مضمونِ حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہوگیا ہے۔ موضعِ استشہاد یا ترجمۃ الباب سے مناسبت **فقلت من ای شئی ضحکت یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم** (میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ کس چیز سے ہنس پڑے) میں ہے، جس کی تفصیلی بحث گذشتہ احادیث میں عرض کر دی گئی ہے ذیل میں بعض الفاظِ حدیث کی قدرے تشریح نقل کر دی جاتی ہے۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

حدیثِ زیرِ بحث میں حضور اقدس ﷺ کے ایک معمول کا بیان ہے۔ یہ حضرت علیؓ کی خلافت کا دور تھا۔ **ان القضیۃ فی ایام خلافتہ** (جمع ج۲ص۲۶) آپ کہیں تشریف لے جانا چاہتے تھے۔ **اتی بدابۃ**، تو آپ کے لئے سواری لائی گئی۔

لفظِ دابۃ کی تشریح :

دابۃ لغت میں **ما یدب علی وجہ الارض** (ہر وہ چیز جو روئے زمین پر حرکت کرے) کو کہتے ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں بھی اسی مفہوم میں مذکور ہے۔ **وما من دابۃ فی الارض الا علی اللّٰہ رزقھا** (زمین میں کوئی جاندار نہیں مگر اس کا رزق اللہ تعالیٰ پر ہے) پھر عرف عام میں اسے ذوات الاربع کے ساتھ خاص کر دیا گیا۔ **ثم خصھا العرف العام بذوات الاربع** (جمع ج۲ص۲۵)

فلما وضع رجلہ ...... مراد ارادہ ہے یعنی جب گھوڑے پر سوار ہونے کے لئے رکاب میں پاؤں رکھنے کا ارادہ فرمایا، تو **بسم اللّٰہ** کہا، جار مجرور ارکب محذوف سے متعلق ہے۔ حضرت علیؓ نے یہ عمل حضور اقدس ﷺ کی اتباع و پیروی میں کیا کہ آگے اس کی تفصیل نقل کر دی گئی ہے۔ گویا کہ حضور اقدس ﷺ کا یہ عمل حضرت نوح علیہ السلام کے عمل سے ماخوذ ہے۔ **کما یدل علیہ حکایۃ عن نوح**

علیہ السلام قال ارکبوا فیها بسم الله لان الدابة بالبر کالسفینة بالبحر (مواہب ص۱۶۹) (جیسے کہ قرآن مجید میں بطور حکایت نوح علیہ السلام کا قول اس پر دلالت کررہا ہے کہ اس کشتی میں اللہ کا نام لیکر سوار ہو جاؤ اس لئے کہ خشکی میں جانور پر سواری کا حکم بمنزلہ کشتی کے سوار کے سمندر میں ہونے پر) فلما استوی ... جب پیٹھ پر آرام سے بیٹھ گئے تو الحمد للہ کہا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ یہ کس قدر عظیم نعمت ہے کہ ایک طاقتور گھوڑے کو اللہ نے ان کا مطیع وفرمانبردار بنادیا ہے، علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں وهی تذلیل هذه الدابة واطاقته لنا علی رکوبها مع الحفظ عن شرها (مواہب ص۱۶۹) یہ تمام اذکار بھی اللہ کے اس ارشاد سے ماخوذ ہیں ، وجعل لکم من الفلک والانعام ما ترکبون لتستووا علی ظهوره ثم تذکروا نعمة ربکم اذا استویتم علیه (الآیة) (اور بنادیا تمہارے واسطے کشتیوں اور چوپایوں کو جس پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ چڑھ بیٹھو تم ان (کشتیوں اور چوپایوں) کی (سطح اور) پیٹھ پر پھر جب اس پر بیٹھ چکو تو اپنے رب کی نعمت تو یاد کرو اور کہو کہ اس کی ذات پاک ہے جس نے ان چیزوں کو ہمارے بس میں کردیا اور ہم ایسے (طاقتور اور ہنرمند) نہ تھے جو ان کو قابو میں کرلیتے اور ہم کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے) ثم قال سبحن الذی ...... دعا میں اللہ کی تنزیہہ کا بیان ہے کہ باری تعالیٰ کی ذات استواء علی الدابة کی طرح استواء علی مکان سے پاک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، وہ شریک سے منزہ ہے، نیز وہ ہر قسم کے دابۃ وحیوان کی تذلیل کے عجز سے پاک ہے، وہ قادر ہے، جس نے اس گھوڑے کی طرح ساری کائنات کو ہمارے لئے مسخر کردیا۔

مقرنین ای مطیقین (اتحافات ص۲۸۲) (مقرنین کا معنیٰ مطیقین ہے یعنی ہماری یہ طاقت نہ تھی کہ ہم ان جانوروں کو مسخر کرلیتے) و انا الی ربنا ای حکمه و امره او قضائه و قدره او جزائه واجره (جمع ج۲ ص۲۵) (اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف یعنی اس کے حکم یا قضاء وتقدیر یا جزا اور اجر (کی طرف لوٹنے والے ہیں) اس کا مطلب یہ ہوا کہ لفظ ربّنا سے پہلے مضاف محذوف ہے)

تکبیر وحمدلہ میں تثلیث کی حکمت :

ثم قال الحمد لله ثلاثاً ای ثلاث مرات ' تکرار میں تعظیمِ نعمت کی طرف اشارہ ہے۔ او

الاول لحصول النعمة والثانی لدفع النقمة والثالث لعموم المنحة (جمع ج۲ص۲۵) (یا پہلی بار الحمد للہ کہنا حصولِ نعمت پر اور دوسری بار عذاب اور تکلیف کے دفع ہونے پر اور تیسری بار بوجہ عموم عطا وکرم کے) واللہ اکبر ثلاثا اما تعظیمًا لهذه الصنعة او الاول ایماء الی الکبریاء والعظمة فی ذاته والثانی للتکبیر والتعظیم فی صفاته والثالث اشعار الی انه منزه عن الاستواء المکانی والاستعلاء الزمانی (جمع ج۲ص۲۵) (اور آپ ؐ کا تین بار اللہ اکبر کہنا یا تو اس کاریگری کی عظمتِ شان کے لئے یا پہلی بار تو اللہ کی ذات میں عظمت اور کبریائی کو اشارہ ہے اور دوسری بار میں اس کی صفات کی تعظیم و بڑائی کی طرف اور تیسری بار میں ذاتِ باری تعالیٰ کا استواء مکانی اور زمانی سے تنزیہ اور پاکی کا اظہار ہے)

سبحانک ...... ہوا اور زمین کی ہر سواری خواہ وہ حیوانات میں سے ہو یا گاڑی اور جہاز ہو پر سفر کرتے وقت مذکورہ دعائیں پڑھنا مسنون ہیں۔

البتہ کشتی یا پانی کے جہاز کے سفر میں بسم اللّٰہ مجرٖها و مرسٰها ان ربی لغفور رحیم (ھود: ۴۱) (اللہ کے نام کے ساتھ ہے چلنا اس کا اور تھمنا اس کا تحقیق رب میرا البتہ بخشنے والا مہربان ہے) پڑھنا مسنون ہے۔

تعجب بمعنیٰ محبت ورضا کے :

ان ربک لیعجب .... عجب یعجب کا لغوی معنیٰ تعجب کرنا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی ذات تعجب سے منزہ ہے، کیونکہ تعجب کسی نامعلوم چیز کے علم میں آنے پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز معلوم ہے، چنانچہ یہاں معنیٰ ہے کہ اللہ اپنے بندے پر راضی ہو جاتا ہے۔ وعجب ربنا کنایة عن رضاه و سروره (اتحافات ۲۸۲)

حدیث سے ماخوذ افادات :

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بارش ہوتی ہیں اور وہ اس میں گھرا پڑا رہتا ہے، تو اس پر لازم ہے کہ وہ شکرِ نعمت میں تکثیر و مداومت اختیار کرے ، ینبغی أن یکثر من شکر النعمة (اتحافات ص۲۸۲)

وفی کلام النبی صلی اللہ علیہ وسلم إشارة الی سعة مغفرة اللہ ورحمته و رضوانه (اتحافات ص۲۸۲) (صاحبِ اتحافات فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے کلام میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت، رحمت اور رضامندی کی طرف اشارہ ہے)

(۹/۲۲۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَنْبَانَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ سَعْدٌ لَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ قَالَ قُلْتُ كَيْفَ كَانَ ضِحْكُهٗ قَالَ كَانَ رَجُلٌ مَعَهٗ تُرْسٌ وَ كَانَ سَعْدٌ رَامِيًا وَ كَانَ يَقُوْلُ كَذَا وَكَذَا بِالتُّرْسِ يُغَطِّي جَبْهَتَهٗ فَنَزَعَ سَعْدٌ بِسَهْمٍ فَلَمَّا رَفَعَ رَاْسَهٗ رَمَاهُ فَلَمْ يُخْطِئْ هٰذِهٖ مِنْهُ يَعْنِيْ جَبْهَتَهٗ وَانْقَلَبَ وَ شَالَ بِرِجْلِهٖ فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ قُلْتُ مِنْ اَيِّ شَيْئٍ ضَحِكَ قَالَ مِنْ فِعْلِهٖ بِالرَّجُلِ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر محمد بن عبداللہ انصاری نے دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے ابن عون نے محمد بن اسود کے واسطہ سے بیان کیا۔ ان کو یہ روایت عامر بن سعدؓ نے نقل کی۔ عامر بن سعدؓ کہتے ہیں کہ میرے والد سعدؓ نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ غزوۂ خندق کے دن ہنسے، حتی کہ آپؐ کے دندانِ مبارک ظاہر ہو گئے۔ عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ کس بات پر ہنسے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ایک کافر ڈھال لیے ہوئے تھا اور سعد گو بڑے تیرانداز تھے، لیکن وہ اپنی ڈھال کو ادھر اُدھر کر لیتا تھا، جس کی وجہ سے اپنی پیشانی کا بچاؤ کر رہا تھا۔ سعدؓ نے ایک مرتبہ تیر نکالا۔ جس وقت اس نے ڈھال سے سر اُٹھایا، فوراً ایسا تیر مارا کہ پیشانی سے چوکا نہیں اور فوراً گر گیا، ٹانگ بھی اوپر کو اُٹھ گئی، پس حضور اقدس ﷺ اس قصہ پر ہنسے۔ میں نے پوچھا کہ اس میں کونسی بات پر انہوں نے فرمایا کہ سعدؓ کے اس فعل پر ۔

راویانِ حدیث (۵۰۰) عبداللہ بن عونؒ (۵۰۱) محمد بن محمد بن الاسودؒ اور (۵۰۲) عامر بن سعدؒ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

نقل روایت :

عامر اپنے والد حضرت سعدؓ سے نقل کرتے ہیں۔ حضرت سعد قدیم الاسلام صحابی اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، سترہ سال کی عمر میں اسلام لائے، فرماتے ہیں **کنت ثالث الاسلام و انا اول من رمٰی بسهم فی سبیل اللّٰه** (جمع ج۲ص۲۷) (کہ میں اسلام لانے میں تیسرا شخص تھا اور میں ہی پہلا وہ آدمی ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیر پھینکا اور چلایا ہے)

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

لفظِ خندق معرب ہے...... **لان الخاء و الدال و القاف لا تجتمع فی کلمة عربیة .** (اتحافات ۲۸۳) (اس لئے کہ خاء دال اور قاف کا اجتماع کلمہ عربیہ میں نہیں ہوا کرتا) اور جعفر کے وزن پر **حفیر حول اسوار المدینة** (جمع ج۲ص۲۷) (خندق کا معنیٰ ایک طویل گڑھا جو مدینہ کی شہر پناہ کے اردگرد تھا)

الترس ! وهو ما یستتر به حال الحرب (اتحافات ص۲۸۳) (ترس (ڈھال) کی تعریف میں کہتے ہیں کہ جس کے ذریعہ جنگ کے حال کو چھپایا جائے) ایک روایت میں ترس کی جگہ قوس منقول ہے (مواہب ص۱۷۱) **و کان سعد رامیًا** (اور حضرت سعدؓ تیر انداز تھے) یہ اگر حضرت سعدؓ کا کلام ہے تو اس میں التفات ہے، کیونکہ وہ **و کنت رامیًا** (میں تیر پھینکنے والا) کہنے والے ہوتے۔ مراد اچھے تیر انداز ہونے کے ہیں ، **وان کان من کلام عامر فلا التفات** (مواہب ص۱۷۱) (اور اگر یہ عامر راوی کا کہنا ہے تو پھر اس میں التفات نہ ہوگا)

قول بمعنیٰ فعل :

و کان الرجل! یہ حضرت سعدؓ کا کلام ہے کہ یہ رجل مشرک و کافر تھا، **یقول کذا و کذا بالترسِ** سے مراد **یفعل کذا و کذا به** ہے، یعنی وہ ڈھال دائیں، بائیں کر کے اپنی حفاظت کرتا تھا، ذکر قول کا ہے مراد فعل ہے اور یہ عرب میں مستعمل ہے ، **والعرب تجعل القول عبارة عن جمیع الافعال و تطلقه علی غیر الکلام تقول قال بیده ای اخذ و قال برجله ای مشی و قالت به العینان سمعًا و**

طاعة ای اومأت به و قال بالماء علی یده ای صبه و قال بثو به ای رفعه و قال بالترس ای اشار به و قلبه و قس علی هذه الافعال (مواہب ص ۱۷۱) (عرب کا یہ دستور وطریقہ ہے کہ وہ قول کا ذکر کر کے اس سے ہر قسم کا فعل مراد لیتے رہتے ہیں اور اس کا اطلاق غیر کلام پر کر لیتے ہیں مثلاً تو کہے گا قال بیده اور اس کا معنیٰ کرے گا اس نے اپنے ہاتھ سے اٹھایا یعنی (قال کو بمعنیٰ اخذ کے لیا) اور قال برجله کا معنیٰ مشی برجله (یعنی پاؤں سے چلا) کا کرتے ہیں اور قالت به العینان کا معنیٰ او مأت به کا کرتے ہیں یعنی آنکھوں سے اشارہ (فرمانبرداری کا کیا) اورقال بالماء علی یده کا معنیٰ صبّه یعنی اس نے ہاتھوں پر پانی ڈالا اورقال بثوبه کا معنیٰ رفعه یعنی اس نے کپڑا اٹھایا اور قال بالترس کا معنیٰ اشاربه وقلبه یعنی ڈھال سے اشارہ کیا اور اس کو الٹایا اور ایسے دوسرے افعال اس پر قیاس کیے جا سکتے ہیں)

وانقلب الرجل ای صار أعلاه أسفله و سقط علی إسته و شال برجله ای رفعها (مواہب ص ۱۷۱) (او، وہ شخص الٹا گرا یعنی اس کا اوپر کا حصہ نیچے ہوا اور وہ اپنی سرین پر گر پڑے اور اپنے پاؤں کو اوپر کیا)

حضور اقدس ﷺ کیوں ہنسے ؟

فضحک النبی صلی اللہ علیه وسلم ! حضور اقدس ﷺ حضرت سعد کی تیراندازی قدرت کی مدد ویاوری، اور رجلِ کافر کے ماہرانہ کرتب کے باوجود تیر کے ہدف پر بیٹھنے پر ہنسے، چونکہ یہاں ہنسی کے متعدد احتمالات تھے، من رمی الرجل و اصابته اومن رفعه رجله و افتضاحه بکشفِ عورته (یا تو اس شخص (سعدؓ) کی ٹھیک تیراندازی سے یا اس کافر کے پاؤں اٹھ جانے اور کشفِ عورت کی وجہ سے شرمندگی ہونے سے) اس وجہ سے حضرت عامر نے حضرت سعدؓ سے استفسار کیا کہ آپؐ کے ہنسنے کا سبب کیا تھا۔قال مِن فعله بالرجل ..... یعنی آپؐ حضرت سعدؓ کی تیراندازی اور ہدف کے نشانہ بننے کی مہارت پر فرحت وسرور سے ہنسے کہ اللہ کا دشمن ڈھیر ہو گیا۔ لامن رفعه لرجله حتی بدت عورته.
(مناوی ج ۲ ص ۲۸) (نہ اس کافر کے پاؤں اٹھانے اور کشف عورت ہو جانے پر)

حضرت عصامؒ کا قول ہے کہ آپؐ اللہ کی قدرت کے ظہور اور کافر کی عاجزی ودرماندگی پر ہنسے کہ اسے ڈھال اور بچاؤ کی تدبیروں نے کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کفار کے

ساتھ بھی ان کے کشفِ عورت یا کسی بھی نوعیت کی تحقیر وتذلیل، اور عار واہانت پر مشتمل کوئی ٹھٹھہ یا مذاق کرنا جائز نہیں ہے۔

خلاصۃ الباب :

احمد عبدالجواد الدومیؒ نے خلاصۃ الباب میں بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وقد افادنا ان ضحک رسول الله صلى الله عليه وسلم كان تبسمًا و ان الادب النبوی يقتضينا ان نقتدی به ما استطعنا الى ذلک من سبيل ، إن القهقهة تذهب بالوقار ، وتبعث فی الانسان السآمة و الملل (اتحافات ۲۸۳) (اور تحقیق ہمیں اس سے یہ معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام کا ہنسنا تبسم کی صورت میں ہوتا تھا اور حضور ﷺ کی یہ عادت اور خصلتِ مبارکہ اس بات کی مقتضی ہے کہ ہم سے جتنا ہو سکے ان عادات میں اس کی متابعت کی کوشش کرنی چاہئے اور حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قہقہہ انسان کے عزت ووقار کو ختم کر دیتا ہے اور انسان میں اکتاہٹ بے قراری دل تنگی کی کیفیت پیدا کرتا ہے)

==================================

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ صِفَةِ مِزَاحِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح اور دل لگی کے بیان میں

مزاح سنت ہے :

اس باب میں چھ ایسی احادیث درج کی جارہی ہیں، جن میں حضور اقدس ﷺ کی خوش مزاجی، بذلہ سنجی اور دل لگی کا بیان ہے۔ مزاح بھی حضور اقدس ﷺ کا ایک معمول اور سنت ہے، مگر اس میں آپؐ کبھی بھی وقار سے گری ہوئی یا دوسرے کو دکھ دینے والی یا غلط بات نہیں فرماتے تھے، بلکہ خوش طبعی اور دل لگی کے لہجے میں صحیح اور حق بات فرمایا کرتے، جیسا کہ آنے والی احادیث میں خود آپؐ کا ارشاد منقول ہے کہ انی لامزح ولا اقول الا الحق (کہ میں مزاح اور دل لگی کرتا ہوں لیکن اس میں بھی حق اور صحیح بات کہتا ہوں) مزاح (بکسر المیم) ہو تو اس کا معنٰی ہنسی اور انبساط ہوتا ہے۔ وھو بمعنٰی الممازحة (اتحافات ص ۲۸۴) اور مُزاح (بضم المیم) ہو تو معنٰی خوش طبعی اور دل لگی اور مذاق کا ہوتا ہے۔ وھو الانبساط مع الغیر من غیر تنقیص أو تحقیر له بأی لون من الالوان (اتحافات ص ۲۸۴) (وہ کسی سے ایسی خوش طبعی اور مذاق جس میں اس کی تنقیص وتحقیر کا پہلو نہ ہو چاہے پھر جس طرز میں ہو) صاحبِ مرقاۃ مزاح اور مسخرہ کا فرق ان الفاظ سے بیان کرتے ہیں۔ ثم المزاح انبساط مع الغیر من غیر ایذاء فان بلغ الایذاء یکون سخریة (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۴۱۶) (کہ مزاح ایسی دل لگی اور انبساط ہے جو کسی شخص سے بغیر اسی ایذاء دیے کی جاوے اور اگر اس میں ایذاء یا تحقیر وغیرہ ہو تو پھر مسخرہ ہوا)

مزاح سے ممانعت کے وجوہ :

باقی رہی یہ بات کہ بعض روایات میں آپؐ سے مزاح کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ ملا علی قاریؒ دونوں قسم کی روایات میں تطبیق کی غرض سے امام نوویؒ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ وہ مزاح جس کی نہی وارد

ہوئی ہے، وہ ہے جس میں افراط ہو اور ہمیشہ کیا جائے، وہ جو کہ زیادہ ہنسی کا باعث ہو، قساوتِ قلب کا سبب ہو، اللہ کی یاد سے غافل کرنے والا ہو، مہماتِ دینی سے توجہ ہٹادے، کینہ پیدا کرے اور وقار اور ہیبت کو گرادے۔ فانہ یورث کثرۃ الضحک و قسوۃ القلب' و یشغل عن ذکر اللّٰہ والفکر فی مہمات الدین، و یوجب الأحقاد' و یسقط المہابۃ والوقار (جمع ج۲ ص۲۹) اور جو مزاح ان مذموم اُمور سے خالی ہو، دوسروں کی دلداری' خوش طبعی، فرحت وسرور اور انبساط ونشاط کا سبب ہو، وہ مستحب ہے۔

واما ماسلم من ھذہ الامور فھو المباح الذی کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم یفعلہ علی الندرۃ لمصلحۃ تطییب نفس المخاطب و مؤانستہ وھو سنۃ مستحبۃ (جمع ج۲ ص۲۹)

حضورِ اقدس ﷺ کے لئے مزاح ضروری ہونے کی غرض :

حضورِ اقدس ﷺ خوش طبع تھے۔ دوسرا یہ کہ آپ کے لئے مزاح وخوش طبعی کی ضرورت بھی تھی، کیونکہ آپ کی عظمت ووقار اور رعب وشوکت اور ہیبت و دبدبہ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ ایک ماہ کی مسافت تک اس کے اثرات پڑتے تھے، اگر آپ خوشی طبعی' دل لگی' مسکراہٹ اور مزاح نہ فرماتے' تو حاضرین وخدام اور مستفیدین کے لئے آپ کی عظمت ورعب کی وجہ سے بھرپور استفادہ مشکل تھا اور آپ کی اتباع میں اُمت کے علماء، صلحاء، مصلحین، اساتذہ، مربیین اور مشائخ بھی اسی سنت پر عمل کرکے کام کرتے، تو عامۃ الناس کے لئے افادہ واستفادہ بہت مشکل ہوجاتا۔ اس لئے آپ کو مزاح کا مزاج دیا گیا۔ **سئل بعض السلف عن مزاحہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال کانت لہ المہابۃ العظمیٰ' فلو لم یمازح الناس لما اطاقوا الاجتماع بہ والتلقی عنہ** (اتحافات ص۲۸۴) (بعض اسلاف کرامؒ سے حضور ﷺ کے مزاح کرنے کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ کی ذاتِ اقدس تو ایک عظیم بارعب شخصیت تھی کہ اگر آپ ﷺ ان لوگوں سے کچھ خوش طبعی نہ فرماتے تو پھر ان کے لئے حضور ﷺ کی مجلس میں بیٹھنا اور ان سے استفادہ حاصل کرنے کی ہرگز طاقت نہ ہوتی) اس سلسلہ میں امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ آپ نمازِ تہجد کے بعد گھر میں کچھ (دل لگی کی) باتیں کرکے باہر تشریف لاتے تھے، تاکہ ان تجلیات کا اثر زائل ہوجائے، جس کا عامۃ الناس تحمل نہیں کرسکتے تھے (تقریری ترمذی)

مزاح آفت نہیں سنت ہے :

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ رقمطراز ہیں کہ امامِ سفیان بن عیینة سے کسی نے عرض کی کہ حضرت! مزاح بھی ایک آفت ہے، انہوں نے فرمایا نہیں! بلکہ یہ سنت ہے، لیکن جو مزاح کو سمجھے بھی اور اپنے مواقع اور محل میں استعمال کرے قیل لسفیان بن عیینة: المزاح هجنة فقال بل هو سنة لكن لمن يحسنه ' ويضعه مواضعه (اتحافات ص ۲۸۶)

أفد طبعک المکدود بالجد راحة بجد و علله بشئٍ من المزاح

ولكن اذا اعطيته المزاح فليكن على قدر مايعطى الطعام من الملح

(مواہب ص ۱۷۲)

(اپنی تھکی ماندہ طبیعت کو سنجیدگی سے آرام پہنچا اور اس کو کچھ مزاح وخوش طبعی کا عادی بنا لیکن اس کو اتنی خوش طبعی اور بے تکلفی عطا کر جتنا کہ کھانے میں نمک مناسب ہوتا ہے)

(۱/ ۲۲۸) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ اَنْبَانَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ شَرِيْكٍ عَنْ عَاصِمٍ الْاَحْوَلِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَاذَا الْاُذُنَيْنِ قَالَ مَحْمُوْدُ قَالَ اَبُوْ اُسَامَةَ يَعْنِيْ يُمَازِحُهُ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اس کی ابو اسامہ نے شریک کی وساطت سے خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت عاصم احول سے روایت کی حضرتِ انسؓ بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ان کو ایک مرتبہ مزاحاً یـاذاالاذنین فرمایا (اے! دو کانوں والے)۔

یاذا الاذنین کا مطلب :

حضرت انسؓ حضور اقدسؐ کے صحابی اور خادمِ خاص ہیں۔ آنحضرتؐ نے انہیں یا ذاالاذنین سے خطاب فرمایا، جواز راہ مذاق وانبساط تھا۔ ایک طرف تو مذاق ہے اور دوسری طرف حق بھی' شاید اس

جانب اشارہ مقصود ہو کہ حضرت انسؓ ہر چیز پر کڑی نظر رکھتے اور اسے یاد رکھتے ہیں اور یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ جو کچھ تعلیم وہدایت سن لیتے ہیں، اس کے مقتضیٰ پر عمل کرتے ہیں ، ویمکن ان یکون اشارۃ الی کمال انقیادہ و حسن خلمتہ ۔(جمع ج۲ص۲۹)

توصیف بھی اور تعلیم بھی :

جو ایک مخلص خادم اور شب و روز کے ہمدم و رفیق کے لئے بہت ہی اچھا وصف ہے اور یہ بھی خیال کیا جا سکتا ہے کہ حضرت انسؓ علم میں اور تحصیلِ علم میں حریص ہیں، بہت ہی عمدہ طریقے سے آپؐ کے ارشادات سنتے اور کان لگا کر سنتے ہیں۔ کان تو ہر انسان کے دو ہوتے ہیں، مگر مذکورہ خصوصی امتیاز کی وجہ سے انہیں یاذا الأذنین کہہ کر پکارا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے کان چھوٹے ہونے میں یا بڑے ہونے میں دیگر لوگوں سے ممتاز ہوں ۔ علامہ بیجوریؒ اور صاحبِ اتحافات نے یہی مفہوم مندرجہ ذیل عبارات میں ذکر کیا ہے)ای یا صاحب الاذنین السمیعتین الواعیتین الضابطین لما سمعتاہ وصفہ بذلک مدحًا لذکائہ و فطنتہ۔(مواہب ص۱۷۲)ولعل اذنیہ کانتا متمیّزتین بقصر او طول(اتحافات ص۲۸۵)

اس میں ایک سبق بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت انسؓ تو دبستانِ رسول ﷺ کے ایک ادنیٰ طالب علم تھے، انہیں سمجھایا جا رہا ہے کہ بیٹے یا ذا الاذنین کہ دراصل کان وہ ہیں، جن سے حق بات سنی اور سمجھی جائے الحض و التنبیہ علی حسن الاستماع (جمع ج۲ص۲۹) کفار کے بھی تو کان ہوتے ہیں، مگر قرآن نے گواہی دی ہے، وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا (اعراف:۷۹) کہ ان کے کان تو ہیں، مگر وہ سنتے نہیں۔

(۲/۲۲۹) حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ اَبِي التَّيَّاحِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ اِنْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُخَالِطُنَا حَتّٰى يَقُوْلُ لِاَخٍ لِّي صَغِيْرٍ يَا اَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ قَالَ اَبُوْعِيْسٰى وَ فِقْهُ هٰذَا الْحَدِيْثِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ كَانَ يُمَازِحُ وَ فِيهِ انَّهُ كَنَّى غُلامًا صَغِيرًا فَقَالَ لَهُ يَا ابَا عُمَيْرٍ وَ فِيهِ انَ لَا بَأْسَ اَنْ يُعْطِيَ الصَّبِيُّ الطَّيْرَ لِيَلْعَبَ بِهِ وَ اِنَّمَا قَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ لِاَنَّهُ كَانَ لَهُ نُغَيْرٌ فَيَلْعَبُ بِهِ فَمَاتَ فَحَزِنَ الْغُلَامُ عَلَيْهِ فَمَازَحَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا اَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ھناد بن السری نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے وکیع نے شعبۃ کے حوالہ سے بیان کیا، انہوں نے یہ روایت ابی تیاح سے اور انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی۔ حضرتِ انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہمارے ساتھ میل جول، مزاح فرماتے تھے، چنانچہ میرا ایک چھوٹا بھائی تھا، حضور اکرم ﷺ اس سے فرماتے یا اباعمیر ما فعل النغیر، ارے عمیر وہ نغیر کہاں جاتی رہی۔

راوی حدیث (۵۰۳) ابوالتیاحؒ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

اس روایت کے راوی بھی حضورِ اقدس ﷺ کے خادمِ خاص حضرتِ انسؓ ہیں۔ تحت اللفظ ترجمہ میں مفہومِ حدیث واضح ہے، قال ان کان ...... یہ اصل میں انہ کان ہے، فأن مخففة من الثقيلة واسمها ضمير الشأن (مواہب ص۱۷۳)

لیخالطنا ! قاموس میں ہے خالطه ای مازحه اس کا ثلاثی خلط یخلط خلطًا ہے۔ لغوی معنیٰ ملا دینا ہے۔ یہاں مراد مزاح اور مذاق ہے۔ ضمیر متکلم مع الغیر سے مراد حضرتِ انسؓ اور ان کا خاندان ہے کہ اس میں وہ اپنے بھائی کا قصہ نقل کرتے ہیں۔ محشی مشکوٰۃ شریف بحوالہ مرقات لکھتے ہیں کہ وفيه كمال خلق النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم وان رعاية الضعفاء من مكارم الاخلاق وانه يستحب استحالة قلوب الصغار وادخال السرور فی قلوبهم و قد قال اللّٰہ تعالیٰ وصفه الكريم فی كلامه القديم و انک لعلی خلق عظيم (حاشیہ مشکوٰۃ ص۴۱۶) (کہ اس میں حضور ﷺ کے کمال اخلاق کا علم اور یہ کہ ضعیف اور کمزور لوگوں کا خیال رکھنا بھی اچھے اخلاق میں سے ہے نیز یہ کہ چھوٹے

بچوں سے خوش طبعی کرتے ہوئے ان کے دلوں میں خوشحالی پیدا کرنا مستحب ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپؐ کے اخلاقِ کریمہ کو خلقِ عظیم کے امتیازی وصف سے بیان کرتے ہوئے **وانک لعلی خلقٍ عظیم** فرمادیا)

نغیر ! یہ **نغر** کی تصغیر ہے۔اس کی جمع **نغران** ہے،سرخ چونچ والی چڑیا کو کہتے ہیں۔ **ھو طائر کالعصفور احمر المنقار و قیل ھو طائر له صوت و قیل ھو الصقر و قیل غیر ذلک والاشھر الاول** (مواہب ص۱۷۳) علامہ بیجوریؒ نے نغیر کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ چڑیا کی مانند ایک پرندہ سرخ چونچ والا ہے اور بعض نے کہا کہ ایک خوش آواز پرندہ اور بعض نے کہا کہ شکرا ہے بعض نے کچھ اور کہا ہے لیکن پہلی بات زیادہ مشہور ہے) یہ ایک بلبل قسم کا پرندہ ہے۔بعض نے اس کا ترجمہ لال سے اور بعض نے بلبل سے کیا ہے۔

استخراجِ مسائل :

حدیث میں بظاہر تو چند موٹی موٹی باتیں ہیں۔مثلاً حضورِ اقدس ﷺ نے حضرت انسؓ کے چھوٹے بھائی کو کنیت سے پکارا، جب اس کا پالا ہوا پرندہ (بلبل) مرگیا تو وہ مغموم تھا، آپؐ نے اسے چھیڑا، اور دل لگی کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارا وہ نغیر کیا ہوا، حالانکہ آپؐ کو معلوم تھا کہ وہ مرگیا ہے۔

قال ابو عیسیٰ ! امام ترمذیؒ یہاں سے حدیث سے معلوم ہونے والے بعض مسائل کا ذکر کرتے ہیں بعض فقہاء نے تو آپؐ کے مزاح میں ارشاد فرمودہ اس ایک جملہ سے سو (۱۰۰) مسائل کا استخراج کیا ہے، جیسا کہ ابن القاصؒ نے اس پر مستقل رسالہ لکھا ہے۔ **واعلم ان فوائد ھذا الحدیث تزید علی المائة افردھا ابن القاص بجزء** (مواہب ص۱۷۳) کیا شان ہے حضرت محمد ﷺ کے ارشادات کی ایک جملہ اور وہ بھی مذاق و مزاح کا اس میں بھی علوم اور معارف کے خزانے بھرے پڑے ہیں۔

جوازِ مزاح پر استدلال :

وفقه الحدیث امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ جائز مزاح اور مذاق مستحب ہے۔حضورِ اقدس ﷺ سے ثابت ہے۔**کان یمازح** مخاطب کی تطییبِ نفس کے لئے آپؐ

مزاح کیا کرتے تھے...... ای لمصلحة تطییب نفس المخاطب و مؤانسته و ملاطفته و مداعبته و ذلک من کمال خلقه و مکارم اخلاقه و تواضعه ولین جانبه حتی مع الصبیان و سعة صدره و حسن معاشرته للناس (مواہب ص۱۷۳) (جس میں مخاطب سے انس ومحبت پیدا کرنے اس سے نرمی کا معاملہ کرنے اور اس کو خوشحال رکھنے جیسے مصالح کے پیش نظر آپ ﷺ خوش طبعی فرمالیا کرتے حتی کہ چھوٹے بچوں کے ساتھ بھی اور یہی باتیں آپ ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ کی بلندی اور کمالِ تواضع، ملاطفت، وسعتِ صدر اور لوگوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کی دلیل اور امت کے لئے سنہری اصول ہیں)

صغیر کو کنیت سے پکارنا جائز ہے :

وفیه انه کنّٰی ! دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے ایک چھوٹے بچے کو کنیت ابو عمیر سے پکارا، حالانکہ ابھی تو وہ بچہ تھا، تو حدیث سے اس بات کا جواب ہو گیا کہ یہ کذب نہیں بلکہ حقیقت ہے، کیونکہ آپؐ نے ان کی یہ کنیت نغیر کی مناسبت سے رکھی۔ لطف ومزاح کے لئے، اور اب سے مراد ساتھی اور صاحب ہے۔ ابوالکلام' ابوالحسنات وغیرہ کہ یہاں نہ تو کلام کا باپ مراد ہے اور نہ حسنات کا' مراد صاحب ہے۔ نیز یہ تفاول بھی ہے کہ یہ بچہ زندہ رہے اور اللہ اسے باپ بنادے، جیسے علامہ بیجوریؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ وھو لا بأس به لأن الکنیّة قد تکون للتفاول بانه یعیش و یصیر أبا لکونه یولد له (مواہب ص۱۷۳)

پرندوں کا پالنا :

وفیه انه لابأس ...... امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث سے یہ بھی ثابت اور معلوم ہوگیا کہ چھوٹے بچوں کا پرندوں کو پالنا یا ان کے لئے کسی دوسرے کا پالنا اور ان سے کھیلنا جائز ہے۔ بشرطیکہ حفاظت' خدمت اور ان کے حقوق برابر ادا کئے جاسکیں۔ البتہ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس میں تعذیب الحیوان ہے اور وہ شرعاً منھی عنه ہے، شارحینِ حدیث جواب میں کہتے ہیں کہ اس صورت میں تعذیب یقینی نہیں، بلکہ تحسین ورعایت قطعی ہے۔ عموماً پرندے پالنے والے ان کے اکرام واطعام کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں کہ انہیں ان سے محبت ہوتی ہے۔ ویقوم المؤنة علی الوجه اللائق فیجوز

تمکینه منه حینئذٍ والّا حرم (مواہب ص۱۷۳) (اگر پرندہ پالنے والا اس کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھتا ہے تو پھر اس کو اپنے پاس رکھنے کی گنجائش ہے ورنہ حرام ہے)

نیز اس سے چھوٹے بچوں کے لئے جائز کھلونے خریدنا اور ان کو دینے کا جواز بھی ثابت ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی جانور کا پالنا اور پنجرے میں بند رکھنا بھی جائز ہے، بشرطیکہ تعذیب الحیوان سے بچا جا سکے۔ اسی طرح ایک شخص گھر میں اکیلا رہ رہا ہے، یا بیمار ہے اور وہ پرندہ رکھ لیتا ہے تو دل بہلانے کے لئے یہ اس کے لئے جائز ہے۔

حرم مدینہ میں شکار کا مسئلہ :

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حرم مدینہ میں پرندہ کا پنجرہ میں رکھنا جائز ہے، تو اس کا شکار بھی جائز ہے۔ حدیث زیر بحث احناف کا مستدل ہے، جس میں حضورؐ نے ابو عمیر پر نکیر نہیں کی بلکہ اس میں دلچسپی لی اور اس کی دلداری کی۔ جبکہ شوافع حضرات حرم مکہ کی طرح حرم مدینہ میں بھی شکار کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔

سجع کا حکم :

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات جب بلا تکلف بات بنے' مبالغہ آرائی مقصود نہ ہو اور لطف و دل لگی غرض ہو، تو کلام میں سجع بھی جائز ہے، جیسا کہ **یا ابا عمیر مافعل النغیر** سے ظاہر ہے۔ ہاں اگر مبالغہ آرائی غرض ہو اور تصنع و تکلف کرنا پڑے تو سجع ممنوع ہے علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں

ویؤخذ من الحدیث جواز السجع و محل النهی عنه اذا کان فیه تکلف (مواہب ص۱۷۳)

تصغیر اسماء بھی مباح ہے :

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مخاطب کو اس کے اسم مصغر سے بھی پکارا جا سکتا ہے۔ جب بے تکلفی ہو، مخاطب کو حظ و فرحت ہو، تحقیر و تذلیل، اور اعتراض و نکیر غرض نہ ہو بلکہ انبساط و انشراح' دل لگی اور باہمی موانست ہو، **وفیه اباحة تصغیر الاسماء** (جمع ج۲ص۳۲)

(۲۳۰/۳) حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدِ الدَّوْرِيُّ قَالَ اَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ شَقِيقٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنْ سَعِيدِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ تُدَاعِبُنَا قَالَ انِّي لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا.

ترجمہ : امامِ ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عباس بن محمد دوری نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو علی بن حسن بن شقیق نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر عبداللہ بن مبارک نے دی۔ انہوں نے یہ روایت اسامہ بن زید سے روایت کی۔ انہوں نے یہ روایت سعید مقبری سے سنی اور انہوں نے حضرت ابو ہریرۃؓ سے سماعت کی۔ حضرت ابو ہریرۃؓ کہتے ہیں کہ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ ہم سے مذاق بھی فرما لیتے ہیں، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں ہاں مگر میں کبھی غلط بات نہیں کہتا۔

راوی حدیث (۵۰۴) علی ابن الحسن بن شقیقؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضورؐ کے مزاح پر صحابہؓ کا مکالمہ :

تداعبنا ! یہ الدعابة سے ہے فكاهة اور مزاحة کی طرح' داعب سے مصدر ہے، مداعبة' مفاعله کے وزن پر ہے۔

حضراتِ صحابہ کرامؓ کے سوال کی غرض یہ تھی کہ آپؐ ہی نے تو مذاق سے منع فرمایا ہے۔ لا تمار اخاک ولا تمازحه ولا تعده موعدا فتخلفه (مواہب ص۱۷۴) (کہ اپنے بھائی (مسلمان) سے جھگڑا اور مزاح نہ کیا کرو اور نہ اس سے ایسا وعدہ کرو کہ پھر اس کی خلاف ورزی کر دیں) پھر آپؐ کی عظمتِ شان اور علوِ مقام بھی تو اتنا رفیع ہے کہ بظاہر تو مذاق اس کے شایانِ شان نہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے جواب میں یہی فرمایا کہ انی لا اقول الاحقا ای مطابقاً للواقع (مواہب ص۱۷۴) میری عام بات اور میرا مذاق بھی وہی ہوتا ہے، جو واقع کے مطابق اور حق ہو' مبالغہ، استہزاء، تمسخر، دلآزاری نہیں بلکہ دل لگی، دل جوئی، خوش طبعی، موانست و محبت اور حقیقت پر مبنی ہوتا ہے، فمن حافظ على قول الحق مع بقاء المهابة والوقار فله المداعبة بل هي سنة (مواہب ص۱۷۴) (پس جو شخص اپنے مزاح میں حق بات کہنے

اور اپنے عزت وقار اور بارعب رہنے کی رعایت رکھے گا تو اس کے لئے تو خوش طبعی جائز ہے بلکہ سنتِ نبوی ﷺ ہے) یہ تو پہلے بھی عرض کیا جاچکا ہے کہ آپؐ کے ایک مزاحی جملہ سے بھی محدثین نے سینکڑوں مسائل کا استخراج کیا ہے۔

(۴/۲۳۱) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَجُلًا اِسْتَحْمَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ حَامِلُكَ عَلٰى وَلَدِ نَاقَةٍ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هَلْ تَلِدُ الْاِبَلَ اِلَّا النُّوْقُ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث قتیبۃ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو خالد بن عبداللہ نے حمید کے حوالہ سے بیان کیا اور انہوں نے یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کسی شخص نے حضور اقدسؐ سے درخواست کی کہ کوئی سواری کا جانور مجھے عطا فرمادیا جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ایک اونٹنی کا بچہ تم کو دیں گے، سائل نے عرض کیا کہ حضور ﷺ! میں بچے کو کیا کروں گا (مجھے سواری کے لئے چاہئے) حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر ایک اونٹ کسی اونٹی کا بچہ ہوتا ہے۔

راوی حدیث (۵۰۵) خالد بن عبداللہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

والابل اسم جمع لا واحد له من لفظه و هو بكسر تين و سمع تسكين الباء للتخفيف والنوق جمع ناقة و هى انثى الابل قال ابوعبيدة لا تسمىٰ ناقة حتى تجذع (مواہب ص۱۷۵)

سوال وجواب میں حزم واحتیاط کرنا چاہئے :

قصہ سارا تحت اللفظ ترجمہ میں آ گیا ہے۔ یہ رجل' کوئی صاحب ضرورت سادہ بزرگ تھے۔ وكان به بله (مواہب ص۱۷۴) استحمل بابِ استفعال سے ہے۔ اس میں طلب کے معنیٰ پائے جاتے

ہیں، یعنی سواری طلب کی کہ انہیں کہیں سفر درپیش تھا۔ آپ ؐ نے فرمایا انی حاملک علی ولد ناقة (میں تجھے اونٹنی کے بچے پر سوار کروں گا) اور بعض نسخوں میں ولد الناقة بھی آیا ہے۔ آپ ؐ کے اس جملہ مبارک سے اولِ وھلہ میں بظاہر یہی متبادر بھی ہوتا ہے کہ آپ ؐ اسے اونٹ کا چھوٹا بچہ دینے کا فرما رہے ہیں۔ یتبادر منه ماھو الصغیر من اولاد الابل ، حالانکہ اسے تو سفر درپیش ہے۔ اسے بچہ نہیں اونٹ چاہیئے، مگر حضور ؐ نے ایسا جملہ لطافت، دل لگی اور موانست کے لئے اختیار فرمایا مداعبة و ملاطفة و مباسطة له (مواہب ص ۱۷۴)

اس حدیث میں ایک تو آپ ؐ کا لطیف مزاح مذکور ہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ غور وفکر کرنے کے بعد سوال کرنا چاہیئے اور جواب پر بھی غور وفکر کرنا چاہیے۔ ملاعلی قاریؒ شرح حدیث میں فرماتے ہیں، فکانه یقول له لو تدبرت فی الکلام لعرفت المرام ففیه مع المباسطة له الاشارة الی ارشاده و ارشاد غیره بانه ینبغی لمن سمع قولاً ان یتامله و لایبادر الی رده الا بعد ان یدرک غوره (جمع ج ۲ ص ۳۵) (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۴۱۶) (گویا حضور ﷺ اس کو کہہ رہے ہیں کہ اگر آپ نے میری بات میں کچھ غور وفکر کیا ہوتا تو آپ مقصد کو جان لیتے آپ ؐ نے اس کہنے میں خوش طبعی کے ساتھ ساتھ اس شخص کو اور ایسے دوسرے لوگوں کی یہ رہنمائی فرمائی ہے کہ جب کوئی شخص کسی بات کو سنے تو مناسب ہے کہ اس میں تدبر اور غور وفکر کرے اور اس کے جلدی جواب دینے اور رد کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے)

(۲۳۲/۵) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ اَھْلِ الْبَادِیَةِ کَانَ اسْمُهٗ زَاھِرًا وَ کَانَ یُھْدِیْ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ھَدِیَّةً مِنَ الْبَادِیَةِ فَیُجَھِّزُهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَخْرُجَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ زَاھِرًا بَادِیَتُنَا وَ نَحْنُ حَاضِرُوْهُ وَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ یُحِبُّهٗ وَ کَانَ رَجُلًا دَمِیْمًا فَاَتَاهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

يَوْمًا وَ هُوَ يَبِيْعُ مَتَاعَهُ وَاحْتَضَنَهُ مِنْ خَلْفِهِ وَهُوَ لَا يُبْصِرُهُ فَقَالَ مَنْ هٰذَا اَرْسِلْنِيْ فَالْتَفَتَ فَعَرَفَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ لَا يَأْلُوْمَا اَلْصَقَ ظَهْرَهُ بِصَدْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ عَرَفَهُ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ يَشْتَرِيْ هٰذَا الْعَبْدَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذًا وَاللّٰهِ تَجِدُنِيْ كَاسِدًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لٰكِنَّ عِنْدَ اللّٰهِ لَسْتَ بِكَاسِدٍ اَوْ قَالَ اَنْتَ عِنْدَ اللّٰهِ غَالٍ ۔

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت اسحٰق بن منصور نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالرزاق نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت معمر نے بیان کی۔ انہوں نے یہ حدیث ثابت سے روایت کی اور انہوں نے اسے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا۔ حضرتِ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص جنگل کے رہنے والے جن کا نام زاہر بن حرام تھا، وہ جب حاضر خدمت ہوتے، جنگل کے ہدایا سبزی ترکاری وغیرہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے اور وہ جب مدینہ منورہ سے واپس جانے کا ارادہ کرتے تھے، تو حضور اقدس ﷺ شہری سامان خورد ونوش کا ان کو عطا فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زاہر ہمارا جنگل ہے، اور ہم اس کے شہر ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کو ان سے خصوصی تعلق تھا۔

زاہر کچھ بدشکل بھی تھے، ایک مرتبہ کسی جگہ کھڑے ہوئے وہ اپنا کوئی سامان فروخت کر رہے تھے کہ حضور اقدس ﷺ تشریف لائے اور پیچھے سے ان کی آنکھوں پر ہاتھ رکھا کہ وہ حضور ﷺ کو دیکھ نہ سکیں، انہوں نے کہا ارے ! کون ہے، مجھے چھوڑ دے لیکن کن انکھیوں وغیرہ سے دیکھ کر حضور ﷺ کو پہچان لیا، تو اپنی کمر کو بہت اہتمام سے پیچھے کو کر کے حضور اقدس ﷺ کے سینۂ مبارک سے ملنے لگے (کہ جتنی دیر بھی تلبس رہے ہزار نعمتوں اور لذتوں سے بڑھ کر ہے) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کون شخص ہے، جو اس غلام کو خریدے۔ زاہرؓ نے عرض کیا کہ حضور ﷺ ! اگر آپ مجھے فروخت فرمادیں گے تو کھوٹا اور کم قیمت پائیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نہیں اللہ کے نزدیک تو تم کھوٹے نہیں ہو، بلکہ بیش قیمت ہو۔

بارگاہِ نبوت میں دیہاتی ہدایا :

مضمون حدیث اور حضور اقدس ﷺ کے قولی مزاح کی طرح عملی مزاح کا ایک نمونہ بھی تحت اللفظ ترجمہ میں قارئین کے سامنے آ گیا ہے۔ ان رجلاً من اھل البادیۃ یہ صاحب حضورِ اقدس ﷺ کے جلیل القدر بدری صحابی حضرت زاہر بن حرام اشجعی ہیں، جن سے آپؐ کو بے تکلفی تھی۔ دیہاتی آدمی تھے، جب حاضرِ خدمت ہوتے، تو حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں دیہاتی ہدیہ لایا کرتے تھے، ہدیہ دیہاتی ظاہر ہے سبزیاں، ساگ اور پودینہ وغیرہ، ہوا کرتا تھا ھدیۃ من البادیۃ ای حاصلۃ منھا مما یوجد فیھا من الازھار والاثمار والنبات وغیرھا (جمع ج۲ص۳۵) یہ ہدایا آپؐ ان سے قبول کرتے تھے، لانھا تکون مرغوبۃ عزیزۃ عند اھل الحضر (مواہب ص۱۷۵) (اس لئے کہ سبزیاں پھول اور میوے وغیرہ شہریوں کو پسند اور مرغوب ہوتے ہیں)

حضورِ اقدس ﷺ کے ہدایا :

فیجھزہ یعنی پھر جب واپس جاتے تو حضورِ اقدس ﷺ بھی ان کے لئے اُن کے مناسبِ حال شہری ضرورتوں کی تکمیل کر دیا کرتے تھے۔ ضروری برتن اور اہم اشیاء انہیں مرحمت فرماتے ' مما یعینہ علی کفایتھم والقیام بکمال معیشتھم (مواہب ص۱۷۵) (جو ان کی کمالِ معیشت اور برتاؤ میں معین و مددگار ثابت ہوتے)

آپؐ کا قولی مزاح :

ان زاھراً بادیتنا ' یہ حضورِ اقدس ﷺ کے قولی مزاح کی مثال ہے، جو حق ہے۔ آپ فرمایا کرتے کہ زاہرؓ ہمارا دیہات ہے اور ہم اس کے شہر ہیں ۔ ملا علی قاریؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں، ای نستفید منہ مایستفید الرجل من بادیتہ من انواع النباتات فصار کانہ بادیتہ و قیل من اطلاق اسم المحل علی الحال او علی حذف المضاف ای ساکن بادیتنا کما حقق (جمع ج۲ص۳۶) (یعنی ہم ان سے وہ چیزیں حاصل کرتے ہیں جو کوئی شخص ان کو دیہات سے حاصل کرتا ہے یعنی سبزیاں

میوہ وغیرہ تو گویا زاہرؓ ہمارا دیہات ہوا۔ بعض نے کہا کہ یہ از قبیل ذکر محل (دیہات) اور مراد حال (یعنی جو اس میں ہوں سبزیاں وغیرہ) کے ہے۔ یا پھر یہاں مضاف محذوف ہے یعنی لفظِ ساکن دراصل عبارت ان زاهراً ساكن باديتنا ہوگا یعنی زاہرؓ ہمارے دیہات کے رہنے والے ہیں)

ونحن حاضروه ! اى اهل النبوة اوالجمع للتعظيم حاضروه ! اى حاضر و المدينة له و فيه كمال الاعتناء به و الاهتمام بشأنه (جمع ج۲ص۳۶) (نحن حاضروه۔ یعنی ہم اہلِ نبوت اس کے شہر ہیں یا یہ جمع صرف تعظیم کے لئے ہے مراد آپ ﷺ ہیں اس کہنے میں حضرت زاہرؓ کی شان کا اہتمام بخوبی معلوم ہو رہا ہے)

ہدیہ میں اسوۂ حسنہ :

مراد یہ ہے، ہم ان کو یہاں سے وہ چیز عنایت فرماتے ہیں، جنہیں انہیں اپنے دیہات میں ضرورت پڑتی ہے۔ اس میں اُمت کے لئے یہ ارشاد و پیغام ہے کہ ہدیہ کے مقابلہ میں اسی کے برابر بلکہ اس سے بہتر ہدیہ دینا چاہئے۔ علامہ مناویؒ فرماتے ہیں فانما هو ارشاد لـلامة الى مقابلة الهدية بمثلها او خير منها. (مناوی ج۲ص۲۶)

مدارِ قبولیت حسنِ باطن پر ہے :

وكان ... حضورِ اقدس ﷺ حضرت زاہرؓ سے محبت کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے تهادوا تحابوا یہ جملہ آئندہ آنے والی عبارت کے لئے بمنزلہ توطئہ و تمہید ہے، وكان رجلاً یہ اُن لوگوں میں سے تھے، جن کے بارے قرآن نے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ (النور:۳۷) (وہ ایسے مرد کہ نہیں غافل کرتی ان کو سوداگری اور نہ بیچنا، یادِ خدا سے) گواہی دی ہے، دميما ! اى قبيح الصورة مع كونه مليح السيرة (جمع ج۲ص۳۶) (یعنی بدصورت ہونے کے باوجود نیک سیرت تھے) اس میں اس جانب بھی اشارہ ہے کہ بارگاہِ قدس میں قبولیت کا مدار حسنِ باطن پر ہے، حسنِ ظاہر پہ نہیں جیسا کہ ارشاد ہے ان الله لاينظر الى صوركم واموالكم ولكن ينظر الى قلوبكم واعمالكم (بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالداری کو نہیں دیکھتے لیکن تمہارے دلوں اور اعمال پر نظر رکھتے ہیں)

ہوتے سیرت سے ہیں مردانِ دلاور ممتاز
ورنہ صورت میں تو کچھ کم نہیں شہباز سے چیل

حضورِ اقدس ﷺ کا فعلی مزاح :

فاتاہ ...... بہر حال حضرت زاہرؓ صورت میں جیسے بھی تھے، سیرت میں اجمل واکمل تھے، وہ بادیہ سے آتے تو بازار میں دیہاتی چیزیں فروخت کر کے اپنی ضروریات بازار سے خرید کر واپس تشریف لے جاتے۔ ایک مرتبہ آپ کا بازار جانا ہوا تو حضرتِ زاہرؓ اتفاق سے بازار میں اپنا سامان فروخت کر رہے تھے، **و متاعه كان قربة لبن و قربة سمن** (مواہب ص۱۷۶) (اور ان کا سامان ایک مشکیزہ دودھ کا اور ایک مشکیزہ گھی کا تھا) اور اپنے کام میں انہماک تھا۔ حضور اقدس ﷺ نے انہیں دنیوی کام میں منہمک دیکھا تو پیچھے سے آئے اور ان کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا، تا کہ آپؐ کو پہچان نہ سکے **و اخذ عينيه بيديه كيلا يعرفه** (جمع ج۲ص۳۶) اور پیچھے سے انہیں اپنے ساتھ ملا کر دبوچ لیا اور گود میں لے لیا احتضان کا معنی گود میں لینا ہے۔

اى ادخله فى حضنه و هو مادون الابط الى الكشح و جاء من ورائه و ادخل يديه تحت ابطيه (مواہب ص۱۷۶) (یعنی حضور ﷺ نے حضرت زاہرؓ کو اپنے حضن میں لیا (حضن بغل سے نیچے پہلو تک جگہ کا نام ہے) یعنی آپ ﷺ اس کے پیچھے سے آئے اور ان کے دونوں ہاتھ اس کی بغل کے نیچے ڈالے) آگے قصہ بڑھانے سے پہلے یہ بھی واضح کر دیا جائے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بازار میں داخلہ اور حسنِ مخالطت جائز ہے۔ **يؤخذ منه جواز دخول السوق و حسن المخالطة** (مواہب ص۱۷۶)

تقاضائے عشق ومحبت :

فالتفت ...... پس جب انہوں نے آنکھوں کے کناروں سے آپؐ کو پہچان لیا، **اى عرفه بنعت الجمال على وجه الكمال** (جمع ج۲ص۳۶) (یعنی جب حضرت زاہرؓ نے آپ ﷺ کو پوری طرح حسن و جمال کی صفت کے ساتھ پہچان لیا) تو اپنی پیٹھ کو بڑے اہتمام کے ساتھ پیچھے کر کے آپؐ

کے سینہ مبارک سے ملنے لگے۔ تبرکاً و تلذذاً به و تدللاً علی محبوبه (بطورِ تبرک تلذذ اور اپنے محبوب پر ناز برداری کے لئے) ظاہر ہے کہ اس وقت وہ آپ ؐ کے ہاتھوں میں بندھے ہوئے تھے، ورنہ مقتضاءِ عشق ومحبت اور کمال ادب تو یہ تھا کہ ان یقع علی رجلیه و یقبلهما بمقلتیه و یتبرک بغبار قدمیه و یجعله کحل عینیه۔ (وہ حضور ﷺ کے قدموں مبارک پر گر کر آنکھوں سے چومتے اور آپ ﷺ کے قدموں کی غبار کو تبرکاً اپنی آنکھوں کا سرمہ بنا لیتے) (جمع ج۲ص ۳۷)

هذا العبد کی بحث :

جب انہوں نے آپ ؐ کو پہچان لیا تب آپ ؐ نے مزاحاً فرمایا من یشتری هذا العبد (یہ غلام کون خریدے گا) یہ جملہ بھی خلافِ واقع نہیں ہے کہ بعض نسخوں من یشتری العبد آیا ہے، جو بغیر اسم اشارہ کے ہے، گویا یہ ایک عام جملہ ہوا۔ حضرت زاہرؓ کی طرف اشارہ نہیں۔ مگر دیکھنے والا حضرت زاہرؓ کو ہی عبد سمجھ رہا ہے۔ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ اشتراء اور عبد کے ظاہری معنیٰ متروک ہیں، کیونکہ نبی کا یہ حق ہے کہ عبد کو حر اور حر کو عبد قرار دے، اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ○ (الاحزاب: ٦) نبی بہت شفقت کرنے والا ہے مسلمانوں پر ان کی جانوں سے بھی) یا پھر عبد کا معنیٰ عام ہے، کیونکہ ہر انسان اللہ تعالیٰ کا عبد ہے ووجه تسمیته عبدا واضح فانه عبدالله (جمع ج۲ص ۳۷) (اور حضرت زاہرؓ کو عبد کہنے کی وجہ تسمیہ تو ظاہر ہے کہ وہ اللہ کے بندے تو ہیں) و کما فی قوله تعالیٰ اِنْ کُلُّ مَنْ الی قوله تعالیٰ اِلَّا اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا (مریم:۹۳) (اور جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں کہ نہیں کوئی شخص کہ بیچ آسمانوں اور زمین کے ہے مگر آتا ہے رحمٰن کے پاس بندہ ہو کر) اسی طرح اشتراء کا لفظ بعض اوقات اختیار کے معنیٰ میں آتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ...... (التوبہ:۱۱۱)

گویا اس جملہ میں ایک گونہ توریہ ہے اشتراء کا معنیٰ قریب تو خریدنا اور بیچنا ہے۔ مگر آپ ؐ نے اس کا معنیٰ بعید اختیار فرمایا ہے، بمعنی اختیار کے، ای من یقابل هذا الانسان بالاکرام مع انه دمیم و من اهل البادیة (جمع ج۲ص ۳۷) (کون پسند کرے گا اس انسان (زاہرؓ) کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھنا باوجود یہ کہ وہ خوبصورت بھی نہیں اور دیہاتی ہے)

حضرت زاہرؓ کی انکساری :

فقال یا رسول اللہ اذًا ! اس جملہ میں حضرت زاہرؓ کس قدر عجز وانکسار ظاہر کررہے ہیں جواب و جزاء لِشرط محذوف ای ان بعتنی اذا ' کاسدًا ای متاعًا رخیصاً او غیر مرغوب فیہ(جمع ج۲ص۳۷)(اذا کاسداً الخ یہ جملہ جواب اور جزا شرطِ محذوف ان بعتنی کے لئے ہے یعنی اگر آپ ﷺ نے مجھے بیچا تو میں تو بے کار اور سستا سامان ہوں جس کو لوگ پسند بھی نہیں کرتے) کہ یہ زشت رو تو بہت کم قیمت ہے، مگر نگاہِ نبوت میں اس زشت رو کی کتنی قیمت ہے' فرمایا لکن عند اللہ لست بکاسدٍ' او قال،انت عنداللہ غال (لیکن تو اللہ کے نزدیک کم قیمت نہیں یا آپ ﷺ نے فرمایا تو اللہ کے نزدیک بڑا قیمتی ہے) یہ راوی کو شک ہے کہ آپ ؐ نے پہلا جملہ ارشاد فرمایا یا دوسرا۔ اسی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مخلص دوست کی مناسب مدح جائز ہے ۔ فیؤخذ منہ جواز مدح الصدیق بماینا سبہ (مواہب ص۱۷۶)

مزاحِ نبوت' علوم ومعارف کا گنجینہ :

حضورِ اقدس ﷺ کا مزاحِ مبارک بھی علوم ومعارف کا گنجینہ ہوا کرتا تھا۔ اس ایک مزاحی قول وفعل سے بھی دسیوں فقہی مسائل کا علماء نے استخراج کیا ہے۔ اساتذہ' دورۂ حدیث کے طلبہ اور اربابِ ذوق کے لئے امام شیخ عبدالرؤف مناویؒ کے نقل کردہ بعض استخراجی مسائل بھی نقل کردیے جاتے ہیں۔

و فیہ جواز مصادقۃ اھل البادیۃ و محبتھم ' و دخول السوق و اعتناق من یحبہ من خلفہ و لایبصرہ ' و تسمیۃ الحر عبدا و حسن المخالطۃ ' ومواساۃ الفقراء و علم الالتفات الی الصور ان اللہ لا ینظر الی صورکم و لکن ینظر الی قلوبکم و اعمالکم ' ورفع الصوت فی مقام العرض علی البیع ' وعلم المبالات بمنع الماخوذ علی اخذہ فی مقام المداعبۃ و جواز مداعبۃ الادنی مع الاعلی و مدح الصدیق بما یناسبہ والاخبار بالعلم بمحبۃ من یحبک ' و قبول الھدیۃ و المکافلۃ علیھا و ذلک معروف من عادتہ صلی اللہ علیہ وسلم ' اما العمال بعدہ

فیحرم علیهم قبولها الا ما استثنیٰ فی محله ' والاخبار بقدر من له قدر عند الله و غیر ذلک و ذلک کله من فوائد مزاح ذلک الجناب الافخم صلی الله علیه وسلم فمزاحه لیس مزاحاً الا باعتبار الصورة اذ لا یخلو عن بشری فاضلة او مصلحة شاملة او فائدة کاملة فهو بالحقیقة غایة الجد و من ذلک ممازحته لعائشة و مسابقته لها و تراخیه حتی سبقته کما رواه فی العلل عنها فانه مع ما فیه من الملاطفة والمجابرة فیه ریاضة تنفع البدن و تفریح یذهب الحزن (مناوی، ص:۳۷،۳۸) (دیہاتیوں کے ساتھ دوستی اور محبت کا ثبوت بازار کو جانے اور اپنے محبوب کے ساتھ پیچھے سے ایسا معانقہ کرنا کہ وہ آپ کو نہ دیکھ پائے کا جواز اور ایک آزاد کو عبد کہنا اور اچھی مخالطت (ملنا جلنا) اور فقیروں کی غمخواری اور کسی کی صرف صورت کو مدنظر نہ رکھنا بلکہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کو پیش نظر رکھنا کہ اللہ تمہاری صورتوں کی طرف نہیں دیکھتے بلکہ وہ تو تمہارے دلوں اور اعمال پر ہی نظر رکھتے ہیں اسی طرح کسی چیز کی فروخت کے وقت آواز بلند کرنا اور خوش طبعی ادنیٰ کی اعلیٰ کے ساتھ کا جواز اور اپنی دوست کی مناسب طریقہ پر مدح وتعریف کرنا اور محبوب کو اپنی محبت بتلا دینا اور ہدیہ قبول کر لینے اور اس کا بدلہ دینے کا جواز ۔۔۔۔اور یہ تو حضورﷺ کی عادتِ معروفہ تھی رہا بعد کے عمال وغیرہ کا معاملہ تو ان کے لئے لوگوں سے ہدایا اور تحفے قبول کرنا ٹھیک نہیں مگر جن صورتوں کی استثناء اپنے محل میں ہوئی ہے اور اسی طرح جن کی اللہ تعالیٰ کے پاس قدر ومنزلت ہو ان کو ان کے درجہ اور مرتبے کی خبر دینا وغیر ذلک ۔ یہ سب مسائل وفوائد حضورﷺ کے مزاح کرنے ہی سے مستنبط ہوئے معلوم ہوا کہ آپﷺ کا مزاح صرف صورۃً مزاح ہوتا (کیونکہ آپﷺ کا مزاح بشارتِ فاضلہ، مصلحتِ عامہ یا پھر فائدہ کاملہ سے خالی نہ ہوتا) ورنہ حقیقت میں وہ انتہائی حق وصدق پر مشتمل ہوتا تھا اور اسی نوعیت سے ہے مزاح اور خوش طبعی ۔ آپﷺ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان اور مسابقت یعنی ایک دوسرے سے آگے نکلنے کے لئے دوڑنا اور پھر آپﷺ کی تاخیر وتراخی تا کہ حضرت عائشہؓ آگے بڑھ جائے جیسے کہ کتاب العلل میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے دیکھو اس میں ان کی آپس میں ملاطفت اور مجابرت کے ساتھ ساتھ ایسی ورزش بھی ہے جو بدن کے لئے نافع اور ایسی تفریح بھی جو حزن اور غمگینی کو ٹالنے والی ہے)

غیر اللہ میں اشتغال، خواہشات کی بندگی ہے :

امام مناویؒ نے مزید حکم و اسرار بھی نقل کئے ہیں، کہتے ہیں کہ جب حضورِ اقدس ﷺ نے حضرت زاہرؓ کو دیکھا کہ وہ دل کی گہرائیوں سے کاروبارِ دنیا میں مشغول ہیں، تو آپؐ پر یہ شاق گذرا کہ آپ کا ایک محبِّ صادق حُبِّ دنیا کے قعرِ مذلت میں غرق ہو جائے اور اس کا دل ذکرِ حق سے غافل ہو، تو آپؐ نے اُن کو اپنی گود میں لیا، دبوچا، جس طرح ہلاکت کے گڑھوں کے کناروں پر کھڑے ہوئے گرنے والوں کو پکڑا جاتا ہے، تو آپؐ نے اسے پکڑا اور من یشتری ھذا العبد کہہ کر اسے تنبیہ فرمائی کہ وہ دنیاوی اُمور میں منہمک ہو کر عبد الدینار والدراھم (درہم و دینار کی غلامی) کے راستے پر چل پڑا ہے۔ دنیاوی خواہشات کا غلام بن چکا ہے۔ اشارۃ الی ان من شغل بغیر اللّٰہ فھو عبد ھواء (مناوی ج۲ ص۳۸) (اس میں یہ اشارہ ہے کہ جو بھی اللہ کے سوا دوسرے امور میں ہمہ تن مشغول ہو جائے وہ خواہشات نفسانی کا غلام ہے)

حضرتِ زاہرؓ نے بھی دیکھا کہ آپ کی ادنیٰ توجہ سے صفائے باطن میں اضافہ ہوا، تجلیاتِ ربانی کا دل میں مسکن بنا، تو اس نے اس موقع کو غنیمت جانا۔ مزید حصولِ نور کے لئے اپنے کو آپؐ کے جسدِ اقدس سے ملنے لگا۔ بل اجتھد فی تمکین صدرہ بصدر ذلک الصدر الاعظم لیزداد امدادا (مناوی ج۲ ص۳۸)

(۲۳۳/۶) حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَیْدٍ حَدَّثَنَا مُصْعَبُ بْنُ الْمِقْدَامِ حَدَّثَنَا الْمُبَارَکُ بْنُ فُضَالَةَ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ اَتَتْ عَجُوْزٌ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ یُّدْخِلَنِیَ الْجَنَّةَ فَقَالَ یَا اُمَّ فُلَانٍ اِنَّ الْجَنَّةَ لَا تَدْخُلُهَا عَجُوْزٌ قَالَ فَوَلَّتْ تَبْكِیْ فَقَالَ اَخْبِرُوْهَا اَنَّهَا لَا تَدْخُلُهَا وَهِیَ عَجُوْزٌ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ اِنَّا اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۝ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْکَارًا ۝ .

ترجمہ : امامِ ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عبد بن حمید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے

مصعب بن مقدام نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے مبارک بن فضالہ نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت حسن سے سُنی۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک بوڑھی عورت حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ دعا فرما دیجئے کہ حق تعالیٰ جل شانہٗ مجھے جنت میں داخل فرما دے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں بوڑھی عورت داخل نہیں ہوسکتی۔ وہ عورت روتی ہوئی لوٹنے لگی۔ حضور ﷺ نے فرمایا، اس سے کہدو کہ جنت میں بڑھاپے کی حالت میں داخل نہیں ہوگی، بلکہ حق تعالیٰ جل شانہٗ سب اہل جنت عورتوں کو نوعمر کنواریاں بنادیں گے اور حق تعالیٰ شانہٗ کے اس قول انا انشأ نا ھن انشاءً ○ فجعلنٰھن ابکارًا ○ الأیة میں اس کا بیان ہے، جس کا ترجمہ اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے یعنی ہم نے ان کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں (بیان القرآن) (یعنی ہمیشہ کنواریاں ہی رہتی ہیں، صحبت کے بعد پھر کنواریاں بن جاتی ہیں)

راویان حدیث (۵۰۶) المبارک بن فضالہ ؒ اور (۵۰۷) الحسن ؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظِ عجوز کی تشریح :

قصہ تو سارا تحت اللفظ ترجمہ میں واضح ہوگیا ہے۔ اُنت عجوز ایک بوڑھی خاتون' یہ خاتون صفیہ بنت عبدالمطلب ہیں، جو زبیر بن العوام کی والدہ تھیں، وعمة النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذکرہ ابن حجو (مواہب ص ۱۷۷) (اور حضور ﷺ کی پھوپھی تھیں ابن حجرؒ نے اس کو ذکر کیا ہے) عجوزۃ نہ کہا کہ یہ لغت متروک ہے، ولا تقل عجوزۃ اذھی لغة ردیئة (جمع ج ۲ ص ۳۸) قرآن میں بھی لفظِ 'عجوز' مذکور ہے۔ حضرت سارۃ زوجۂ حضرتِ ابراہیمؑ نے اس لفظ کو اپنے حق میں استعمال فرمایا تھا۔ جب فرشتے نے ان کو بیٹے کی بشارت دی تو کہنے لگی یٰوَیْلَتٰٓی ءَ اَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّ ھٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا (ہود:۷۲) (ہائے میری کم بختی! میرے ہاں اولاد کیسے ہوسکتی ہے، میں خود بڑھیا اور یہ میرے خاوند بھی بڑے عمر کے ہیں) لفظِ عجوز کا اطلاق عورتوں کی طرح مردوں پر بھی ہوتا ہے۔ گویا جنت میں داخلے کے وقت عورتوں کی طرح مرد بھی جوان بنادیئے جائیں گے۔

مسلمان مرد اور خواتین، جوان ہو کر جنت میں داخل ہوں گے :

جب بارگاہِ نبوت میں حاضری کے بعد اس خاتون نے آپؐ سے جنت میں داخلے کے لئے دعا کی درخواست کی، تو آپؐ نے اُن سے فرمایا، اِن الجنة لاتدخلها عجوز (کہ جنت میں تو بوڑھی عورتیں داخل نہیں ہوں گی) آپ کا یہ ارشاد مذاق و مزاح ہے اور حق ہے۔ قالها ممازحة و مداعبة لها (اتحافات ص۲۸۸) (آپ ﷺ نے اس کو بطورِ مزاح اور خوش طبعی کے کہا) وہ خاتون آپؐ کے ارشاد مبارک کی حقیقت کو نہ سمجھ سکی اور خود کو جنت سے محروم تصور کر کے بے قرار ہو گئیں۔ فولت تبکی، روتی ہوئی واپس لوٹی فجزعت المرأة فولت باکیة (اتحافات ص۲۸۸)

تب حضورِ اقدس ﷺ نے اپنے ارشاد مبارک کی وضاحت فرمائی کہ جنت میں کوئی خاتون بھی بڑھاپے کی حالت میں نہیں پہنچے گی، بلکہ اللہ پاک اسے جوانی کی حالت میں لوٹا دے گا۔ اسی طرح مسلمان مردوں کا حال ہوگا۔ ہر خاتون اور ہر مرد کو تیس پینتیس سال کی عمر دیدی جائے گی۔ بل یرجعها اللّٰہ شابة بکراً جمیلة ھی و النساء المسلمین (اتحافات ص۲۸۸) (بلکہ اللہ تعالیٰ اس کو اور باقی مسلمان عورتوں کو باکرہ اور حسین و جمیل شکلوں میں جنت میں داخل فرماویں گے) اس کے استدلال میں آپؐ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی۔ اِنَّا اَنۡشَاۡنٰهُنَّ اِنۡشَآءً ۝ فَجَعَلۡنٰهُنَّ اَبۡكَارًا (واقعہ: ۳۵،۳٦)

==========================

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ صِفَةِ کَلَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِی الشِّعْرِ

باب ! حضور اقدس ﷺ کے ارشادات در بابِ اشعار

غرضِ انعقادِ باب :

اس باب میں مصنفؒ نے حضور اقدس ﷺ سے جن اشعار کا پڑھنا یا سننا احادیث میں آیا ہے، وہی یہاں نقل کر رہے ہیں۔

شعر وشاعری اور اس کا شرعی حکم :

شِعر بالکسر کا لغوی معنیٰ ادراک ہے اور شعراء کی اصطلاح میں وہ موزون کلام ہے، جس میں ردیف قافیہ اور وزن ہو اور قصداً ایسا بنایا گیا ہو **ھو الکلام الموزون المقفٰی قصداً** (اتحافات:۲۹۰) جب ہم قصداً کی قید لگاتے ہیں، تو قرآن وحدیث کے ایسے تمام جملے جو وزنِ شعر پر برابر اترتے ہیں سے احتراز ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ شعر نہیں ہیں، اس سے عظمتِ رسول ﷺ بھی سامنے آجاتی ہے کہ آپؐ جب نثر میں اتنا عمدہ کلام کر لیتے تھے، جو وزنِ شعر کی طرح از خود غیر ارادی طور پر موزون ہو جاتا تھا، اگر قصداً شعر پر توجہ دیتے تو کتنے عمدہ اشعار بنا سکتے تھے۔

شعر حضور ﷺ کے شایانِ شان نہیں :

مگر یہ آپؐ کے شایان نہ تھا **وَ مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ** (یٰسین:۶۹) (نہ تو ہم نے اس کو شعر سکھائے اور نہ یہ اس کے لائق ہے)

قرآن مجید کے بارے میں رب العالمین کا اعلان ہے، **وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ** (الحاقۃ:۴۱) (یہ کسی شاعر کا قول نہیں)

مذموم اشعار :

پس جو اشعار حقیقت پر مبنی ظنیات اور وہمیات سے مبرا' مبالغہ اور کذبات سے پاک ہوتے ہیں، ان کا بنانا' پڑھنا اور سننا وسنانا جائز ہے، مگر جو اشعار وہمیات ظنیات، مبالغوں اور کذبات پر مشتمل ہوتے ہیں، وہ مذموم وممنوع ہیں۔ شعر مذموم وہی ہے، جس میں خلافِ واقعہ اُمور اور تخیلات وتصورات نمایاں ہوں، جذبات کی انگیخت ہو اور فحش اُمور کی ترغیب ہو، صاحب اتحافات فرماتے ہیں کہ ولعل الشعر المذموم هو المبلوء بالتشبيب المفضوح' والملئى بتحسين غير الحسن و ذم الحسن من الأمور (اتحافات ص ۲۹۰) متنبیؔ شعر کی مذمت کرتے ہوئے کہتے ہیں ......

لاتحسبن الشعر فضلا بارعا ما الشعر الا هجنة و خيال

الهجو قذف ، والرثاء نياحة والعتب ضغن والمديح سوال

(ضرور بضرور شعر وشاعری کو فضیلت میں یکتا ہونا گمان نہ کر شعر تو غلط کلام اور خیالات ہی ہیں مثلاً ہجو تو تہمت لگانا اور مرثیہ رونا دھونا ہے اور عتاب تو کینہ پروری اور مدح سوال اور مانگنا ہے)

قرآن میں شعراء کا تذکرہ :

اس لئے قرآن نے بھی حضور اقدس ﷺ سے شعر کی نفی ہے اور قرآن میں ایسے اشعار اور شعراء اوران کے متبعین کی مذمت ہے، جو گندے اشعار بناتے، سناتے اور لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ o اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ o (الشعراء:۲۲۵) (شاعروں کی پیروی وہ کرتے ہیں، جو بھکے ہوئے ہوں۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ شاعر ایک ایک بیابان میں سر ٹکراتے پھرتے ہیں)

اچھے اشعار :

حضرتِ عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ سے شعر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا، الشعر كلام حسنه حسن و قبيحه قبيح (اتحافات:۲۹۰) (مشکوٰۃ ص ۴۱۰) (شعر ایک ایسا

کلام ہے کہ اس کا اچھا تو اچھا ہے اور اس کا بُرا بُرا ہی ہوگا) حضور اقدس ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ و إن مِن البيان لسحرا، وإن من الشعر لحكمة و قال عمرؓ تعلموا الشعر، فان فيه محاسن تبتغى ، و مساوئ تتقى (اتحافات ص ۲۹۰) (بعض بیانات البتہ جادو اثر ہوتے ہیں اور اشعار میں سے بعض دانائی اور حکمت کی باتوں پر مشتمل ہوتے ہیں اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں اشعار سیکھا کرو اس میں بعض ایسی خوبیاں ہوتی ہیں جو تلاش کی جاتی ہیں یعنی ضرورت ہوتی ہے اور بعض ایسی برائیاں بھی ہوتی ہیں جن سے بچا جاتا ہے)

(۲۳۳/۱) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ شُرَيْحٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ قِيْلَ لَهَا هَلْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَمَثَّلُ بِشَيْئٍ مِّنَ الشِّعْرِ قَالَتْ كَانَ يَتَمَثَّلُ بِشِعْرِ ابْنِ رَوَاحَةَ وَ يَتَمَثَّلُ وَ يَقُوْلُ وَ يَاْتِيْكَ بِالْاَخْبَارِ مَنْ لَمْ تُزَوِّدٖ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث علی بن حجر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے شریک نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت مقدام بن شریح سے ان کے باپ کے واسطہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ حدیث ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔ حضرت عائشہؓ سے کسی نے پوچھا کیا حضور اقدس ﷺ کبھی شعر بھی پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں مثال کے طور پر کبھی عبداللہ بن رواحہؓ کا کوئی شعر بھی پڑھ لیتے تھے (اور کبھی کبھی کسی اور شاعر کا بھی) چنانچہ کبھی طرفہ کا یہ مصرعہ بھی پڑھ دیا کرتے تھے، و یاتیک بالاخبار من لم تزود یعنی تیرے پاس خبریں کبھی وہ شخص بھی لے آتا ہے، جس کو تو نے کسی قسم کا معاوضہ نہیں دیا۔

راویان حدیث (۵۰۸) المقدام بن شریحؒ (۵۰۹) عن ابیہؒ اور (۵۱۰) ابن رواحۃؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

آپؐ اچھے اشعار شوق سے سنتے تھے :

هل كان النبى صلى الله عليه وسلم يتمثل بشيئ من الشعر...... حضرت عائشہؓ سے

دریافت کیا جارہا ہے کہ کیا حضورِ اقدس ﷺ نے کبھی کوئی شعر پڑھا ہے؟ اصلاً بات یہ ہے کہ آپ نے نہ تو شاعری کی اور نہ کبھی از خود قصداً شعر موزون فرمایا اور نہ شاعری کو باعثِ افتخار جانا، بلکہ صاف ارشاد فرمایا، ماانا بشاعرٍ ہاں کبھی کبھار مناسب موقع پر ایک آدھ شعر پڑھ دیتے تھے، جیسے کہ آپ نے غزوہ خندق کے موقعہ پر چند اشعار پڑھے۔ بخاری اور مسلم شریف کی روایات میں ان کا ذکر ہے۔ البتہ اشعار سن لیا کرتے تھے اور اچھے اشعار شوق سے سنتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کان یتمثل بشعر ابن رواحة۔

حضورِ اقدس ﷺ کا ایک محبوب مصرعہ :

ویتمثل و یقول ...... حضورِ اقدس ﷺ کبھی کبھار یہ مصرعہ بھی پڑھ لیا کرتے تھے **و یأتیک بالاخبار من لم تزود** یعنی تیرے پاس کبھی کوئی ایسا شخص بھی خبریں لے آیا کرے گا، جس کو تو نے اس خبر رسانی کے عوض کوئی مال و دولت نہیں دی ہوگی۔

یہ مصرعہ حضرت ابن رواحہؓ کا نہیں بلکہ طرفہ ابن عبد کا ہے، جس کا نام عمرو ہے، جو زمانۂ جاہلیت کا معروف شاعر ہے۔ سبعہ معلقہ نمبر۲ میں یہ شعر اس طرح موجود ہے ....

سَتُبدِیْ لَکَ الاَیَّامُ مَا کُنتَ جَاھِلاً

وَ یَأْتِیْکَ بِالْاَخْبَارِ مَنْ لَّمْ تُزَوِّدِ

یعنی زمانہ تیرے سامنے ایسے واقعات لائے گا اور ایسے حالات بیان کرے گا، جن سے تو اس وقت تک بے خبر ہے اور تمہارے پاس خبریں لانے والا بھی ایسا فرد ہوگا، جس کو تو نے کوئی معاوضہ ادا نہیں کیا اور نہ زادِ راہ دیا۔

ایک پسند فرمودہ مصرعہ کے دو معانی :

زمانۂ قدیم میں جب ڈاک، تار، ٹیلی فون اور اخبار ایجاد نہیں ہوئے تھے، خبر رسانی کے لئے اخراجات، اسفار اور وقت کی قربانی دینی پڑتی تھی۔ زادِ راہ اور معاوضہ بھی ادا کرنا پڑتا تھا، اس شعر میں یہ پیش گوئی ہے کہ ایک وقت ایسا بھی آنے والا ہے کہ بغیر معاوضہ و ادائیگی زادِ راہ کے خبریں پہنچ

جایا کریں گی۔

دوسرا مضمون شعر کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لوگ فیس دے کر کاہنوں کے پاس جاتے اور جھوٹی خبریں معلوم کرتے ہیں اور آپ بلا معاوضہ وحی، قرآن، جنت، جہنم، اللہ کے احکام اور گذشتہ اقوام اور انبیاء کی تاریخ، واقعات اور تفصیلی حقائق پر مبنی سچی خبریں سنا رہے ہیں۔

گویا شعر میں پہلے سے آپ کی ذات کے حق میں پیش گوئی ہے کہ عنقریب مبعوث ہونے والے پیغمبر تمہیں سچی خبریں بلا معاوضہ سنایا کرے گا۔

شعر میں تقدیم تاخیر کا مقصد :

شیخ ابراہیم الیجوریؒ لکھتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اس شعر کو تقدیم و تاخیر سے پڑھا، پہلا مصرعہ بعد میں اور بعد والا پہلے پڑھا، تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا **لیس ھکذا یارسول اللّٰہ!** یا رسول اللہ! یہ تو اس طرح نہیں ہے **قال ما انا بشاعر** تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا میں بھی تو شاعر نہیں ہوں۔ گویا آپ نے اس کے معنیٰ سے استشہاد فرمایا، جو عمدہ مضمون اور مقصود تھا، اسی کو مضمونِ فضلہ پر مقدم فرمایا، مگر شاعر پر چونکہ وزنِ شعر اور ذوقِ نظم مسلط ہوتا ہے، اس لئے بغرضِ وزن شعر وہ فضلہ کو عمدہ پر مقدم کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتا۔ جب حضرت صدیقؓ نے آپ کو اصل شعر پر آگاہ فرمایا، تو آپ نے فرمایا کہ اس کے نقل کرنے سے شعر گوئی غرض نہیں، بلکہ اصلِ معنیٰ جو ایک حقیقت ہے، اس سے آگاہ کرنا ہے **ما انا بشاعر قاصد شعریته وانما قصدت معناه وهو اعم من أن یکون فی قالب وزن اولا** (مواہب ص۱۷۹) (میں تو ایسا شاعر نہیں کہ اس کے شعر ہونے کے ارادہ سے پڑھا ہو بلکہ میں نے اس کے معنیٰ اور مطلب کا ارادہ کیا تھا اور یہ عام ہے چاہے وزن کی صورت میں ہو یا نہ ہو)

حضرت درخواستیؒ کی ایک ادا :

ہم نے اپنے زمانۂ طالب علمی میں دیکھا سنا، بلکہ بارہا سنا کہ حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ اشعار پڑھا کرتے تھے، مگر اس کے مصرعوں میں ان سے تقدیم و تاخیر ہو جایا کرتی تھی، پھر وہ اس انداز سے پڑھتے کہ وہ ان ہی کے ساتھ جچتا تھا، ان کی تقدیم و تاخیر سے کسی بھی سننے والے کو

قباحت محسوس نہ ہوتی تھی، بچپنا تھا، ہم لوگ کہتے کہ حضرت درخواستی ؒ کو اشعار پڑھنا نہیں آتا، مگر اب یہ معلوم ہوا کہ اس کے پس منظر میں بھی گویا ان سے اتباع سنت پر عمل کرایا جا رہا تھا، ہم لوگ اگر شعر میں تقدیم تاخیر کردیں تو موردِ الزام ٹھہریں، مگر یہ اُن کی شان تھی اور ان کے ساتھ جچتی تھی کہ وہ تقدیم و تاخیر سے پڑھ رہے ہیں اور لوگ اس سے حظِ وافر حاصل کر رہے ہیں، نہ کسی کو اعتراض ہے، نہ کوئی اسے خلافِ ادب سمجھتا ہے، اور نہ یہ کسی کو عیب محسوس ہوتا ہے۔

(۲/۲۳۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ حَدَّثَنَا اَبُوسَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اِنَّ اَصْدَقَ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةُ لَبِيْدٍ . اَلَا كُلُّ شَيْئٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ ...... وَ كَادَ اُمَيَّةُ بْنُ اَبِي الصَّلْتِ اَنْ يُّسْلِمَ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت سفیان نے عبدالملک بن عمیر کے واسطہ سے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے ابوسلمۃ نے صحابی رسول حضرت ابو ہریرہؓ سے سُن کر بیان کیا۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے زیادہ سچا کلمہ جو کسی شاعر نے کہا، وہ لبید بن ربیعہ کا یہ کلمہ ہے..... **الا كل شئى ما خلا الله باطل** آگاہ ہو جاؤ، اللہ جل شانہٗ کے سوا دنیا کی ہر چیز فانی ہے اور امیۃ بن ابی الصلت قریب تھا کہ اسلام لے آئے۔

حضرتِ لبیدؓ :

ان اصدق كلمة ... یہاں ذکر کلمۃ کا ہے مراد کلام ہے **المراد بها هنا الكلام** (مواہب ص۱۷۹)

و كلمة لبيد ' یہ ابن ربیعہ ہیں، جو زمانۂ جاہلیت کے عظیم شاعر و ادیب تھے **وهو المشهور من فصحاء العرب و شعرائهم** (جمع ج ۲ ص ۴۲) سبعہ معلقہ میں چوتھا قصیدہ انہی کا ہے، جسے خانہ کعبہ میں لٹکایا گیا تھا۔ نوے (۹۰) سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد پچاس سال تک زندہ رہے،

۴۱ھ میں انتقال ہوا۔ مات سنة احدی و اربعین وله من العمر مائة و اربعون سنة (جمع ج۲ص۴۲)
اسلام لانے کے بعد اشعار کہنا چھوڑ دیئے، فرمایا کرتے کہ میرے لئے شعروشاعری کے بجائے قرآن کی سورۃ بقرہ ہی کافی ہے۔ ولم یقل شعراً بعد الاسلام و کان یقول یکفینی القرآن (مواہب ص۱۷۹)

حضرت لبیدؓ کا ایک شعر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا:

الا کل شیءٍ یہ شعر بھی حضرت لبیدؓ کا ہے، جوانہوں نے زمانہ جاہلیت میں کہا تھا، ان کا کلام آپؐ کو پسند تھا۔ اس کا ایک مصرعہ حدیث میں منقول ہے، تمام شعر اس طرح ہے ....

اَلا کُلّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ　　وَ کُلّ نَعِیْمٍ لَا مَحَالَۃَ زَائِلٌ
نَعِیْمُکَ فِی الدُّنْیَا غَرُوْرٌ وَحَسْرَۃٌ　　وَ اَنْتَ قَرِیْبًا عَنْ مَقِیْلِکَ رَاحِلٌ

سوائے ذات باری تعالیٰ کے دنیا کی ہر چیز باطل ہے، فانی ہے والمراد بالباطل الفانی المضمحل (جمع ۲ص۴۲) اور بلاشبہ ہر نعمت (دنیوی) ختم ہوجانے والی ہے، فلا یرد نعیم الجنة فانه دائم لا یزول (مواہب ص۱۷۹) (اس لئے جنت کی نعمتوں کے متعلق اعتراض نہ کیا جائے کیونکہ وہ دائمی ہیں ان کا زوال نہ ہوگا) اور تیرے پاس موجود دنیا کی تمام نعمتیں دھوکہ اور حسرت ہیں اور تو بھی جلد اس دارِفانی سے کوچ کرنے والا ہے۔

یہ شعر اگرچہ حضرت لبیدؓ نے زمانۂ جاہلیت میں کہا تھا، مگر عقیدۂ توحید' عظمتِ خداوندی' دنیا کے بے ثباتی اور فکرِ آخرت کی انگیخت میں ایک حقیقت اور قرآنی تعلیمات کے موافق ہے، اس لئے آپؐ کو بھی پسند تھا، قرآن میں بھی یہی مضمون اچھوتے، لافانی، اور معجزانہ انداز میں اس طرح منقول ہے کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ ○ وَیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّکَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ ○ (الرحمٰن:۲۶،۲۷) (زمین پر جو ہیں سب فنا ہونے والے ہیں۔ صرف تیرے رب کی ذات جو عظمت اور عزت والی ہے، باقی رہ جائے گی)۔

اسی طرح ایک دوسری آیت میں ہے کُلُّ شَیْءٍ هَالِکٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (قصص:۸۸) (ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے، مگر ذات اس کی)

امیۃ بن ابی الصلت :

و کاد امیۃ! اور قریب تھا کہ امیہ بن ابی الصلت اسلام قبول کر لیتا، امیۃ بن ابی الصلت زمانۂ فترت کا عظیم شاعر تھا۔ قیامت کا قائل تھا اور اپنے اشعار میں حقائق بیان کرتا تھا۔

جب حضور اقدس ﷺ مبعوث ہوئے تب بھی موجود تھا، مگر قدرت نے یاوری نہ فرمائی، حسد میں مبتلا ہوا اور اسلام قبول نہ کر سکا۔ اس نے بدر میں قتل ہونے والے کفار کا مرثیہ بھی کہا تھا، ورثی من قتل ببدر (مواہب: ۱۷۹) بعض کہتے ہیں کہ اس نے کہا نبوت میرا حق تھا، محمدؐ کو یہ مقام کیسے مل گیا کان یطمع ان یکون نبی الامۃ (اتحافات: ۲۹۲) بعض روایات میں ہے کہ ان کے اشعار تو اسلام لائے، مگر خود مسلمان نہ ہوا۔ قال فیہ النبی ﷺ آمن شعرہ و کفر قلبہ (اتحافات ص ۲۹۲) اس سلسلہ کی مزید تفصیل آئندہ صفحات میں اسی باب کی حدیث نمبر ۸ میں درج ہے۔

(۲۳۶/۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی قَالَ اَنْبَانَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ جُنْدُبِ بْنِ سُفْيَانَ الْبَجَلِيِّ قَالَ اَصَابَ حَجَرٌ اِصْبَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَمِيَتْ فَقَالَ هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِيْتِ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا لَقِيْتِ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن مثنیٰ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اس کی خبر محمد بن جعفر نے دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے شعبہ نے اسود بن قیس کے واسطہ سے بیان کیا، انہوں نے یہ روایت جندب بن سفیان بجلیؓ سے نقل کی۔

جندب بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک پتھر حضور اقدس ﷺ کی انگلی میں لگ گیا تھا، جس کی وجہ سے وہ خون میں آلودہ ہوگئی تھی، تو حضور اقدس ﷺ نے یہ شعر پڑھا، جس کا حاصلِ ترجمہ یہ ہے، تو ایک اُنگلی ہے، جس کو اس کے سوا کوئی مضرت نہیں پہنچی کہ خون آلود ہوگئی اور یہ بھی رائیگاں نہیں بلکہ اللہ جل شانہٗ کی راہ میں یہ تکلیف پہنچی، جس کا ثواب ملے گا۔

راوی حدیث (۵۱۱) جندب بن سفیانؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

خلعتِ خون کی سعادت :

قال اصاب حجر ...... حضور اقدس ﷺ کی انگلی مبارک کے زخمی ہونے کا یہ واقعہ احد میں پیش آیا، **قال الکرمانی قیل کان ذلک فی غزوۃ احد** (جمع ج۲ص۴۳) یہی جمہور علماء کی رائے ہے، بعض لوگوں نے اسے ہجرت سے قبل کا واقعہ قرار دیا ہے۔ جب انگلی مبارک زخمی اور لہو آلود ہوئی، تو آپؐ کی زبان مبارک پر یہ شعر جاری ہوا ......

هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِيْتِ   وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا لَقِيْتِ

مقصد واضح ہے کہ انگلی کا زخمی اور لہولہان ہونا کوئی صدمہ اور درد والم کی بات نہیں، یہ تو سعادت واعزاز ہے کہ اللہ کریم کی راہ میں اسے خلعتِ خون کی سعادت سے سرفراز کیا جارہا ہے۔

ایک اشکال سے جواب :

اسی پر بظاہر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ آپؐ نہ تو شاعر تھے اور نہ شعر بنانا آپؐ کے شایانِ شان ہے پھر کیوں یہ شعر ارشاد فرمایا۔ حضرات محدثینؒ جواب میں فرماتے ہیں۔

(۱) اولاً ! تو یہ اصطلاحی شعر ہی نہیں کیونکہ شعر کلامِ موزون و مقفّٰی قصداً کو کہتے ہیں اور یہ کلماتِ طیبات آپؐ کی زبانِ فیض ترجمان سے بغیر قصدِ شعر کے نکلے اور موزون ہو گئے، قرآن مجید میں بھی اس کے نظائر موجود ہیں، بلکہ ایک مصری عالم نے بحورِ شعریہ میں سے ہر ہر بحر میں قرآن مجید کی آیات لائی ہیں، پھر تو سارا قرآن شعر قرار پائے گا، حالانکہ قرآن میں ایک شعر بھی نہیں ہے، لہٰذا ہر کلامِ موزون اور ہر کلامِ مقفّٰی و مسجع شعر نہیں، بہت دفعہ اوزان شعریہ پر بظاہر کلام منطبق ہو جاتا ہے، لیکن اس سے مقصود شعر نہیں ہوتا۔

(۲) ثانیاً ! یہ کہ یہ شعر عبداللہ بن رواحہ کا ہے، بعض نے کہا ولید بن المغیرہ کا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے اسے اپنی زبانِ فیض ترجمان سے ادا فرمایا ہے۔

(۳) بعض حضرات نے اسے رجز قرار دیا ہے، جو شعر نہیں ہوتا۔

(۴) بعض نے یہ جواب بھی دینے کی کوشش کی ہے کہ ایک آدھ شعر کہہ دینے سے آدمی شاعر نہیں

کہلاتا النادر کالمعدوم (نادر چیز نایاب کے حکم میں ہوتی ہے)۔

(۵) بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے، دمیت اور لقیت میں تا ساکنہ ہے، مکسورہ نہیں، لہٰذا وزنِ شعر نہیں بنتا، تاہم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ دوسری توجیہ کو راجح قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بندۂ ناچیز کے نزدیک اگر اس کی توجیہ یہ کی جائے کہ یہ شعر حضور اقدس ﷺ کا نہیں بلکہ منقول ہے، کسی دوسرے شاعر کا شعر ہے، چنانچہ واقدی نے اسے ولید بن ولید کا بتایا ہے، اور ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب محاسبۃ النفس میں اسے ابن رواحہ کا بتایا ہے، اور ممکن ہے کہ دونوں نے یہ شعر کہا ہو۔

(خصائل ص ۱۸۷)

شعر کا پسِ منظر :

واخرج ابن ابی الدنیا فی کتاب محاسبة النفس ان جعفرا لما قتل بمؤتة دعا الناس بابن رواحة فاقبل و قاتل فاصيبت اصبعه فارتجز و جعل يقول ...... ۔

هل انت الا اصبع دميت   و فی سبيل الله ما لقيت

يا نفس الا تقتلی فتموتی   هذا حياض الموت قد صليت

فما تمنيت فقد لقيت   ان تفعلی بفعلها هديت

ثم ثبت حتی استشهد و تمثل النبی صلی الله عليه وسلم بقوله (اتحافات:۲۹۳)

(محاسبۃ النفس میں ابن ابی الدنیا سے منقول ہے کہ حضرت جعفرؓ جب غزوہ موتہ میں شہید ہوئے تو لوگوں نے حضرت ابن رواحہؓ کو کمان سنبھالنے کے لئے بلایا آپؓ تشریف لائے اور کفار کے ساتھ قتل وقتال کرتے رہے کہ اس دوران ان کی انگلی زخمی ہوگئی تو اس کو خطاب کرتے ہوئے رجز کے طور پر کہا اور نہیں تو مگر ایک انگلی جو خون آلود ہوگئی اور جو کچھ تکلیف پہنچی وہ بھی اللہ ہی کے راستہ میں ہوئی اے نفس! اگر تو قتل وقتال نہ بھی کرتا تب بھی تو مرجاتا۔۔۔ یہ موت کا حوض ہے جس میں تو داخل ہوئی ہے جو تیری آرزو وتمنا تھی وہ تو تجھے حاصل ہوگئی اگر تو اس جیسا کام کرے تو تجھے بھی اس راستہ کی ہدایت ورہنمائی ہوجائے گی پھر حضرت ابن رواحہؓ ثابت قدمی سے لڑتے رہے اتنے تک کہ شہید کردیے گئے حضور ﷺ

نے ان کے قول کو بطور تمثیل کے کہا ہے)

(۴/۲۳۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ حَدَّثَنَا اَبُوْاِسْحٰق عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ لَهُ رَجُلٌ اَفَرَرْتُمْ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا عُمَارَةَ فَقَالَ لَا وَاللّٰهِ مَا وَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ لٰكِنْ سُرْعَانُ النَّاسِ تَلَقَّتْهُمْ هَوَازِنُ بِالنَّبْلِ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى بَغْلَتِهٖ وَ اَبُوْسُفْيَانُ بْنُ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اٰخِذٌ بِلِجَامِهَا وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ :

اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے یحیٰی بن سعید نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ روایت سفیان ثوری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے ابواسحق نے براء بن عازب کے واسطہ سے بیان کیا۔ براء بن عازبؓ سے کسی نے پوچھا کیا تم سب لوگ حضور اقدس ﷺ کو چھوڑ کر جنگِ حُنین میں بھاگ گئے تھے، انہوں نے فرمایا کہ نہیں حضور اقدس ﷺ نے پشت نہیں پھیری۔ بلکہ فوج میں سے بعض جلد بازوں نے (جن میں اکثر قبیلۂ بنی سلیم اور مکہ کے نومسلم نوجوان تھے) قبیلۂ ہوازن کے سامنے تیروں کی وجہ سے منہ پھیر لیا تھا، حضور اقدس ﷺ (جن کے ساتھ اکابر صحابہؓ کا ہونا ظاہر ہے) اپنے خچر پر سوار تھے اور ابوسفیان بن الحارثؓ اس کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔ حضور اقدس ﷺ اس وقت یہ فرمارہے تھے انا النبی لا کذب......انا ابن عبد المطلب میں بلاشک وشبہ نبی ہوں اور عبدالمطلب کی اولاد (پوتا) ہوں۔

راوی حدیث (۵۱۲) یحیٰی بن سعیدؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

یا ابا عمارة 'الخ' بضم العین حضرت براء بن عازب کی کنیت ہے۔ و کان السوال عن فرارهم جميعاً و لكن البراء اكد ان الرسول صلى الله عليه وسلم لم يفر بل ثبت على بغله و

یقول انا النبی (اتحافات ص۲۹۴)(اس شخص کا سوال تو سب کے فرار ہو جانے کا تھا لیکن حضرت براءؓ نے حضور ﷺ کے فرار ہونے کی نفی مؤکد بیان کر کے فرمایا کہ آپؐ تو فرار نہیں ہوئے بلکہ اپنے خچر پر ثابت قدمی سے بیٹھے ہوئے فرمارہے تھے کہ انا النبی لا کذب ...)

شعر موزون کرنے کے اشکال سے جواب :

یہاں پر بھی وہی اشکال وارد ہے کہ آپؐ شعر کہہ رہے ہیں، حالانکہ نہ تو آپؐ شاعر تھے، اور نہ شعر کہنا آپؐ کے شایانِ شان ہے ۔

امام احمد عبدالجواد الدومیؒ جواب میں فرماتے ہیں وکلام النبی ﷺ من قبیل الرجز لا الشعر او ھو شعر غیر مقصود (اتحافات ص۲۹۴) (کہ نبی کریم ﷺ کا کلام از قبیل رجز کے تھا شعر نہ تھا یا ایسا شعر ہے جو مقصود نہیں یعنی شعر گوئی کے ارادہ سے نہیں پڑھا گیا)

مفاخرتِ نسبی کا شرعی حکم :

اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ اگرچہ مفاخرت نسبی کی ممانعت ہے، مگر مقابلہ میں جب کفار انساب پر فخر کرتے ہوں، تو اس وقت مفاخرت کی اجازت ہے، ویؤخذ من ھذا الحدیث جواز قول الشخص انا فلان بن فلان او نحوہ لا للمفاخرۃ والمباھاۃ و منہ قول علی کرم اللّٰہ وجھہ' انا الذی سمتنی امی حیدرہُ و قول سلمۃ انا ابن الاکوع فان کان للمفاخرۃ والمباھاۃ کما ھو دأب الجاھلیۃ کان منھیًا عنہ (مواہب ص۱۸۲) (اور اس حدیث سے کسی شخص کا یہ کہنا کہ میں فلاں بن فلاں ہوں یا اسی قسم کے دوسرے الفاظ جب فخر و مباہات کے لئے نہ ہو کا جواز معلوم ہوتا ہے اور اس قبیل سے حضرت علیؓ کا یہ قول بھی ہے۔

کہ میں تو وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر (شیر) رکھا ہے۔ اور حضرت سلمہؓ کا یہ قول کہ میں اکوع (بہادر شخص) کا بیٹا ہوں۔ ہاں اگر ایسی قسم کے اقوال فخر و مباہات کے لئے ہوں جیسے کہ اہل جاہلیت کا دستور و طریقہ ہے تو پھر یہ شرعاً ممنوع ہوں گے)

حدیث کی مفصل تشریح :

باقی رہی مزید شرحِ حدیث تو وہ ذیل میں مِن وعَن خصائل سے نقل کردی جارہی ہے۔اس موقع پر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے خلافِ معمول جو تفصیل سے کلام فرمایا ہے، وہ لاجواب ہے اور تمام شروحات سے بے نیاز کردیتا ہے۔البتہ اس میں عنوانات معہ تقسیمِ مضامین احقر نے کردی ہے، تاکہ اساتذہ وطلبہ کو پڑھنے اور پڑھانے اور افادہ واستفادہ میں سہولت ہو۔

دادا سے نسبت کی توجیہات :

حضورِ اقدس ﷺ نے اپنے آپ کو بجائے باپ کے اپنے دادا عبدالمطلب کی طرف اس لئے نسبت کیا کہ (۱) انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے غلبہ کی اطلاع کفارِ قریش کو دی تھی اور یہ وقت گویا اس کی تصدیق کا تھا (۲) بعض نے یہ وجہ بتائی ہے کہ چونکہ آپؐ کے والد کا انتقال زمانۂ حمل ہی میں ہوگیا تھا، اس لئے آپؐ ابن عبدالمطلب ہی کے ساتھ مشہور تھے (۳) نیز یہ بھی کہا گیا کہ چونکہ عبدالمطلب مشہور سردار تھے، اس لئے شہرت کی وجہ سے اس طرف نسبت فرمائی (۴) حافظ ابن حجرؒ نے ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ کفار میں یہ بات مشہور تھی کہ عبدالمطلب کی اولاد میں ایک شخص پیدا ہوگا جس سے لوگوں کو ہدایت ہوگی، وہ خاتم النبیین ہوں گے۔اس لئے حضور ﷺ نے اس نسبت کے ساتھ ان لوگوں کو یہ مشہور چیز یاد دلائی۔

پسِ منظر اور تفصیلی واقعہ :

غزوۂ حنین ۸ھ میں ہوا ہے۔قبائل عرب ایک زمانہ سے اپنے اسلام لانے میں فتح مکہ کے منتظر تھے کہ اگر حضور ﷺ نے اس پر قبضہ کرلیا تب تو سمجھو کہ آپؐ غالب ہیں اور بے چون وچرا اطاعت کرو اور اگر مکہ مکرمہ فتح نہ ہو تو سمجھ لو کہ یہ غالب نہیں ہوسکتے۔بالآخر جب مکہ مکرمہ فتح ہوگیا تو قبیلۂ ہوازن وغیرہ بھی جو مواضع حنین وغیرہ کے رہنے والے تھے، اپنی قسمت آزمائی کا فیصلہ چاہا اور چند قبائل نے مل کر یکجا لڑائی کے خیال سے حنین پر جو مکہ مکرمہ سے طائف وعرفات کی جانب تقریباً دس میل

کے فاصلہ پر واقع ہے، وہاں مجتمع ہوئے، ہر چند کہ بعض تجربہ کار بوڑھوں نے ان کو اس ارادہ سے روکا، مگر بعض جوشیلے نوجوانوں نے نہ مانا اور یہ کہہ کر کہ مسلمانوں کو اب تک تجربہ کار لڑنے والوں سے مسابقہ نہیں پڑا تھا۔ اس لئے غالب ہوتے جارہے ہیں۔ مبادا ہم پر بھی حملہ کریں، اس لئے خود ہی ابتدا کرنی چاہئے۔ بیس ہزار کا مجمع جس میں مہاجرین وانصار اور فتح مکہ کے نومسلم شریک تھے، نیز ایک جماعت کفارِ مکہ کی شریک تھی، جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئی تھی۔ ان میں سے بعض لوگ غنیمت کی لالچ سے شریک ہوئے تھے اور بعض لوگ محض لڑائی کا نظارہ دیکھنے گئے تھے۔ حضور اکرم ﷺ اس لشکر کے ساتھ ۹ رشوال ۸ھ کو حنین کی جانب روانہ ہوئے، مسلمانوں کو حنین تک پہنچنے کے لئے ایک نہایت تنگ گھاٹی سے گزرنا پڑتا تھا۔ دشمنوں نے اپنے لشکر کو اُن پہاڑوں میں چھپا رکھا تھا، جیسے ہی مسلمان وہاں سے گزرے انہوں نے دفعۃً تیروں کا نشانہ بنایا۔ مسلمان اس بے خبری کے حملہ سے سخت گھبرائے اور پریشان ہوکر اِدھر اُدھر متفرق ہوگئے۔

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ مسلمانوں کے ابتدائی حملہ میں کفار کو ہزیمت ہوئی اور وہ پیچھے بھاگے، یہ لوگ غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے کہ دفعۃً اُن لوگوں نے جو پہاڑوں میں چُھپے ہوئے تھے، چاروں طرف سے حملہ کردیا۔ یہ مجمع نہایت پریشانی کی حالت میں اِدھر اُدھر منتشر ہوگیا۔ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ بجز چند اکابر صحابہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ وغیرہ وغیرہ چند حضرات کے کوئی بھی نہیں رہا تھا۔ اس پریشانی کی حالت میں بعض ضعیف الاسلام لوگوں کا عقیدہ بھی متزلزل ہوا اور بعض نے آوازے اور فقرے کسنا شروع کیے۔ بعض لوگ بھاگ کر مکہ واپس آگئے اور مسلمانوں کے مغلوب ہوجانے کا مژدہ اُن لوگوں کو سنایا، جو مسلمان نہ ہوئے تھے، یا ظاہری طور پر اسلام قبول کرلیا تھا، حضور اکرم ﷺ کا ہاشمی خون اُس وقت جوش پر تھا، آپؐ نے اس خوفناک منظر میں اپنی سواری سے اُتر کر پاپیادہ **انا النبی لا کذب** فرماتے ہوئے دشمنوں کی فوج کا رُخ کیا اور حضرت عباسؓ نے مہاجرین وانصار اور اصحاب شجرہ کو علیحدہ علیحدہ ایک ایک آواز دی کہ کہاں جارہے ہو، اِدھر آؤ۔ آواز کا سننا تھا کہ پریشان حال متفکر جماعت لبیک کہتی ہوئی ایسی جوشِ محبت میں لَوٹی، جیسے اونٹنی اپنے

بچے کی طرف لوٹتی ہے۔ مسلمانوں کا لوٹنا تھا کہ طرفین میں ایک گھسان کی لڑائی ہوئی۔ حضور اقدس ﷺ نے زمین سے کچھ مٹی کنکریاں وغیرہ اٹھا کر شاھت الوجوہ فرماتے ہوئے مقابل پر پھینکی، تھوڑی دیر لڑائی کا یہ منظر رہا، اُس کے بعد لڑائی کا رُخ ایسا پھرا کہ جس میدان میں مسلمان پریشان نظر آرہے تھے، اب کافر بدحواس بھاگتے ہوئے نظر آنے لگے اور اپنا مال ومتاع اہل وعیال مسلمانوں کے لئے مالِ غنیمت بنا کر ایسے بھاگے کہ اِدھر کا رُخ بھی نہ کیا۔ قصہ حسبِ ضرورت مختصر طور سے لکھا گیا جو صاحب مفصل دیکھنا چاہیں، اردو اسلامی تاریخ میں دیکھ لیں۔

ایک انتباہ:

یہاں پر ایک امر پر تنبیہ اشد ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی واقعہ کے متعلق صرف ایک دو روایت دیکھنے سے کسی قسم کا اشکال پیدا کر لینا یہ علم کی کوتاہی ہے، کسی ایک دو حدیث میں اکثر واقعہ کی پوری تفصیل آسکتی ہے، نہ مقصود ہوتی ہے۔ ہر واقعہ کے متعلق اگر کوئی رائے قائم کرنا ہو تو جب تک اس واقعہ کے پورے حالات سامنے نہ ہوں، رائے زنی بے محل ہے۔ اسی جنگِ حنین کے متعلق کسی مختصر تاریخ کو دیکھ کر یا ایک دو حدیثوں کا ترجمہ دیکھ کر یہ خیال کرنا کہ حضرات صحابہ کرامؓ کی ساری جماعت یا پورا لشکر دس ہزار بھاگ گیا تھا اور بجز دو چار نفر کے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ کوئی بھی نہیں رہا تھا۔ واقعہ کے خلاف ہونے کے علاوہ عقل سے بھی دور ہے۔ کفار کی جماعت جو بیس ہزار سے زیادہ تھی، اس کو کیا مشکل تھا کہ دو چار نفر کا محاصرہ کر لیتے، جب کہ سب بھاگ چکے تھے۔ چہ جائیکہ ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ تنہا تھے، کوئی بھی ساتھ نہ تھا، زیادہ تعجب ان لوگوں پر ہے، جو لڑائیوں کے حالات سے واقف ہوتے ہیں، لشکروں کی ترتیب اور حملہ کے حالات پر بصیرت رکھتے ہیں، وہ کسی ایسی روایت سے متعجب یا متاثر ہوں۔ لشکر کی عام ترتیب کے مطابق پانچوں حصوں پر حضور اقدس ﷺ نے اس لشکر کی بھی ترتیب فرمائی تھی۔ مقدمۃ الجیش (لشکر کا اگلا حصہ) میمنہ میسرہ (دایاں بایاں حصہ) قلب یعنی درمیانی حصہ جس میں امیر لشکر کی حیثیت سے نبی کریم ﷺ جلوہ افروز تھے اور پانچواں حصہ لشکر کا پچھلا حصہ اس کے علاوہ ہر ہر جماعت کا مستقل حصہ تھا، جس کا ایک امیر مستقل جھنڈا لیے ہوئے تھا

اس کی جماعت اس کے ساتھ تھی۔ مہاجرین کا جھنڈا حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں تھا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سعد بن ابی وقاصؓ، اُسیدؓ بن حضیر، خبابؓ بن منذر وغیرہ حضرات ایک ایک جماعت کے امیر بنے ہوئے اپنی مقررہ جگہ پر مامور تھے۔ مقدمۃ الجیش میں قبیلۂ بنی سلیم کی جماعت تھی، جس کا جھنڈا حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ میں تھا، یہ جماعت لشکر کا اگلہ حصہ تھا۔ اسی جماعت کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ جب یہ گھاٹیوں کے درمیان سے نکلے تو دشمنوں نے اول پسپائی اختیار کی، جس کے وجہ سے ان کو آگے بڑھنے اور اپنے کو غالب سمجھ کر مالِ غنیمت کی طرف متوجہ ہونے کا موقعہ ملا اور چھپے ہوئے دشمنوں نے چاروں طرف سے تیر برسانا شروع کر دیا۔ ایسی صورت میں اس جماعت کی پسپائی بھی فطری چیز تھی اور ان کی پسپائی سے تمام لشکر میں تشویش انتشار ادھر اُدھر دوڑنا ضروری تھا، لیکن اس کا مطلب یہ لینا کہ سارا ہی لشکر بھاگ گیا تھا، پورے حالات پر نظر نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ عبدالرحمٰن ایک شخص کا بیان نقل کرتے ہیں کہ جو اُس وقت کافر تھا کہ جب ہم نے مسلمانوں پر حنین میں حملہ کیا اور ان کو پیچھے ہٹانا شروع کیا، تو وہ ہمارے مقابلہ کی تاب نہ لاسکے اور پیچھے ہٹتے رہے، ہم لوگ ان کا تعاقب کرتے رہے اور آگے بڑھتے رہے، بڑھتے بڑھتے ہم ایک ایسے شخص تک پہنچے جو سفید خچر پر سوار تھے اور نہایت حسین چہرہ والے۔ لوگ ان کے گرد جمع تھے، انہوں نے ہم کو دیکھ کر **شاھت الوجوہ ارجعوا** کہا۔ یہ کہنا تھا کہ ہم مغلوب ہونا شروع ہو گئے اور وہ جماعت ہم پر چڑھ گئی۔ اسی بناء پر حضرت براءؓ نے شمائل کی روایت میں جو اوپر گزری یہ کہا کہ حضور اکرم ﷺ نے منہ نہیں پھیرا، بلکہ کچھ تیز رو لوگ جو تیروں کی برداشت نہ کر سکے بھاگ گئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی یہ قصہ بھی پیش آیا کہ حضور اقدس ﷺ جس راستے سے بڑھ رہے تھے، اس کو ترک فرما کر دائیں جانب کو بڑھنا شروع کیا۔

غور کی بات ہے کہ اس انتشار کی حالت میں لشکر کے اکثر حصہ کو کیسے یہ معلوم ہو سکتا تھا کہ حضور اکرم ﷺ نے اس وقت کس جانب کو بڑھنے کا ارادہ فرمایا۔ ایسی حالت میں حضور ﷺ کے قریب ایک وقت میں سو (۱۰۰) آدمیوں کا رہ جانا جیسا کہ ایک روایت میں وارد ہے اور ایک موقعہ پر اسی (۸۰) کا رہ جانا جیسا کہ دوسری روایت میں وارد ہے، حتیٰ کہ جب حضور ﷺ نے خچر کو تیزی سے بڑھایا تو

سامنے سے لوگ ہٹتے رہے اور صرف بارہ آدمی رہ گئے اور اس کے بعد صرف وہ چار اشخاص رہ گئے، جو خچر کی باگ اور رکاب تھامے ہوئے تھے یا رکاب وغیرہ پکڑے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ جب خچر بھی حضور اکرم ﷺ کی منشاء کے موافق نہ بڑھ سکا تو حضور اکرم ﷺ اس پر سے اُتر کر تنِ تنہا کنکریوں کی ایک مٹھی لے کر ان کی طرف بڑھ گئے، یہی وقت ہے، جس کو بخاری شریف کی روایت میں اس سے تعبیر کیا کہ حضور ﷺ تنہا تھے، کوئی بھی ساتھ نہ تھا، اس کے ساتھ ایک اجمالی مضمون اپنے ذہن میں یہ ہونے سے کہ اس جنگ میں لوگ بھاگ گئے تھے، یہ تجویز کر لینا کہ سارے ہی صحابہؓ حضور اکرم ﷺ کے علاوہ بھاگ گئے تھے، پورے واقعات پر نظر نہ ہونے کا ثمرہ ہے، چونکہ پورے لشکر میں انتشار تھا اور یقیناً بہت سے لوگ بھاگ بھی رہے تھے، بلکہ بعض لوگ اس ہزیمت سے خوش بھی ہو رہے تھے، جیسا کہ مفصل واقعات میں مذکور ہے۔ ایک دوسرے کی خبر نہ تھی، جیسا کہ انتشار کے وقت لازمی نتیجہ ہے۔ اس لئے حضور اکرم ﷺ نے حضرت عباسؓ سے جو نہایت بلند آواز تھے، لوگوں کو آوازیں دلوائیں اور مہاجرین انصار اصحاب شجرہ وغیرہ جماعتوں کو علیحدہ علیحدہ آواز دلائی، جس کے سننے پر وہ سب پھر حضور ﷺ کے گرد جمع ہو گئے اور دوسرے حملہ میں میدان مسلمان کے ہاتھ تھا۔ بہر حال اس مضمون میں کہ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ اُس وقت کتنے آدمی تھے، مختلف روایتیں ہیں اور ہر روایت اپنے موقع پر چسپاں ہے۔ حتیٰ کہ صحیح بخاری کی روایت کہ حضور اکرم ﷺ تنِ تنہا تھے، کوئی ساتھ نہ تھا، بھی اپنی جگہ پر صحیح ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے خچر سے اُتر کر آگے بڑھ کر ان پر کنکریاں یا مٹی پھینکی تو سب ہی اس وقت پیچھے رہ گئے تھے اور حضور اکرم ﷺ تنہا بڑھے جا رہے تھے، لیکن کسی روایت میں بھی یہ نہیں ہے کہ جتنے لوگ کسی وقت حضور اکرم ﷺ کے قریب تھے، ان کے علاوہ باقی سب ہی بھاگ گئے تھے (خصائل ص ۱۸۸ تا ۱۹۲)

علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں صحیح مسلم کے حوالہ سے یہ بھی نقل کر دیا کہ حضور ﷺ نے کفار کی طرف کنکریاں پھینکتے ہوئے **انهزموا و رب محمد** (انہوں نے شکست کھائی ربّ محمد کی قسم) کے الفاظ ادا فرمائے، جو کفار کی شکست کا سبب بنے اور ابن اسحٰق کی روایت سے حضرت جبیر بن مطعمؓ کا یہ

قول بھی نقل فرمایا : لقد رأیت قبل هزیمة القوم والناس یقتتلون یوم حنین مثل النجاد الاسود اقبل من السماء حتی سقط بیننا و بین القوم فنظرت فاذا نمل اسود مبثوث قد ملأ الوادی فلم یکن الّا هزیمة القوم فلم اشک انها الملائکة (زادالمعاد: ج۲ص۲۰۹) (میں نے جنگ حنین کے دن سے کفار کی شکست سے پہلے جبکہ لوگ لڑ رہے تھے آسمان کی طرف سے کالی دریوں یا پرتلوں جیسے چیزیں آتی دیکھیں حتی کہ وہ ہمارے اور کفار کے درمیان گر گئیں جب میں نے ان کو دیکھا ناگہاں مجھے وہ پھیلی ہوئی اتنی زیادہ چیونٹیاں نظر آئیں کہ پوری وادی ان سے بھری ہوئی تھی ابھی کوئی زیادہ وقت نہ گزرا کہ اسی دوران کفار کو شکست فاش ہوئی تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ فرشتے ہی تھے)

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق ؒ کا ارشاد :

احقر نے اپنے مربی و شیخ، محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب ؒ کو بارہا مجاہدین اور طالبان کو یہ وظیفہ بتاتے ہوئے سنا کہ جب دشمن سے مقابلہ ہو اور محاصرہ میں پھنس جاؤ، تو کنکریاں لے کر شاهت الوجوه کہتے ہوئے دشمن کی طرف پھینکو۔ حضور اقدس ﷺ کی سنت بھی ہے اور دشمن سے حفاظت کا ذریعہ بھی۔ چنانچہ مجاہدین نے اس پر عمل کیا اور اللہ پاک نے ان کی نصرت فرمائی اور ایسے متعدد واقعات پیش آئے کہ طالبان اور مجاہدین کی اللہ نے حفاظت فرمائی۔ ایسے متعدد واقعات احقر نے ''صحبتے با اہل حق'' میں قلم بند کر دیے ہیں۔ شائقین وہاں دیکھ سکتے ہیں۔

(۲۳۸/۵) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَیْمَانَ اَنْبَانَا ثَابِتٌ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَکَّةَ فِیْ عُمْرَةِ الْقَضَآءِ وَابْنُ رَوَاحَةَ یَمْشِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ هُوَ یَقُوْلُ :

خَلُّوْا بَنِی الْکُفَّارِ عَنْ سَبِیْلِهٖ اَلْیَوْمَ نَضْرِ بْکُمْ عَلٰی تَنْزِیْلِهٖ
ضَرْبًا یُزِیْلُ الْهَامَ عَنْ مَقِیْلِهٖ وَ یُذْهِلُ الْخَلِیْلَ عَنْ خَلِیْلِهٖ

فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ یَا ابْنَ رَوَاحَةَ بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ فِیْ حَرَمِ اللّٰهِ تَعَالٰی تَقُوْلُ

شِعْرًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلِّ عَنْهُ يَا عُمَرُ فَلَهِيَ اَسْرَعُ فِيْهِمْ مِنْ نَضْحِ النَّبْلِ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت اسحٰق بن منصور نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالرزاق نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے جعفر بن سلیمان نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ روایت ثابت نے حضرت انسؓ کی وساطت سے بیان کی۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب حضور اقدس ﷺ عمرۃ القضاء کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، تو عبداللہ بن رواحہؓ آگے آگے چل رہے تھے اور یہ اشعار پڑھ رہے تھے، خلوا بنی الکفار' الخ ،اے کافرزادو! ہٹو آپ کا راستہ چھوڑ دو آج حضور اقدس ﷺ کے مکہ مکرمہ آنے سے روک دینے پر جیسا کہ تم گزشتہ سال کر چکے ہو، ہم تم لوگوں کی ایسی خبرلیں گے کہ کھوپڑیوں کو تن سے جدا کر دیں گے اور دوست کو دوست سے بھلا دیں گے۔ حضرت عمرؓ نے ابنِ رواحہؓ کو روکا کہ اللہ کے حرم میں اور حضور اقدس ﷺ کے سامنے شعر پڑھتے جارہے ہو۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عمرؓ ! روکومت یہ اشعار اُن پر اثر کرنے میں تیر برسانے سے زیادہ سخت ہیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

الھام' ھامة کی جمع ہے بمعنی سر کے، مقیل کا معنی وقت القیلولة ہے۔ یہاں مرادمحلِ استقرار الرؤس ہے (مواہب ص۱۸۲) ینھل' ذھول سے ہے بمعنی بھول جانا۔

غرضِ ایرادِ حدیث :

مضمونِ حدیث تو سارا تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہو گیا ہے، ایرادِ حدیث کا مقصود بھی یہی ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے عمرۃ القضاء کے موقع پر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ سے اشعار نہ صرف سنے ہیں بلکہ حضرت عمرؓ کی نکیر کے باوجود بھی انہیں پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی، بلکہ انہیں بھی فرمایا اور ادھر بھی اشارہ فرمایا کہ اشعار کا گھاؤ' تلوار کے گھاؤ سے شدید ہوتا ہے۔ خلّ عنه یا عمر فلھی اسرع فیھم من نضح النبل اے عمر! اسے چھوڑ دو ، یہ اشعار پڑھتا رہے، کیونکہ یہ اشعار ان میں اثر کرنے میں تیر برسانے سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ زاد المعاد میں ابن قیمؒ نے عمرۃ القضاء کے واقعہ کے ضمن میں تفصیل

بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وھم یطوفون بالبیت و عبد اللہ رواحۃ بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرتجز متوشحا بالسیف یقول : خلوا بنی الکفار عن سبیلہ قد انزل الرحمن فی تنزیلہ فی صحف تتلٰی علی رسولہ یا ربّ انی مومن بقیلہ انی رأیت الحق فی قبولہ الیوم نقریکم علی تاویلہ .... ؎

ضربا یزیل الھام عن مقیلہ

و یذھل الخلیل عن خلیلہ

(زادالمعادج۲ص۱۶۸)

(اور مسلمان بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے اور حضرت عبداللہ ابن رواحہؓ تلوار لٹکائے ہوئے حضور ﷺ کے سامنے رجز پڑھتے جا رہے تھے اور کہہ رہے تھے یہ کافر زادے چھوڑ دو حضور ﷺ کا راستہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو ایسے صحیفوں میں اتارا جو تلاوت کیے جاتے ہیں اس کے رسول پر اے ربّ! میں ان کے قول پر ایمان ویقین رکھنے والا ہوں میں نے حق کو ان کے ماننے میں دیکھا ہے آج ان کے حکم پر آپ لوگوں کی ایسی مہمانی کریں گے کہ کھوپڑیوں کو تن سے جدا کر دیں گے اور دوست کو دوست سے جدا کر دیں گے)

کافیہ اور شرح جامی پڑھنے پڑھانے والوں کو طالب علمی کے زمانے سے یہ شعر خوب یاد رہتا ہے .... ؎

جراحات السنان لھا التیام ولا یلتام ماجرح اللسان

(تلواروں کے گھاؤ تو مندمل ہو جاتے ہیں، مگر زبان کا لگایا ہوا زخم کبھی درست نہیں ہوتا)

استخراجِ مسائل :

فقہاءِ کرام اس حدیث سے یہ استنباط کرتے ہیں کہ ایسا کام اور اقدام جس سے کفار کو اذیت پہنچے جائز ہے، بلکہ بعض حضرات نے اسے واجب قرار دیا ہے۔ حدیثِ پاک میں تو اشعار جن سے کفار کی اذیت مقصود ہو، حرم پاک میں اور نبی آخر الزمان ﷺ کی موجودگی میں پڑھے جا رہے ہیں، اور

آپؐ اس پر خوش ہو رہے ہیں، اس لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ لشکر اسلام کے دار الحرب پہنچنے پر انہیں ہدایت کی جائے کہ وہ دار الحرب کے بچھوؤں اور سانپوں کو قتل نہ کریں، تا کہ وہ کفار کو تکالیف پہنچاتے رہیں (عالمگیری)

فقہاء نے اس حدیث سے ایک مسئلہ یہ بھی مستنبط کیا ہے کہ عبادات نافلہ شروع کرنے کے بعد اگر توڑ دی جائیں تو واجب القضاء ہو جاتی ہیں، کیونکہ آپؐ نے ہجرت کے چھٹے سال نفلی عمرہ شروع فرمایا تھا، مگر کفار کی رُکاوٹ اور پھر صلح حدیبیہ کے پیش نظر اسے توڑ ڈالا اور اگلے سال قضاء ادا فرمائی۔ اس لئے تو اسے عمرۃ القضا کہتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے نکیر کیوں فرمائی :

باقی رہی یہ بات کہ حضرتِ عمرؓ نے نکیر کیوں فرمائی تھی۔ جواب ظاہر ہے کہ ان کے خیال کے مطابق حالات بظاہر ناموافق تھے۔ کفار کا غلبہ تھا۔ دوسرا یہ کہ شعر کی قرآن و حدیث میں مذمت مذکور ہے۔ لہٰذا یہ مناسب نہ تھا کہ حضرت ابن رواحہؓ حضور ﷺ کے سامنے اور پھر حرم پاک میں اشعار پڑھتے۔ اس سے دشمن کے جذبۂ انتقام کی آگ بھی بھڑک سکتی تھی اور قتال فی الحرم تک نوبت پہنچ سکتی تھی۔ **وایضاً فقد یحرک غضب الاعداء فیلتحم القتال فی الحرم ۔** (مواہب ص ۱۸۳) مگر حضورِ اقدس ﷺ نے وقتی مصلحت، حالات اور تقاضوں کو سمجھتے ہوئے اجازت فرمائی اور تصویب و تائید بلکہ حوصلہ افزائی فرمائی۔

انشاء واستماع شعر کے جواز پر استدلال :

شیخ ابراھیم البیجوریؒ فرماتے ہیں **و یوخذ منه جواز بل ندب انشاء الشعر و استماعه اذا کان فیه مدح الاسلام والحث علی صدق اللقاء و مبایعة النفس للّٰه تعالیٰ** (مواہب ص ۱۸۳) (اور اس حدیث سے شعر کہنے اور سننے کا جواز پر استدلال کیا جاتا ہے جب کہ اس میں اسلام کی مدح اور مسلمانوں کو جذبہ جہاد اور اللہ ہی کے واسطے لڑنے پر ابھارنے کا ذریعہ ہوں)

(۲۳۹/۶) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ اَنْبَانَا شَرِيْكٌ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ جَالَسْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ مَرَّةٍ وَ كَانَ اَصْحَابُهُ يَتَنَا شَدُوْنَ الشِّعْرَ وَ يَتَذَاكَرُوْنَ اَشْيَآءَ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ وَهُوَ سَاكِتٌ وَ رُبَّمَا تَبَسَّمَ مَعَهُمْ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اس کی شریک نے سماک بن حرب کے واسطہ سے خبر دی، انہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت جابر بن سمرۃؓ سے روایت کی۔ حضرت جابر بن سمرۃؓ کہتے ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں سو (۱۰۰) مجلسوں سے بھی زیادہ بیٹھا ہوں، جن میں صحابہؓ اشعار پڑھتے تھے اور جاہلیت کے زمانے کے قصے قصائص نقل کرتے تھے۔ حضور اقدس ﷺ (اُن کو روکتے نہیں تھے) خاموشی سے سنتے تھے، بلکہ کبھی کبھی ان کے ساتھ ہنسنے میں شرکت فرماتے تھے۔

سو سے زائد حاضریوں کا ایک مشاہدہ :

جالست ...... حضرت جابر بن سمرۃ حضور اقدس ﷺ کے ہمہ وقتی حاضر باش صحابیؓ تھے۔ سو سے زائد مرتبہ حاضریوں کا ایک مشاہدہ نقل فرماتے ہیں کہ حضراتِ صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کی مجلس مبارک میں اشعار سنایا کرتے اور زمانۂ جاہلیت کے واقعات نقل کرتے، تو آپ ﷺ سن لیا کرتے خاموش رہتے اور کبھی کبھی مسکرادیا کرتے۔ آپ ﷺ میر مجلس اور میر محفل تھے۔ صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کی ایک ایک ادا کو محفوظ فرمایا۔ آدابِ مجلس سے ایک یہ معلوم ہوا کہ اہل مجلس پر ہمہ وقت اپنی بات نہ ٹھونکی جائے۔ فطرت طبیعت میلانات ورجحانات اور حالات کے مطابق جو بات چل رہی ہو، اسے چلنے دیا جائے، جیسا کہ حضرت زید بن ثابتؓ کاتبِ وحی فرماتے ہیں: کہ میں حضور اکرم ﷺ کے پڑوس میں رہتا تھا، جب وحی نازل ہوتی تو مجھے طلب فرما کر اس کو لکھوادیا کرتے تھے۔ ہم لوگ جب دُنیا کے تذکرے کرتے، تو حضور اکرم ﷺ بھی دنیا کا تذکرہ فرماتے تھے اور جب ہم آخرت کے متعلق تذکرہ کرتے، تو حضور اکرم ﷺ بھی آخرت کا تذکرہ فرماتے، جب ہم کھانے کا کوئی تذکرہ کرتے، تو حضور اکرم ﷺ بھی اسی نوع کا تذکرہ فرماتے۔ مطلب یہ ہے کہ جس نوع کا تذکرہ صحابۂ کرام کرتے تھے، تو حضور اقدس ﷺ

کمالِ شفقت ورأفت کی وجہ سے اُسی نوع کے تذکرے ان کی دلداری کے لئے فرماتے، یہ نہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں صرف دین ہی دین کا تذکرہ ہو اور کوئی تذکرہ حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں نہ آئے کہ ان مختلف انواع کے تذکروں سے حضور ﷺ کے ساتھ محبت اور موانست بڑھتی تھی اور جب ایک ہی نوع کا ذکر ہر وقت رہے، تو بسا اوقات توحش کا سبب بن جاتا ہے، بالخصوص اجنبی کے لئے کہ اجانب عموماً دنیاوی اغراض لے کر آتے ہیں اور یہی تذکرے ان کے تعلقات اور موانست کا سبب بنتے ہیں (خصائل ص ۱۹۴)

حضور ﷺ کی خاموشی کا راز :

وهو ساكت .... ' ای ممسک عن الكلام مع القدرة عليه لايمنعهم (مواہب ص ۱۸۳)

(حضور ﷺ باوجود قدرۃ علی الکلام کے کچھ کہنے سے رکے رہتے اور صحابہؓ کو شعر گوئی سے منع بھی نہ کرتے) ظاہر ہے کہ اگر آپؐ زبان مبارک سے شعر وشاعری کی اجازت مرحمت فرماتے، تو وہ لازماً شریعت کا حکم بن جاتا، سنت کا درجہ حاصل کر لیتا اور اگر منع فرماتے تو حرام ہو جاتا، حالانکہ یہ امرِ مباح تھا۔ اس لئے آپؐ خاموش رہے کہ مباح' مباح رہے۔ اس لئے عملاً شرکت نہیں فرمائی اور شرکت پر اپنے جذبات اور فرطِ مسرت کا اظہار بھی نہ فرمایا۔ معلوم ہوا کہ شاعری مستقل اختیار کرنا کوئی اچھا مشغلہ بھی نہیں

حضور ﷺ کی محفل میں لطائف وتبسم :

و ربما تبسّم معهم ـــــ اور حیرت واستعجاب کی چیزوں پر مسکرا دیا کرتے تھے کہ یہی لازمۂ بشریت ہے۔ جیسا کہ ایک صحابی کا شعر ہے، جس میں کفار کی جاہلیت کا اظہار ہے ....

لقد ضلّت القوم باصنام ما بلّت عليها الثعالب

(البتہ تحقیق قوم تو ایسے بتوں کے ذریعے گمراہ ہوئی جن پر لومڑیوں نے پیشاب کیا تھا)

شاید اس شعر کا پس منظر بھی یہ واقعہ ہوا، جسے ملا علی قاریؒ نے نقل کیا ہے کہ آپؐ کی مجلس میں ایک صحابی نے عرض کیا کہ میں نے ایک لومڑی کو دیکھا کہ میرے معبود (بت) کے سر پر چڑھ دوڑی اور اس کے سر آنکھوں پر پیشاب کر دیا۔ اس بت کی مصنوعی آنکھیں بھی بند ہو گئیں تو میں نے کہا کہ یہ کیسا

خدا ہے، جس کے سر پر لومڑیاں پیشاب تک کر جاتی ہیں اور وہ کچھ نہیں کہتا، لہٰذا میں نے جاہلیت چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا۔ اسی صفحہ پر ملا علی قاریؒ نے ایک اور واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ ایک صحابی نے آپؐ کی محفل میں کہا کہ جتنا نفع مجھے میرے صنم (بت) نے پہنچایا ہے اور کسی کو نہیں پہنچایا ہوگا کہ وہ میری تھیلی میں ہوا کرتا تھا (غالباً آٹے وغیرہ سے بنایا ہوگا) جب قحط پڑا اور کھانے کو کچھ نہ ملا، تو میں نے اپنے خدا (بت) کو تھیلی سے نکال کر توڑ ڈالا اور حلوہ بنا کر خود بھی کھایا اور احباب کو بھی کھلایا (جمع ج ۲ ص ۵۲) ظاہر ہے کہ جب محفل میں اس قسم کے لطائف وظرائف سنائے جا رہے ہوں گے، تو آپؐ بھی مسکرا دیا کرتے ہوں گے۔

اس حدیث سے بھی شعر بنانے' سننے کے جواز پر استدلال ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ فحش اور گندے مضامین پر مشتمل نہ ہو۔ ویوخذ منه حل انشاد الشعر و استماعه اذا کان لا فحش فیه و ان اشتمل علی ذکر ایام الجاهلیة و وقائعهم فی حروبهم و مکارمهم و نحو ذلک (مناوی ج۲ ص ۵۳) (حدیث سے ایسی شعر گوئی کا جواز پر استدلال کیا جاتا ہے جس میں فحش اور بے ہودہ کلام تو نہ ہو اگر چہ وہ جاہلیت کے واقعات اور ان کے جنگی کارناموں اور اپنے آباء واجداد کے مکارم اخلاق وغیرہ کے تذکروں پر مشتمل ہوں)۔

(۲۴۰/۷) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ اَنْبَأَنَا شَرِيْکٌ عَنْ عَبْدِ الْمَلِکِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَشْعَرُ کَلِمَةٍ تَکَلَّمَتْ بِهَا الْعَرَبُ کَلِمَةُ لَبِيْدٍ . اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اس کی خبر شریک نے عبد الملک بن عمیر کے واسطہ سے دی، انہوں نے یہ روایت ابی سلمہ سے، انہوں نے اسے ابو ہریرہؓ سے سماعت کیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ حضور اقدس ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ شاعرانِ عرب کے کلام میں بہترین کلمہ لبید کا یہ مقولہ ہے الا کل شئی ما خلا اللّٰہ باطل

حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت اسی باب میں دوسرے نمبر پر گذر چکی ہے، وہاں تفصیل سے بحث کردی گئی ہے۔ اشعر کلمة ای اجودها و احسنها و أدقها و ارقها (مواہب ص ۱۸۳) کلمة سے مراد کلام ہے، فالمراد بالکلمة الکلام (مواہب ص ۱۸۳) (اشعر کلمة کا معنیٰ علامہ بیجوریؒ یہ لکھتے ہیں کہ اچھا جید و خوبصورت اور دقیق کلمہ جو دلوں میں نرمی اور رقت پیدا کرنے والا ہو)

(۲۴۱/۸) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الطَّآئِفِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيْدِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنْتُ رِدْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَاَنْشَدْتُهُ مِائَةَ قَافِيَةٍ مِنْ قَوْلِ اُمَيَّةَ بْنِ اَبِي الصَّلْتِ كُلَّمَا اَنْشَدْتُهُ بَيْتًا قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ هِيْهِ حَتّٰى اَنْشَدْتُهُ مِائَةً يَعْنِيْ بَيْتًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ كَادَ لَيُسْلِمُ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن منیع نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے مروان بن معاویہ نے عبداللہ بن عبدالرحمٰن طائفی کے واسطہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت عمرو بن شرید سے ان کے باپ کے واسطہ سے سُنی۔ حضرت شریدؓ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور ﷺ کے ساتھ سواری پر آپؐ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ اس وقت میں نے حضور ﷺ کو امیہ کے سو شعر سُنائے۔ ہر شعر پر حضور ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ اور سناؤ۔ اخیر میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کا اسلام لے آنا بہت ہی قریب تھا۔

اچھے اشعار حضور ﷺ کو پسند تھے :

یہ تو پہلے اسی باب کی دوسری حدیث میں کچھ قدر عرض کیا جا چکا ہے کہ آپؐ کو امیۃ بن ابی الصلت کے اشعار پسند تھے۔ باقی شرح حدیث بھی وہاں کردی گئی ہے۔ اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے، اچھے اشعار جن کا مضمون درست ہو، حق کے موافق ہو، علم و ادب کے معیار پر درست ہو، حضور ﷺ انہیں سن لیا کرتے تھے۔

هيه : کا معنیٰ زیادہ کرا اور پڑھ بکسر الهائين بينهما ياء ساكنة والهاء الاولىٰ مبدلة من الهمزة

والاصل ایه' و هو اسم فعل بمعنیٰ زدنی (کلمہ هیه کی تشریح اس طرح ہے کہ یہ لفظ دونوں ھا ءکے کسرہ کے ساتھ اوران کے درمیان یاء ساکنہ ہواور پہلی ھا ہمزہ سے بدلی ہوئی ہے اصل میں ایه تھا اور یہ اسم فعل بمعنیٰ زدنی کے ہے) اسے کلمۂ استزادہ بھی کہتے ہیں۔اس کے مفہوم میں پسندیدگی کا معنیٰ بھی پایا جاتا ہے، جب کوئی کلام پسند آ جائے تولفظِ هیه سے اس کی زیادتی کا مطالبہ کیا جاتا ہے، اسم فعل ہے، بمعنیٰ تکلم کے۔

امیة ابی الصلت کا ایک لاجواب شعر :

فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کاد لیسلم قریب تھا کہ امیہ اسلام قبول کر لیتا، کیونکہ ان کے اشعار توحید، حقائق، معاد اور اسلامی تعلیمات کے مضامین پر مشتمل ہوتے تھے بسبب اشتمال شعره علی التوحید و الحکم البدیعة نحو قوله .... ہ

لَکَ الْحَمْدُ وَالنَّعْمَاءُ وَالْفَضْلُ رَبَّنَا

فَلَا شَیْئَ اَعْلٰی مِنْکَ حَمْداً وَلَا مَجْدًا

(مواہب ص ۱۸۴)

ترجمہ : اے ہمارے رب ! آپ ہی کے لئے تعریفیں ہیں اور آپ ہی کی ملکیت میں تمام نعمتیں ہیں اور آپ ہی کے لئے سب فضیلتیں ہیں، نہ آپ سے زیادہ کوئی تعریف کے قابل ہے، نہ آپ سے زیادہ کوئی بڑائی والا ہے ۔

(۹/۲۴۲) حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ مُوْسَی الْفَزَارِیُّ وَ عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ وَ الْمَعْنٰی وَاحِدٌ قَالَا اَنْبَأَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ اَبِی الزِّنَادِ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَآئِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَضَعُ لِحَسَّانَ بْنِ ثَابِتٍ مِنْبَرًا فِی الْمَسْجِدِ یَقُوْمُ عَلَیْهِ قَآئِمًا یُفَاخِرُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْ قَالَ یُنَافِحُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ یَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ یُؤَیِّدُ حَسَّانَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ مَا یُنَافِحُ اَوْ یُفَاخِرُ عَنْ رَسُوْلِ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ مُوْسٰى وَ عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِي الزِّنَادِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهٗ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت اسمٰعیل بن موسیٰ فزاری اور علی بن حجر نے بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم کو عبدالرحمٰن بن ابی زناد نے خبر دی، انہوں نے یہ روایت ہشام بن عروہ سے ان کے باپ کے واسطہ سے اخذ کی۔ وہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ حسان بن ثابتؓ کے لئے مسجد میں منبر رکھوایا کرتے تھے تاکہ اس پر کھڑے ہو کر حضور اقدس ﷺ کی طرف سے مفاخرہ کریں، یعنی حضور ﷺ کی تعریف میں فخریہ اشعار پڑھیں یا حضور ﷺ کی طرف سے مدافعت کریں، یعنی کفار کے الزامات کا جواب دیں۔ یہ شکِ راوی ہے اور حضور اکرم ﷺ یہ بھی فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ جل شانہٗ روح القدس سے حسانؓ کی امداد فرماتے ہیں، جب تک کہ وہ دین کی امداد کرتے ہیں۔

امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ راوی اس حدیث جیسی دوسری حدیث اس طرح بیان کرتے ہیں۔ ہمارے پاس یہ حدیث اسمٰعیل بن موسیٰ اور علی بن حجر نے بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عبدالرحمٰن بن ابی زناد نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ہشام ابن عروۃ سے ان کے باپ کے واسطہ سے روایت کی۔ انہوں نے یہ حدیث ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے سُنی، جو حضور نبی کریم ﷺ سے پہلی روایت کے ہم معنیٰ حدیث بیان کرتی ہیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

یفاخر یعنی حضور اقدس ﷺ کے مفاخر بیان فرماتے تھے ای یذکر مفاخر رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم أو ینافح بمعنیٰ مدافعت کے ہے، ای یدافع (اتحافات ص۲۹۷) ینافح ای یخاصم عن قبله و یدافع عن جهته فقیل المنافحة المخاصمة فالمراد انه کان یهاجی المشرکین و یذمهم عنه (جمع ج۲ ص۵۵) (یعنی حضرت حسانؓ آپ ﷺ کی جانب سے مدافعت اور

مخاصمت کرتے تھے یعنی مشرکین کی ہجو برائی اور مذمت کیا کرتے تھے)

روح القدس ! مراد حضرت جبرئیل ہیں، **ای جبریل و سمی به لانه یأتی الانبیاء بما فیه الحیاة الا بدیة و المعرفة السرمدیة و اضافته الی القدس و هو الطهارة لانه خلق منها و قد جاء فی حدیث مصرحاً وهو ان جبریل مع حسان** (جمع ج ۲ ص ۵۶) (جبرئیل علیہ السلام کو روح القدس اس لئے کہا جاتا تھا کہ وہ انبیاء کرام کو ایسی چیز (وحی) لاتے جس میں ان کے لئے حیاتِ ابدی اور معرفتِ سرمدی ہوتی اور اس کی اضافت قدس کی طرف (بمعنیٰ طہارت کے) اس لئے ہے کہ وہ اس سے پیدا ہوئے ہیں اور حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جبرئیلؑ حضرت حسانؓ کے ساتھ ہیں)

نعتِ حسانؓ کے لئے حضور ﷺ کا اہتمام :

حضورِ اقدس ﷺ مسجد نبوی میں منبر رکھواتے اور حضرت حسانؓ مفاخرہ کرتے، یعنی آپ ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ، معجزات، کمالات، تعریف، خاندانی شرافت وعظمت، حقانیت وعلوِ مرتبت اور مدح اور حسنِ ظاہری و باطنی کا بیان کرتے اور فخریہ اشعار پڑھتے یا کفار کے الزامات کا جواب دے کر آپ ﷺ کی مدافعت کرتے اور یہی اس زمانے کا دستور تھا۔ حضور ﷺ بھی اپنے دور کے مطابق جہاد بالسیف کے ساتھ ساتھ جہاد باللسان بھی کرتے تھے۔ کفار کے خطیب وشعراء اگر اپنے جوانوں کو شعر وخطابت سے آگے بڑھاتے تھے، تو آپ ﷺ بھی جوابِ آن غزل کے طور پر حضراتِ صحابہؓ سے خطابت وشعر گوئی کرا کے ان کے دندان شکن جواب کا اہتمام فرماتے تھے۔

بنو تمیم کے وفد سے شعر وخطابت میں مقابلہ :

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ قبیلۂ بنو تمیم کا وفد بارگاہِ قدس میں حاضر ہوا اور ان کے ساتھ اُن کا مشہور شاعر اقرع بن حابس بھی تھا۔ انہوں نے آکر دروازہ پر دستک دی اور کہا یا **محمد اخرج الینا نفاخرک او نشاعرک فان مدحنا زین و ذمنا شین**، (اے محمد! ہماری طرف نکل آؤ ہم آپ سے مشاعرہ اور مفاخرت کرنا چاہتے ہیں اگر ہم نے آپ کی مدح کی تو خوبصورت ہو جاؤ گے اور اگر ہم نے مذمت کی تو معیوب ہو جائے گا) حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری بعثت نہ تو

اشعار کے لئے ہوئی ہے اور نہ کسی کی مدح وذم میں مقابلہ کے لئے، انی لم ابعث بالشعر ولا بالفخر ولکن ھاتوا ' مگر آ واس میں خود کو آ زمالو، ان کا خطیب کھڑا ہوا، تو آپؐ نے ثابت بن قیس سے فرمایا کہ ان کے خطیب کا جواب دو۔ حضرت ثابتؓ نے تقریر کی تو غالب آ گئے، ان کے شاعر اقرع بن حابس کھڑے ہوئے اور کہا ....

اتیناک کما یعرف الناس فضلنا	اذا خالفونا عند ذکر المکارم
و انا رؤس الناس فی کل معشر	و ان لیس فی ارض الحجاز کدا رم

(ہم آپ کے پاس آئے جیسا کہ ہماری فضیلت اور شرافت کو سب لوگ جانتے ہیں جس وقت کہ تم ہمارے مخالفت کرتے ہو، شرفاء کے تذکروں کے وقت اور ہر گروہ و جماعت میں ہم لوگوں کے سردار ہیں اور ارضِ حجاز میں بنو دارم جیسے شریف لوگ نہیں ہیں)

تو حضورِ اقدس ﷺ نے حضرت حسانؓ کو جواب کے لئے حکم دیا۔ حضرت حسانؓ نے جواباً فرمایا..............

بنی دارم لا تفخروا ان فخرکم	یعود وبالا عند ذکر المکارم
ھبلتم علینا تفخرون و انتم	لنا خول ما بین قن و خادم

(جمع ج۲ص۵۷)

(اے بنی دارم! فخر مت کرو اس لئے کہ تمہارا فخر کرنا شرفاء لوگوں کے تذکرہ کے وقت تمہارے لئے وبال اور نقصان دہ ہوگا۔ حیلہ گری اور چالاکی کے ذریعہ تم ہمارے اوپر فخر کرتے ہو حالانکہ تم ہمارے غلام اور نوکر ہو یا تم ہمارے چرواہے بصورت غلام اور نوکر کے ہو)

اس میں بھی مسلمان غالب آئے فکان اول من اسلم شاعرھم 'سب سے اول ان کا شاعر مسلمان ہوا۔

تلوار کی طرح زبان سے بھی جہاد ضروری ہے :

اصل بتانا یہ مقصود ہے کہ خطابت و اشعار سے بھی مقابلہ تھا اور یہ اس زمانہ میں جہاد کا ایک

ہتھیار تھا۔ حضرت کعبؓ نے حضور اقدس ﷺ سے اشعار کے بارے میں دریافت کیا، تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ مومن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور زبان سے بھی اور یہ بھی روایات میں ہے کہ ان پر یہ اشعار تیر کی طرح لگتے ہیں، جیسا کہ اسی باب کی پانچویں حدیث میں آپؐ کا ارشاد نقل ہے۔ فلھی اسرع فیھم من نضح النبل۔

حضرت حسانؓ کے بعض مشہور اشعار :

ذیل میں عاشقانِ رسول ﷺ کی ضیافت طبع کے لئے حضرت حسانؓ کے بعض اشعار بھی نقل کردیے جاتے ہیں۔ حضرت حسانؓ فرماتے ہیں .... ؎

هجوت محمدا او اجبت عنه — و عند الله فی ذاک الجزاء

هجوت مطهرًا برًا حنیفًا — امین الله شیمته الوفاء

اتهجوه و لست له بکفء — فشر کما لخیر کما الفداء

فان ابی و ولدی و عرضی — لعرض محمد منکم وقاء

اے مخاطب ! تو نے معاذ اللہ حضور ﷺ کے حق میں ہجو کی ہے، تو میں اس کا جواب دیتا ہوں اور اس جواب دینے میں میری جزا صرف اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ (۲) تو نے ایک ایسی برگزیدہ ہستی کے متعلق ناشائستہ الفاظ استعمال کئے ہیں جو کہ پاکیزہ ترین، انتہائی نیکوکار اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں مستغرق ہیں، پھر وہ اللہ کے امانت دار ہیں اور وہ مجسمہ وفا ہیں (۳) کیا تو ایسی ہستی کی ہجو کرتا ہے تو ہر گز ہرگز اس میں حق بجانب نہیں ہے، پس تمہارا شر اور تمہاری برائی ایسے رسولِ مقبول کے حق میں جو تم سب سے بہتر ہے، صفر کے برابر ہے (۴) پس میرا باپ اور اولاد اور میری عزت سرورِ کونین ﷺ کی آبرو کے لئے تمہارے مقابلے میں ڈھال ہے۔

اور حضور ﷺ کی تعریف میں فرماتے ہیں .... ؎

خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ — كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَآءُ

وَ اَحْسَنَ مِنْكَ لَمْ تَرَقَطُّ عَيْنِيْ — وَ اَجْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَآءُ

اے محبوبِ خدا ! آپؐ ہر ایک عیب سے پاک پیدا کئے گئے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ اس طرح پیدا ہوئے، جیسا کہ آپؐ نے چاہا، اور آپؐ سے زیادہ خوبصورت میری آنکھ نے کسی کو نہیں دیکھا، اور آپؐ سے زیادہ حسین کسی وقت کسی ماں نے نہیں جنا۔

اچھے اشعار مندوب ہیں :

اس سے قبل باب ھذا کی روایت میں آپؐ کا شعر سننا تو ثابت تھا، مگر سننے سنانے کے اہتمام اور کمالِ توجہ سے پسندیدگی کا اظہار نہیں تھا۔ اس روایت میں اشعار کے سننے' سنانے اور حضور ﷺ کا اس کے اہتمام کرنے' توجہ دینے اور پسند فرمانے سے اس کی مندوبیت معلوم ہوتی ہے۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ اشعار میں فی نفسہ مندوبیت نہیں ہے، بوقتِ ضرورت اس کی طلب محمود ہے، چونکہ کفارِ ناہنجار حضور اقدس ﷺ کی ہجو کہتے تھے، تو جَزَاؤُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا (الشوریٰ:۴۰) کے مطابق اس کا جواب دیا جانا چاہیے تھا تاکہ کفار کو غلبہ نہ ہو، تو اس صورت میں اشعار کو مطلوبیت' محمودیت اور مندوبیت کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔

==================================

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ کَلَامِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فِی السَّمَرِ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام رات کو قصہ گوئی کے بیان میں

لفظِ سمر کا معنیٰ، تشریح اور احکام :

السمر (بفتح السین و المیم) لغت میں چاندنی اور عرف میں حدیث اللیل کو کہتے ہیں۔ بعض نے بسکون المیم بھی پڑھا ہے، تو اس صورت میں مصدر ہوگا ۔ بمعنیٰ المسامرة و ھی المحادثة (اتحافات:۲۹۸) سمور چاندنی رات میں باتیں کرنے اور قصہ گوئی کو کہتے ہیں۔ صاحبِ نہایہ نے لکھا ہے، السمر : ضوء لون القمر سمّی به لانهم کانوا یتحدثون فیه (جمع ج۲ص۵۷)

غرضِ انعقادِ باب :

اس باب میں مصنفؒ نے دو حدیثیں نقل کی ہیں۔ یہ بتانا مقصود ہے کہ رات کو قصہ گوئی جائز ہے جب بے ہودگی اور مضرت سے پاک ہو۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سنا بھی ہے اور کیا بھی ہے ...... والمقصود من هذا الباب انه صلی اللّٰه علیه و سلم جوز السمر و سمعه و فعله (مواہب ص۱۸۹)

باب کی دونوں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے عشاء کے بعد قصہ سنا بھی اور سنایا بھی، پھر اندرون خانہ خاندان کے افراد کو سنایا تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ گھر میں دل لگی اور تفریحِ طبع کے لئے قصہ سنانا مستحسن عمل ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

(۲۴۳/۱) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ صَبَّاحِ الْبَزَّارُ حَدَّثَنَا اَبُو النَّضْرِ حَدَّثَنَا اَبُوْعَقِیْلِ الثَّقَفِیُّ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عَقِیْلٍ عَنْ مُّجَالِدٍ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ حَدَّثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَیْلَةٍ نِسَآءَهُ حَدِیْثًا فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ کَاَنَّ الْحَدِیْثَ حَدِیْثُ خُرَافَةَ فَقَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا

خُرَافَةُ اِنَّ خُرَافَةَ كَانَ رَجُلًا مِّنْ عُذْرَةَ اَسَرَتْهُ الْجِنُّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَمَكَثَ فِيْهِمْ دَهْرًا ثُمَّ رَدُّوْهُ اِلَى الْاِنْسِ فَكَانَ يُحَدِّثُ النَّاسَ بِمَا رَاٰى فِيْهِمْ مِنَ الْاَعَاجِيْبِ فَقَالَ النَّاسُ حَدِيْثُ خُرَافَةَ ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں حسن بن صباح بزار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابونضر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کو بیان کرنے والے ابوعقیل ثقفی عبداللہ بن عقیل ہیں۔ انہوں نے یہ روایت مجالد سے شعبی کے واسطہ سے بیان کی اور انہوں نے اسے مسروق سے سنا، انہوں نے یہ حدیث ام المؤمنین عائشہ صدیقہ سے سنی۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے گھر والوں کو ایک قصہ سنایا۔ ایک عورت نے کہا یہ کہ قصہ حیرت اور تعجب میں بالکل خرافہ کے قصوں جیسا ہے (عرب میں خرافہ کے قصے ضرب المثل تھے) حضور اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ جانتی بھی ہو خرافہ کا اصل قصہ کیا تھا۔ خرافہ بنوعذرہ کا ایک شخص تھا جس کو جنات پکڑ کر لے گئے تھے، ایک عرصہ تک انہوں نے اس کو اپنے پاس رکھا، پھر لوگوں میں چھوڑ گئے، وہاں کے زمانۂ قیام کے عجائبات وہ لوگوں سے نقل کرتا تھا تو وہ متحیر ہوتے تھے، اس کے بعد سے لوگ ہر حیرت انگیز قصے کو حدیثِ خرافہ کہنے لگے۔

راویانِ حدیث (۵۱۳) حسن بن صباح البزارؒ (۵۱۴) ابوالنضرؒ اور (۵۱۵) ابوعقیل الثقفی عبداللہ بن عقیلؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

عربوں کے ملکاتِ فاضلہ :

عربوں کے کچھ خاص عادات تھے، کچھ روایتیں اور رواجات تھے۔ اچھی روایات بھی تھیں اور قبیح اعمال بھی تھے۔ تاہم قدرت نے انہیں صحیح الفطرت اور ملکاتِ فاضلہ دے کر تخلیق فرمایا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے نبی آخرالزمانؐ کو ان ہی میں مبعوث فرمایا۔ عربوں نے اپنی روایات کے مطابق ہر کام کے لئے اوقات مخصوص کرر کھے تھے۔ جیسا کہ مشہور ہے ، یوم الغیم للصید و یوم المطر للشرب (کہ ابر و بادل کا دن شکار کھیلنے کے لئے اور بارش کا دن شراب وکباب کے لئے) اسی طرح چاندنی رات میں ایک طبعی نشاط، اور فرحت وسرور کے لمحات ہوتے ہیں، تو عربوں نے چاندنی راتوں کو قصہ گوئی

کے لئے خاص کر رکھا تھا، اسی قصہ گوئی کو سمر کہتے ہیں۔ اس سے سمران ہے بمعنٰی چھوٹی کہانیاں، مگر توسعاً اور مجازاً اس میں عموم آ گیا اور مطلق کلام بعد العشاء کو بھی سمر کہا جانے لگا اور باب ھذا میں یہی معنٰی مراد ہے۔

ازواجِ مطہرات کی تعلیم وتربیت کا اہتمام :

حدث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ نساء ہ .....

حضور اقدس ﷺ نے اپنی ازواجِ مطہرات کے لئے علیحدہ علیحدہ کمرے بنوائے ہوئے تھے۔ سب علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے کمرہ میں رہتی تھیں۔ آپؐ باری باری ہر ایک کے ہاں رات بسر فرماتے تھے۔ حضرت سودہؓ نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کے لئے وقف کر دی تھی۔ اس لئے حضرت عائشہؓ کے ہاں آپ کی دو راتیں گذرتیں تھیں، دو بیبیاں حضرت خدیجہؓ اور حضرت زینبؓ کا انتقال تو آپ کی زندگی میں ہو گیا تھا۔ باقی نو (۹) بیبیاں آپؐ کی رحلت کے بعد تک زندہ رہیں۔ آپؐ کے اس معمول کے مطابق آپؐ کو جس بیوی کے ہاں رات گذارنی ہوتی، تو دیگر ازواجِ مطہرات بھی آغازِ شب میں اسی کے گھر جمع ہو جاتیں تا کہ دینی مسائل، خواتین کے مخصوص مسائل اور تعلیم وتربیت حاصل کر کے اسے خواتینِ اُمت میں فروغ دیا جا سکے، تعددِ ازدواج کی غرض بھی تو یہی تھی، تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ تفریح، دل لگی، نقلِ حکایات کا سلسلہ بھی چلتا تھا کہ اُمت کی معلمات اپنی تعلیمات اور دعوت وتبلیغ میں خواتینِ اُمت کی صحیح تعلیم وتربیت کر سکیں۔

ذات لیلۃ کی وضاحت :

لفظِ ذات عربی میں متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے (۱) لفظِ ذات بمعنٰی حال کے آتا ہے۔ فَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِکُمْ (الانفال: ۱) میں لفظِ ذات بمعنٰی حال کے استعمال ہوا ہے، یعنی اپنے درمیان حال کو درست رکھو۔ (۲) شب وروز کا کوئی لمحہ، دن رات کی کوئی گھڑی اور وقت مراد ہوتا ہے۔ (۳) ذات بمعنٰی اِنسان کی ذات یعنی اس کے جسم کے لئے بھی آتا ہے۔ (۴) ذات بمعنٰی نفس کے بھی

آ تا ہے۔(۵) اور ذات بمعنٰی ارادہ اور عزائم کے بھی جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے، اِنَّــهٗ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (الملک:۱۳) یعنی اللہ تعالیٰ انسان کے مخفی ارادوں کو بھی جانتا ہے۔ تاہم اس جگہ ذات سے مراد وقت ہے، یعنی رات کا کوئی وقت، کوئی لمحہ اور کوئی گھڑی ای فی ساعاتِ ذات ليلة فذات صفة موصوف محذوف أو لفظ ذات مقحم فهو مزيد للتاكيد (مواہب ص۱۸۹) (تو لفظِ ذات یا تو موصوف محذوف کی صفت ہے یعنی ساعات کی اور یا وہ زائد برائے زیادتیٔ تاکید ہے)

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

نساءه .... یہ تو پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ جس بیوی کے ہاں آپؐ کی باری ہوتی تھی، اُمہات المؤمنین اسی کے کمرہ میں جمع ہوجایا کرتی تھیں، فارغ ہوتیں تو سب آ جاتیں ورنہ اکثر اس معمول کو نبھایا کرتی تھیں، نساءه سے بھی جميع أزواجه او بعضهن (اتحافات:۲۹۸) (کل بیویاں یا بعض مراد ہیں) مراد ہیں۔ حدیثاً! بمعنٰی کلامِ عجیب کے ہے، ای کلاماً عجيبا أو کلاماً غريباً (اتحافات:۲۹۸)

كأن الحديث خرافة میں بھی اس کا لغوی اور اصطلاحی معنٰی مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد عجیب و غریب دلچسپ اور حیرت انگیز قصہ ہے، ورنہ کیا مجال کہ آپؐ کی طرف کسی جھوٹ کی نسبت کی جاسکے، المراد انه حديث مستملح ولا نريد بحال أنه كذب (اتحافات ص۲۹۶) (حدیثِ خرافہ سے مراد دلچسپ واقعات اور کہانیاں ہیں اور اس سے کسی صورت میں جھوٹ کا ارادہ نہیں)

حدیث خرافہ :

چونکہ آپؐ کا سنایا ہوا قصہ بھی ایک تعجب انگیز، حیران کن، دلچسپ قصہ تھا، اس لئے ایک زوجہ صاحبہ نے اسے حدیث خرافہ سے تشبیہ دی۔ خرافہ کا لغوی معنٰی جھوٹی بات، بے وقوفوں کی بات، بے عقلی اور لایعنی باتیں کرنا ہے۔ خرافات بکنا لایعنی باتیں کرنا، عربی میں بھی خرافہ لایعنی باتوں کے معنٰی میں استعمال ہوا ہے ....

أَأَتْرُكُ لَذَّةَ الصَّهْبَاءِ صَرْفًا

لِمَا وَعَدُوْهُ مِنْ لَحْمٍ وَّ خَمْرٍ
حَيَاةٌ ثُمَّ مَوْتٌ ثُمَّ نَشْرٌ
حَدِيْثُ خُرَافَةَ يَا أُمَّ عَمْرٍو

(الملل والنحل ج۳ص۲۲۱)

کیا میں صرف اس وعدے پر شراب وکباب سے لطف اندوزیاں چھوڑ دوں کہ یہ چیزیں مجھے جنت میں جا کر ملیں گے اور یہ کہ زندگی کے بعد موت ہے، پھر حیات ہے۔اے ام عمرو! یہ سب محض خرافات ہیں یعنی لایعنی باتیں ہیں۔

وجہ تشبیہ :

اس تفصیل سے غرض یہ ہے کہ اگر حدیث خرافہ سے صرف جھوٹی اور قابل تعجب باتیں ہی مراد لیا جائے تو یہ تشبیہ من کل الوجوہ نہیں، بلکہ بعض اجزاء میں تشبیہ ہے، یعنی اکاذیب میں تشبیہ نہیں بلکہ مستبعدات میں تشبیہ ہے۔ وانما ارادت التشبیہ فی الاستملاح فقط (مواہب ص۱۸۶) علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ، الاظھر أن حدیث خرافة یطلق علی کل ما یستملح ۔(اتحافات ص۲۹۸) (اور زیادہ واضح یہی معلوم ہوتا ہے کہ حدیث خرافہ کا اطلاق ہر کلام ملیح عجیب وغریب پر ہوتا ہے)

خرافہ کون تھا :

اتدرون ما خرافة ! حضور اقدس ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا کیا تم جانتی ہو، یہ خرافہ کون تھا۔ بعض نسخوں میں أتدرین مؤنث کا صیغہ استعمال ہوا ہے پھر تو کوئی اشکال ہی نہیں، أتدرون کی صورت میں شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں، خاطبھن خطاب الذکور تعظیماً لِشأنھن. (مواہب ص ۱۸۶)(ان کے ساتھ مذکرین کا خطاب ان کی عظمتِ شان کے لئے استعمال کیا گیا)

اس کی مثال لو شئت طلقت النساء سواکم ہے' قرآن مجید میں اس کی نظیریں ملتی ہیں' وکانت من القانتین ۔اور انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ۔(ان مذکورہ تینوں مثالوں میں مذکر کے صیغے (سواکم .القانتین .عنکم)مؤنثات کی تعظیم شان کے لئے مستعمل ہوئے ہیں) اور

یہ بھی ممکن ہے، مخاطب محض خواتین نہ ہوں، مرد بھی ہوں، جو اس موقع پر موجود ہوں گے تو واقعہ نزولِ حجاب سے قبل کا قرار پائے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ محارم میں سے کچھ مرد وہاں موجود ہوں یا اجنبی ہوں، لیکن پسِ پردہ۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ـــ وتحتمل انه كان بعض المحارم من الرجال او من الاجانب معهن ولكنهن وراء النقاب (جمع ج۲ص۵۷)

کان رجلاً... یہ یمن کے ایک قبیلہ عذرۃ کا ایک فرد تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں اس کو جنّوں نے پکڑا اور اٹھا کر لے گئے، پھر وہ ایک عرصہ تک جنات میں رہا، وہاں پر اس نے جنات کے حرکات و سکنات' مختلف اشکال' واقعات و واردات اور حالات کا مشاہدہ کیا۔ ان کی طرزِ زندگی، بودو باش، رسم و رواج اور مختلف مناظر دیکھے۔ جنات کے شہر، بستیاں اور ان کے گھر دیکھے، جنہوں نے اپنے ہاں طویل عرصہ اسے ٹھہرائے رکھا، پھر اسے واپس چھوڑ دیا۔ فكان يحدث ... واپسی پر وہ لوگوں سے وہاں کے عجیب مناظر، حیران کن واقعات اور تعجب انگیز قصے بیان کیا کرتا تھا۔ بالآخر معاشرہ میں خرافہ کی ذات ایک ضرب المثل بن گئی اور جب کبھی کوئی عجیب حیران کن واقعہ ذکر ہوتا تو لوگ کہتے کہ یہ تو حدیث خرافہ ہے۔

استنباطِ مسائل :

شارحین حدیث لکھتے ہیں کہ حدیث سے ثابت ہوا ہے کہ بعد العشاء اہل و عیال سے حسنِ معاشرت، نقل حکایات' مفید قصوں کا بیان، دلجوئی و دل لگی، محمود و مسنون ہے۔ جیسے کہ صاحبِ اتحافات نے بھی اس کا تذکرہ ان الفاظ میں کر دیا يؤخذ من الحديث حسن معاشرة الرجل لاهله و سمرة معهم و اخباره لهم بالخفيف من الامور وقصته عليهم القصص المفيده اقتداء به صلى الله عليه وسلم فإن التشبه باهل الفلاح فلاح ـ (اتحافات:۲۹۸تا۲۹۹)

ایک حدیث میں جو بعد العشاء گفتگو کرنے سے نہی آئی ہے، وہاں کلام بیہودہ مراد ہے، والنهى الوارد عن الكلام بعد العشاء محمول على مالا يعنى عن الكلام بعد العشاء و لذالک قال فى المنهج و كره نوم قبلها و حديث بعدها لا فى خير (مواہب ص۱۸۷) (جو عشاء کے بعد کلام کرنے

سے منع وارد ہوئی ہے تو اس سے فضول اور بیہودہ گفتگو مراد ہے اس لئے تو صاحب منہج نے فرمایا کہ عشاء سے پہلے سونا اور عشاء کے بعد نیکی کے علاوہ گفتگو کرنا مکروہ ہے)

ملاعلی قاریؒ نے تطبیق ان الفاظ سے فرمادی کہ **فالنهي الوارد محمول على كلام الدنيا ومالايعني في العقبى والحكمة ان يكون خاتمة فعله و قوله بالحسنىٰ و مكفرة لما وقع له فيما مضى** (جمع ج۲ص۵۸) (جن احادیث میں بعد العشاء کلام سے نہی ہے ان کا محمل دنیوی گفتگو اور جو آخرت میں بے فائدہ ہو اور اس میں حکمت اور راز یہی ہے کہ انسان کے افعال واقوال کا خاتمہ ایسے امور پر ہو جو نیکی کا سبب اور جو گذشتہ غلطیوں کے لئے کفارہ بن سکیں)

حَدِيثُ أُمِّ زَرْعٍ .... ام زرع کا قصہ

(۲۴۴/۲) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ اَخْبَرَنَا عِيْسَى بْنُ يُوْنُسَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَخِيْهِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَلَسَتْ اِحْدٰى عَشَرَةَ اِمْرَاَةً فَتَعَاهَدْنَ وَ تَعَاقَدْنَ اَنْ لَا يَكْتُمْنَ مِنْ اَخْبَارِ اَزْوَاجِهِنَّ شَيْئًا ...... فَقَالَتِ الْاُوْلٰى - زَوْجِيْ لَحْمُ جَمَلٍ غَثٍّ عَلٰى رَاْسِ جَبَلٍ وَعْرٍ لَا سَهْلٍ فَيُرْتَقٰى وَ لَا سَمِيْنٍ فَيُنْتَقٰى۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجرؒ نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر عیسیٰ بن یونس نے دی، انہوں نے یہ روایت ہشام بن عروۃ سے سنی، جنہوں نے اسے اپنے بھائی عبد اللہ بن عروۃ کے واسطہ سے اور انہوں نے اپنے باپ عروۃ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ حدیث ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے سماعت کی۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ گیارہ عورتیں یہ معاہدہ کر کے بیٹھیں کہ اپنے اپنے خاوند کا پورا پورا حال سچا سچا بیان کردیں کچھ چھپائیں نہیں۔ ایک عورت ان میں سے بولی کہ میرا خاوند ناکارہ دُبلے اونٹ کے گوشت کی طرح ہے اور گوشت بھی سخت دشوار گزار پہاڑ کی چوٹی پر رکھا ہو کہ نہ پہاڑ کا راستہ سہل ہے، جس کی وجہ سے وہاں چڑھنا ممکن ہو اور نہ وہ گوشت ایسا ہے کہ اس کی وجہ سے سو (۱۰۰) دقت اٹھا کر اس کے اتارنے کی کوشش کی ہی جائے اور اس کو اختیار کیا ہی جائے۔

راوی حدیث (۵۱۶) اخیہ عبداللہؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

سند کے لطائف :

حدیث امّ زرع کے لطائف میں سے یہ بھی ہے کہ اس میں تین تابعین کرام کی روایت بعضھم عن بعض کے طرز پر منقول ہے اور یہی روایة الاقارب بعضھم عن بعض بھی ہے، جیسے علامہ مناویؒ نے فرمایا کہ **و من لطائف اسنادہ ان فیہ روایة ثلاثة تابعین بعضھم عن بعض ھشام و عبد اللّٰہ وعروة وروایة الاقارب بعضھم عن بعض فقد روی الاخ عن اخیہ عن ابیہ عن خالتہ** (مناوی ج۲ص۵۹) (اس اسناد کے لطائف میں سے یہ بات ہے کہ اس میں تین تابعین عظام میں سے بعض کی روایت بعض سے نقل ہے یعنی حضرت ہشام عبداللہؒ اور عروہؒ اور اس میں اقارب (رشتہ داروں) کی روایت بعض کی بعض سے ہے کیونکہ اس میں روایت ایک بھائی کی دوسرے بھائی سے اور وہ اپنے باپ سے اور وہ اپنی خالہ سے روایت کرتے ہیں)

تمہیدی گذارش :

حدیثِ اُم زرع ! زمانۂ قدیم میں یہی رواج تھا کہ مرد عام طور پر کام کاج' محنت اور طلب رزق کے لئے دور دراز کے اسفار کرتے اور مہینوں بلکہ سالوں سالوں گھر سے غائب رہتے، پیچھے گھروں میں خواتین باقی رہتیں، جو اپنے گھریلو امورِ خانہ داری سے فارغ ہو کر خود اپنے گھر میں گھر کی خواتین، یا اڑوس پڑوس کسی گھر میں جمع ہو جاتیں، قصہ گوئی ہوتی، تفریح طبع کے لئے نقل حکایات کا سلسلہ چلتا۔ اسی ضمن میں بے تکلف ہو جاتیں، تو سب کچھ اگل دیتیں اور خواتین کے اپنے مزاج کے مطابق بعض اپنے شوہر کی مدح و محبتیں، یا نفرتیں اور ان کی شکایات تک بیان کر دیا کرتیں۔ اس سے اپنے مجروح و غمزدہ دلوں کے لئے تسکین کا سامان فراہم کرتیں اور وقت گذاری بھی ہو جاتی۔ حدیث امّ زرع میں جن گیارہ خواتین کا ذکر ہے، وہ بھی اسی طرح کی ایک محفل جما کر بیٹھیں باہمی معاہدہ کیا اور اسے پختہ کر کے اپنے اپنے شوہر کی حقیقی تصویر ادبی پیرایوں میں بیان کی۔

وجہ تسمیہ :

اس حدیث کا نام حدیث امّ زرع رکھا گیا ہے، جسے مسلم اور بخاری نے بھی نقل کیا ہے، چونکہ ان گیارہ خواتین میں سب سے لمبا اور واضح بیان امّ زرع کا ہے، جس کا اصلی نام عاتکہ بتایا جاتا ہے۔ نیز امّ زرع کی نقل حکایات کے بعد حضور اقدس ﷺ نے سیدہ عائشہؓ سے فرمایا **کنتُ لکِ کابی زرع لامّ زرع** (میں تیرے لئے (شفقت محبت میں) ایسا ہوں جیسے ابوزرع ام زرع کے لئے تھا) اس سے امّ زرع کی فضیلت واہمیت اور امتیاز بھی واضح ہوگیا، جواب میں سیدہ عائشہؓ نے فرمایا، **بابی و امی لانت خیرلی من ابی زرع لامّ زرع**۔ (میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں آپ تو میرے لئے بہت ہی خیر خواہ ہیں بہ نسبت ابوزرع کا ام زرع کے لئے)

یہ قصہ کہاں ہوا :

یہ قصہ کہاں پیش آیا؟ اور یہ عورتیں کہاں اور کس جگہ جمع ہوئیں تھیں؟ اس سلسلہ میں کوئی یقینی اور قطعی امر سامنے نہیں آیا۔ البتہ بعض شارحینِ حدیث نے کمزور روایات کا سہارا لے کر مقام اور جگہ کی تعیین کرنے کی کوشش کی ہے، مگر جمہور نے ان کی اس تحقیق پر اعتبار نہیں کیا۔ بعض محققین نے اسے یمن، بعض نے اسے مکۃ المکرّمہ اور حجاز کا واقعہ قرار دیا ہے **واللّٰہ اعلم بالصواب**۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، **کانت الاحدیٰ عشرۃ امرأۃ من بعض قری مکۃ أو الیمن**۔ (اتحافات ص ۳۰۰)

باقی رہی یہ بات کہ ان گیارہ خواتین کے نام کیا تھے۔ اس سلسلہ میں بھی شارحین نے اپنے طور پر تحقیق کر کے کچھ نام بتائے ہیں، مگر بات پھر وہی ہے، اس سلسلۃ میں جن روایات کا سہارا لیا گیا ہے، وہ کمزور ہیں، مگر چونکہ ان کے اسماء پر کوئی علمی مسئلہ موقوف نہیں ہے' اس لئے عام شارحینِ حدیث نے اسے توجہ بھی نہیں دی ہے **و کأن المصنف لم یثبت ذلک عندہ فلذلک لم یتعرض لاسمائھن علی انہ لا یتعلق بذکر اسمائھن غرض یعتد بہ ولذلک لم یسمّ ابا زرع ولا ابنتہ ولا جاریتہ ولا المرأۃ التی تزوجھا ولا الوالدین ولا الرجل تزوجتہ بعد أبی زرع**۔ (مواہب ص ۱۸۷)

(علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں چونکہ مصنفؒ کے نزدیک ان کے اسماء کی تحقیق پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی اس لئے تو

ان گیارہ عورتوں کے ناموں کا تذکرہ نہیں کیا اس کے علاوہ ان کے اسماء کے معلوم کرنے میں کوئی خاص غرض بھی متعلق نہ تھی اس لئے تو مصنفؒ نے نہ تو ابوزرع کا نام اور نہ ان کی بیٹی اور کنیزہ کا اور نہ اس عورت کا جس کے ساتھ نکاح کیا تھا اور نہ والدین کا اور نہ اس شخص جس سے ام زرع نے ابوزرع کے بعد نکاح کیا کے ناموں کا تذکرہ کیا ہے)

عہد وعقد کا معنیٰ وتشریح :

فتعاهدن ...... لفظِ عہد عربی زبان میں اور قرآن میں بھی عام استعمال ہوا ہے۔ وَ اَوۡفُوۡا بِالۡعَهۡدِ اِنَّ الۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡئُوۡلًا (بنی اسرائیل:۳۴) اپنے عہد کو پورا کرو، کیونکہ عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ یہاں مراد یہ ہے کہ ان خواتین نے اپنے اوپر ایک عہد لازم کرلیا **ای الزمن انفسهن عهدًا**

(مواہب ص۱۸۷)

وتعاقدن : عطف تفسیری ہے بمعنیٰ پھر اس عہد کو پختہ کرلیا، جیسا کہ قرآن میں بھی عقد بمعنیٰ پختگی کے آیا ہے۔ اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ (مائدہ:۱) یعنی اپنے عہدوں کو پختہ کرو۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، **ای عقدن علی الصدق من ضمائرهن** (جمع ج۲ص۶۰) (یعنی انہوں نے اپنی دل کی بات کو سچ سچ بتلانے کا پختہ عہد کرلیا تھا)

ان لا یکتمن :یعنی ان خواتین نے اولاً باہمی معاہدہ کیا کہ وہ اپنے شوہروں کے اصلی صفات و حالات ٹھیک ٹھیک بیان کریں گی، پھر اس عہد کو پختہ کیا، **علی ان لا یخفین شیئًا من اخبار ازواجهن مدحًا او ذمًا بل یظهرن ذلک و یصدقن** (مواہب ص۱۸۷)(اپنے خاوندوں کی مدح وذم کی خبر دینے میں کسی چیز کو خفیہ نہیں رکھیں گی بلکہ سچ کہہ کر اس کا اظہار کردیں گی)

پہلی خاتون کا بیان :

قالت الاولیٰ ...... حضرت ام المؤمنینؓ فرماتی ہیں کہ ان میں سے پہلی خاتون نے کہا، **الاولیٰ ای فی التکلم او التعدد** (مناوی ج۲ص۶۰) (یا تو بات کرنے میں پہلی تھی یا شمار کرنے میں) **زوجی لحم جملغثٍ** میرا خاوند تو ایسا ہے جیسے لاغر اونٹ کا گوشت ہو، **لحم جمل** زوجی کی خبر ہے یعنی ایک قباحت

تو اس میں یہ ہے کہ وہ اونٹ کا گوشت ہے ، جس میں لوگ پہلے سے کم رغبت کرتے ہیں، ای کلحم جمل فی الرداءة (مواہب ص ۱۸۷) پھر اونٹ بھی ایسا جو غثٍ (لاغر) ہے، جس میں کسی کی رغبت ہوتی ہی نہیں ، گویا میرا شوہر بھی لاغر اونٹ کے گوشت کی طرح مرغوب فیہ نہیں ہے ۔ غث کا معنی شدید الهزال (مناوی ج ۲ ص ۶۰) (انتہائی کمزور) ہے اس کو اگر مجرور پڑھیں تو جمل کی صفت ہے، مرفوع پڑھیں تو لحم کی صفت ہے، مگر پہلی صورت راجح ہے۔ ملا علی قاریؒ نے مرفوع ہونے کی صورت میں دو احتمال اور بھی لکھے ہیں (۱) کہ یہ دوسری خبر ہو یا یہ مبتدا محذوف کے لئے خبر ہو۔ فرماتے ہیں و مرفوع علی انه خبر بعد خبر او علی انه خبر مبتدا محذوف ای هو غث (جمع ج ۲ ص ۶۰) والمقصود منه المبالغة فی قلة نفعه والرغبة عنه و نفار الطبع منه . مطلب ظاہر ہے کہ اولاً تو وہ زوج اونٹ کا گوشت ہے، جو کسی کام کا نہیں، پھر وہ سوء خلق، زشت روئی کے پیش نظر اتنا بعید ہے کہ اس سے کچھ فائدہ حاصل ہوتا نہیں۔

علیٰ رأس جبل و عر۔ وہی خاتون اپنے زوج کی مزید مذمت کرتے ہوئے کہتی ہے کہ وہ ناکارہ گوشت بھی پہاڑ کی چوٹی پر ہے، جو سہل الحصول نہیں، پھر پہاڑ بھی وعر یعنی سخت دشوار گذار ہے، ای غلیظ یصعد الصعود الیه و یعسر القعود علیه ، وهذا کنایة عن سوء خلقه و کبره (اتحافات ص ۳۰) (ایسا سخت و دشوار کہ اس پر چڑھنا اور بیٹھنا مشکل ہو اور دراصل یہ اس کی بداخلاقی اور متکبر ہونے سے کنایہ ہے) پھر اس پر مزید یہ کہ لا سهل' یہاں لا بمعنیٰ لیس کے ہے، جس کا اسم محذوف ہے، ای لا الجبل سهل (مناوی ج ۲ ص ۶۰) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں و قیل المعنیٰ انه مع قلة خیره و کثرة کبره سیئی الخلق عظیم الخلق یعجز عنه کل احد فی اظهار الحق (جمع ج ۲ ص ۶۰) (اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی خیر و بھلائی کی قلت اور مغرور ہونے کی کثرت کے باوجود بے ڈھنگا موٹا پا اور بداخلاق بھی ہے اور ہر ایک شخص اس کے سامنے حق بات کے اظہار کرنے سے عاجز ہے) فیر تقی رقی سے ہے بمعنی اوپر کو چڑھنا' ای فیصعد الیه (جمع ج ۲ ص ۶۰)

ولا سمین فینتقی' وہ اونٹ بھی ایسا کہ اس میں چربی بھی نہیں' جس کا تناول بجائے صحت کے مضرت ہے۔ یہ لفظ تنقی'' سے ماخوذ ہے' بمعنیٰ کسی چیز کے چھانٹ لینے اور اختیار کرنے کے' یعنی اس

گوشت میں کوئی عمدگی ہی نہیں کہ شدید مشقت کے ساتھ اس کو اختیار کیا جا سکے۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ لفظ نقی بمعنی گودا سے ماخوذ ہے۔ معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ گوشت ایسا ہے کہ اس کی ہڈیوں میں گودا ہی نہیں، جو لاغر اور حد درجہ بوسیدہ اور فرسودہ ہے۔ آخر جس میں گودا ہی نہ ہو وہ کیا گوشت ہو سکتا ہے۔

لاسهل و لا سمین کا اعراب :

اس میں تین اعراب پڑھے جا سکتے ہیں (۱) یا دونوں مبنی علی الفتح ہوں۔ (۲) یا دونوں مجرور اور صفت برائے جبلٍ ہوں (۳) یا دونوں مرفوع ہوں اور لا بمعنی لیس کے ہو ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ قال میرک لاسهل و لا سمين فيهما ثلاثة اوجه البناء على الفتح لانه اسم لالنفى الجنس والجر على انه صفة جبل اى غير سهل ولاسمين والرفع على ان لابمعنى ليس (جمع ج۲ص۶۰)

بعض نسخوں میں فینتقل بھی آیا ہے، یعنی وہ گوشت اس قابل نہیں کہ اسے پہاڑ کی چوٹی سے لانے کی زحمت برداشت کر کے وہاں سے منتقل کیا جائے، اى بصيغة المجهول اى فيوخذ او يحمل بل يترك لردائته فى ذلك المحل (جمع ج۲ص۶۱) (شمائل کے بعض نسخوں میں فینتقل بصیغہ مضارع مجہول منقول ہے اور یہ معنیٰ ہوں گے کہ نہ وہ موٹا ہے کہ اسے اٹھا کر لایا جائے بلکہ بوجہ ردی اور بے کار ہونے کے اسی جگہ چھوڑ دیا جاتا ہے)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ بے کار ہستی ہے، جس سے کسی کو جانی یا مالی نفع نہیں ہے، پھر اس کے باوجود متکبر اور بدخلق اس درجہ کا ہے کہ اس تک رسائی بھی مشکل ہے، نہ ملتے بن پڑے نہ چھوڑتے بن پڑے کسی مصرف کی دوا نہیں (خصائل ص ۲۰۰)

دوسری خاتون کا بیان :

قَالَتِ الثَّانِيَةُ زَوْجِى لَا اَبُثُّ خَبَرَهُ اِنِّى اَخَافُ اَنْ لَّا اَذَرَهُ اِنْ اَذْكُرَهُ اَذْكُرْ عُجَرَهُ وَ بُجَرَهُ۔

ترجمہ : دوسری عورت بولی (کہ میں اپنے خاوند کی بات کہوں تو کیا کہوں اس کے متعلق کچھ کہہ نہیں سکتی) مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر اس کے عیوب شروع کروں تو پھر خاتمہ کا ذکر نہیں اگر کہوں تو ظاہری اور

باطنی عیوب سب ہی کہوں۔

قالت الثانیه...... الخ : پہلی عورت نے بیان ختم کیا، تو دوسری گویا ہوئیں، **لا ابث خبره**: بث ' یبث ، پھیلانا اور ظاہر کرنا' بعض روایات میں **لا اثیر** کے الفاظ آئے ہیں، دونوں کا معنیٰ ایک ہے **خبره** بمعنیٰ حالات کے ہے، یعنی کتمانِ حالات تو کرتی نہیں کہ باہمی معاہدہ کی پابندی کرنی ہے۔ البتہ اشارات میں سب کچھ واضح کردوں گی **والاشارة اشد من الصریح** (اور اشارہ زیادہ سخت (اور کارگر) صریح کلام سے ہوتا ہے) کیونکہ اگر صراحۃً کہا تو یہ خبر پھیل جائے گی اور میری خیر نہ ہوگی۔ **فتخاف من ذکر خبره ان یطلقها** (مواہب ص۱۸۸) (تو اس کی مکمل خبر دینے سے یہ خوف ہے کہ مجھے طلاق نہ دیدے

حالات کے تفصیلی بیان سے انکار کی وجہ :

انی اخاف ...... : مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں اس کی قباحت وشناعت اور داستانِ ظلم واستکبار شروع کردوں، تو اس کی برائیاں، مظالم اور قباحتیں اس قدر طویل ہیں، **ان لا اذره** ، کہ میں ان کو درمیان میں چھوڑ نہ سکوں گی اور تم سنتے سنتے بھی تھک جاؤ گے۔ **اذر** اور **وزر** دونوں کا معنی ایک ہے، یعنی چھوڑنا۔ یہاں پر لا زائدہ ہے، جیسے کہ قرآن میں بھی آیا ہے **ما منعک ان لاتسجد** (اتحافات ص ۳۰۱) (کہ تجھے کس چیز نے منع کیا کہ تو سجدہ کرلیتا) یعنی اس کی اخبار عجیبہ اور قابل مذمت ولائقِ نفرین ہیں ایک بار بیان شروع کیا تو پورا کئے بغیر چھوڑ نہیں سکوں گی ...... **اذره** میں ضمیر غائب کا مرجع اگر زوج قرار پائے تو معنیٰ یہ ہے کہ میں اس کے حالات کا بیان نہیں چھوڑ سکوں گی اور اگر اس کے حالات بیان کئے تو طلاق ملے گی اور میرے وسائل نہیں، زندگی دوبھر ہو جائے گی اور اگر ضمیر غائب کا مرجع خبر قرار پائے تو معنیٰ ہوگا کہ مکمل حالات بیان کئے بغیر اسے ادھورا اور نامکمل نہیں چھوڑ سکتی۔ **ای لا اترکه اولا اترک خبره** (جمع ج۲ص۱۶۱)

ایک اشکال سے جواب :

اس پر یہ اشکال نہ کیا جائے کہ یہ عورت اجتماعی معاہدہ سے بدعہدی کر رہی ہے اور اپنے زوج کے حالات چھپا رہی ہے، جواب ظاہر ہے کہ اسے اپنے زوج سے بہت شکایات ہیں۔ اسے اس بات کا

بھی اندیشہ ہے کہ اگر میں نے صاف صاف حالات بیان کر دیئے اور وہ خاوند تک پہنچ گئے تو وہ بد اخلاق ہے، طلاق دیدے گا، تو اس نے اس ایک جملہ میں اس کی پوری داستانِ حیات بیان کر دی کہ بد اخلاق' تند خو' سخت مزاج' درشت رو یہ اور نادان وظالم ہے کہ آخری اقدام تک کر ڈالنے کا فیصلہ بھی کر سکتا ہے۔

بل وفت علی ادق وجہٍ و اکملہ کما لایخفٰی علی اولئک الفصحاء البلغاء (مواہب:۱۸۸) (بلکہ اس نے تو اپنے عہد و پیمان کو کامل اور دقیق طرز وطریقہ پر پورا کر دیا جیسے کہ یہ بات ایسے فصیح اور بلیغ لوگوں پر مخفی نہیں ہونی چاہئے)۱

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، وفی عدم التفصیل 'تلمیح اقوی من التصریح. (اتحافات ص۳۰۱) (اور تفصیل نہ کرنے میں ایسے اشارات ہیں جو تصریح کرنے سے بھی قوی ہیں)

علامہ عبدالرؤف مناویؒ نے بھی اشکالِ مذکور کے جواب کو اس انداز سے پیش کیا ہے کہ وھذہ المرأۃ قد وفت بما تعاھدت و تحالفت علیہ من عدم کتمان شئی من ذلک و شرحت ذلک علی اوفی وجہ واکملہ بلاغۃ کما لایخفی علیٰ اولئک الفصحاء البلغاء وان خفی علی غیرھم (مناوی ج ۲ ص ۶۱) (اس دوسری عورت نے کسی چیز کو بھی خفیہ نہ رکھنے والے پختہ معاہدے اور حلف کی پاسداری کرتے ہوئے اسے پورا کیا اور پھر اس کی تشریح وتوضیح کو اس نے جس فصیح وبلیغ اور کامل طریقہ سے بیان کیا وہ اگرچہ غیر فصیح لوگوں پر مخفی بھی ہو لیکن ان جیسے فصیح وبلیغ حضرات پر ہرگز مخفی نہیں)

عُجَر بُجَر کی تحقیق :

اذکر عجرہ و بجرہ : عجر 'عجرۃ کی جمع ہے، بمعنی گردن کی رگوں کا پھول جانا، نفخۃ فی عروق العنق (اتحافات ص۳۰۱) مراد حالاتِ ظاہری ہیں۔ اچھے ہوں یا برے، بعض نے اسے صرف ظاہری عیوب کے معنیٰ میں لیا ہے اور بجر 'بجرۃ کی جمع ہے، بمعنیٰ ناف کا اوپر کو اٹھنا، عظم السرۃ (اتحافات ص۳۰۱) گردن کی رگیں پھول جائیں یا ناف اُبھر جائے، دونوں عیوب ہیں اور دونوں ساتھ ساتھ بولے جاتے ہیں۔ وقد قال علی کرم اللہ وجھہ اشکو عجری و بجری الی ربی ای ھمومی و احزانی (جمع ج ۲ ص ۶۱) (حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنے پریشان کن افکار اور

غموں کی شکایت صرف اپنے رب کریم کو کرتا ہوں) ظاہری عیوب اور باطنی عیوب دونوں مراد ہیں۔
والعجر والبجر عیوبه الظاهرة والخفية (اتحافات ص ۳۰۱)

حاصلِ بیان :

ملاعلی قاریؒ اس کا حاصل یوں لکھتے ہیں، وحاصل کلامها انها ترید ان تشکو الی الله تعالیٰ اموره کلها ماظهر و مابطن منها (جمع ج۲ص۶۱) (کہ وہ عورت یہ چاہتی ہے کہ میں اپنے ظاہری و باطنی سب امور کی شکایت صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کو کرتی ہوں)

تیسری خاتون کا بیان :

قَالَتِ الثَّالِثَةُ زَوْجِی الْعَشَنَّقُ اِنْ اَنْطِقْ اُطَلَّقْ فَاِنْ اَسْکُتْ اُعَلَّقْ۔

ترجمہ : تیسری عورت نے کہا کہ میرا خاوند لم ڈھینگ ہے یعنی بہت زیادہ لمبے قد کا آدمی ہے، اگر میں کبھی کسی بات میں بول پڑوں تو فوراً طلاق، اگر چپ رہوں تو ادھر میں لٹکی رہوں۔

قالت الثالثه ...... : دوسری کے بعد معاہدہ کے مطابق تیسری خاتون نے اپنے زوج کے حالات بیان کرنا شروع کیئے۔ زوجی العشنق : میرا خاوند لمبے قد والا بے ڈھنگا آدمی ہے۔ دراز قد، لاغر گویا بے وقوف ہے۔ عموماً مشہور یہی ہے کہ درازئ قد بے وقوفی کی علامت ہوتی ہے۔ صاحب اتحافات بھی یہی لکھتے ہیں وهو الطويل الممتد' مع نحافة و هذا يدل على السفه غالباً (اتحافات: ص ۳۰۱) و قد جمعت جميع العيوب فی هذه اللفظة (مواہب: ۱۸۸) (اس تیسری عورت نے اپنے خاوند کے سب عیوب کو اسی ایک لفظ میں جمع کر دیا)

دو جملوں میں جمیع عیوب کا تذکرہ :

ان انطق اطلق 'اس کی قد کاٹھ تو ہے، غیر متوازن و بدصورت' اخلاق بھی اچھے نہیں، زشت رو اور جلد مشتعل ہو جاتا ہے، کوئی بات' کوئی مطالبہ، کوئی مشورہ دوں، تو فوراً اشتعال میں آ کر طلاق دینے

سے بھی گریز نہیں کرتا اور اگر اس وقت میں اس کے عیوب گنوالوں اور تفصیلات میں چلی جاؤں، تو یقیناً وہ اپنی بداخلاقی کی وجہ سے مجھے طلاق دیدے گا اور مجھے یہ پسند نہیں کہ اس سے میری اولاد بھی ہے اور مجھے اس کا احتیاج بھی ہے یا مجھے اس سے تعلقِ خاطر ہے۔ علامہ بیجوریؒ اس کی وضاحت ان الفاظ سے کرتے ہیں ای ان انطق بعیوبه تفصیلاً یطلق لسوء خلقه ولا احب الطلاق لأولادی منه اولحاجتی الیه او لمحبتی ایاه (مواہب ص۱۸۸)

فان أسکت اعلق : اور اگر میں چپ رہتی ہوں، تو گویا لٹکی رہتی ہوں، مطالبات نہ کروں، کوئی ضروریات نہ مانگوں، تو معلق رہتی ہوں، از خود تو اُسے اُمورِ خانہ داری کی ذمہ داریوں کا شعور ہی نہیں یا اگر میں اس کے عیوب بیان کروں، تو پھر بھی میں معلقہ خاتون کی طرح رہ جاتی ہوں۔ میری حالت نہ تو ان خواتین کی طرح ہے جو منکوحہ ہوتی ہیں، اور جن کے شوہر ان کی ضروریات اور تقاضے پورے کرتے ہیں اور نہ ان خواتین کی طرح آزاد ہوں جو مطلقہ ہوتی ہیں اور اپنی مرضی سے دوسری جگہ نکاح کر لیتی ہیں، یا میں اپنے شوہر سے زبردست تعلقِ خاطر ومحبت کے پیش نظر اس کے عشق ومحبت میں معلق رہتی ہوں علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں کہ...... ای و ان سکت عن عیوبه یصیرنی معلقة و هی المرأة التی لاهی مزوجة بزوج ینفع ولا مطلقة تتوقع ان تتزوج و یحتمل أن المراد اعلق بحبه فیکون من علامة الحب (مواہب ص۱۸۸)

الغرض پہلی دونوں خواتین کی طرح اس تیسری خاتون نے بھی اپنے شوہر کی برائیاں بڑے بلیغ انداز میں بیان کیں اور شدید مذمت کی۔ قال الزمحشری و هذا من الشکایة البلیغة۔ (مناوی ج۲ ص۶۱ امام زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ اس عورت کی یہ شکایت بڑی بلیغ انداز میں ہے)

چوتھی خاتون کا بیان :

قَالَتِ الرَّابِعَةُ زَوْجِی کَلَیْلِ تِهَامَةَ لَاحَرٌّ وَلَاقَرٌّ وَلَامَخَافَةَ وَلَا سَآمَةَ۔

ترجمہ : چوتھی عورت نے کہا کہ میرا خاوند تہامہ کی رات کی طرح معتدل مزاج ہے، نہ گرم ہے نہ

ٹھنڈا نہ اُس سے کسی قسم کا خوف ہے نہ ملال۔

چوتھی خاتون جس کا نام مہد بنت ابی ہرومہ بتلایا جاتا ہے' نے اپنے شوہر کی تعریف کی اور بتایا کہ وہ بہت اچھا آدمی ہے۔ معتدل مزاج ہے۔ **زوجی کلیل تهامة : تهامه** ' دامنِ کوہ کو کہتے ہیں، یعنی وہ جگہ جو بلندی کے نیچے واقع ہو، مکہ معظّمہ بھی پہاڑیوں کے دامن میں واقع ہے۔ اس لئے اسے بھی تھامہ کہتے ہیں۔ اکثر شعراء تھامہ بول کر مراد مکہ معظّمہ لیتے ہیں۔ **وتهامة : مكة و ماحولها من الاغرار اى البلاد المنخفضة و أما البلاد العالية فيقال لها نجد والمدينة لا تهامية و لا نجدية لا نها فوق الغور و دون النجد** (مواہب ص۱۸۹) (تہامہ سے مراد مکہ شریف اور اس کے اردگرد ایسے مقامات مراد ہیں جو گہرائی میں واقع ہوں اور جو شہر بلندی پر واقع ہوں ان کو نجد کہتے ہیں اور مدینہ شریف نہ تو تہامیہ (گہرائی والا شہر) ہے اور نہ نجدیہ (بلندی والا شہر) ہے اس لئے کہ وہ گہرائی سے کچھ اونچا اور بہت بلندی سے کچھ نیچے اور گہرائی میں واقع ہے)

تھامہ ۔سے گویا مکۃ المکرّمہ اور اس کے اطراف مراد ہیں۔ جہاں دِن کے وقت شدید گرمی، مگر رات معتدل ہوتی ہے، ہوائیں چلتی ہیں تو طبیعت میں بے حد فرحت ونشاط پیدا ہوتا ہے، موسم خوشگوار اور معتدل ہوتا ہے تو چوتھی خاتون اپنے شوہر کی پہلی صفت یہ بیان کرتی ہے، تہامہ کی رات کی طرح، میرا خاوند معتدل المزاج ہے، **اى فى كمال الاعتدال و عدم الأذىٰ و سهولة امره** ۔(مواہب ص۱۸۸) (اپنی اعتدالی کیفیت کی وجہ سے نہ وہ مجھے کوئی تکلیف دیتا ہے بلکہ سب اُمور آسانیاں مہیا کرتا ہے)

اعتدال مزاج کی ایک عمدہ تعبیر :

لاحر ولا قر ' اس کے اعراب تین طرح پڑھ سکتے ہیں (۱) (لا بمعنیٰ عطف کے ہے اور ذو محذوف ہے، **اى لا ذو حرٍ و لا ذو قرٍ** (۲) لا بمعنیٰ لیس اور غیر کے ہے اور یہ الفاظ مرفوع ہیں۔ **اى لا حرٌ و لاقرٌ** (۳) لانفی جنس کے لئے ہے اور خبر محذوف ہے۔ **اى لا حرَّ فيه و لاقرَّ فيه** ۔خلاصہ یہ کہ اعراب جس طرح بھی پڑھے جائیں' مراد ایک ہی ہے کہ میرے خاوند کے مزاج میں نہ گرمی ہے اور نہ سردی، بلکہ اعتدال ہے۔

لا مخافة و لا سآمة : **مخافة** ایسی چیز جس سے خوف کھایا جائے، یعنی اس میں بلا وجہ طیش میں آنے اور ناراض ہو جانے اور پھر اچانک ناراض ہو کر بہت کچھ کر گزرنے کا کوئی خوف اور اندیشہ نہیں ہے اور نہ اس میں سامۃ یعنی اُکتاہٹ ہے کہ طبیعت اس کی کسی ادا سے گھن کرے یا نفرت پیدا ہو۔ ای **و لا ملالة فی مصاحبته فیسأم عنه** (جمع ج۲ص۶۲) **و ھذا من ابلغ المدح لانھا نفت عنه سائر الاسباب الاذی و اثبتت له جمیع انواع اللذة فی عشرته** (مناوی ج۲ص۶۲) (اور یہ اس کی بڑے بلیغ انداز میں تعریف ہے کیونکہ اس نے اپنے خاوند سے تکلیف اور ناراض کر دینے کے جمیع اسباب کی نفی کر دی اور اس کے لئے برتاؤ اور معاشرت میں لذت اور سہولیات دینے کے کل ذرائع کا اثبات کر دیا)

پانچویں خاتون کا بیان :

قَالَتِ الْخَامِسَةُ زَوْجِی اِنْ دَخَلَ فَهِدَ وَاِنْ خَرَجَ اَسِدَ وَلَا یَسْأَلُ عَمَّا عَهِدَ۔

ترجمہ : پانچویں عورت کہنے لگی کہ میرا خاوند جب گھر میں آتا ہے تو چیتا بن جاتا ہے اور جب باہر جاتا ہے تو شیر بن جاتا ہے اور جو کچھ گھر میں ہوتا ہے اس کی تحقیقات نہیں کرتا۔

قالت الخامسة ! یہ پانچویں خاتون جس کا نام کبشہ بتلایا جاتا ہے' کا بیان ہے، جس میں مدح وذم دونوں پہلوؤں کا احتمال ہے۔ **و ھذا کلام محتمل للمدح و الذم** (اتحافات ص۳۰۱)

فھد کا معنی وتشریح :

زوجی ان دخل فھد 'جب میرے شوہر گھر میں آجاتے ہیں تو وہ چیتے کی طرح ہوتے ہیں مشہور ہے کہ چیتا تین خصلتوں میں زیادہ مشہور ہے۔ کثرتِ نوم، کثرتِ جماع اور کثرتِ تغافل' گویا خاتونِ خامسہ یہ کہنا چاہتی ہے کہ میرے زوج میں بھی مذکورہ تینوں اوصاف موجود ہیں، گھر میں داخل ہوتے ہی خوابِ غفلت، کثرتِ جماع اور تغافل اس کی لاینفک ادائیں ہیں۔ نوم وتغافل ایسا کہ امورِ خانہ داری میں اس کی کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، کام سنوریں یا بگڑیں، اسے تو اپنی نیند ہی پوری کرنی ہے۔ **ای اذا دخل و ثب علیھا وثب الفھد لارادة جماعھا او ضربھا او نام او تغافل عما یجب علیھا تعھده** (مناوی ج۲ص۶۲) (جب بھی وہ گھر آتا ہے تو چیتے کی طرح میرے اوپر جماع یا مارنے کے ارادہ

سے چھلانگ لگا دیتا ہے یا پھر سو جاتا ہے اور یا ضروری امور میں کوتاہی اور غفلت کا مظاہرہ کرتا ہے) اگر خاتون کی اس گفتگو سے مراد مدح ہو تو معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ گھریلو امور میں مداخلت نہیں کرتے جو چاہیں کھائیں، پکائیں، خریدیں، لے آئیں لیجائیں، ضائع کریں اسے تو اپنے کام ہی سے کام ہے۔ یہ اس کا کرم ہے، حلم ہے، حوصلہ ہے، تحمل ہے اور اگر مراد برائی ہو، ذم ہو تو پھر مراد تکاسل و تغافل اور خوابِ مدہوشی ہے کہ اسے تو اپنے آرام مدہوشی نیند اور جماع سے کام ہے، اسے گھریلو امور میں کوئی دلچسپی نہیں ،کوئی مرے جیئے ، بھوک ہو، افلاس ہو، ناداری ہو، بیماری ہو، اِسے کیا پرواہ اسے تو خوابِ غفلت سے فرصت ہی نہیں۔ اسی کو علامہ مناویؒ نے ان الفاظ سے ذکر کیا ہے **فان كان القصد المدح فالمراد التغافل عما اضاعته المرأة مما يجب عليها تعهده كرماً وحلماً او الذم فالمراد النوم والتكاسل و عدم المبالات بضبطِ امور اهل بيته** (مناوی ج۲ص۶۳)

لفظِ اسد کا معنیٰ وتشریح :

وان خرج اسد :اور جب گھر سے باہر نکلے تو شیر بن جاتا ہے، یعنی جب لوگوں میں جاتا ہے یا اسے جنگ سے واسطہ پڑتا ہے تو شیر کی طرح میدانِ مبارزت میں اترتا ہے۔ اس کلام میں دونوں احتمال ہیں، مدح ہو تو معنیٰ شجاعت بہادری اور ہیبت و دبدبہ ہے اور اگر ذم مراد تو غضب و سفاہت کی طرف اشارہ ہے ۔ **يحتمل المدح بارادة شجاعته و مهابته والذم بارادة غضبه و سفهه والاول بسياقها اقرب** (مناوی ج۲ص۶۳) پانچویں خاتون کے اپنے خاوند کے متعلق مدح اور ذم کا محتمل بیان اکثر روایات میں تو یہی مذکور ہے البتہ حاشیہ بخاری شریف میں ہے **والاكثر شرحوه على المدح ووقع فى رواية الزبير بن بكار مقلوبا انه اذا دخل اسد و اذا خرج فهد فان صح فالمراد انه اذا خرج الى الناس كان فى غاية الرزانة والوقار و حسن السمت و اذا دخل منزله كان متفضلا ومواسيا ...... وزاد ولايرفع اليوم لغد ...... وهو يؤيد المدح كذا فى التوشيح** (حاشیہ بخاری ج۲ص۷۷۹)

(اکثر حضرات نے پانچویں خاتون کے کلام کی تشریح مدح سے کی ہے اور زبیر بن بکارؒ کی روایت میں اس کے الفاظ مقلوب طرز (یعنی آگے پیچھے ہونے کی صورت) پر ہیں یعنی وہ عورت یہ کہتی ہے کہ انه اذا

دخل اسد و اذا خرج فهد (جو پہلی عبارت کے برعکس ہیں) اگر یہ الفاظ صحیح ہوں تو پھر مطلب یہ ہے کہ وہ جب باہر لوگوں میں جاتا ہے تو راہ راست پر انتہائی سنجیدگی اور وقار سے ہوتا ہے اور جب گھر میں داخل ہوتا ہے تو بڑا مہربان اور غمخواری کا اظہار کرتا ہے اور اس روایت میں یہ زیادتی بھی ہے کہ وہ آج کے کام کل کے لئے نہیں چھوڑتے تو اس روایت کے الفاظ مدح ہونے کی تائید کرتے ہیں توشیح میں بھی اسی طرح ہے)

لفظِ عهد کا معنیٰ وتشریح :

ولا يسئل عما عهد 'اور وہ گھریلو معاملات میں کوئی باز پرس نہیں کرتا یعنی امورِ خانہ داری' کھانے پکانے' سودا سلف خریدنے' کپڑے اور زیورات اور خواتین کے تقاضوں اور ضرورتوں تک میں وہ مداخلت نہیں کرتے۔ بانه كريم الطبع نزه الهمة حسن العشرة لين الجانب في بيته لا يتفقد ما ذهب من ماله و اثاثه ولا يسئل عنه لشرف نفسه و سخاء قلبه و قال بعضهم هذا يحتمل انه اما تكرماً و اما تكاسلاً (مناوی ج۲ص۶۳) (علامہ مناویؒ لکھتے ہیں کہ وہ اچھی طبیعت والے اور بلند ہمت اچھے برتاؤ اور گھر میں نرمی کا مظاہرہ کرنے والے ہیں اور اپنی قلبی سخاوت اور شرافت کے پیش نظر مال ومتاع کے گم یا خراب ہونے پر سوال وجواب یا کسی قسم کی گرفت نہیں کیا کرتے۔

بعض حضرات نے کہا کہ اس کے خاوند کا یہ معاملہ رکھنا ہوسکتا ہے کہ عزت وشرافت کی وجہ سے ہو یا پھر اس کی سستی اور کوتاہی کی وجہ سے ہو)

تاہم اس سلسلہ میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ پانچویں خاتون کے کلام کو مذمت پر حمل کرنا قرین قیاس نہیں بلکہ فطرت سلیمہ اس سے اباء کرتی ہے۔ مع ان البناء على حسن الظن مهما امكن اولى (جمع ج۲ص۶۳) (اس کو حسن ظن پر محمول کرنے کا جتنا امکان ہو بہتر ہے کہ اس پر حمل کیا جائے)

چھٹی خاتون کا بیان :

قَالَتِ السَّادِسَةُ زَوْجِي اِنْ اَكَلَ لَفَّ وَ اِنْ شَرِبَ اشْتَفَّ وَاِنْ اضْطَجَعَ الْتَفَّ وَلَا يُوْلِجُ

الْكَفَّ لِيَعْلَمَ الْبَثَّ ۔

ترجمہ : چھٹی عورت بولی کہ میرا خاوند اگر کھاتا ہے تو سب نمٹا دیتا ہے اور جب پیتا ہے تو سب چڑھا جاتا ہے، جب لیٹتا ہے، تو اکیلا ہی کپڑے میں لپٹ جاتا ہے، میری طرف ہاتھ بھی نہیں بڑھاتا جس سے میری پراگندگی معلوم ہو سکے۔

قالت السادسة : اس خاتون کے بیان میں بھی مدح وذم دونوں پہلو نکل سکتے ہیں۔تاہم اس کے کلام میں مذمت زیادہ نمایاں ہے۔جیسا کہ پانچویں خاتون کی گفتگو میں مدح زیادہ محتمل تھی۔

ان اکل لفّ :

زوجی ان اکل لفّ ' لف" کا معنٰی لپیٹنا' بہت کھانا، یعنی میرے زوج کے دسترخوان پر کھانے کی کثرت ہوتی ہے، کثرت سے کھاتا ہے کہ دسترخوان پر انواع واقسام کے کھانے چنے جاتے ہیں۔اب اگر اس سے مدح مراد لیں تو معنیٰ وہی ہے جو اوپر نقل کر دیا ہے کہ اللہ پاک نے اسے وسیع دسترخوان اور ہمہ اصناف واقسامِ طعام سے مالا مال کر دیا ہے۔اس کے دسترخوان پر ایک کھانے پر اکتفا نہیں کیا جاتا، انـه يتنعم باكل صنوف الطعام و لا يكتفي بواحد (مناوی ج۲ص ۶۳) اور اگر ذم کا پہلو مراد لیا جائے تو معنیٰ ہوگا کہ وہ بسیار خورہ ہے۔دسترخوان پر بیٹھتا ہے تو سب کچھ ہڑپ کر جاتا ہے، نہ اسے بڑوں کا خیال رہتا ہے نہ چھوٹوں کی فکر رہتی ہے۔اسے اپنا پیٹ بھرنے سے کام ہے۔اہل و عیال بھوکے مرجائیں، سو مرجائیں، بس اس کا تو اپنا پیٹ تازہ رہے۔انـه في الاكل يمنع حق العيال و يـاكل الطعام بالاستقلال (مناوی ج۲ص ۶۳) (وہ کھانے میں اہل عیال کے حق کو منع کر کے سارا کھانا خود ہڑپ کر جاتا ہے) ای اكثر الطعام و خلط صنوفه كالانعام (جمع ج۲ص ۶۳) (اور کھانے کی مختلف اقسام کو چوپایوں کی طرح خلط ملط کرتے ہوئے کثرت سے کھاتا رہتا ہے) شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں' والاقـرب الى سياقها ان مرادها ذمه بأنه اِن أكل لم يبق شيئًا للعيال و أكل الـطـعام بالاستقلال (مواہب ص۱۸۹) (سیاقِ کلام سے یہ بات زیادہ قریب ہے کہ اس عورت کا ارادہ خاوند کی برائی اور مذمت ہو کہ جب وہ کھانا شروع کرتا ہے تو سب کھانے کو خود ہڑپ کر لیتا ہے اور اہل

وعیال کے لئے کچھ بھی باقی نہیں چھوڑتا)

و ان شرب اشتفّ :

یعنی میرا زوج جب پینے پہ آتا ہے تو آخری قطرہ تک پی جاتا ہے' الشفافة برتن میں رہ جانے والے پانی کے آخری قطرے کو کہتے ہیں' والشفافة بقية الماء فی قعر الاناء يقال لمن شربها اشتفها (مناوی ج۲ص۶۳) (شفافہ کا معنیٰ برتن کے نچلے حصے کا بقیہ پانی جو کوئی اسے بھی پی لیتے ہیں تو اس کے متعلق کہا جاتا ہے فلان اشتفها) ملا علی قاریؒ اسے بمعنیٰ استیعاب کے لیتے ہیں کہ برتن میں پانی ہو یا دودھ آخری قطرہ تک پی لیا جائے' ای استوعب جميع ما فی الاناء من نحو اللبن و الماء (جمع ج۲ ص۶۳) (جو کچھ برتن میں دودھ یا پانی تھا سب کا سب پی لیا) اگر مدح مراد لیں تو معنیٰ یہ ہوگا کہ جب پینے کا نمبر آتا ہے، تو اس کے دستر خوان پر پینے پلانے کی بھی جمیع انواع موجود ہوتی ہیں۔ پانی' شربت' دودھ' اللہ نے اسے کثرتِ مال سے نوازا ہے، خرچ کرتا ہے، بخل اور کنجوسی سے کام نہیں لیتا۔ کل کیلئے ذخیرہ کی فکر نہیں کرتا کہ توکّل ہے اور خدا کی ذات پر اعتماد ہے۔ علامہ مناویؒ فرماتے ہیں والمدح بان يراد شرب مع عياله الشراب كله لكرمه ولا يترك منه شيئًا ولا يدخر لخشية املاق (مناوی ج۲ص۶۳) اور اگر ذم مراد لیں تو معنیٰ یہ ہوگا کہ جب پینے پہ آئے تو سب کچھ پی جائے، اہل وعیال' دوست واحباب اور خدام کے لئے ایک قطرہ بھی نہ چھوڑے۔

جیسے علامہ بیجوریؒ یہی بیان کرتے ہیں فان اريد به الذم و هو المتبادر من كلامها فالمعنیٰ انه يشرب الماء كله و لايترك شيئًا لعياله (مواہب ص۱۹۰)

و ان اضطجع التفّ :

و ان اضطجع التف ...... جب سوتا ہے تو تنہا کپڑے میں لپٹ جاتا ہے اور نہ میری طرف ہاتھ بڑھاتا ہے کہ میری بے چینی' پریشانی اور اضطراب معلوم کرے۔ مدح مراد ہو تو معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ جھگڑوں سے علیحدہ رہتا ہے۔ دوسروں کی پھٹن میں ہاتھ نہیں ڈالتا یعنی دوسروں کے عیوب کی تفتیش نہیں کرتا اور خواہ مخواہ لوگوں کی کوتاہیوں کو تلاش نہیں کرتا پھرتا۔ اور اگر ذم مراد ہو اور ظاہر ہے کہ ذم کا معنیٰ

راجح ہے، تو معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ چادر اوڑھ کر گھر کے ایک کونے میں مجھ سے علیحدہ سو جاتا ہے اور اعراض کرتا ہے۔ ولا یباشرھا ولا یضاجعھا فلا نفع لزوجته منه (مناوی ج۲ص۶۳) (اور نہ اپنی بیوی کے ساتھ سوتا ہے اور نہ مجامعت کرتا ہے تو اس کی بیوی کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے) ولا یولج ...... الخ: لفظی معنیٰ و تشریح تو بیان ہو چکی، ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ گویا اسے اپنی اہلیہ سے حد درجہ نفور ہے کہ گھر آجائے تو اسے اپنی اہلیہ کا کوئی فکر و غم نہیں ہوتا، وہ بیمار ہو، اسے زخم ہو، کوئی درد و تکلیف ہو یا کوئی پریشانی یہ اس کے قریب آنے اور چھونے تک کا روادار نہیں ہے۔ محشی بخاریؒ نے فرمایا ' حاصله انه اکوّل و مع ذلک لیس بفحول (حاشیہ بخاری ج۲ص۷۸۰) (خلاصہ یہ کہ وہ بڑا اپیٹو ہے اور اس کے باوجود کوئی نر اور جوان مرد نہیں ہے)

و تکون هذه المرأة قد وصفت زوجها بالشره الشدید و التفریط فی جمیع حقوقها فلا تنفع منه لا من قریب ولا من بعید (اتحافات ص۳۰۱) (تو اس عورت نے اپنے خاوند کو سخت حریص اور لالچی ہونے کے باوصف تمام حقوق میں تفریط کا مرتکب ظاہر کیا ہے نہ تو اس میں کوئی قریبی رشتہ دار اور نہ اجنبی اور بعید لوگ کوئی نفع اٹھا سکتے ہیں)

ساتویں خاتون کا بیان:

قَالَتِ السَّابِعَةُ زَوْجِیْ عَیَایَآءُ اَوْ غَیَایَآءُ طَبَاقَآءُ کُلُّ دَاءٍ لَهٗ دَآءٌ شَجَّکِ اَوْ فَلَّکِ اَوْ جَمَعَ کُلًّا لَکِ۔

ترجمہ: ساتویں عورت نے کہا کہ میرا خاوند صحبت سے عاجز نامرد اور اتنا بے وقوف کہ بات بھی نہیں کر سکتا۔ دنیا میں جو کوئی بیماری ہوگی، وہ اس میں موجود ہے۔ اخلاق ایسے کہ میرا سر پھوڑ دے یا بدن زخمی کر دے یا دونوں ہی کر گزرے۔

قالت السابعة زوجی عیایآء او غیایاء۔ ساتویں خاتون (جس کا نام ہند ہے) کا تمام بیان اپنے شوہر کی مذمت میں ہے اور مذمت بھی کی ایسی کہ اس میں کوئی خیر کا پہلو ہے ہی نہیں۔

عیایاء کا معنیٰ :

عیایاء، علم یعلم کے باب سے ہے بمعنیٰ درماندگی، لاچاری، گونگاپن اور اپنے اظہار مافی الضمیر میں معذوری کو کہتے ہیں، نامردی اور عورت کی خواہش کی تکمیل میں عاجز رہ جانے پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ لکھتے ہیں، ھو من الابل الذی تعب و اصح هزيلًا و تريد بذلك أنه عنين لايقدر على الجماع او العاجز عن تدبير امره (اتحافات ص۳۰۲)
(عیایاء اونٹوں میں اس اونٹ کو جو تھکا ماندہ اور کمزور ہو گیا ہو یہاں اس عورت کا مقصد یہ تھا کہ اس کا خاوند نامرد ہے جماع کرنے پر قادر نہیں اور یا یہ مطلب کہ وہ اپنے امور (کاموں وغیرہ) کے سوچنے سمجھنے سے عاجز ہے)

غیایآء کا معنیٰ :

لفظِ أو راوی کے شک کے لئے ہے یا تعبیر میں تخیر کے لئے ہے یا بمعنیٰ بل کے ہے،و أو للشك من الراوى و يحتمل انها للتخيير فى التعبير او انها بمعنىٰ بل (مواہب:۱۹۰) غیایاء کا اصل مادہ غیّ ہے بمعنیٰ ضلالت وگمراہی کے ای ذوغیّ و هو الضلالة او الخيبة او ذو غيابة وهى الظلمة (مواہب:۱۹۰) مطلب واضح ہے کہ میرا شوہر ہر کام میں خائب وخاسر نامراد و ناکام ہے۔اس کی سوجھ بوجھ ہی ایسی ہے کہ بے عقلی چھلک پڑتی ہے۔معناه لا يهتدى الى مسلك (جمع ج۲ص۶۴) (کسی راستہ پر رہنمائی نہیں پاتا)

طباقاء کے مختلف معانی :

طباقآء : اس کے متعدد معانی منقول ہیں، بمعنیٰ احمق و بے وقوف کے، جس پر معاملات اور دنیوی اُمور کے تمام راستے بند ہو جائیں اور وہ کامیابی کا کوئی راستہ نہ پائے، الاحمق الذى تنطبق عليه الامور، فلا يعرف مخرجاً لها و لا مدخلاً (اتحافات:۳۰۲) دوسرا معنیٰ یہ کیا گیا ہے کہ طباقا اس شخص کو

کہتے ہیں، جو کلام سے عاجز ہو اور گفتگو کے وقت اس کے دونوں ہونٹ منطبق ہو جائیں..... **هو الذی یعجز عن الکلام فتنطبق شفتاه کذا فی النهایة** (جمع ج۲ص۶۴) (۳) تیسرا معنیٰ یہ بھی نقل ہوا ہے کہ مباشرت کے وقت اپنا سارا جسم عورت پر ڈال دے، جو بظاہر عورت کے لئے ایذاء ہے اور ظاہر ہے کہ یہ **عجز عن الجماع** بھی ہے اور ناپسندیدہ حرکت بھی۔ **عاجز عن الجماع أو یطبق علی المرأة اذا علاها بصدره لثقله فلیس لها منه الا الایذاء و التعذیب** (مناوی ج۲ص۶۴)

الغرض وہ بتانا چاہتی ہے کہ میرے زوج میں کوئی پہلو بھی خیر کا نہیں، جس چیز میں بھی اقدام کرتا ہے، نامراد لوٹتا ہے۔ گویا **اَیْنَمَا یُوَجِّهْهُ لَایَأْتِ بِخَیْرٍ** (النحل:۷۶) (مالک اسے جس طرف بھی بھیجتا ہے، وہ کوئی اچھی خبر نہیں لاتا) کا صحیح مصداق ہے۔

مجمع الامراض :

کل داء له داء، ہر بیماری اس میں کامل طور پر موجود ہے۔ لفظِ **کل** جب نکرہ پر داخل ہو، تو احاطۂ افراد کے لئے آتا ہے اور جب معرفہ پر داخل ہو تو احاطۂ اجزاء کے لئے آتا ہے، تو یہاں گویا استغراقِ ادعائی ہے، کل داء کے بعد **فی الناس** مقدر ہے، یعنی لوگوں کی تمام بیماریاں اس میں موجود ہیں۔ **ای جمیع الادواء موجودة فیه بلا دواء ففیه سائر النقائص**۔ (جمع ج۲ص۶۴) **و الحاصل انه اجتمع فیه سائر العیوب و المصائب** (مناوی ج۲ص۶۴) (خلاصہ یہ ہوا کہ وہ لا دواء ہے اور اس میں سب عیوب اور مصیبتیں بھی جمع ہیں)

شجک کی وضاحت :

شجّک : نصر کے باب سے ہے بمعنیٰ سر میں ضرب لگانے کے، خطاب اپنے نفس سے ہے، **او المراد به خطاب العام** (جمع ج۲ص۶۴) (یا اس سے عام خطاب ہے) **و المراد انه یجرح عند الضرب و یؤذی**۔ (اتحافات ص۳۰۲) (اور اس سے مراد یہ کہ وہ مارتے وقت سخت ایذائیں دے کر زخمی کر لیتا ہے)

فلّکِ کا مطلب :

او فلک: فلّ توڑنے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ گھر سے باہر نکالنے، دور پھینکنے اور مکمل اعراض کرنے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ ای ضرباً یکسر العظم او یطردک من البیت۔ (اتحافات ص ۳۰۲) او جمع کلاً لکِ یا یہ دونوں کام کردے مار مار کر زخمی کردے اور مستزاد اس پر یہ کہ ہڈیاں بھی توڑ دے اور پھر آخر میں گھر سے باہر پھینک دے۔

خلاصہ یہ کہ یہ عورت بتانا چاہتی ہے کہ اس کا زوج قبیح ترین اوصاف سے متصف ہے۔ و ھذہ المرأۃ تصف زوجھا باقبح الاوصاف و تنعتہ بأسوأ النعوت فھو احمق و سئی العِشرۃ، و ضروب ...... الخ (اتحافات ص ۳۰۳)

اور یہ عورت اپنے خاوند کا قبیح ترین اوصاف سے تذکرہ کرتی ہے کہ وہ احمق بے وقوف بدترین برتاؤ والا اور بہت ہی مارنے والا ہے۔

آٹھویں خاتون کا بیان :

قَالَتِ الثَّامِنَةُ زَوْجِي الْمَسُّ مَسُّ اَرْنَبٍ وَالرِّيْحُ رِيْحُ زَرْنَبٍ۔

ترجمہ : آٹھویں عورت نے کہا کہ میرا خاوند چھونے میں خرگوش کی طرح نرم ہے اور خوشبو میں زعفران کی طرح مہکتا ہوا ہے۔

آٹھویں خاتون جس کا نام ناشرہ بنت اوس بتایا جاتا ہے اور بعض نے عمرہ بنت عمرو بتایا ہے، اپنے شوہر کی مکمل تعریف کرتی ہے، جبکہ ساتویں خاتون نے مکمل تقبیح اور مذمت بیان کی تھی۔ کہتی ہیں زوجی المسّ مس ارنب: میرے زوج کو چھونا گویا خرگوش کی طرح نرم، ملائم، نازک اور حد درجہ پیارے جسم کو چھونا ہے، گویا وہ سخت طبیعت، تندخو اور بدمزاج نہیں، اس کی طبیعت میں نرمی اور ملاطفت ہے، جسمانی اور روحانی دونوں لذتوں کا مرکب ہے۔ بدن ملائم ہے کہ چھونے اور لپٹنے کو جی چاہے۔ مزاج

میں بھی نرمی والفت ہے کہ جی بھر کر پیار لینے کو موقع دیتا ہے۔ ای کمس الارنب فی اللین و النعومة (جمع ج۲ص۶۴) و یحتمل ان المراد کریم الجانب لین العریکة والخلق و حسن العشرة (مناوی ج ۲ص۶۴) (اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد کہ وہ عمدہ شریف پہلو والا نرم طبیعت اور اخلاق والا اور اچھے برتاؤ کرنے والا تھا) والریح ریح زرنب : زرنب زعفران یا اس طرح کوئی خوشبودار بوٹی ہے، نوع من النبات طیب الرائحة و قیل زعفران (جمع ج۲ص۶۴) روحانی اور جسمانی ملاطفت کے ساتھ اس کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس کا جسم خوشبوؤں میں مہکتا ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کا ارشاد :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ بعض روایات میں اس کے بیان میں ایک جملہ اور بھی ہے، جس کا ترجمہ ہے کہ میں اس پر غالب رہتی ہوں اور وہ لوگوں پر غالب رہتا ہے، یعنی میرا غالب رہنا اسی کے عاجز و ناکارہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہے، اس لئے کہ وہ سب پر غالب رہتا ہے، بلکہ میری محبت یا اس کی شرافت کی وجہ سے میں غالب رہتی ہوں (خصائل:۲۰۳) التوشیح کے حوالہ سے محشی بخاریؒ نے اس کی یہ وضاحت کی ہے، زاد النسائی و انا اغلبه والناس یغلب ، فوصفته مع جمیل عشرته لها و صبره علیها بالشجاعة (حاشیہ بخاری ج۲ص۷۸۰)

(امام نسائیؒ نے یہ زیادتی ذکر کی ہے کہ میں اس پر غالب رہتی ہوں اور وہ لوگوں پر غالب رہتا ہے تو گویا اس نے اپنے خاوند کو اچھے برتاؤ رکھنے کے ساتھ موصوف بھی کیا اور یہ کہ میری زیادتیوں اور کوتاہیوں پر تو صبر سے کام لیتا ہے لیکن دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں بڑا بہادر ہے)

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں ، وتصف هذه المرأة زوجها بالنعومة فی الجسم ولین البشرة وطیب الرائحة و لعلها تکنی بذلک عن حسن الخلق (اتحافات:۳۰۲) اور یہ آٹھویں خاتون اپنے خاوند کو نرم و نازک، ملائم اور خوشبوؤں سے مہکتا ہوا جسم والا ثابت کر رہی ہے اور شاید کہ وہ عورت اس کے ذریعہ کنایۃً اس کے حسنِ اخلاق اور اچھے برتاؤ کا ذکر کر رہی ہے)

نویں خاتون کا بیان :

قَالَتِ التَّاسِعَةُ زَوْجِی رَفِيعُ الْعِمَادِ عَظِيمُ الرِّمَادِ طَوِيْلُ النِّجَادِ قَرِيبُ الْبَيْتِ مِنَ النَّادِ

ترجمہ : نویں عورت نے کہا کہ میرا خاوند رفیع الشان بڑا مہمان نواز اونچے مکان والا بڑی راکھ والا ہے، دراز قد والا ہے، اس کا مکان مجلس اور دار المشورہ کے قریب ہے۔

اس خاتون نے (جس کا نام کبشہ تھا) بھی مختصر مگر جامع انداز میں اپنے شوہر کی تعریف کی اور چار جملوں میں اس کی چار خصلتیں بیان کی ہیں۔

پہلی خصلت :

زوجی رفیع العماد : **عماد** بانس کو اور ستون کو کہتے ہیں۔ بانسوں پر خیمے اور ستونوں پر گھروں کا اور محلات کا مدار ہوتا ہے۔ **اذا لعماد فی الاصل عمد تقوم علیها الأبنیة او الأبنیة الرفیعة** (مواہب ص ۱۹۰) نویں خاتون کہنا یہ چاہتی ہے (۱) کہ میرے زوج کے خیمہ کے بانس یا محل کے ستون اونچے ہیں۔ بانس اور ستون اونچے ہوں گے تو خیمہ اور محل بھی رفیع ہوگا، بلندی والا ہوگا جو آسودہ حالی اور فراغ البالی سے کنایہ ہے اگر یہ حقیقت میں بھی واقعتاً بڑی عمارت ہے تو مراد وسعتِ رزق، کثرتِ اسباب اور مالداری کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ اونچے محل وہی لوگ تیار کر سکتے ہیں جو مالدار ہوتے ہیں

(۲) اور یہ بھی ممکن ہے کہ مطلب یہ ہو کہ اس کا مکان بلندی اور اونچائی پر واقع ہے، تب بھی درست ہے کیونکہ عربوں میں سخی اور کریم لوگ اپنا مکان بلند جگہ پر بناتے تھے تاکہ راہ گذر، مسافر اور پردیسی و پریشان حال لوگ دور سے مکان کو دیکھ کر بے تکلف چلے آئیں اور صاحبِ مکان کو ان کی خدمت کرنے، کھلانے اور سلانے کا موقع ملے، تو ظاہر ہے، اس صورت میں وہ خاتون رفیع العماد کہہ کر اس کی شرافت اور عظمتِ سخاوت کو بیان کرنا چاہتی ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، **فالمعنی ان ابنیته رفیعة و ارتفاعها اما باعتبار ذاتها حقیقة و اما باعتبار شهرتها مجازا او با رتفاع موضعها بان بنی بیوتها فی المواضع المرتفعة لیقصدها الاضیاف و ارباب الحاجة** (جمع ج ۲ ص ۶۵)

(۳) بعض حضرات نے یہ معنیٰ بھی بیان کیا ہے کہ اونچا مکان شرافت اور عظمتِ حسب ونسب سے کنایہ ہے، گویا میرا خاوند خاندانی نسبت اور وجاہت کے لحاظ سے بھی رفعتِ مقام پر ہے، أی رفیع الذکر عالی الحسب والنسب (اتحافات ص۳۰۲)

دوسری خصلت :

عظیم الرماد : میرے شوہر کی دوسری خصلت یہ ہے کہ بڑی راکھ والا ہے۔ رماد' راکھ کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع ارمدہ آتی ہے۔ عظیم کا معنیٰ کثیر اور زیادہ۔ ظاہر ہے کہ راکھ تب زیادہ بنے گی جب لکڑی زیادہ جلے گی، گویا میرے شوہر کے ہاں کثرت سے لکڑی جلتی اور راکھ بنتی ہے، دن کو مہمانوں کے لئے کھانا پکانے میں اور رات کو بھی کھانے پکانے اور مہمانوں کو اپنے گھر کا راستہ دکھانے میں کہ مہمان آگ کی روشنی دیکھ کر اس طرف رُخ کریں گے۔ یہ شوہر کی کثرتِ سخاء سے کنایہ ہے۔ شیخ احمد عبد الجوادؒ لکھتے ہیں، وھو کنایة عن کثرة الضیفان ' و بسطة الید ' لان کثرة الرماد تستلزم کثرة الوقود ' وھی تستلزم کثرة الخبز والطبخ و ھی تستلزم کثرة الضیفان الأکلین ' وھذا شأن الکرماء (اتحافات: ص۳۰۲)

تیسری خصلت :

طویل النجاد : نجاد تلوار کے پرتلہ کو کہتے ہیں۔ ظاہر ہے جس کی تلوار کا پرتلہ طویل ہوگا اس کی تلوار بھی لمبی ہوگی۔ عربی محاورہ میں طویل القامت ہونے سے کنایہ ہے۔ ھی حمائل السیف و ھی کنایة عن طول القامة (اتحافات ص۳۰۲) جو اس کی بہادری، امور حرب و جہاد پر دسترس اور اپنے احکام وعزائم پر کمالِ قدرت وتنفیذ اور شجاعت وسخاوت پر بھی دلالت کرتا ہے۔

جیسے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں' و یمکن ان یکون کنایة عن سعة حکمه علی اتباعه و اشیاعه کما یقال سیف السلطان طویل ای یصل حکمه الی اقصیٰ ملکه وایضاً فیه ایماء الی شجاعته المستلزمة غالباً لسخاوته (جمع ج۲ص۶۵)

چوتھی خصلت :

قریب البیت من الناد 'الناد' مجلسِ مشاورت کو کہتے ہیں۔اسی سے دار الندوۃ آیا ہے۔ ای مجلس القوم و متحدثھم (جمع ج۲ص۶۵) اصل میں النادی ہے۔ ی سجع کلام کے لئے حذف ہوئی ہے۔ ای الموضع الذی یجتمع فیه وجوه القوم للتشاور و التحدث (مناوی ج۲ص۶۵) میرے شوہر کا گھر مجلس القوم (ٹاؤن ہال،اسمبلی ہال، لیبر ہال اور تکیہ گاہ وغیرہ) کے قریب ہے کیونکہ وہ آسودہ حال بھی ہے۔ جذبۂ خدمت سے سرشار بھی' سردار بھی ہے اور عظمتِ حیثیت کا مالک بھی۔ اسے سرداری بھی حاصل ہے اور مقامِ سخاوت بھی' وہ خود بھی رئیس ہے اور رؤسائے قوم کا میزبان بھی۔ و انما قرب بیته من النادی لیعلم الناس مکانه و مکانته (جمع ج۲ص۶۵) (اور میرے شوہر کا گھر مجلس القوم کے اس لئے قریب ہے کہ لوگوں کو اس کے مکان اور اس کی شان و مرتبہ سے آگاہی ہو) و قرب البیت کناية عن السؤدد و المجد و هذه اوصاف ممدوحة (اتحافات ص۳۰۲) (اور گھر کا قریب ہونا یہ سرداری اور بلندی شان سے کنایہ ہے اور یہ سب اچھے اوصاف ہیں)

دسویں خاتون کا بیان :

قَالَتِ الْعَاشِرَةُ زَوْجِیْ مَالِکٌ وَمَا مَالِکٌ مَالِکٌ خَیْرٌ مِنْ ذٰلِکَ لَهُ اِبِلٌ کَثِیْرَاتُ الْمُبَارِکِ قَلِیْلَاتُ الْمَسَارِحِ اِذَا سَمِعْنَ صَوْتَ الْمِزْهَرِ اَیْقَنَّ اَنَّهُنَّ هَوَالِکُ۔

ترجمہ: دسویں عورت نے کہا کہ میرا خاوند مالک ہے، مالک کا کیا حال بیان کروں، وہ ان سب سے جواب تک کسی نے تعریف کی ہے یا اُن سب تعریفوں سے جو میں بیان کروں گی بہت ہی زیادہ قابل تعریف ہے، اس کے اونٹ بکثرت ہیں، جو اکثر مکان کے قریب بٹھائے جاتے ہیں، چراگاہ میں چرنے کے لئے کم جاتے ہیں، وہ اونٹ جب باجہ کی آواز سنتے ہیں تو سمجھ لیتے ہیں کہ اب ہلاکت کا وقت آ گیا۔

زوجی مالک 'میرے شوہر کا نام مالک ہے۔ فما مالک اور میں کیسے بیان کروں کہ مالک کیا ہے۔ یہ استفہامِ تعظیم و تفخیم ہے' گویا کہنا چاہتی ہیں کہ مالک ایک عظیم انسان ہے۔ اس کی

عظمتِ شان کے پیش نظر الفاظ میں اس کی تعریف بھی نہیں کی جا سکتی ۔ وهو استفهام تعظيم وتفخيم (مواہب ص ۱۹۱) علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں فما مالک هذا تعجيب من امره و شانه و تعجيز عن كنه بيانه كقوله تعالىٰ الحاقة ما الحاقة فالاستفهام للتعظيم و التعجيب و التفخيم (جمع ج ۲ ص ۶۵) (مالک کیا ہے یہ گویا اس کی شان و مرتبہ سے تعجب و حیرانگی ہے اور اس کے بیانِ حقیقت سے عاجزی کا اظہار ہے جیسے الحاقة ما الحاقة میں بھی استفہام اس کی عظمت تعظیمِ شان اور تعجب کے لئے ہے) اسی طرح قرآن مجید میں اس کی ایک اور نظیر بھی موجود ہے القارعة ० ما القارعة ० و ما ادرک ما القارعة

مالک خیر من ذلک 'ذلک' اسم اشارہ یا تو ساتھ والی مذکورہ قریبہ خاتون کی طرف اشارہ ہے یا پھر سابقہ تمام خواتین مذکورات کی طرف اشارہ ہے، یعنی میرا شوہر سابقہ مذکورہ خاتون کے خاوند سے یا تمام خواتین کے شوہروں سے بہتر ہے ...... انه خطاب لاحداهن من المجاورات اولجنسهن من المخاطبات اى زوجى مالک خير من زوج التاسعة او من جميع النساء السابقة (جمع ج ۲ ص ۶۵)

کثرتِ مال کی عمدہ تعبیر :

له ابل ...... مبارک ' مبرک کی جمع ہے، اسمِ ظرف ' بمعنی اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہیں ' یا اونٹوں کے بیٹھنے کے زمانے ' یا مصدر میمی ہے بمعنیٰ البروک کے جمع المبرک و هو محل بروک البعير أو زمانه او مصدر ميمى بمعنىٰ البروک (جمع ج ۲ ص ۶۶)

دسویں خاتون یہ کہنا چاہتی ہے کہ میرا شوہر مالدار بھی ہے ۔ اس زمانے میں بہترین مال اونٹ تھے، وہ اس کے پاس کثیر ہیں، مالداری کے ساتھ ساتھ اس میں سخاوت و خدمتِ خلق کا جذبہ ہے، اس لئے گھر کے قریب اونٹوں کے بٹھانے کی جگہیں بہت ہیں، بجائے چراگاہ میں بھیجنے کے وہ قریب رکھتے ہیں تاکہ مہمان آئیں تو ان کی ضیافت کے لئے چراگاہ جانے اور وہاں سے اونٹ لانے کے بجائے قریب سے بہ سہولت اونٹ اٹھا کر ضیافت میں فوری ذبح کر دیا جائے اور دودھ دوہ کر فوراً پیش کیا جا سکے۔

قليلات المسارح ' المسارح ' کا مفرد مسرح ہے، وهو اما مصدر او اسم زمان او

مکان (جمع ج۲ص۲۶) سرحت الماشیة سے ماخوذ ہے بمعنی چرانے کے قرآن میں بھی یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے، ولکم فیھا جمال حین تریحون و حین تسرحون (النحل:۶) (تمہارے لئے ان چوپایوں میں حسن و جمال ہے جس وقت کہ شام کو چرا کر لاتے ہو اور جب چرانے کو نکالتے ہو) یہ ماقبل کی تاکید ہے۔ مقصد یہ ہے کہ باوجود کثرت کے وہ دن کو جنگلوں میں نہیں چرائے جاتے اور کسی وقت بھی گھر کے قریب سے دور نہیں بھیجے جاتے یا معنیٰ یہ ہے کہ دور کی چراگاہوں میں صرف تھوڑے سے وقت کے لئے بقدرِ ضرورت بھیجے جاتے ہیں۔ اکثر اوقات وہ گھر کے قریب ٹھہرائے جاتے ہیں، تاکہ اگر مہمان تشریف لائیں تو فوراً دودھ اور گوشت سے ان کی تواضع کی جاسکے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں حتیٰ اذا نزل ضیف یقریه من البانھا و لحومھا (جمع ج۲ص۲۶)

کمال سخاوت کی عمدہ تعبیر :

اذا سمعن ...... یعنی صرف یہ نہیں کہ میرے شوہر مالدار ہیں اور صاحبِ جود و سخا ہیں، بلکہ ہمارے اونٹ بھی اس کے عادی ہیں، وہ جوں ہی مہمانوں کی آمد پر ان کے لئے بجائے جانے والے استقبالی باجے اور ساز و رباب کی آواز سنتے ہیں تو انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ ان میں کسی ایک کی ذبیحہ و ہلاکت کی باری قریب ہے، ملا علی قاریؒ آئندہ عبارت میں یہی ذکر کرتے ہیں یعنی انه من کرمه وجوده عود ابله بانه اذا نزل الاضیاف به ان یاتیھم بالمعازف کالرباب و یسقیھم الشراب و یطعمھم الکباب فاذا سمعت الابل ذلک الصوت من الباب علمت انھن منحورات بلا حساب (جمع ج۲ص۲۶) مزھر باجے کو کہتے ہیں، وھو العود الذی یضرب علیه عند الغناء (اتحافات:۲۰۳) جو باجا ہاتھ سے بجایا جائے اسے مزمار اور جو لکڑی سے بجایا جائے، اسے مزھر کہتے ہیں اس کی جمع مزاھیر آتی ہے۔

گیارہویں خاتون کا بیان :

قَالَتِ الْحَادِيَةُ عَشَرَةَ زَوْجِى اَبُوْزَرْعٍ وَ مَا اَبُوْزَرْعٍ اَنَاسَ مِنْ حُلِيٍّ اُذُنَيَّ وَ مَلَاءَ مِنْ

شَحْمِ عَضُدَیَّ وَ بَجَّحَنِیْ فَبَجَحَتْ اِلَیَّ نَفْسِیْ وَ جَدَنِیْ فِیْ اَھْلِ غُنَیْمَۃٍ بِشِقٍّ فَجَعَلَنِیْ فِیْ اَھْلِ صَھِیْلٍ وَ اَطِیْطٍ وَ دَآئِسٍ وَ مُنَقٍّ فَعِنْدَہٗ اَقُوْلُ فَلَا اُقَبَّحُ وَ اَرْقُدُ فَاَتَصَبَّحُ وَ اَشْرَبُ فَاَتَقَمَّحُ اُمُّ اَبِیْ زَرْعٍ فَمَا اُمُّ اَبِیْ زَرْعٍ عُکُوْمُھَا رَدَاحٌ وَ بَیْتُھَا فَسَاحٌ، اِبْنُ اَبِیْ زَرْعٍ فَمَا اِبْنُ اَبِیْ زَرْعٍ مَضْجَعُہٗ کَمَسَلِّ شَطْبَۃٍ وَتُشْبِعُہٗ ذِرَاعُ الْجَفْرَۃِ. بِنْتُ اَبِیْ زَرْعٍ فَمَا بِنْتُ اَبِیْ زَرْعٍ طَوْعُ اَبِیْھَا وَ طَوْعُ اُمِّھَا وَ مِلْءُ کِسَآئِھَا وَغَیْظُ جَارَتِھَا جَارِیَۃُ اَبِیْ زَرْعٍ فَمَا جَارِیَۃُ اَبِیْ زَرْعٍ لَا تَبُثُّ حَدِیْثَنَا تَبْثِیْثًا وَ لَا تُنَقِّثُ مِیْرَتَنَا تَنْقِیْثًا وَلَا تَمْلَاُ بَیْتَنَا تَغْشِیْشًا. قَالَتْ خَرَجَ اَبُوْزَرْعٍ وَالْاَوْطَابُ تُمْخَضُ فَلَقِیَ امْرَاَۃً مَعَھَا وَلَدَانِ لَھَا کَالْفَھْدَیْنِ یَلْعَبَانِ مِنْ تَحْتِ خَصْرِھَا بِرُمَّانَتَیْنِ فَطَلَّقَنِیْ فَنَکَحَھَا فَنَکَحْتُ بَعْدَہٗ رَجُلًا سَرِیًّا رَکِبَ شَرِیًّا وَ اَخَذَ خَطِّیًّا وَ اَرَاحَ عَلَیَّ نَعَمًا ثَرِیًّا وَ اَعْطَانِیْ مِنْ کُلِّ رَآئِحَۃٍ زَوْجًا وَ قَالَ کُلِیْ اُمَّ زَرْعٍ وَ مِیْرِیْ اَھْلَکِ. فَلَوْ جَمَعْتُ کُلَّ شَیْءٍ اَعْطَانِیْہِ مَا بَلَغَ اَصْغَرَ اٰنِیَۃِ اَبِیْ زَرْعٍ قَالَتْ عَآئِشَۃُ فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُنْتُ لَکِ کَاَبِیْ زَرْعٍ لِاُمِّ زَرْعٍ۔

ترجمہ : گیارھویں عورت ام زرعہ نے کہا کہ میرا خاوند ابوزرع تھا۔ ابوزرع کی کیا تعریف کروں، زیوروں سے میرے کان جھکا دیئے (اور کھلا کھلا کر) چربی سے میرے بازو پُر کر دیئے مجھے ایسا خوش و خرم رکھا کہ میں خود پسندی اور عجب میں اپنے آپ کو بھلی لگنے لگی، مجھے اس نے ایک ایسے غریب گھرانے میں پایا تھا، جو بڑی تنگی کے ساتھ چند بکریوں پر گزر کرتے تھے اور وہاں سے ایسے خوش حال خاندان میں لے آیا جن کے یہاں گھوڑے اونٹ کھیتی کا بیل اور کسان (ہر قسم کی ثروت موجود تھی) (اس سب کے علاوہ اُس کی خوش خلقی کہ) میری کسی بات پر بھی مجھے برا نہیں کہتا تھا۔ میں دن چڑھے تک سوتی رہتی تو کوئی جگا نہیں سکتا تھا۔ کھانے پینے میں ایسی ہی وسعت کہ میں سیر ہو کر چھوڑ دیتی تھی (اور ختم نہ ہوتا تھا) ابوزرع کی ماں، (میری خوشدامن) بھلا اس کی کیا تعریف کروں، اس کے بڑے بڑے برتن ہمیشہ بھر پور رہتے تھے، اس کا مکان نہایت وسیع تھا (یعنی مالدار بھی تھی اور عورتوں کی عادت کے موافق بخیل بھی نہیں تھی، اس لئے کہ مکان کی وسعت سے مہمانوں کی کثرت مراد لی جاتی ہے) ابوزرع کا بیٹا بھلا اس کا کیا کہنا وہ نورٌ علیٰ نور ایسا پتلا دُبلا چھریرے بدن کا اس کے سونے کا حصہ (یعنی پسلی وغیرہ) ستی ہوئی ٹہنی

یا ستی ہوئی تلوار کی طرح سے باریک، بکری کے بچے کا ایک دست اس کے پیٹ بھرنے کے لئے کافی۔ یعنی بہادر کہ سونے کے لئے لمبے چوڑے انتظامات کی ضرورت نہ تھی، سپاہیانہ زندگی ذرا سی جگہ میں تھوڑا بہت لیٹ لیا، اسی طرح کھانے میں بھی مختصر مگر بہادری کے مناسب گوشت کے دو چار ٹکڑے اس کی غذا تھی۔ ابوزرع کی بیٹی بھلا اس کی کیا بات، ماں کی تابع دار، باپ کی فرماں بردار، موٹی تازی سوکن کی جلن تھی (یعنی سوکن کو اس کے کمالات سے جلن پیدا ہو۔ عرب میں مرد کے چھریرا ہونا اور عورت کے لئے موٹی تازی ہونا ممدوح شمار کیا جاتا ہے) ابوزرع کی باندی کا بھی کمال کیا بتاؤں، ہمارے گھر کی بات کبھی بھی باہر جا کر نہ کہتی تھی، کھانے تک کی چیز بھی بے اجازت خرچ نہ کرتی تھی، گھر میں کوڑ کباڑ نہیں ہونے دیتی، مکان کو صاف شفاف رکھتی تھی، ہماری یہ حالت تھی کہ لطف سے دن گذر رہے تھے کہ ایک دن صبح کے وقت جب دودھ کے برتن بلوئے جا رہے تھے، ابوزرع گھر سے نکلا راستہ میں ایک عورت پڑی ہوئی ملی، جس کی کمر کے نیچے چیتے جیسے دو بچے اناروں سے کھیل رہے تھے (چیتے کے ساتھ تشبیہ کھیل کود اور اناروں سے یا توحقیقۃً انار مراد ہیں کہ اُن کو لڑھکا کر کھیل رہے تھے، یا دو اناروں سے اس عورت کے دونوں پستان مراد ہیں) پس وہ کچھ ایسی پسند آئی کہ مجھے طلاق دیدی اور اس سے نکاح کر لیا (طلاق اس لئے دی کہ سوکن ہونے کی وجہ سے اس کو رنج نہ ہو اور اس کی وجہ سے مجھے طلاق دیدینے سے اس کے دل میں ابوزرع کی وقعت ہو جائے) ایک روایت میں ہے، اس سے نکاح کر لیا نکاح کے بعد وہ مجھے طلاق دینے پر اصرار کرتی رہی، آخر مجھے طلاق دے دی۔ اس کے بعد میں نے ایک اور سردار شریف آدمی سے نکاح کر لیا جو شہسوار ہے اور سپہ گر ہے، اس نے مجھے بڑی نعمتیں دیں اور ہر قسم کے جانور اونٹ گائے بکری وغیرہ وغیرہ ہر چیز میں سے ایک ایک جوڑا مجھے دیا اور یہ بھی کہا کہ ام زرع خود بھی کھا اور اپنے میکہ میں جو چاہے بھیج دے، لیکن بات یہ ہے کہ اگر میں اس کی ساری عطاؤں کو جمع کروں تب بھی ابوزرع کی چھوٹی سے چھوٹی عطا کے برابر نہیں ہو سکتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے یہ قصہ سنا کر مجھ سے یہ ارشاد فرمایا کہ میں بھی تیرے لئے ایسا ہی ہوں، جیسا کہ ابوزرع ام زرع کے واسطے۔

قانونِ نحوی :

قالت الحادیة عشرة ! دونوں جزء مؤنث ہیں اور یہی نسخہ صحیح ہے اور اُصول کے مطابق ہے بعض نسخوں میں جزء اول کی تذکیر اور ثانی کی تانیث یعنی الحادی عشرة اور بعض میں اس کے بالعکس مذکور ہے اور یہ دونوں اُصولِ عربیت کے خلاف ہیں کما تقرر فی علم العربیة من انه یقال الحادی عشر فی المذکر بتذکیر الجزئین والحادیة عشرة فی المؤنث بتأنیث الجزأین۔(مواہب ص ۱۹۱) (کیونکہ علومِ عربیہ (صرف نحو) میں یہ ثابت اور مقرر ہو چکا ہے کہ مذکر میں الحادی عشر دونوں جز کی تذکیر کے ساتھ پڑھا جائے گا اور مؤنث میں الحادیۃ عشرۃ دونوں جز مؤنث ہوں گے)

وجہ تسمیہ حدیث :

اس حدیث کا نام بھی حدیثِ اُمّ زرع مشہور ہے۔ بعض محدثینؒ نے علیحدہ رسالہ کی صورت میں بھی یہ حدیث نقل کی ہے ۔ زوجی ابوزرع میرے خاوند کا نام ابوزرع تھا، چونکہ گیارہویں خاتون کا شوہر مالدار تھا، کھیتی باڑی اور کافی صاحبِ جائیداد تھا، انہار و باغات کا مالک تھا۔ گھوڑے اور اونٹ' بھیڑ بکریاں بھی کثیر تعداد میں اس کی مملوک تھیں۔ محلات و مکانات بھی تھے اور اللہ نے اولاد بھی عنایت فرمائی تھی۔ اس لئے ابوزرع کہنے میں ایک خاص لطافت ہے۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، کنایة عن کثرة زرعه و وفرة نعمه و یحتمل ان یکون الزرع بمعنی الولد (اتحافات ص ۳۰۳) (کہ ابوزرع کھیتی باڑی اور کثرتِ نعمت و جائیداد سے کنایہ ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ زرع بمعنیٰ اولاد کے ہو (یعنی کثیر الاولاد بھی تھے) شیخ ابراہیم البیجوریؒ ابوزرع کی توجیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں : کنته بذلک لکثرة زرعه کما یدل علیه مازاده الطبرانی من قولها صاحب نعم و زرع و یحتمل انها کنته بذلک تفاؤلا بکثرة اولاده (مواہب ص ۱۹۱) (اس کی بیوی نے اس کو بوجہ کثرت کھیتی باڑی اور باغات کے ابوزرع کے کنیت سے موصوف کیا جیسے کہ اس پر طبرانی کی روایت میں اس کی بیوی کے اس قول کی زیادتی ہے کہ وہ جانوروں کھیتوں اور باغات کے مالک ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ بطورِ تفاول اور نیک فالی کثرتِ اولاد سے کنایہ بیان کیا ہو)

استفہام برائے تعظیم و تفخیم :

وما ابوزرع 'یہاں ما استفہامیہ ہے بمعنی تعظیم کے،مبتدا واقع ہےاوراس کے مابعد خبر ہے۔ فما استفهامية بمعنىٰ التعظيم مبتداء و مابعده خبره من قبيل الحاقة ماالحاقة۔(مناوی ج۲ ص۶۶) و ما ابوزرع' کی طرح استفہامیہ کلام تعظیم و تفخیم کے لئے ہوتا ہے۔قرآن میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں۔ وما ادراک ماليلة القدر (سورۃ قدر)(تجھے کیا خبر کہ لیلۃ القدر کیا ہوتی ہے)

لفظِ اناس اور حلی کا معنیٰ وتشریح :

اناس من حلي اذني : اناس ' اقام کے وزن پر ہے۔ النوس سے ماخوذ ہے۔وهو التحرّك الشي متدلياً (جمع ج۲ص۶۶)(کسی چیز کو ناز و نخرہ کر کے حرکت دینا)اناسه اى حركه غيره اى اثقل باب افعال سے بمعنی لٹکانے اور جھکانے کے۔حلي اسم جنس ہے بمعنی زیور یا حلیة کی جمع ہے،بمعنی زیور کے وهي الصيغة للزينة اور تنوینِ تنکیر تعظیم کے لئے ہے اور اسی میں بلاغت پنہاں ہے'و التنكير للتعظيم (جمع ج۲ص۶۶)(اور حلّی کی تنکیر تعظیم کے لئے ہے)وفيه البلاغة مالا يخفى (مناوی ج۲ص۶۶)(اور اس میں بے تحاشا بلاغت مخفی ہے)

امّ زرع بتانا چاہتی ہے کہ میرے شوہر مالدار بھی ہیں اور مجھ پر مہربان اور شفیق بھی'اس نے مجھے سونے کے اس قدر زیورات پہنائے کہ اس کے بوجھ نے میرے کانوں کو جھکا دیا اور لٹکا دیا۔ وهذا التعبير يفيد عظم الحلية التي وضعت في أذنيها (اتحافات:۲۰۳)(اوران الفاظ سے تعبیر کرنا اس کے کانوں میں پہنے ہوئے زیورات کا بھاری اور قدر و قیمت والے ہونے کا فائدہ دے رہے ہیں)

بازوؤں کے موٹاپے کا ذکر :

وملأ من شحم عضدي ، من ، تعلیلیہ ہے یعنی عمدہ کھانوں'بہترین غذاؤں اور میرے لئے کھانے کھلانے کے خصوصی اہتمام نے میرے بازوؤں کو موٹا کر دیا۔اس طرف بھی اشارہ ہے کہ میرے زوج کی معیشت بہت عمدہ ہے،فقط عضدین کے ذکر پر اکتفا کیا، لان سمنهما دلالة على سمن

الجسم (اتحافات ص۳۰۲) (اس لئے کہ بازوؤں کا موٹا پن جسم کے موٹاپے پر دلالت کرتا ہے و یمکن ان یکون کنایة عن قوة یدیها و سائر بدنها او کنایة عن حسن حالها و طیب معاشرته ایاها (جمع ج۲ص۶۶) (اور یہ بھی ممکن ہے کہ ملأ من شحم عضدی ہاتھوں اور باقی بدن کی زور وقوت سے کنایہ ہو یا اس کی خوشحالی اور خاوند کے اچھے برتاؤ سے کنایہ ہو)

زوجہ کوانتہا درجہ خوش کردیا :

و بجحنی فبجحت الّی نفسی: اس نے مجھے اس قدر خوش کردیا، ای فرّحنی و قیل عظمنی (مناوی ج۲ص۶۷) کہ میں خوش ہوگئی۔ اس نے مجھے اس قدر عظمت دلائی کہ میں خود کو عظیم محسوس کرنے لگی۔ ای فرحنی ففرحت او عظمنی فعظمت نفسی عنده (مناوی ج۲ص۶۷) (مجھے اتنی قدر وعزت دی کہ میں خود کو بڑی معزز سمجھنے لگی) شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ لکھتے ہیں، ای عظمنی؛ فعظمت عنه نفسی و قال الشاعر ......ے

و ما الفقر من أرض العشیرة ساقنا   إلیک و لکنا بقرباک نبجح

(اتحافات ص۳۰۲)

(اور مجھے اپنے خاندان وقبیلہ اور وطن سے تیری طرف فقر وغربت نہیں لائی لیکن تیری قربت اور نزدیکی میں خوشی اور بڑا اپنا نصیب ہوا)

غریب خاندان سے اُٹھا کر مالداروں میں جگہ دی :

وجدنی فی اهل غنیمة بشق، غنم بکری کو کہتے ہیں۔ غنیمة اس سے تصغیر ہے اور تصغیر تقلیل کے لئے ہے۔ ای التصغیر للتقلیل ای أهل غنم قلیلة (مواہب ص۱۹۲) شق کے تین معانی نقل ہوئے ہیں (۱) خاص مقام یعنی معین جگہ کا نام (۲) دامنِ کوہ یا کنارۂ پہاڑ (۳) اگر بکسر الشین ہو تو بمعنی مشقت ہے، فتح شین کے ساتھ پڑھیں تو پہلے دونوں معانی مراد ہیں، وهو المعروف لاهل اللغة. (مواہب ص۱۹۶) اور شین کسرہ کے ساتھ پڑھیں تو تیسرا معنیٰ مراد ہے وهو المعروف لاهل الحدیث (مواہب ص۱۹۲)

گیارہویں خاتون بتانا چاہتی ہے کہ میں ایک غریب وفقیر خاندان سے ہوں اور میرے

والدین معمولی حیثیت کے لوگ تھے، جن کا گذر اوقات محض تھوڑی بکریوں پر ہوا کرتا تھا۔ فجعلنی فی أهل صهیل و اطیط و دائس و منق ، پھر میرا شوہر مجھے ایسے لوگوں میں لے آیا، جو گھوڑوں والے اونٹوں والے تھے، اناج گاہنے والے اور اسے صاف کرنے والے تھے، مراد خوش حال اور متمول لوگ ہیں۔ صہیل گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز کو کہتے ہیں، ھو صوت الخیل 'اطیط اونٹوں کی آواز کو کہتے ہیں ھو صوت الابل ارادت انها كانت فی اهل قلة فنقلها الی اهل كثرة و ثروة لان اهل الخیل والابل اعظم و اشرف من اهل الغنم (مناوی ج۲ص۶۷) (ام زرع کا مطلب یہ ہے کہ میں معاشی طور پر تنگدست غریب گھرانے سے تعلق رکھتی تھی تو ابوزرع نے بہت مالدار اور خوشحال گھرانے میں مجھے نقل کر دیا اس لئے کہ گھوڑوں اور اونٹوں والے عرف میں بکریوں والوں سے معزز اور شریف شمار ہوتے ہیں)

دائس : اسم فاعل ہے، اس سے مصدر دوس داسا اور دیاسة آتا ہے، معنیٰ خرمن کو پاؤں سے روند کر دانے نکالنا، اگر دائس سے مراد بیل ہے تو پھر صہیل پر عطف ہے اور اگر مراد وہ لوگ ہیں جو بیلوں کو ہانکتے اور اُن کے بازوں سے دانے نکلواتے ہیں تو پھر فی کے تحت آئے گا اور اہل پر عطف ہوگا۔

منق : تنقیة سے ماخوذ ہے، بمعنیٰ اناج کو صاف کرنا اور کھانے کے قابل بنانا یا نقیق سے ماخوذ ہے بمعنیٰ مرغی کا ذبح ہونے کے وقت آواز نکالنا ...... فالصحیح انه من التنقیة فهو الذی ینقی الحب و یصلحه و ینظفه من التبن وغیره بعد الدوس بغربال وغیره وهذ المعنیٰ هو المناسب فی المقام ...... و قیل الاولیٰ تفسیر المنق بذابح الطیر لانه عندذبحه ینق فیصیر هو ذا نقیق ای جعلنی من اهل ذابحی الطیر و طاعمی لحومها (جمع ج۲ص۶۷)

پہلے معنی کی صورت میں خاتون یہی بتانا چاہتی ہے کہ مجھے میرے شوہر نے زراعت پیشہ خاندان میں جگہ دی ہے، جو اناج کو صاف کر کے کھاتے ہیں، جن کے مال کثیر ہیں، جن کی نعمتیں بہت ہیں، جن کے احوال قابل رشک ہیں، دوسرے معنیٰ کی مراد بھی یہی ہے کہ مجھے اس نے ان لوگوں میں جگہ دی ہے جو پرندوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت کھانے والے ہیں، یہ کنایۃ ہے اس بات سے کہ اس کا شوہر مرغیوں اور جنگلی پرندوں کے گوشت سے اس کی تربیت کرتا ہے، گویا وہ عمدہ گوشت کھانے اور

کھلانے والے خوشحال لوگ ہیں۔

زوج اور سسرال کے عمدہ اخلاق :

فعنده ...... شوہر اور اس کے خاندان کے عمدہ اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے کہتی ہے کہ جب میں ان کے سامنے بات کرتی ہوں تو میری کرامت واکرام اور عزت افزائی کے پیش نظر میری کسی بات کا وہ برانہیں مناتے۔ **فلا انسب الی تقبیح شئی من الافعال** (جمع ج۲ص۶۸) وہ میرے ذاتی اعزاز کے پیش نظر میری کسی بات کو رد نہیں کرتے کہ میرا کلام انہیں پسند ہے اور میری ہر ادا اور ہر بات سے اُن کی محبت ہے، جیسا کہ حدیث میں بھی آیا ہے، **لا تقبحوا الوجوه ای لاتقولوا قبح اللّٰه وجه فلان** (جمع ج۲ص۶۷) (تم چہروں کی قباحت نہ کیا کرو یعنی یہ نہ کہا کرو کہ اللہ تعالیٰ فلاں کی چہرے کو قبیح کردے)

وارقد فأتصبح، بعض نسخوں میں ارقد کی جگہ انام آیا ہے، تصبّح تفعّل کے باب سے ہے۔ یعنی صبح کو اُٹھنا جب خوب دن چڑھ آئے یعنی میں اپنی مرضی سے سوتی اور اپنی مرضی سے اُٹھتی ہوں، سو جاتی ہوں، تو میرے آرام وراحت کے پیش نظر مجھے نیند سے نہیں اُٹھایا جاتا، کوئی خدمت اور کام مجھ سے نہیں لیا جاتا کہ ان کے پاس کام کرنے والے خدم وحشم پہلے سے موجود ہوتے ہیں، تو میری خدمت اور ضرورت انہیں محسوس ہی نہیں ہوتی۔

واشرب فاتقمح، جب میں کوئی مشروب (نبیذ، دودھ، شربت، ٹھنڈا پانی) پیتی ہوں تو خوب سیر ہو کر پیتی ہوں یعنی جب سیر ہو جاتی ہوں، تب اسے چھوڑتی ہوں۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، **والمعنیٰ لا أتألم منه لا من حيث المرقد ولا من حيث المأكل والمشرب** (جمع ج۲ص۶۸) (مطلب یہ کہ کھانے پینے اور سونے میں مجھے ابو زرع کی طرف سے کوئی مشکل اور تکلیف در پیش نہیں ہوتی) باقی رہی یہ بات کہ پینے کا ذکر کیا اور کھانے کا ذکر نہ کیا، تو ظاہر ہے کہ پینا، کھانے کے بعد ہوتا ہے، جب پینے میں یہ اکرام ہے تو کھانے میں تو لامحالہ ہوگا، **انما لم تذكر الأكل اما اكتفاء او لأن الشرب متفرع عليه او لانه قد علم مما سبق** (جمع ج۲ص۶۸) (ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ کھانے کا تذکرہ یہاں

نہیں کیا گیا یا تو اشرب فاتقمح پر اکتفاء کیا (کہ پینے کے ذکر سے اکتفاء کیا گیا) اور یا اس لئے کہ پینا تو کھانے پر متفرع ہے (یعنی پینا تو کھانے کے بعد ہی ہوتا ہے) یا پھر یہ سابقہ کلام سے پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے)

امّ ابی زرع کے احوال :

اب تک تو امّ زرع نے اپنے خاوند کے حالات وصفات بیان کئے۔ اب خاندان کے دیگر افراد کا حال بیان کرتی ہوئی سب سے پہلے اپنی ساس کی توصیف بیان کرتی ہیں۔ امّ ابی زرع فما امّ ابی زرع : ابوزرع کی ماں یعنی میری ساس کا کیا کہیے؟ میں تمہیں بتاؤں کہ اس کا کیا مقام ہے، مالداری، کشادہ حالی، وسعتِ مال ودار، کیا کیا نعمتوں سے اللہ نے نوازا ہے۔ عموماً ہوتا یہ ہے کہ خواتین اپنی ساس کی صفت اور مدح کم بیان کرتی ہیں، مگر یہاں تو بات ہی کچھ اور ہے، اعلاماً بانها في نهاية حسن الخلق و كمال الانصاف (مناوی ج۲ص ۶۸) (یہ بتلانا چاہتی ہے کہ میری ساس انتہائی بااخلاق اور کامل انصاف والی عورت ہے)

عكومها رداح ! عكوم ، عكم کی جمع ہے سامان رکھنے کے برتن کو کہتے ہیں، وهي اوعية المتاع (اتحافات: ص ۳۰۲) و قيل نمط تجعل فيه النساء ذخائرها (مناوی ج۲ص ۶۸) (اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک خاص قسم کی ٹوکری جس میں عورتیں اپنے سامان وغیرہ محفوظ کرتی ہیں) رداح بڑے بھاری اور زیادہ برتنوں کو کہتے ہیں، عظيمة ثقيلة كثيرة (مناوی ج۲ص ۶۸) یعنی میرے ساس کے گھر کے برتن بڑے کشادہ اور وسیع ہیں، جن میں اناج اور کھانے پینے کی اشیاء ہر وقت وافر مقدار میں موجود رہتے ہیں۔ وبيتها فساح اس کا گھر بھی کشادہ اور صحن بڑا وسیع ہے، اى فسيح كطويل و طوال (مناوی ج۲ص ۶۸) قرآن میں بھی اسی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے ، فافسحوا يفسح الله لكم وفي معناه حديث خير المجالس افسحها اى اوسعها ۔(مناوی ج۲ص ۶۸) (کشادگی کرو اللہ تعالیٰ تمہیں کشادگی نصیب کرے گا اور اسی معنیٰ میں یہ حدیث ہے کہ اچھی مجالس (نشستیں) وہ جو وسیع اور کشادہ ہوں) یہ اس کی ساس کی دولت ثروت، کثرت نعمت اور کثیر اہل خدمت کے وجود کی

دلیل بھی ہے،و ذلک دلیل علی الثروۃ و کثرۃ النعمۃ (جمع ج۲ص۶۹)

شوہر کی پہلی بیوی سے بیٹے کا ذکر :

ابن ابی زرع و ما ابن ابی زرع......مسلّ : سلول سے ہے نصر کے باب سے آتا ہے بمعنیٰ کھینچنے اور چھیلنے اور صاف کرنے کے۔ شطبۃ : کا معنیٰ تراشی ہوئی شاخ' یعنی ابن ابی زرع کا بدن ہلکا پتلا اور چھریرا ہے، جو عرب کے عرف عام میں پسندیدہ ہے، جو سونے کے وقت بہت ہی کم جگہ گھیرتا ہے ۔شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ لکھتے ہیں، ھی جریدۃ النخل الرطبۃ ای مکان نومہ خفیف لطیف نظیف (اتحافات ص۳۰۴) شطبۃ کا معنیٰ کھجور کی شاخ' کھجور کی شاخ کو جب کھینچا جائے تو وہ مناسب نشان ڈالتی ہے اور بالکل صاف نشان پڑتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اس کے بستر پر سلوٹ نہیں پڑتی یعنی وہ مغلوب النوم نہیں ہے، بلکہ اس کا سونا مہذب ہے۔ یا مسل :ظرف مکان ہے اور شطبۃ کا معنیٰ تلوار' ابن ابی زرع کا بدن میان سے نکلی ہوئی تلوار کی طرح صاف' ستھرا' پاکیزہ' باریک اور چمکدار ہے۔اس کے سونے کی جگہ مثل مقام سلولِ تلوار کے ہے یا نیامِ سیف کی طرح قلیل ہے اور ہوشیار ہے کہ غافلوں کی طرح چت نہیں لیٹتا کہ بہت سی جگہ گھیر کر سو جائے۔

وتشبعہ ذراع الجفرۃ ' الجفرۃ: بکری یا بھیڑ کا چھوٹا بچہ جس کی عمر چار ماہ ہو اور جس کی کوکھیں شبع کی وجہ سے پُر ہوں۔ ولد الشاۃ اذا عظم واستکرش (مواہب:ص۱۹۳)أنثی ولد المعز و قیل الضأن اذا بلغت اربعۃ اشھر و فصلت عن امھا و قد مدحتہ بقلۃ الأکل (اتحافات ص۳۰۴) (الجفر ۃ کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ بکری یا بھیڑ کا چھوٹا بچہ جو چار ماہ کی عمر کو پہنچ جائے اور ماں کے دودھ سے جدا کر دیا جائے گویا ابن ابی زرع کے تھوڑے کھانے کی تعریف کی ہے)

یعنی ابن ابی ذرع قلیل الاکل ہے،کھانا بہت کم کھاتا ہے،مگر کھاتا عمدہ ہے، چھوٹا گوشت اور وہ بھی پائے کا، فھو قلیل الاکل أو قلیل اللحم و ھو محمود شرعًا و عرفاً لاسیّما عند العرب (جمع ج۲ص۶۹) (گویا وہ تھوڑے کھانے والا ہے یا موٹا نہیں ہے اور یہ شرعاً اور عرفاً قابل تعریف ہیں خصوصاً اہلِ عرب کے نزدیک)

بنتِ ابی زرع کا وصف :

بنت ابی زرع گیارہویں خاتون بیٹے کی توصیف کے بعد اب بیٹی کی صفت بیان کرتی ہیں فما بنت ابی زرع اس بات سے کنایہ ہے کہ ان کی بیٹی بھی ایک عظیم انسان ہے، ای هی شئی عظیم فالمقصود بالاستفهام التعظیم (مواہب: ص۱۹۳) طوع ابیها ...... الخ' طوع مصدر ہے بمعنیٰ اسم فاعل کے یعنی ماں باپ کی مکمل فرمانبردار ہے، ای مطیعة لابیها و مطیعة لامها غایة الاطاعة (مواہب ص۱۹۳) طوع ابیها وامها کہنے کے بجائے لفظِ طوع کو امها کے ساتھ مستقل ذکر کر کے اس طرف اشارہ ہے کہ وہ والدین میں ہر ایک کی مستقلاً فرمانبرداری کرتی ہے۔ اشارة الی ان طاعة کل مستقلة (مواہب: ۱۹۳) ملأ کسائها : کساء کا لغوی معنیٰ چادر اور کمبل ہے' یعنی کمبل کو بھر دینے والی ہے، گویا بھرے اور گداز جسم والی ہے اور عرب معاشرے میں عورت کے لئے بھرا جسم محمود وممدوح اور پسندیدہ ہے کنایة عن ضخامتها وسمنها وامتلاء جسمها و کثرة شحمها ولحمها وهو مطلوب فی النساء (جمع ج۲ص۷۹) وغیظ جارتها، وہ اپنے پڑوسنوں کو غصہ اور غضب دلانے والی ہے۔ ایسی حسین متوازی جسم' عمدہ اخلاق' کریمانہ صفات کی مالکہ کہ اس کی پڑوسنیں اس سے حسد کرنے لگتی ہیں والمعنی انها محسودة لجارتها و انها لحسنها صورة وسیرة تغیظ جارتها (جمع ج۲ص۷۰) بعض شارحین نے یہاں جارة سے مراد سوکن بھی لیا ہے، والمراد منها ضرتها و سمیت جارة للمجاورة بین الضرتین غالباً (مواہب: ۱۹۳)

ابوزرع کی لونڈی کی صفت :

اب امّ زرع اپنے سسرال کی لونڈی کا ذکر کرتی ہیں، جاریة ابی زرع : یہاں پر جاریة بمعنیٰ مملوکة کے ہے کہ ابوزرع کی لونڈی کے کیا کہنے' وہ بھی بھلے مانس' شریف اور حیادار وعزت دار خاتون ہے۔ لا تبث حدیثنا، وہ ہماری باتوں کا ہمارے خاندانی امور کا اور گھریلو رازداریوں کا افشاء نہیں کرتی، وہ عام خواتین کی طرح بات سے بتنگڑ نہیں بناتی، نہ آگ لگاتی ہے اور نہ ناچاقیاں پیدا کرتی ہے، ای لاتنشر ولاتظهر ولا تذیع ولا تشیع (جمع ج۲ص۷۰) تبثیثا : مصدر من غیر بابه ہے ما

قبل کی تاکید کے لئے آیا ہے، جیسے قرآن میں ہے، وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلَا (مزمل:۸) (اور منقطع ہوجا اس کی طرف منقطع ہوکر)

ولا تنقث میرتنا تنقیثا: نقث بمعنٰی تقسیم کرنے' پھیلانے اور بکھیرنے کے آتا ہے۔ میرۃ اناج وطعام کو کہتے ہیں کہ ہماری لونڈی دیگر خواتین کی طرح گھر کا اناج لے کر بازاروں میں فروخت کرکے اسے ضائع نہیں کرتی یا بقدر ضرورت لے کر تقاضوں کی تکمیل کرتی ہے، ڈنڈی نہیں مارتی، چوری نہیں کرتی، تنقیثاً یہ مصدر من غیر بابه یا من غیر لفظه کے قبیل سے ہے۔ تاکیداً و مبالغة فی وصفها بالامانة والدیانة والصیانة (جمع ج۲ص۷۰) (تنقیثاً مصدر برائے تاکید ہے اور ابوزرع کی لونڈی کی وصف امانت دیانت اور حفاظت میں مبالغہ کے اظہار کے لئے ہے)

ولا تملأ بیتنا تغشیشاً: وہ ہمارے گھر کو پرندوں کے گھونسلوں کی طرح کھانس پھونس اور تنکوں سے نہیں بھرتی، یعنی صفائی پسند ہے، ای انها مهتمة بتنظیفه والقاء کناسته (اتحافات ص۳۰۴) (کہ وہ صفائی کا پورا اہتمام کرتی ہے اور کوڑا کرکٹ کو (باہر) ڈالتی ہے)

ابوزرع کی ایک حسین خاتون سے ملاقات:

قالت خرج ابوزرع: اب تک توامّ زرع نے ابوزرع کے اپنے' اور ان کے خاندان کے افراد حتی کہ ان کی لونڈیوں تک کے حالات اور صفات بیان کئے۔ اب یہاں سے اپنی سرگذشت کا باقی حصہ بیان کرتی ہیں کہ ابوزرع ایک روز گھر سے سفر کے لئے نکلے، والاوطاب تمخض ' اوطاب جمع ہے، اس کی مفرد وطب آتی ہے' جس کا لفظی معنی مشک یا مشکیزہ ہے' جس میں دودھ رکھا اور بلویا جاتا ہے وهی انیة اللبن (اتحافات ص۳۰۴) (لفظ تمخض صیغہ مجہول ہے یعنی مشکیزہ کو حرکت دی گئی دودھ سے مکھن نکالنے کے لئے) تمخض، مخض سے ہے بمعنی دودھ کو حرکت دے کر مکھن نکالنا و تمخض بالبناء المجهول ای تحرک لاستخراج الزبد من اللبن۔ (مواهب ص۱۹۴) اسی سے مخاض بھی آیا ہے، دردِ زہ کو کہتے ہیں جو خواتین کو ہلا کے رکھ دیتا ہے، تمخض الاوطاب کا معنٰی یہ ہے کہ ابوزرع کے سفر کے لئے خروج کے وقت دودھ کی مشکوں کو ہلایا جاتا تھا تاکہ مکھن اور چھاچھ علیحدہ علیحدہ ہوجائیں۔

یہ دودھ کی کثرت اور مکھن کی کثرت سے کنایہ ہے۔ ابوزرع کا نکلنا صبح کے وقت بھی ہوسکتا ہے اور موسم بہار کا زمانہ بھی مراد ہوسکتا ہے کہ سبزہ زار کی وجہ سے جانور سیر ہوتے ہیں اور دودھ خوب دیتے ہیں اور دونوں معانی بیک وقت بھی مراد ہوسکتے ہیں کہ ابوزرع صبح کے وقت ایک دن موسم بہار میں گھر سے باہر نکلے۔

دولڑکے کون تھے :

فلقی امرأة معها ولدان لها 'اس نے ایک ایسی خاتون کے ساتھ ملاقات کی جس کے ساتھ دولڑکے بھی تھے، **کالفهدين** وہ دونوں لڑکے چیتوں کی طرح چست وچالاک اور بیدار تھے، **مثلها فی الوثوب و اللعب و سرعه الحركة** (مواہب ص ۱۹۴)

یہاں پر **ولـــدان** بمعنیٰ مصاحبان کے ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ یہ دونوں لڑکے اس کی اپنی اولاد بھی ہوں، اس لئے تو **ولدان لها** کہا **منها** نہ کہا۔

يلعبان سے مراد کیا ہے ؟

يلعبان : ابوزرع کی اس خاتون سے ملاقات کے وقت یہ دونوں لڑکے اس کی کمر کے نیچے یعنی خاتون کی گودی میں دواناروں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ **خصرها ای وسطها و فی رواية من تحت صدرها** (جمع ج ۲ص ۱۷) اس جملے کے دومعانی ہوسکتے ہیں، ایک تو حقیقی کہ اس خاتون کے سرین بڑے تھے اور خاصرہ (کمر) باریک تھی، اسی لئے نیچے سے گویا **فجوة** تھا جس سے چھوٹے انار آجاسکتے تھے اور لڑکے حقیقی اناروں سے کھیل رہے تھے ...... **تعنی انها ذات كفل عظيم فاذا استلقت علی قفاها ارتفع الكفل بها من الارض حتی يصير تحتها فجوة يجری فيها الرمان** (جمع ج ۲ص ۱۷)

مجازی معنیٰ یہ ہوسکتا ہے کہ خاتون کے دونوں پستانوں کو اناروں سے تشبیہ دی گئی ہو اور وہ لڑکے اپنی ماں کی حقیقی اولاد ہوں کہ وہ دونوں اپنی ماں کے پستانوں سے کھیل رہے تھے ' **وقيل ذات ثديين حسنين صغيرين كالرمانتين** (جمع ج ۲ ص ۱۷) ہردونوں کی مراد ایک ہی ہے کہ وہ خاتون خوبصورت اور حسن و جمال کی پری پیکر تھی' ابوزرع نے دیکھا تو دل دے بیٹھا، جیسے کہ شیخ احمد عبدالجواد" فرماتے ہیں **وهی كناية**

عن الجمال و قد رغب أبوزرع فيها لنجابتها و نجابة اولادها (اتحافات ص ۳۰۴)

ابوزرع نے طلاق دیدی :

فطلقني ...... نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے ابوزرع نے طلاق دیدی اور اس سے نکاح کرلیا۔ اس طلاق دینے کے عمل میں بھی یہ خاتون ابوزرع کی مدح وتوصیف کا پہلو نکال رہی ہے کہ جب اس کا دل ادھر مائل ہوا تو ظاہر ہے کہ دونوں کو گھر میں رکھنا' دونوں کے لئے سوکنیں ہونے کی وجہ سے باعث ملال ہوتا، لہٰذا دونوں کی اور خود ابوزرع کی بہتری اس میں تھی کہ مجھے آزاد کردیتا۔ سو اس نے ایسا ہی کردیا اور جدید خاتون سے نکاح کرلیا۔

گیارہویں خاتون نے نکاح کرلیا :

ونكحت بعده رجلاً' اپنی سرگذشت بیان کرتے ہوئے گیارہویں خاتون کہتی ہے کہ جب ابوزرع سے مجھے طلاق مل گئی تو میں نے بھی دوسرے ایک مرد سے نکاح کرلیا۔

زوجِ ثانی کی توصیف میں کمال :

رجلاً سريا ، جو رجلیّت میں کامل اور شرافت وسخاوت کا مجسمہ تھا۔ سرياً اى شريفاً و قيل سخيا (جمع ج۲ص ۱۷) اى من سراة الناس و اشرافهم (اتحافات ص ۳۰۴) جو اپنی قوم کا رئیس، آسودہ حال اور مالدار آدمی تھا، جو عمدہ گھوڑوں پر سواری کرتا تھا۔ شريا اى فرساً يمضي بلا فتور ولا انكسار قال ابن السكيت اى فرساً فائقاً جيدا (جمع ج۲ص ۱۷) (شریا کا معنیٰ گھوڑے کا تیز دوڑنا جس کی چال میں سستی اور ٹوٹا پن نہ ہو ابن سکیت فرماتے ہیں کہ شریاً کا معنیٰ عمدہ اور اچھا گھوڑا)

زوجِ ثانی کی بہادری کی توصیف :

و اخذ خطياً ، اور وہ بے حد بہادر تھے کہ خطی نیزے استعمال کرتا تھا، خط یمن کے ایک علاقے کا نام ہے، جہاں عمدہ ترین جنگی نیزے تیار ہوتے تھے، گو خطی نیزہ ایک اعلیٰ اور عمدہ قسم کا نیزہ تھا جو ان کے استعمال میں ہوتا تھا، وهو الرمح المنسوب الى الخط قرية بساحل بحر عمان تعمل

فیہ الرماح (مواہب ص۱۹۴) (خطیاً سے مراد وہ نیزہ جو خُط بستی (جو بحر عمان کے ساحل پر واقع ہے) کی طرف منسوب ہے اس میں اچھی قسم کے نیزے تیار ہوئے تھے)

حسنِ سلوک :

و اراح علی نعما ثریا : یہ زوج ثانی کے حسن سلوک کا بیان ہے کہ اس نے میری بہت دلجوئی کی، نعمتیں عطا کیں اور قسم قسم کے عمدہ جانور عنایت فرمائے، اراح یعنی انہوں نے بعد الزوال مجھے نعمتوں سے مالا مال فرمایا اور نعمتیں بھی کثرت سے اور نوع نوع کی، صاحب اتحافات کے الفاظ اس کے متعلق یہ ہیں ای کان یاتی بالنعم فی وقت الرواح و ھو مابعد الزوال و ثریا ای کثیرة من الثروة وھی کثرة المال (اتحافات ص۳۰۴)

اراح سے مراد چرنے چگنے والے حیوانات بھی ہو سکتے ہیں۔ قرآن میں یہ لفظ اسی معنیٰ میں آیا ہے۔ حین تریحون و حین تسرحون (النحل:۶) (جس وقت کہ شام کو چرا کر لاتے ہو اور جب چرانے کو نکالتے ہو) شیخ ابراہیم الیجوریؒ فرماتے ہیں أو ادخلھا علی فی المراح والنعم الابل والبقر والغنم (مواہب ص۱۹۴) (اور شام کے وقت ان (حیوانات) کو میرے سامنے لائے اور نعم سے مراد اونٹ، بیل، بکریاں مراد ہیں)

جانوروں کا جوڑا جوڑا عنایت فرمایا :

واعطانی یعنی احسان ومروت کی بھی اس نے انتہاء کردی اور مجھے ہر جانور کا جوڑا جوڑا عنایت فرمایا ، رائحة ، ہر وہ جانور جو شام کے وقت گھر کو لوٹتا ہے، ای من کل بھیمة ذاھبة الی بیته فی وقت الرواح (وھو ما بعد الزوال) (مواہب ص۱۹۴) زوجاً ای صنفاً او اثنین اثنین مبالغة فی الاحسان الیھا (اتحافات ص۳۰۴) زوج بمعنیٰ صنف کے قرآن میں آیا ہے، وکنتم ازواجا ثلاثة۔

زوجہ کے خاندان کی کفالت کے احسانات :

وقال کلی امّ زرع : پھر زوجِ ثانی نے مجھے کہا یہ مال ودولت، اناج ونعمت اور حیوان وانعام

سب تمہارے لئے ہیں، خوب مزے لے کر کشادہ دلی سے کھاؤ۔ امّ زرع منصوب ہے کلمۂ نداء محذوف ہے، نصب علی النداء ای یاامّ زرع (مناوی ج۲ص۲۷) (لفظ ام زرع منصوب بہ نداء ہے اصل میں یا ام زرع ہوگا) ای کلی ما تشائین ۔(مواہب ص۱۹۴) و میری اھلک ، میری 'امر ہے کبیعی و أطعمی (مناوی ج۲ص۲۷) یعنی اپنے خاندان' میکے' والدین اور رشتہ داروں پر احسان کرو، ان کے پاس بھی فراخدلی سے بھیجو وتفضلی علیھم وھو امر من المیرة وھی الطعام الذی یمتارہ الانسان ای یجلبه لاھله قال اللّٰہ تعالیٰ و نمیر اھلنا (جمع ج۲ص۲۷) (اپنے خاندان اور رشتہ داروں پر احسان کر، لفظِ میری یہ صیغہ امر حاضر میرة" سے ہے یہ وہ کھانا ہوتا ہے جو کوئی انسان اپنے خویش واقارب کو بھیجتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا قول نقل کرتے ہوئے کہ ونمیر اھلنا فرمایا)

دونوں ازواج میں تقابل اور فوقیتِ ابوزرع :

فلو جمعت کل شی اعطانیه یہاں سے بطورِ تلخیص وآخر کلام کے ابوزرع کے نعمتوں کی کثرت' ان کے احسانات کی وسعت اور اس کے کرم واخلاق اور شفقت ومحبت کا بیان کر کے زوجِ ثانی سے اس کا تقابل کرنا چاہتی ہے۔ فلو جمعت ... یعنی اگر میں زوج ثانی کی تمام نعمتوں وانعامات کو جمع کر کے یکجا کرلوں ، مابلغ ...... یہ سب کچھ جمع ہو کر بھی زوجِ اول ابوزرع کے عنایت فرمودہ ایک چھوٹے سے برتن کی مالیت اور عظمت ورفعت کو نہیں پہنچ سکتے۔ ما بلغ اصغر آنیة ابی زرع ای قیمتھا او قدر مثلھا (مواہب ص۱۹۴)

زوجِ ثانی نے مجھے جس قدر بھی عنایات واکرام سے نوازا ہے یہ بہت کچھ ہے، مگر کچھ ہونے کے باوجود بھی زوجِ اول ابوزرع کی عنایات کی ایک حقیر ترین چیز معمولی سے برتن کی عظمت ومقام کے برابر نہیں ہو سکتے، چہ جائیکہ اس کے عظیم' اور کثیر عنایات کا تقابل کیا جائے۔ شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں۔ یعنی انّ جمیع ما اعطاھا لایساوی اصغر شئی حقیر مما لابی زرع فکیف بکثیرہ و فی ذالک اشارة الی قولھم ما الحب الا للحبیب الاول ولذالک کانت السنة تزوج البکر وھذا احد

وجوه احبية عائشةؓ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔(مواہب ص۱۹۵)
(یعنی سب کچھ جو زوجِ ثانی نے مجھے دیا ہے وہ ابوزرع کی کسی چھوٹی حقیر چیز کے برابر بھی نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ اس کی بڑی بڑی چیزوں اور نعمتوں کے ساتھ اس کی برابری ہوسکتی ہے اور اسی میں عرب کے اس مقولہ کو اشارہ ہے کہ محبت صرف پہلے دوست ہی سے ہوتی ہے اسلئے بہتر اور سنت ہے کہ باکرہ کے ساتھ نکاح کیا جائے اور آپؐ کی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ زیادہ محبت کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے) شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ نے لکھا ہے، **وهذا يدل على وفائها لزوجها الاول مع تطليقها منه وانه لخلق نادر في النساء** (اتحافات ص۳۰۵) (اور یہ اس کی پہلے خاوند کے ساتھ طلاق دینے کے باوجود وفاداری کا ثبوت ہے اور یہ صورت اور برتاؤ عورتوں میں ایک نادر اور نایاب خصلت ہے)

فضیلتِ عائشہؓ و عظمتِ رسول ﷺ :

قالت عائشةؓ ...... ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب یہ پورا واقعہ بیان ہو چکا تو حضور اقدس ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا، **كنت لك كابي زرع لامّ زرع** میں بھی تمہارے حق میں ایسا ہی ہوں جیسے کہ ابوزرع اپنی بیوی امّ زرع کے حق میں تھا۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں **اى في اخذك بكرا و اعطائك كثيرا لا في الطلاق والفراق** (جمع ج۲ص۲۷) (یعنی تجھے **بكرا** نکاح کرنے میں اور بہت کچھ تجھ کو دینے میں نہ کہ طلاق دینے اور جدا کرنے میں) تشبیہ جمیع وجوہ میں نہیں، **فالتشبيه ليس من كل وجوه كما يفيد ذلك قوله لك** (مواہب ۱۹۵) (پس یہ تشبیہ من کل الوجوہ نہیں جیسے کہ حضور ﷺ کے فرمان لکِ سے معلوم ہو رہا ہے) جبکہ طبرانی میں **غير انى لم اطلقك** (بغیر اس کے کہ میں نے تجھے طلاق نہیں کہا) کی تصریح ہے اور طبرانی میں یہ اضافہ بھی ہے کہ سیدہ عائشہؓ نے آپؐ کے جواب میں عرض کیا : **يا رسول الله! بل انت خير من ابى زرع، و من رواية الزبير : بأبى و أمى، لانت خير لى من أبى زرع لامّ زرع** (اتحافات ص۳۰۵) (اے میرے محبوب اور اللہ کے رسول بلکہ تو تو میرے لئے ابوزرع سے بہت اچھا ہے اور حضرت زبیرؓ کی روایت میں ہے کہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں البتہ آپؐ تو بہت بہتر ہیں میرے لئے ابوزرع سے ام زرع کے لئے)

محدثین حضرات نے یہاں یہ بحث بھی کی ہے کہ اُصول کی رو سے اس حدیث کا مقام کیا ہے۔
اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے، وجہ ظاہر ہے کہ اس کی سند حضور اقدس ﷺ تک پہنچی ہے، البتہ یہ بات بہر حال واضح نہیں کہ گیارہ خواتین کی یہ حکایت خود حضور اقدس ﷺ نے اپنی زبانِ مبارک سے ارشاد فرمائی یا کسی نے آپؐ کی موجودگی میں یہ کہانی سنائی۔

محدثین نے تصریح کی ہے کہ اگر اس قصہ کے راوی خود حضور اقدس ﷺ ہیں تو یہ بذاتہ مرفوع حدیث ہے اور اگر آپؐ کی موجودگی میں کسی دوسرے صاحب نے یہ قصہ بیان کیا ہے تو یہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہے **ان التشبیہ المتفق علی رفعه یقتضی ان یکون النبی صلی اللہ علیه وسلم سمع القصة و عرفها فاقرها فیکون مرفوعاً کله من هذه الحیثیة** (جمع ج۲ص۷۳) (تشبیہ (کنت لک ِکابی زرع لام زرع) جو متفق علیہ مرفوع ہے یہ تقاضا کرتی ہے کہ آپؐ نے اس قصہ کو سنا بھی اور جانا بھی ہے پھر بھی اس کو برقرار رکھا ہے تو گویا سب حدیث اس حیثیت سے مرفوع ہوئی (البتہ ازقسم حدیث تقریری ہوئی)

اخذِ مسائل :

حدیث باب سے اپنے اہل وعیال کے ساتھ حسنِ معاشرہ، سید عائشہؓ کی فضیلت، قصہ گوئی اور ماضی کے واقعات سنانے کے جواز اور مشبہ کا ہر چیز میں مشبہ بہ کے ساتھ مساوی ہونے کی عدم ضرورت اور بغیر تعیینِ شخصیت کے کسی کی برائی بیان کرنا غیبت نہیں اور دیگر بھی بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں، علامہ مناویؒ گذشتہ مسائل کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں **وفیه ندب حسن العشرة للاهل و فضل عائشة و جعل السمر فی خیر کملاطفة حلیلة والاخبار عن الامم الغابرة و ان المشبه لایعطی له حکم المشبه به من کل وجه لان المصطفی صلی اللہ علیه وسلم لم یطلق عائشة** (مناوی ج۲ص۷۲)

کیا ذکرِ عیوبِ ازواج غیبت تھا ؟

باقی رہی یہ بات کہ ان خواتین نے اپنے ازواج کی غیر موجودگی میں ان کے عیوب ظاہر کر کے

غیبت کا ارتکاب کیا ہے، پھر وہی عیوب آپؐ کے سامنے بیان ہوئے، مگر آپؐ نے نکیر نہ فرمائی یا آپؐ نے خود نقلِ حکایت کے صورت میں انکے عیوب بیان فرمائے اور قباحت محسوس نہ فرمائی' جو بظاہر غیبت ہے حالانکہ باری تعالیٰ کا حکم ہے لا یغتب بعضکم بعض اً (الحجرات:۱۲) (تمہارے بعض بعض کی غیبت نہ کریں) شارحینِ حدیث نے اس کے تفصیل سے جواب دیئے ہیں (۱) بغیر تعیینِ شخصیت کے کسی فرد کی برائی بیان کرنا شرعاً غیبت نہیں ہے، وان ذکر الانسان لابعینھاو جماعۃ کذلک بامر مکروہ لیس بغیبۃ (جمع ج ۲ ص۴۳) (کسی غیر معین شخص یا جماعت کا تذکرہ کسی غیر مناسب فعل کے ساتھ یہ غیبت نہیں)

نیز شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں، وان ذکر المجھول بما یکرہ لیس غیبۃ والمراد جھلہ عند المتکلم والسامع (المناوی ج۲ص۲۷) (کسی مجہول شخص کا تذکرہ ناپسندیدہ فعل کے ساتھ کرنا غیبت نہیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص متکلم اور سامع دونوں کو معلوم نہ ہو) شیخ ابراہیم البیجوریؒ حدیثِ باب سے اخذِ مسائل کی تفصیل کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ وجواز ذکر المجھول عند المتکلم والسامع بما یکرہ فانہ لیس غیبۃ غایۃ الامر أن عائشۃ ذکرت نساء مجھولات ذکر بعضھن عیوب أزواج مجھولین لایعرفون بأعیانھم ولا بأسمائھم و مثل ھذا لا یعد غیبۃ علی انھم کانوا من اھل الجاھلیۃ و ھم ملحقون بالحربیین فی عدم احترامھم. (مواہب ص۱۹۵) (جو شخص متکلم اور سامع کے نزدیک مجہول ہو اس کے کسی ناپسندیدہ کام کرنے کے تذکرنے سے غیبت لازم نہیں آتی اور یہ جائز بھی ہے زیادہ سے زیادہ قابل اعتراض بات یہ ہوئی کہ حضرت عائشہؓ نے ایسی چند مجہول عورتوں کا ذکر کیا جن میں بعض نے اپنے مجہول خاوندوں کے کچھ عیوب کا تذکرہ کیا جو نہ خود بذاتہ معلوم ہیں اور نہ کوئی ان کے نام وغیرہ اور اس جیسا تذکرہ غیبت شمار نہیں ہوتی اس کے علاوہ وہ زمانہ جاہلیت کے لوگ تھے جو حکماً اہلِ حرب کی طرح غیر محترم ہیں)

==============================

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ صِفَةِ نَوْمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سونے کے بیان میں

اس میں ایسی احادیث درج کی گئی ہیں، جن میں آپؐ کے نوم مبارک کا بیان ہے۔ نوم کا معنٰی سونا اُونگھنا اور مرنا کیا گیا ہے، نوم کی تعریف یوں کی گئی ہے، **هو غشية ثقيلة تهجم على القلب فتقطعه عن المعرفة بالاشياء** . (مواہب ص۱۹۵) (یہ ایک بھاری ثقیل قسم کا پردہ جو اچانک دل پر پڑ جاتا ہے تو اس کو چیزوں کی پہچان سے روک دیتا ہے) بعض نے نوم کی تعریف یوں کی ہے ، **والنوم حالة طبيعية تتعطل معها القوىٰ تسير في البخار الى الدماغ** (مناوی ج۲ص۴۷) (یہ ایک طبعی حالت ہے جس کی وجہ سے قویٰ انسانیہ معطل ہو جاتی ہیں اور بخارات کے ذریعہ دماغ تک سرایت کر جاتی ہے) حضور اقدس ﷺ کے سونے کا طریقہ، سوتے وقت اُدعیہ، اسی طرح سو کر اٹھنے کے وقت دعائیں اور معمولات کیا تھے؟ نیز آپؐ کا خراٹے بھرنا کس نوعیت کا تھا، صبح کو نیند سے اٹھے اور وضو کئے بغیر نماز پڑھی۔ یہ آپؐ ہی کی خصوصیت تھی۔ نیند کے آداب میں یہ بھی ہے کہ وضو کر کے سویا جائے جیسا کہ بخاری اور مسلم میں ہے، **اذا اخذت مضجعک فتوضأ وضوءک للصلوٰة** (اتحافات ص۳۰۶) (جب تو سونا چاہے تو پھر نماز جیسا وضو کر لیا کریں) اور نیند سے اُٹھتے وقت آپؐ کے معمولات اسی طرح کھانے پینے، بول و براز، لباس وغیرہ میں آپؐ کے معمولات سنن زوائد ہیں۔ **فانها طريقة مسلوكة و مسنونة على وجه العادة لا العبادة** (حاشیہ نورالانوار ص۱۴۷) (یہ امور رائج اور مسنون بطریق عادت کے ہیں نہ کہ عبادت) اس باب میں مصنفؒ نے چھ (۶) احادیث درج کی ہیں۔

(۱/۲۴۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی اَنْبَاَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِیِّ اَنْبَاَنَا اِسْرَائِیْلُ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ یَزِیْدَ عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَهٗ

وَضَعَ كَفَّهُ تَحْتَ خَدِّهِ الْاَيْمَنِ وَ قَالَ رَبِّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ.

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى اَنْبَاَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ اَنْبَاَنَا اِسْرَآئِيْلُ عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ عَنْ اَبِيْ عُبَيْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ مِثْلَهُ وَ قَالَ يَوْمَ تَجْمَعُ عِبَادَكَ.

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن مثنیٰ نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر عبدالرحمٰن بن مہدی نے دی، اُن کو یہ روایت اسرائیل نے ابی اسحٰق کے واسطہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ حدیث عبداللہ بن یزید سے روایت کی اور انہوں نے صحابی رسول حضرت براء بن عازب سے روایت کیا۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جس وقت آرام فرماتے، اپنا دایاں ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے رکھتے اور یہ دعا پڑھتے، رَبِّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ. اے اللہ مجھے قیامت کے دن اپنے عذاب سے بچائیو۔

(دوسری سند) امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمد بن مثنیٰ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر عبدالرحمٰن نے اسرائیل کے واسطہ سے دی۔ انہوں نے یہ روایت ابی اسحٰق سے ابی عبیدہ کے واسطہ سے روایت کی اور انہوں نے یہ روایت عبداللہ سے پہلی روایت کی مثل نقل کی۔ البتہ اس روایت میں دُعا کے الفاظ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ کے بجائے يَوْمَ تَجْمَعُ عِبَادَكَ آیا ہے۔ حدیث کے باقی الفاظ پہلی روایت جیسے ہی ہیں ۔

راوی حدیث (۵۱۷) عبداللہ بن یزیدؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظِ مضجع و کف کا بیان :

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اخذ مضجعه الخ ، مضجع ' اضطجاع سے ہے ، موضع الضجوع و جمعه مضاجع (مناوی ج۲ص۷۳) یعنی سونے کی جگہ 'بستر' چارپائی' پلنگ وغیرہ، فالمعنی اذا اراد النوم فی مضجعه (جمع ج۲ص۷۳) (جب آپ بستر پر سونے کا ارادہ فرماتے)

وضع کفه الیمنی ......الخ ' کف : انگلیوں سمیت ہتھیلی کو کہتے ہیں، کف کا معنی ہے روکنا، منع کرنا، چونکہ یہ بدن سے مضرتوں کو روکتی ہے۔ اس لئے اسے کف کہتے ہیں۔ الکف الراحة مع الاصابع

سمیت به لانها تکف الاذٰی عن البدن (مناوی ج۲ص۷۳)

سونے میں آپؐ کا معمول مبارک :

تحت خده الایمن' دائیں رخسار کے نیچے ہتھیلی مبارک کو رکھ لیتے تھے رو بہ قبلہ ہوکر' یہ اقویٰ بھی ہے اور اس میں تیامن بھی ہے اور یہی اولیٰ بھی ہے۔ گویا دائیں کروٹ پر لیٹنا اور دائیں رخسار کے نیچے ہتھیلی مبارک رکھنا سونے میں آپؐ کا معمول اور عادت مبارک تھی، ویسے بھی ہر پاکیزہ کام میں تیامن آپؐ کا معمول تھا فی طهوره و ترجّله و تنعله ۔ (یعنی وضو کرنے کنگھی دینے اور جوتے پہننے میں) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ، انما کان یختار الایمن لانه کان یحب التیامن فی شأنه کله ولتعلیم امته (جمع ج۲ص۷۴) (سونے میں دائیں پہلو کو اس لئے پسند فرماتے کہ آپؐ ہر (پسندیدہ امور) میں تیامن کو پسند فرمایا کرتے اور امت کی تعلیم کے لئے بھی)

دائیں کروٹ پر سونا امت کے لئے مستحب ہے :

حدیث باب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دائیں پہلو پر سونا اور داہنی ہتھیلی کو دائیں رخسار کے نیچے رکھنا امت کے لئے مستحب ہے، وھذا دلیل علی استحباب النوم علی الشق الایمن (اتحافات ص۳۰) (اور یہی دائیں کروٹ پر سونے کے مستحب ہونے کی دلیل ہے)

چت لیٹنا، اُلٹا یا بائیں کروٹ پر سونے کا حکم :

اُمت کے لئے چت لیٹنا' بائیں پہلو پر لیٹنا یا اُلٹا لیٹنا مکروہ ہے۔ جیسے شیخ احمد عبد الجوادؒ فرماتے ہیں و قد کره العلماء النوم علی الظهر والبطن و علی الجانب الایسر (اتحافات ص۳۰۶) لکن النوم علی الظهر اردأ النوم واردأ منه النوم منبطحا علی الوجه و قد روی ابن ماجة انه صلی الله علیه وسلم لما مر بمن هو کذالک فی المسجد ضربه برجله و قال قم او اقعد فانها نومة جهنمیة (جمع ج۲ص۷۴) (ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں لیکن چت لیٹ کر سونا ردی اور نکما سونا ہے اور اس سے زیادہ خراب اور ردی الٹا لیٹ کر سونا ہے اور ابن ماجہ نے ایک روایت ذکر کی ہے کہ جب حضور ﷺ ایسے

ہی لیٹے ہوئے شخص پر مسجد میں گزرے تو اسے پاؤں سے ٹھوکر دیتے ہوئے فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ یا فرمایا کہ بیٹھ جاؤ یہ جہنمی سونا ہے) ملا علی قاریؒ اس کے کراہت کی ایک اور وجہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ ولعل السبب فيه انه موافق للرقاد اللوطية المحركة للناظر داعية الشهوة النفسية الشومية (جمع ج ۲ ص ۴۷) (شاید اس کا سبب یہ بھی ہے کہ اس قسم کا سونا لوطی شخص کے سونے کے مشابہ ہے جو کسی دیکھنے والے کی قوت شہوانیہ کو اس فعل بد پر محرک ہوگا)

سونے میں حضور اقدس ﷺ کا اختصاص :

دائیں کروٹ پر لیٹنا اور اس کا استحباب امت کے لئے ہے اور آپؐ کا یہ معمول بھی تعلیم امت کے لئے ہے، ورنہ آپؐ دائیں کروٹ سوئیں یا بائیں کچھ فرق نہیں، کیونکہ آپؐ کا قلب مبارک تو سوتا ہی نہیں تھا، جیسے علامہ مناویؒ لکھتے ہیں کہ ثم نوم المصطفٰی صلی اللّٰہ علیه وسلم علی الایمن انما هو تشريع و تعليم لامته لانه لاینام قلبه فلا فرق فی حقه بین الشق الایمن والایسر۔

(مناوی ج ۲ ص ۴۷)

سوتے وقت کی دعا :

رب قنی عذابک یوم تبعث عبادک : یہاں قنی بمعنی احفظنی کے ہے یوم تبعث سے مراد یہ ہے کہ جس روز پروردگار اپنے بندوں کو حشر و نشر کے لئے اٹھائے گا، اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے۔ نیند موت کا بھائی اور بیداری بمنزلہ بعث بعد الموت کے ہے۔ اس لئے بیداری کے بعد کی دعا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا (ساری تعریفیں اس اللہ کی ہیں جس نے ہمیں موت کے بعد زندہ فرمایا) کے الفاظ سے منقول ہے۔ اس دعا کے بعض الفاظ میں قدرے اختلاف ہے۔ حصن حصین میں ربِّ کے بجائے اللّٰھم منقول ہوا ہے۔ غرض بہر حال یہی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ آخری سونا ہو اور اس میں موت واقع ہو جائے تو آخری کلمات اللہ کا ذکر، دعا، اور آخرت میں کامیابی و نجات کی دعا ہو، حصن حصین میں یہ بھی منقول ہے کہ یہ کلمات آپؐ تین مرتبہ پڑھا کرتے تھے۔

نبی معصومؐ کا عذاب سے بچنے کی دعا کا اہتمام :

دوسری بات یہ ہے کہ آپؐ تو معصوم ہیں اور آپؐ پر عذاب کا تصور ہی گناہ ہے، پھر آپؐ عذاب سے بچنے کی دعا کیوں کررہے ہیں۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، **و ذکر ذلک مع عصمته و علو مرتبته تواضعاً لله واجلالاله و تعلیماً لامته** (جمع ج۲ص۴۷) (اور آپؐ نے باوجود معصوم اور عالی شان مرتبہ والا ہونے کے یہ دعا اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت اور اپنی تواضع اور امت کی تعلیم کے لئے ارشاد فرمائی)

بعض علماء نے یہ توجیہ بھی کی ہے کہ قیامت کا منظر اور بعث بعد الموت ایک ہیبت ناک منظر ہوگا۔ ذی ہیبت چیز کی ہیبت تو ہر وقت رہتی ہے، پھر حضراتِ انبیاء کو ہر وقت اس کا استحضار بھی رہتا ہے۔ حق تعالیٰ کی عظمت وجلال کا مشاہدہ بھی رہتا ہے، وجدانی طور پر باوجود معصوم ہونے کے بھی وہ بارگاہِ قدس میں اپنے کو کمال عبدیت کے پیش نظر قصوروار سمجھتے تھے۔ اس لئے اس دعا کا اہتمام کرتے تھے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کا ارشاد :

حصن حصین میں ہے کہ آپؐ تین مرتبہ یہ دعا پڑھتے تھے۔ دوسری حدیث میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے بھی یہ مضمون نقل کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا یہ عام معمول تھا، جس کو متعدد حضرات نے سنا۔ حضور ﷺ کا معصوم ہونے کے باوجود اس قسم کی دعاؤں کو پڑھنا یا تو اظہارِ عبدیت کے لئے ہوتا تھا کہ بندگی کا مقتضیٰ مولیٰ سے مانگنا ہی ہے یا امت کی تعلیم کے لئے۔ اس حدیث سے حضور اقدس ﷺ کا دائیں کروٹ پر سونا معلوم ہوتا ہے اور یہی حضور اکرم ﷺ کا دائمی معمول تھا۔ اسی وجہ سے دائیں کروٹ پر سونا مستحب بھی ہے اور اس میں ایک خاص مصلحت بھی ہے۔ وہ یہ کہ آدمی کا دل چونکہ سینہ کی بائیں طرف ہوتا ہے، اسلئے دائیں کروٹ پر سونے سے وہ اوپر رہتا ہے اور استغراق کی اور گہری نیند نہیں آتی، بلکہ آدمی چوکنا سوتا ہے اور اگر بائیں کروٹ پر سوتا ہے تو دل نیچے کی جانب ہوتا ہے اور اس صورت میں گہری نیند آتی ہے۔ اس وجہ سے بعض اطباء نے بائیں جانب سونے کو اچھا بتایا ہے کہ گہری نیند آنے سے ہضم بہتر ہوتا ہے اور یہ صحیح ہے، لیکن اس میں ایک مضرت بھی ہے،

جس کی طرف ان کا ذہن نہیں گیا۔ وہ یہ کہ جب دل نیچے کی جانب ہوگا تو تمام بدن کا زور اس پر پڑے گا اور بدن کا مواد اس پر اثر کرے گا، دل اعضائے رئیسہ میں اہم عضو ہے۔ اس پر مواد کا تھوڑا سا اثر ہونا بھی بہت سے امراض کا سبب ہے۔ اس لئے بائیں کروٹ سونے میں اگر طبی مصلحت ہے تو ایک طبی مضرت بھی ہے اور مضرت سے بچنا زیادہ اہم ہے۔ اس لئے طبی حیثیت سے بھی دائیں کروٹ پر سونا بہتر ہے۔ اس کے علاوہ دائیں کروٹ پر لیٹنا موت کے بعد قبر میں لیٹنے کی یاد کو تازہ کرتا ہے اور موت کو یاد کرنے کا حکم بھی ہے اور دینی دنیوی بہت سے فوائد موت کو یاد کرنے سے حاصل ہوتے ہیں، آدمی کو چاہئے کہ اس لذتوں کے ختم کر دینے والی چیز کو کثرت سے یاد کیا کرے اور حق تو یہ ہے کہ آدمی ایسی چیز کو کیسے بھولے جو بہر حال آنے والی ہے، نہ معلوم کب آجائے۔ (خصائل: ص ۲۰۸ و ۲۰۹)

بعث، جمع اور نشور :

مثل هو قال يوم تجمع عبادك : مثله سے مراد لفظ و معنیٰ دونوں مراد ہیں اور اس دوسری روایت میں تبعث کی جگہ **تجمع** کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔ پہلی حدیث میں بعث اور دوسری میں لفظ جمع مذکور ہے۔ دونوں حدیثوں میں ایک ایک لفظ پر اکتفا کیا گیا ہے۔ **لانه يكون البعث ثم الجمع ثم النشور** (مواہب: ۱۹۶) (اس لئے کہ پہلے اٹھنا پھر اکٹھا ہونا پھر پھیل جانا)

(۲۴۶/۲) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ نَوْمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ قَالَ اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَ اَحْيٰى وَ اِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَ اِلَيْهِ النُّشُوْرُ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالرزاق نے بیان کیا۔ ان کو سفیان نے عبدالملک بن عمیر کے واسطہ سے خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت ربعی بن حراش سے اور انہوں نے اسے صحابی رسول حضرت حذیفہؓ سے روایت کی۔ حذیفہ رضی

اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب بستر پر لیٹتے تو اَللّٰھُمَّ بِاِسْمِکَ اَمُوْتُ وَ اَحْیَا پڑھتے تھے یا اللہ تیرے ہی نام سے مرتا (یعنی سوتا) ہوں اور تیرے ہی نام سے زندہ ہوں گا (یعنی سو کر اُٹھوں گا)

راوی حدیث (۵۱۸) ربعی بن حراشؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

جب بستر پر تشریف فرما ہوتے :

اذا اٰوی الی فراشه ' بستر پر آرام کرنے کے لئے بیٹھنے یا سونے کے معنیٰ میں آتا ہے ای دخل بقصد النوم (اتحافات ص ۳۰۷) لغوی معنیٰ متوجہ ہونا ہے۔ لازم بھی آتا ہے اور متعدی بھی۔ قصر کے ساتھ بھی آتا ہے اور مد کے ساتھ، والافصح فی اللازم القصر وفی المتعدی المد ای وصل الٰی فراشه (مواہب ص ۱۹۶) (اور زیادہ فصیح باب لازم میں قصر ہے اور متعدی باب میں مدّ کے ساتھ، معنیٰ یہ ہوگا کہ جب آپؐ بستر پر تشریف فرما ہو جاتے)

سوتے اور جاگتے وقت دعا کے الفاظ کی تشریح :

قال .... تو یہ دعا پڑھتے ، دعا پڑھنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ ہوسکتا ہے یہ آخری مہلت ہے کہ النوم اخو الموت ،اور النوم هو الموت الاصغر (کہ نیند موت کا بھائی ۔۔۔ نیند چھوٹی موت ہے) تو خاتمہ دعا وذکر اللہ پر ہو ۔ و حکمة الدعا عند النوم احتمال ان یکون هذا آخر عمر الشخص فیقع ذکر الله خاتمة امره و عمله (مواہب ص ۱۹۶) (اور سونے کے وقت دعا کرنے کی حکمت یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ اس شخص کی عمر کے آخری لمحات ہوں تو چاہئے کہ اس کا آخری عمل اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو)

اللهم باسمک اموت و احییٰ :بعض حضرات موت وحیات سے حقیقی معنیٰ مراد لیتے ہیں، مگر یہ تکلف ہے، واضح معنیٰ مجازی ہے کہ موت سے مراد نیند اور حیاۃ سے مراد بیداری ہے، وهذا اولیٰ و اظهر (اور یہی معنیٰ زیادہ ظاہر اور بہتر ہیں) جیسا کہ دعا کے جزء کا یہی مدلول ہے' ملا علی قاریؒ نے موت کے کئی معانی نقل کئے ہیں۔ (۱) سکون ٹھہرنا (۲) جہالت (۳) احوال شاقہ وغیرہ' ...... و قیل الموت فی کلام العرب یطلق علی السکون یقال ماتت الریح اذا سکنت ...... وقد یستعمل فی زوال القوة العاقلة وهی الجهالة لقوله تعالیٰ او من کان میتا فاحییناه و قوله تعالیٰ فانک

لاتسمع الموتی و منه حدیث مثل الذی یذکر ربه والذی لایذکر مثل الحی والمیت و قد یستعار الموت للاحوال الشاقة کالفقر والذل والسوال والهرم والمعصیة وغیر ذلک (جمع ج ۲ ص ۷۵) (اور بعض کہتے ہیں کہ موت کا اطلاق سکون (ٹھہرنے) پر ہوتا ہے کہا جاتا ہے کہ ماتت الریح جب ہوا ساکن اور ٹھہر جاتی ہے اور موت کا اطلاق کبھی قوتِ عاقلہ کے زوال یعنی جہالت پر بھی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں او من کان میتافاحیینا ہ (وہ شخص کہ وہ جاہل تھا پھر ہم نے اسے عاقل بنایا) اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول فانک لاتسمع الموتی (اے حضور ﷺ آپ جاہلوں کو نہیں سنا سکتے) اور اسی قبیل سے وہ حدیث ہے جس میں آیا ہے کہ وہ شخص جو اللہ کو یاد کرتا ہو اور وہ جو اسے یاد نہیں کرتا مثل الحی والمیت کہ وہ بمنزلہ عاقل اور جاہل کے ہیں۔ اور کبھی موت کا استعارہ مشکل احوال جیسے فقر، ذلت، سوال، بڑھاپا اور گناہ وغیرہ کے لئے بھی ہوتا ہے) واستیقظ' بیداری کے وقت بھی اللہ کا ذکر و دعا مسنون ہے۔ شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، و فیه اعلان البراءة من الحول والطول، و استناد الی حول اللّٰه و قوته۔ (اتحافات ص ۳۰۷) (اور ان ادعیہ کرنے میں ایک نوع اپنے زور قوت سے بیزاری کا اعلان اور اس کی نسبت کو صرف ذاتِ خداوندی کی طرف منسوب کرنا ہے)

و الیه النشور (۱) لفظِ نشور کا معنیٰ التفرق فی الامر المعاش کا لافتراق حال المعاد (جمع ج ۲ ص ۷۵) یعنی باری تعالیٰ ہی معاش کے مالک ہیں اور معاد کے بھی اور اسی سے ان کا حصول ہے۔ (۲) بعض نے کہا کہ النشور کا معنیٰ زندگی بعد الموت ہے' هو الحیاة بعد الموت (جمع ج ۲ ص ۷۵) (۳) النشور سے مراد مرجع ہے، ای الیه الرجوع للثواب أوالعقاب، ای لابد من رجوع الخلق کلهم الی اللّٰه لیجازوا بأعمالهم اِن خیرا فخیر و ان شرا فشر فمرجعهم اما الی دار الثواب واما الی دار العقاب (مواہب ص ۱۹۷)

(علامہ بیجوریؒ نشور کا معنیٰ مرجع سے کرتے ہیں فرماتے ہیں اسی ذات کی طرف ثواب وعقاب کا مآل اور انجام ہے یعنی سب مخلوق کا لوٹنا اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگا تا کہ ان کو اپنے اعمال خیر و شر کا بدلہ دیا جائے تو لامحالہ ان کا مرجع یا جنت یا جہنم ہی ہوگا)

دنیا کی ساری زندگی ایک خواب ہے :

محدثِ جلیل شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں چونکہ نیند موت کے مشابہ تھی، اس لئے جاگنے کو دوبارہ زندہ ہونے سے تعبیر کیا، علماء نے لکھا ہے کہ سو کر اُٹھنے کے بعد یہ بھی سوچنے کی چیز ہے کہ اسی طرح مرنے کے بعد قیامت میں دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ درحقیقت حق تعالیٰ جل شانہٗ نے اس دنیا کو آخرت کی مثال بنایا ہے اور عبرت اور غور کے واسطے ہر قسم کی چیزیں یہاں پیدا فرمائیں۔ دنیا کی ساری زندگی ایک خواب سے زیادہ نہیں ہے۔ ایک آدمی نہایت خوش حال ہے، متمول ہے، ہر قسم کی راحت کے سامان اس کے پاس موجود ہیں کسی قسم کی اس کو کوئی بھی تکلیف نہیں ہے، وہ خواب میں اگر اپنے کو قید میں کوڑے کھاتا ہوا دیکھے، ہر قسم کی مصیبتوں میں گرفتار دیکھے، وہ نہیں سمجھ رہا کہ یہ خواب ہے، وہ اس سے پریشان بھی ہے رو بھی رہا ہے، لیکن دفعتہً آنکھ کھل جاتی ہے، وہ سب راحت و آرام مل جاتے ہیں، اس خواب کی تکلیف کا ذرا بھی احساس اس کو نہیں رہتا۔ اسی طرح ایک دیندار کا حال سمجھ لو، وہ اس دنیا میں جتنی بھی تکالیف اٹھائے، وہ خواب ہے، اگر آنکھ کھلنے کے بعد اس کو ساری راحتیں میسر ہیں تو اس خواب کا کیا اس پر اثر ہو سکتا ہے، اس کے بالمقابل حسرت سے غور کرو، اُس تہی دست پر جو اس خواب میں ہر قسم کے آرام پا رہا ہے، مگر آنکھ کھلنے کے بعد وہ جیل خانہ میں ہے کوڑے اس پر پڑ رہے ہیں تو اس خواب کی راحت و آرام کو لے کر وہ کیا چاٹ لے گا۔ ایک با مشقت سزا کا قیدی خواب میں اپنے آپ کو ہفت اقلیم کا بادشاہ بنا ہوا دیکھے، لیکن آنکھ کھلنے کے بعد وہ جیل کے اندھیری کوٹھڑی میں ہے' ہتھکڑی لگی ہوئی ہے تو اس خواب کی بادشاہت سے اس کو کیا ملا۔ اس گُر کو صحابہؓ نے سمجھا تھا، اسلئے وہ دنیا میں ہر مشقت کو لطف و لذت سے برداشت کرتے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ یہ خواب ہے۔ حق تعالیٰ جل شانہٗ اپنے لطف سے ہم لوگوں کو بھی یہ دولت نصیب فرمادے تو اس کے کرم سے بعید نہیں (خصائل ص ۲۰۹ تا ۲۱۰)

(۳/۲۴۷) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا الْمُفَضَّلُ بْنُ فُضَالَةَ عَنْ عُقَيْلٍ رَوَاهُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ كُلَّ لَيْلَةٍ جَمَعَ

كَفَّيْهِ فَنَفَثَ فِيْهِمَا وَ قَرَأَ فِيْهِمَا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ وَ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ○ وَ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ○ ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهٖ يَبْدَأُ بِهِمَا رَأْسَهٗ وَ وَجْهَهٗ وَمَا اَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهٖ يَصْنَعُ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے مفضل بن فضالہ نے بیان کیا، انہوں نے یہ روایت عقیل سے سماعت کی اوران کا خیال ہے کہ عقیل نے زہری سے یہ حدیث سنی، انہوں نے عروۃ سے اورانہوں نے اسے ام المؤمنین عائشہؓ سے روایت کیا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ ہر شبانہ جب بستر پر لیٹتے تھے تو دونوں ہاتھوں کو دعا مانگنے کی طرح ملا کران پر دم فرماتے اور سورہ اخلاص اور معوذتین پڑھ کر تمام بدن پر سر سے پاؤں تک جہاں جہاں ہاتھ جاتا ہاتھ پھیرلیا کرتے تھے، تین مرتبہ ایسے ہی کرتے سر سے ابتدا فرماتے اور پھر منہ اور بدن کا اگلا حصہ پھر بقیہ بدن پر۔

راویان حدیث (۵۱۹) المفضل بن فضالۃ ؒ اور (۵۲۰) عقیل ؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

نفث ، نفخ ، تفل کا فرق :

قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ...... مضمونِ حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کردیا گیا ہے۔ جمع كفيه فنفث فيهما : نفث کا معنیٰ پھونکا، دم کیا، منہ سے ہوا کا نکالنا ضعف کے ساتھ کہ تھوک نہ نکلے۔ النفث ! نفخ لطيف بلا ريق (جمع ج۲ص۷۶) نفخ کا معنیٰ منہ سے بزور و قوت ہوا نکالنا، وهو اقل من التفل (جمع ج۲ص۷۶) تفل کا معنیٰ منہ سے ہوا کے ساتھ تھوک کا تھوڑا سا نکالنا۔ انه لايكون الا ومعه شئى من الريق (المواہب ص۱۹۷)

ظواہر کا مسلک :

حدیث میں لفظِ نفث پہلے اور قرأ بعد میں واقع ہوا ہے اہلِ ظواہر، ظاہر حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پہلے دم کیا جائے ، پھر پڑھا جائے تاکہ ساحرین کی مخالفت کی جائے۔

بان الحکمة فیه مخالفة السحرة والبطلة (جمع ج۲ص۷۷)

نفث و قراءت میں تقدیم تاخیر کی بحث :

تاہم اس شبہ سے کہ نفث مقدم اور قراءت مؤخر ہے، شارحینِ حدیث جواب میں کہتے ہیں، اصلاً قراءت مقدم ہے اور نفث مؤخر ہے، راوی سے قلب ہوگیا ہے اور اگر قلب راوی نہ ہوتو شارحین کہتے ہیں کہ واو مطلق جمع کے لئے آیا ہے، لان الواو تقتضی الجمع لا الترتیب فیحمل علٰی ان النفث بعد القراءة (جمع ج۲ص۷۷) (اس لئے کہ حرف واؤ صرف دو چیزوں کے اکھٹے ہونے پر دلالت کرتا ہے نہ کہ ان کے درمیان ترتیب پر اس لئے حدیث کا محمل کہ نفس (پھونک مارنا) قراءت (پڑھنے) کے بعد ہوگا) علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، وکذا فی صحیح البخاری بالواو و قال شارحٌ من علمائنا وھو الوجه لان تقدیم النفث علی القرأة لم یقل به احدٌ (جمع ج۲ص۷۷) (اسی طرح لفظ واؤ کے ساتھ صحیح بخاری میں بھی ہے اور اہل سنت والجماعت کے علماء میں سے کسی شارحؒ نے فرمایا کہ یہی توجیہ بہتر ہے اس لئے کہ پھونک مارنے کی تقدیم سورتوں کے پڑھنے پر کا قائل کوئی بھی نہیں ہے)

جمہور کا مسلک :

جمہور کا مسلک بھی یہی ہے کہ اولاً قراءت ہو پھر دم کرنا چاہئے۔ جیسا کہ دیگر روایات کا مدلول بھی یہی ہے۔ لان النفث ینبغی ان یکون بعد التلاوة لیوصل برکة القرآن الٰی بشرته (حاشیہ شمائل ترمذی) (چاہیے کہ پھونک مارنا تلاوت کے بعد ہو تا کہ قرآن کی برکت انسانی بدن تک پہنچے) بعض روایات میں واؤ عاطفہ کے بجائے فا تعقیبیہ آیا ہے، تو پھر فنفث فیھما کا معنی ہوگا، فاراد النفث فیھما فقرأ فنفث بالفعل (مواہب ص۱۹۷) (آپؐ نے ہاتھوں میں پھونکنے کا ارادہ فرما کر سورتیں پڑھیں اور پھر ان میں پھونک ماری) اور فا بمعنی واؤ کے بھی آتا ہے، جو مطلق جمع کے لئے ہوتا ہے۔ ملا علی قاریؒ نے اسے راجح قرار دیا ہے، فالاولٰی ان یقال الفاء ھنا بمعنی الواو ففی القاموس ایضاً ان الفاء تاتی بمعنی الواو (جمع ج۲ص۷۷) (پس بہتر یہ کہ کہا جائے کہ یہاں فا بمعنیٰ واؤ کے ہے

قاموس میں بھی ہے کہ فا بمعنیٰ واؤ کے آتا ہے) اس کی نظیر قرآن میں بھی موجود ہے، وکم من قرية اهلكناها فجاءها باسنا (اعراف : ۴) (اس آیت میں فجاءها بمعنیٰ وجاءها کے ہے یعنی بہت ہی بستیاں ہیں کہ ہلاک کیا ہم نے ان کو جب ان کے پاس ہمارا عذاب آیا) وحمل بعضهم على ان النفث وقع قبل القرأة و بعدها ايضاً (جمع ج۲ص۷۷) (اور بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ نفث (پھونک مارنا) قراءت سے پہلے بھی اور بعد میں بھی واقع ہوا ہے)

سوتے وقت تبرک بالقرآن کا معمول :

سوتے وقت قرآن کی سورتیں پڑھنا تبرک بالقرآن ہے، وھذا للتبرک بالقرآن (اتحافات ص۳۰۸) سورۃ کی ابتدا کے ذکر کرنے سے مراد پوری کامل سورتیں ہیں، ای السور الثلاثة بكمالها (مناوی ج۲ص۷۶) شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، هذه حال أخرى من حالات نومه و ظاهر الحديث ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يفعل ذلک فی الصحة والمرض (اتحافات ص۳۰۷) (کہ آپ کے سونے کے حالات میں یہ ایک اور حالت ہے اور حدیث کے ظاہر سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ حضور ﷺ ہمیشہ (صحت ومرض میں) یہ عمل فرمایا کرتے تھے)

خلاصۂ بحث :

نبی کریم ﷺ سے سونے کے وقت مختلف دعائیں پڑھنا بھی ثابت ہے اور کلام اللہ کی مختلف سورتیں پڑھنا بھی ثابت ہے۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص قرآن پاک کی کوئی سورۃ سوتے ہوئے پڑھے، اللہ کی طرف ایک فرشتہ محافظ اس کے لئے مقرر ہو جاتا ہے جو جاگنے کے وقت تک اس کی حفاظت کرتا رہتا ہے۔ خود حضور اکرم ﷺ سے تین سورتوں کا پڑھنا حدیث بالا میں وارد ہے۔ ان کے علاوہ مسبحات یعنی اُن سورتوں کا پڑھنا جو سبح، یسبح، سبحان سے شروع ہوتی ہیں وارد ہے، الٓمّ سجدة اور تبٰرک الذی کا ہمیشہ پڑھنا۔ نیز آیۃ الکرسی اور سورہ بقرہ کی اخیر دو آیتوں کا پڑھنا بھی وارد ہے۔ ایک صحابی کہتے ہیں کہ مجھے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سوتے ہوئے ہمیشہ قل یاایها الکفرون پڑھ کر سویا کرو ان کے علاوہ بہت سی دعائیں پڑھنا بھی

حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے (فتح الباری خصائل :۲۱۱)

(۴/۲۴۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَلْمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَامَ حَتّٰى نَفَخَ وَ كَانَ اِذَا نَامَ نَفَخَ فَاَتَاهُ بِلَالٌ فَاٰذَنَهُ بِالصَّلٰوةِ فَقَامَ وَ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ وَ فِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان نے سلمۃ بن کہیل کے واسطہ سے یہ روایت بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت کریب سے روایت کی اور انہوں نے اسے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سنا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ایک مرتبہ سوئے اور خراٹے لینے لگے۔ حضور اکرم ﷺ کی یہ عادتِ شریفہ تھی کہ جب سوتے تو خراٹے لیتے تھے، پس حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آکر تیاریٔ نماز کی اطلاع دی۔ حضور اکرم ﷺ تشریف لے گئے اور نماز پڑھائی وضو نہیں کیا۔ اس حدیث میں ایک قصہ بھی ہے۔

حضور اقدس ﷺ سوتے تھے مگر دل بیدار رہتا تھا :

نام و نفخ: حضور اقدس ﷺ سو گئے اور ہلکے سے خراٹے لینے لگے ، **و کان اذا نام نفخ** اور خراٹے لینا آپؐ کی عادت مبارک تھی، مگر یاد رہے کہ یہ وہ خراٹے نہیں جسے زور زور سے لیا جاتا ہے سننے والے پریشان ہو جاتے ہیں اور سونے والے بے آرام ہو جاتے ہیں، جسے غطیط کہتے ہیں، جو صوتِ منکر کے ساتھ بوجہ کسی بیماری کے سرزد ہوتے ہیں، جبکہ آپؐ سے نفخ ثابت ہے جو نہ تو کسی مرض کی وجہ سے ہوتا ہے اور نہ مذموم ہے۔ **وانه ليس بمذموم ولا مستهجن** (مناوی ج۲ ص۷۷) شیخ عبد الرؤفؒ فرماتے ہیں : **والنفخ اخراج الريح من الفم بصوتٍ والمراد هنا ما يخرج من النائم حين استغراقه في نومه** (مناوی ج۲ ص۷۷) (نفخ کا معنیٰ منہ سے کچھ آواز کے ساتھ ہوا نکالنا اور یہاں اس سے مراد وہ خراٹے ہیں جو کہ سونے والے شخص سے جب کہ وہ نیند میں مستغرق ہو نکلتے ہیں)

گہری نیند کے باوجود وضوء کی تجدید نہ فرمائی :

ولم یتوضأ : سوکر اٹھنے کے بعد جبکہ سونا بھی خوب آرام کا تھا، آپؐ نے وضو نہیں بنایا اور نماز پڑھ لی اور یہ صبح کی نماز تھی، وھی صلاۃ الصبح (مواہب ص۱۹۸) بظاہر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ نیند سے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے، پھر آپؐ نے کیونکر نماز پڑھی۔ شارحینِ حدیث جواب میں لکھتے ہیں کہ یہ حضور اقدس ﷺ کے خصائص سے ہے۔ کہ اس لئے آپؐ کی آنکھیں سوتی ہیں، مگر قلب نہیں سوتا، ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں وهذا من خصائصه عليه السلام لان عينه كانت تنام و لاينام قلبه و يقظة قلبه يمنعه عن الحدث (جمع ج۲ص۷۷) خود حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے ، تنام عيني ولا تنام قلبي (موارد الظمآن ص۵۲۲) (کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتا)

انبیاءِ کرام کی نیند ناقض وضوء نہیں :

بخاری اور مسلم شریف کی ایک روایت میں یہ تصریح موجود ہے کہ محض سو جانے کی وجہ سے انبیاء کرام کا وضو نہیں ٹوٹتا، نوم الانبياء غير ناقض للوضوء ایک دوسری روایت میں بھی یہی صراحت مذکور ہے، نحن معاشر الانبياء تنام اعيننا و لا تنام قلوبنا (مواہب ص۱۹۸) (ہم انبیاء کرام ایک ہی جماعت اور گروہ ہیں ہماری آنکھیں سوتی ہیں اور ہمارے دل نہیں سوتے)

وفي الحديث قصة ' اس حدیث میں ایک قصہ بھی ذکر کیا گیا ہے، جو آئندہ باب ماجاء في عبادة رسول الله صلى الله عليه وسلم کی حدیثِ خامس میں نقل کیا جارہا ہے۔

(۲۴۹/۵) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَ كَفَانَا وَ اٰوَانَا فَكَمْ مِمَّنْ لَا كَافِيَ لَهٗ وَلَا مُؤْوِيَ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن منصور نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عفان نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت حماد بن سلمہ نے ثابت کے واسطہ سے بیان کی

اور انہوں نے یہ حدیث صحابی رسول حضرت انس بن مالک ؓ سے سنی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب اپنے بستر پر تشریف لاتے تو یہ دعا پڑھتے : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَ کَفَانَا وَ اٰوَانَا فَکَمْ مِمَّنْ لَا کَافِیَ لَهٗ وَلَا مُؤْوِیَ ، تمام تعریفیں اللہ جل جلالہٗ عم نوالہٗ کے لئے ہیں، جس نے شکم سیر فرمایا اور ہماری مہمات کے لئے خود کفایت فرمائی اور سونے کے لئے ٹھکانا مرحمت فرمایا۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کی نہ کوئی کفایت کرنے والا ہے نہ کوئی ٹھکانا دینے والا ہے۔

سونے کے وقت کی ایک اور دعا :

اس حدیث میں رات کو سوتے وقت کی ایک اور دعا مذکور ہے، جس میں حمد و شکر، اعتراف' امتنان و احسان اور عبدیت و انابت کی تعلیم ہے۔

دُعا کا معنیٰ و تشریح :

الحمد لله الذی ...... یہ دعا کھانے پینے کے بعد بھی ہے اور بستر پر جانے کے وقت بھی' یہاں اندراج سے مقصود سونے کے وقت پڑھنے کی ترغیب ہے کہ آپ ؐ کا یہ معمول مبارک تھا۔ اللہ تعالیٰ صبح و شام کی نعمتوں، کھانے پینے کے وسائل و اسباب رزقِ حلال' صحت و سلامتی' گھر بار اور آرام گاہ و بستر' پھر آرام کرنے کی توفیق' یہ سب خدا تعالیٰ کی نعمتیں ہیں، انہیں یاد کرو اور ان لوگوں پر بھی نظر ڈالو، جو ان سے محروم ہیں۔ کفانا ای کفٰی مهماتنا و دفع عنا اذیّاتنا و آوانا ای ردّنا الی ما وانا و لم یجعلنا من المنتشرین کالبهائم فی صحرانا (جمع ج ۲ ص ۷۷) (یعنی ہماری مہمات کی کفایت فرمائی اور ہماری تکلیفات کو ہم سے دور کیا اور ہمیں اپنے ٹھکانے کی طرف لوٹایا اور ہمیں جانوروں کی طرح جنگلوں میں منتشر نہیں فرمایا)

فکم ممن لا کافی له ولا موؤی ' کتنے ہی ایسے لوگ ہیں، جن کا کوئی کفایت کرنے والا نہیں ہے اور نہ ان کو کوئی ٹھکانا مہیا کرنے والا ہے۔ ای فکم من الخلق انتشر علی الارض لایجد فراشًا الا الارض ولا سقفاً الا السماء والانسان اذا ذکر الاقل منه زاد حمده لربه (اتحافات ص ۳۰۹) (پس بہت سے مخلوق میں ایسے ہیں کہ ان کا زمین کے سوا کوئی بستر وغیرہ نہیں اور کئی لوگوں کی

آسمان کے سوا سر چھپانے کے لئے کوئی چھت وغیرہ نہیں اور جب انسان کی اپنے سے کم ترین اشخاص پر نظر ہوگی اور اس کے سامنے ان کا تذکرہ ہوگا تو وہ اپنے رب کی حمد وشکر زیادہ کرے گا)

شکر وامتنان کی ترغیب وبرکات :

چونکہ عادۃ اللہ یہ ہے کہ جو شخص اللہ جل جلالہ عم نوالہ پر اپنے کاموں کو چھوڑ دیتا ہے۔ حق تعالیٰ جل شانہٗ بھی اس کے کاموں کو غیب سے پورا فرماتے ہیں، ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ جس کا کسی نے ترجمہ کیا ہے ...... ع خدا خود میرِ سامان است اربابِ توکل را

اور حضور اقدس ﷺ میں یہ مضمون علیٰ وجہ الاتم ہونا ہی چاہئے تھا۔ اس لئے وہاں سے کفایت بھی علیٰ وجہ الاتم ہوتی تھی۔ اس کے بعد جو شخص جتنا زیادہ بھروسہ اللہ جل شانہٗ پر کرتا ہے، اتنا ہی حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے اس کی اعانت ہوتی ہے۔ متعدد احادیث میں مختلف عنوانات سے یہ مضمون وارد ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جس شخص کو فاقہ پہنچے اور وہ لوگوں سے اس کے ازالہ کی درخواست کرے تو اس کی حاجت پوری نہیں کی جاتی اور اگر اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں اس کو پیش کرے تو بہت جلد کسی نہ کسی طرح سے اس کی ضرورت پوری کردی جاتی ہے۔ ایک حدیث میں حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے کہ اولادِ آدم! اگر تو میری عبادت کے لئے فارغ ہوجائے تو میں تیری ضرورتوں کو پورا کروں اور تیرے دل کو غناء سے بھر دوں، ورنہ تیرے دل کو تفکرات سے بھر دوں گا اور ضرورتیں پوری نہ ہونے دوں گا۔ جو لوگ دینی کاموں میں مشغول ہونے کے لئے ضروریات سے فراغت کا انتظار دیکھا کرتے ہیں، وہ اس سے سبق حاصل کریں کہ ضروریات سے فراغت کا راستہ ہی اللہ کی طرف متوجہ ہونا اور اس کے کاموں میں مشغول ہونا ہے۔ حدیثِ بالا میں جو دعا نقل کی گئی ہے، اس میں حضور اقدس ﷺ نے شکر کی طرف متوجہ فرمایا ہے کہ ہر شخص کو اپنی حالت میں شکر کرنا ضروری ہے کہ زیادتی شکر انعام کا ذریعہ ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے، لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (ابراہیم:۷) اگر تم شکر کرتے رہو گے تو میں اپنے احسانات میں اضافہ کروں گا۔ اور اس طرف متوجہ فرمایا کہ اپنے سے کم تر کی حالت کی طرف بھی غور کرنا چاہئے تاکہ شکر دل سے نکلے۔ کتنے آدمی دنیا میں ایسے ہیں، جن کو کھانا میسر نہیں، فاقہ کرتے ہیں، کتنے لوگ ایسے ہیں

جن کوٹھکانا نصیب نہیں، بے ٹھکانے گزر کرتے ہیں۔اسی طرح سے کوئی حامی مددگار نہیں ہے، جو مصائب میں کوئی اعانت کر سکے۔اللہ تعالیٰ کے کتنے احسانات ہیں، جس نے یہ سب کچھ عطا فرما رکھا ہے۔

(۲۵۰/۶) حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُرَيْرِيُّ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْمُزَنِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَبَاحٍ عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا عَرَّسَ بِلَيْلٍ اِضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ وَ اِذَا عَرَّسَ قُبَيْلَ الصُّبْحِ نَصَبَ ذِرَاعَهُ وَوَضَعَ رَاْسَهُ عَلٰى كَفِّهِ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں حسین بن محمد الجریری نے یہ حدیث بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے سلیمان بن حرب نے بیان کیا، انہوں نے یہ روایت حمید سے اور انہوں نے بکر بن عبداللہ مزنی سے روایت کی، انہوں نے اسے عبداللہ ابن رباح سے اور انہوں نے یہ حدیث ابوقتادہ سے سنی۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (سفر میں رات کو چلنے کے بعد) اگر اخیر شب میں کچھ سویرے کسی جگہ پڑاؤ ڈالتے تو دائیں کروٹ پر لیٹ کر آرام فرماتے اور اگر صبح کے قریب ٹھیرنا ہوتا تو اپنا دایاں بازو کھڑا کرتے اور ہاتھ پر سر رکھ آرام فرما لیتے۔

راویان حدث (۵۲۱) حسین بن محمد الجریریؒ (۵۲۲) سلیمان بن حربؒ اور (۵۲۳) عبداللہ بن رباحؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

عرس ! تعریس سے ہے رات کے آخری حصے میں مسافر کے نیند واستراحت کے لئے اترنے کو کہتے ہیں، من التعريس و هو نزول المسافر فی آخر الليل للاستراحة و النوم (جمع ج ۲ ص ۸۷) بليل ! ماقبل کیلئے تاکید ہے، یا تجرید ہے، وقد يطلق و يراد به النوم مطلقاً (جمع ج ۲ ص ۸۷) (اور کبھی تعریس کا ذکر ہوتا ہے اور اس سے مطلق نیند مراد ہوتی ہے) على شقه الايمن : شق کا لغوی معنیٰ نصف الشئی اور یہاں شق کا معنیٰ طرف وجانب ہے۔ شق ایمن پر سونا حضور

اقدس ﷺ کا پسندیدہ عمل تھا۔ لأنہ کان یحب التیامن فی أمرہ کلہ (اتحافات ص۳۰۹) (آپ ﷺ تمام امور (حسنہ) میں تیامن (دائیں طرف) کو محبوب اور پسند فرماتے)

صبح سے قبل استراحت کی صورت :

واذا عرس قبیل الصبح ...... آپؐ کا یہ عمل صلوٰۃ الصبح کے لئے بیداری میں سہولت کے لئے تھا اور اس سے تعلیم امت بھی مقصود تھی، انما کان یفعل ذلک حرصاً علی صلوٰۃ الصبح و ھو تعلیم لنا (اتحافات ص۳۰۹)

خلاصۂ حدیث یہ ہے کہ اگر وقت میں وسعت و گنجائش ہوتی تو آرام واستراحت سے دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے اور آرام فرماتے، لیکن اگر وقت قلیل ہوتا تو پھر ہاتھ پر تکیہ لگا کر تھوڑی دیر کے لئے آرام فرما لیتے۔ ایسے وقت میں پوری طرح لیٹ کر آرام فرمانے سے گریز کرتے کہ نیند گہری آجائے تو نماز فوت ہو جانے کا امکان تھا، بلکہ کہنی پر ٹیک لگا کر سر مبارک کو ہاتھوں پر رکھ کر تھوڑا سا آرام کر لیتے تھے۔

اوقاتِ خواب اور اس کی اعتدالیت :

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ اکثر اوقات میں رات کو سویرے سوتے اور آخر رات میں اُٹھ کر عبادت میں مصروف رہتے۔ البتہ مسلمانوں کے بعض مصالح کے پیشِ نظر کبھی کبھار رات کا ابتدائی حصہ بھی بیداری میں گذارتے۔ وکان ینام اول اللیل ویقوم آخرہ و ربما سھر اول اللیل فی مصالح المسلمین . و کان نومہ اعدل النوم وھو انفع مایکون من النوم و الاطباء یقولون ھو ثلث اللیل و النھار ثمان ساعات (زاد المعاد ج۱ ص۵۶) (اور آپؐ کی نیند معتدل ہوتی تھی اور وہ زیادہ نافع ہوا کرتی ہے اور اطباء حضرات کہتے ہیں کہ وہ رات اور دن کی تہائی یعنی آٹھ گھنٹے ہیں)

==================================

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ عِبَادَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے بیان میں

عبادۃ کا معنیٰ وتشریح :

عبادۃ کا لغوی معنیٰ عاجزی' انکساری واماندگی' خدمت' بندگی اور اطاعت ہے۔ خواہ وہ کسی بھی ہیئت پر ہو یا وہ اطاعت بطورِ عادت کے ہو، اصل مقصود عبادت سے امتثالِ امر ہے۔ بارگاہِ قدس میں غایتِ خضوع اور غایت تذلل کے ساتھ جبینِ نیاز جھکانا اور سجدہ کرنا عبادت ہے..... **والعبادة اقصی غاية الخضوع و التذلل** (مواہب ص۱۹۹) پھر عبادت کی مختلف صورتیں ہیں، قولی' فعلی' بدنی' مالی وغیرہ، پھر عبادات میں' فرائض' واجبات' سنن اور نوافل کی تقسیم ہے۔

لفظِ عبادت اپنے معنیٰ کے لحاظ سے جمیع عبادات کو شامل ہے۔ حتیٰ کہ بعض عادات بھی عبادات بن جاتے ہیں۔ بعض اُمور ایسے بھی ہیں کہ جن کی مشروعیت عبادت کے لئے ہوئی ہے، مگر بعض اعمال و افعال ایسے ہیں کہ ان کا جواز انسانی حاجات کی تحصیل و تکمیل کے لئے ہوا ہے۔ تاہم نیت درست ہو تو ایسے اعمال وافعال بھی عبادت بن جاتے ہیں۔ تاہم اس باب میں نقل فرمودہ چوبیس (۲۴) روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں لفظِ عبادت سے مراد عبادات نافلہ ہیں، **والمقصود هنا هو عبادة التطوع' سواء كانت بليل أونهار** (اتحافات ص۳۱۱) (اور یہاں آپ کی نفلی عبادت مقصود ہے چاہے وہ رات کو ہو یا دن کو) جن پر عام لوگ کم واقفیت رکھتے ہیں۔ فرائض تو سب کو معلوم ہوتے ہیں۔

غرضِ انعقادِ باب :

حضور اقدس ﷺ باوجود معصوم ہونے کے نوافل کا کس قدر اہتمام فرماتے تھے۔ یہی اس

باب کی غرض انعقاد ہے، ستعرف فی هذا الباب کیف کانت عبادة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، و کیف داوم علیها حتی ورمت قلماه ۔(اتحافات ص۳۱۱)(چنانچہ عنقریب اسی باب میں تو یہ جان لے گا کہ حضور ﷺ کی عبادت کی کیفیت کیا ہوتی تھی اور آپؐ نے عبادت پر کیسے دوام فرمایا کہ آپؐ کے قدموں میں ورم آجاتا تھا) باب نوم کے بعد لانے کی وجہ ظاہر ہے، وعقب باب النوم بباب العبادة لأن نومه صلی اللّٰه علیه وسلم مِن اجلّ العبادات و أکمل الطاعات ۔(مواہب ص۱۹۹)(اور مصنفؒ نے باب العبادۃ کو باب النوم کے بعد اس لئے ذکر کیا کہ آپؐ کی نیند بھی ایک بڑی عبادت اور کامل طاعات میں سے تھی)او لانه کان یعقب نومه بعبادته ۔(المناوی ج۲ ص۸۰)(یا اس لئے کہ نیند کے بعد آپؐ عبادت فرمایا کرتے)

حضور اقدس ﷺ کا عظمتِ مقام کے باوجود نوافل کا اہتمام :

حضور اکرم ﷺ کی ہر حرکت وسکون عبادت ہے، ہر کلام وخاموشی ذکر وفکر ہے، لیکن مثال کے طور پر شمائل کا جز ہونے کی وجہ سے مصنفؒ نے چند عبادات کا ذکر کیا ہے، جس سے اندازہ ہوجائے کہ نبی کریم ﷺ معصوم ہونے کے باوجود مغفرت اور مراتب عالیہ کے حصول کا پروانہ ملنے کے باوجود اُس مرتبہ پر فائز ہونے کے باوجود جہاں تک نہ کوئی ولی اللہ پہنچ سکتا ہے نہ کوئی نبی پہنچا، کس قدر نفلی عبادات کا اہتمام فرماتے تھے اور ہم لوگ جو امتی کہلاتے ہیں حضور اکرم ﷺ کے اتباع کا دعویٰ کرتے ہیں، کتنا اہتمام کرتے ہیں، حالانکہ ہم گنہ گار ہیں، سیہ کار ہیں، گناہوں کے مقابلے اور تول کے لئے بھی ہم عبادات کے حضور اکرم ﷺ سے زیادہ محتاج ہیں، پھر ہماری عبادتیں بھی ایسی ہیں، جن کا پورا معاوضہ تو درکنار ان کا کوئی بھی معاوضہ مل جائے تو بسا غنیمت ہے۔ اللہ جل شانہٗ کے یہاں ہر عبادت کا وزن اور اس کی قیمت اخلاص پر مبنی ہے، جس درجہ کا اخلاص ہوگا اسی درجہ کا عبادت میں وزن ہوگا۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک آدمی نماز سے فارغ ہوتا ہے اور اس کے لئے نماز کا دسواں حصہ لکھا جاتا ہے، کسی کے لئے نواں اسی طرح آٹھواں ساتواں چھٹا پانچواں چوتھائی تہائی آدھا حصہ لکھا جاتا ہے۔ (ابوداؤد) اور دسواں بھی مثال کے طور پر ارشاد ہے ورنہ اس سے بھی کم ہوتا ہے۔ دوسری حدیث میں

ارشاد ہے کہ قیامت میں سب سے اول نماز کا حساب ہوگا۔ حق تعالیٰ شانہٗ فرشتوں سے ارشاد فرمائے گا کہ میرے بندے کی نماز کو دیکھو پوری ہے یا ناقص ہے، اگر وہ پوری ہوتی ہے تو جائزہ میں پوری لکھ دی جاتی ہے اور اگر ناقص ہوگی تو ارشاد ہوگا کہ دیکھو اس کے لئے کچھ نوافل بھی ہیں یا نہیں، اگر نوافل ہوتے ہیں تو ان سے فرائض کی تکمیل کردی جاتی ہے، اس کے بعد پھر اسی طرح دوسری عبادات زکوٰۃ وغیرہ کا محاسبہ ہوتا ہے۔ (ابوداؤد)

ہم لوگوں کے فرائض جیسے ادا ہوتے ہیں، وہ ہمیں بھی معلوم ہیں، ایسی صورت میں کیا ضروری نہیں کہ نفلی عبادات نماز کے قبیلہ سے ہوں یا صدقات کے یا اور دوسری عبادات کے نہایت کثرت سے و اہتمام اور اخلاص سے کی جائیں۔ عدالت میں پیشی کا وقت نہایت سخت ہے اور ہمارے اعمال کے دو نگراں ہر وقت ہمارے ساتھ ہیں اور اسی پر بس نہیں بلکہ آدمی کے بدن کا ہر جز اُس عملِ نیک یا بد کی گواہی دینے والا ہے، جو اس سے صادر ہوئے ہیں۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ انگلیوں پر کلمہ طیبہ اور تسبیحات کو گنا کرو کہ قیامت کے دن ان انگلیوں سے بھی محاسبہ ہوگا کہ اپنے اپنے اعمال بتائیں اور ان کو گویائی عطا کی جائے گی اور حضور اکرم ﷺ پر میرے ماں باپ قربان کہ آپؐ کا نمونہ ہر چیز میں ہمارے سامنے ہے۔ (خصائل: ۲۱۴ تا ۲۱۵)

باقی رہی یہ بات کہ نبوت سے قبل بھی تو حضو اقدس ﷺ غارِ حرا میں عبادت کا اہتمام فرماتے تھے۔ یہ عبادت کیا تھی اور کس طریقہ پر تھی۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، انه صلى الله عليه وسلم كان متعبدا بالعبادات الباطنية من الاذكار القلبية والافكار فى الصفات الالٰهية والمصنوعات الآفاقية و الانفسية و الاخلاق السنية والشمائل البهية من الترحم على الضعفاء و الشفقة على الفقراء والتحمل من الاعداء والصبر على البلاء والشكر على النعماء والرضاء بالقضاء والتسليم والتفويض والتوكل على ربّ الارض والسماء والتحقق بحال الفناء و مقام البقاء على ما يكون منتهى حال كمل الاولياء والاصفياء۔ (جمع ج ۲ ص ۸۰)

(نبی کریم ﷺ عباداتِ باطنیہ یعنی اذکارِ قلبیہ، صفاتِ الٰہیہ، آفاقی (بیرونی) اور انفسی (اندرونی) مظاہر اور مناظر خداوندی میں تدبر و تفکر نیز بلند اخلاق اور اچھے عادات یعنی ضعیف اور کمزور لوگوں پر

شفقت ورحمت دشمنوں کی تکالیف پر تحمل، مصائب پر صبر اور اللہ کی نعمتوں پر شکر قضاوقدر، تسلیم وتفویض جیسے اوصافِ جمیلہ آسمانِ وزمین کے مالک پر توکل فنا وبقاء کے مقام کا تحقق جو کہ اولیاء کرام اور برگزیدہ شخصیات کا مطمحِ نظر اور منتہی ہوا کرتا ہے پر غور وفکر کرنے میں ہمہ تن منہمک رہا کرتے تھے)

(۱/۲۵۱) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَ بِشْرُ بْنُ مُعَاذٍ قَالَا اَخْبَرَنَا اَبُوْعَوَانَةَ عَنْ زِيَادِ بْنِ عَلَاقَةَ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى انْتَفَخَتْ قَدَمَاهُ فَقِيْلَ لَهُ اَتَتَكَلَّفُ هٰذَا وَ قَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا۔

ترجمہ: ’’امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبۃ بن سعید وبشر بن معاذ نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ابوعوانہ نے زیاد بن علاقہ کے حوالہ سے خبر دی، انہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت کی۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اس قدر لمبی نفلیں پڑھتے تھے کہ آپؐ کے قدم مبارک ورم کر گئے تھے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ اس قدر مشقت برداشت کرتے ہیں، حالانکہ حق تعالیٰ جل شانہٗ نے آپؐ کے اول وآخر سب گناہ بخش دیے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا (کہ جب حق جل شانہٗ نے مجھ پر اتنا بڑا انعام فرمایا ہے) تو کیا میں اس کا شکر ادا نہ کروں۔

راویان حدیث (۵۲۴) بشر بن معاذؒ (۵۲۵) ابوعوانہؒ اور (۵۲۶) زیاد بن علاقہؒ کے حالات ’’تذکرہ راویان شمائل ترمذی‘‘ میں ملاحظہ فرمائیں۔

نوافل کا اہتمام:

انتفخت قدماہ، مسلسل عبادت اور طویل قیام کی وجہ سے آپؐ کے پاؤں پر دباؤ پڑ جاتا تھا اور وہ سوجھ جاتے تھے، ای واستمر علی الاجتهاد فی الصلوٰة حتی تورمت قدماه الشريفتان مِن طول قيامه فيها و اعتماده عليهما۔ (مواہب ص ۲۰۰) چونکہ فرائض میں آپؐ کا تخفیف کا معمول تھا، امت کو بھی اس کی تعلیم فرمائی، اس لئے اس سے مراد نفلی عبادت ہے۔

نبیؐ معصومؐ سے گناہوں کی مغفرت کا معنیٰ :

فقیل له 'حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا، بعض اکابر صحابہؓ نے عرض کیا، وفی روایة انه عمر ۔ (مواہب ص۲۰۰) (اور ایک روایت میں ہے کہ وہ عمرؓ تھے) کہ آپ یہ کلفت ومشقت کیوں برداشت کرتے ہیں، وقد غفر الله لک ...... : بظاہر اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ گناہ تو آپؐ سے صادر ہوئے ، لیکن حق تعالیٰ جل شانہٗ نے معاف فرمادیے حالانکہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں ، ان سے گناہ صادر ہی نہیں ہوتا ۔ اس کے بہت سے جواب علماء نے مرحمت فرمائے ہیں ، جو اپنے موقعوں پر درج ہیں ۔ بالخصوص سورۂ انا فتحنا کی تفسیروں میں مختلف جواب نقل کیے گئے ہیں' بندہ کے نزدیک سہل یہ ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین (نیک لوگوں کی خوبیاں مقربین کے لئے گناہ بن جاتے ہیں) ہر شخص کے گناہ اس کے درجہ کے مناسب ہوتے ہیں ۔ آپؐ کے درجہ اور رتبہ کے مناسب جو کوتاہیاں شمار کی گئیں وہ ایسے اُمور ہیں ، جو ہمارے لئے عین طاعت ہیں ۔ مثال کے طور پر دیکھ لیجئے کہ حضور اقدس ﷺ کافر سرداروں کے اسلام لانے کی توقع اور اُمید میں ان سے گفتگو فرما رہے تھے ، جو عین دین تھا ۔ اس وقت ایک نابینا صحابی حضرت ابن ام مکتومؓ نے آ کر کچھ بات کی ، جس کی بنا پر حضور اکرم ﷺ کو ان لوگوں کی اہمیت کی وجہ سے ان کے درمیان میں دخل دینا گراں ہوا ۔ اس پر سورۂ عبس میں حضور اکرم ﷺ پر تنبیہ ہوئی ، اسی طرح جنگِ بدر کے قیدیوں کے بارے میں حضورِ اقدس ﷺ نے غایتِ شفقت اور رحمت کی وجہ سے اس توقع پر کہ یہ لوگ مسلمان ہو جائیں یا ان کی نسل سے مسلمان پیدا ہوں ، فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا ، تو قرآن پاک میں اس پر تنبیہ ہوئی ۔ اس نوع کے واقعات ہیں جو حضور اکرم ﷺ کی علوِ شان کے لحاظ سے وہ تقصیر شمار کیے گئے (خصائل ص۲۱۶ تا ۲۱۷)

تکلّف بمعنیٰ تحمّل کے ہے :

تکلف کی دو قسمیں ہیں ، ان یفعل الانسان فعلاً بمشقة و هو ممدوح و هو المراد هنا و أن یفعل فعلاً تصنعاً وهو مذموم ۔ (مواہب ص۲۰۰) ((۱) کہ انسان کسی کام کو تکلیف ومشقت برداشت کر کے کرلے اور یہ تو قابل مدح ہے اور یہاں یہی مراد ہے (۲) اور دوسری قسم یہ کہ تصنع اور

بناوٹ کے طور پر کسی کام کو کرنا اور یہ قابل مذمت ہے) یہاں دوسری قسم مرادنہیں، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، انا و امتی برآء من التکلف ۔(جمع ج۲ص۸۰) (میں اور میری امت تکلف اور بناوٹ سے بیزار ہیں) قرآن میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ کہنے کا حکم دیا ہے ، وَ مَا اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ۔ (سورۂ ص:۸۶) (اور نہیں میں تکلف کرنے والوں سے) پہلی قسم سے مراد تکلف بمعنی تحمل و برداشت کے ہے، اور یہاں یہی معنیٰ مراد ہے قال افلا اکون عبدا شکورا 'حرفِ فا میں دواقوال ہیں۔(۱) الفاء للعطف علی مقدر تقدیرہ أأترک الصلوٰۃ اعتمادا علی الغفران فلا اکون عبدا شکورا ۔(فاء برائے عطف مقدر پر ہے۔تقدیرِ عبارت اأترک الخ کہ کیا میں نمازِ نفل (کی کثرت) کو چھوڑ دوں پھر نہ بنوں بندہ شکرگزار) (۲) و قیل للتسبب عن غیر مذکور ای أأترک صلواتی بما غفرلی فلا اکون عبدا شکورا یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری مغفرت کا اعلان وانعام اس بات کا سبب ہے کہ میں اللہ پاک کی نماز پڑھوں اور اس کا شکرادا کروں۔

منشأ سوال :

شاید سائل کی غرض یہ ہو کہ باوجود غفران کے اعلان وانعام کے اپنے آپ کو عبادت کے لئے مشقت میں ڈالنے کی وجہ یا تو گناہوں کا خوف ہوسکتا ہے یا مغفرت کی اُمید" اماخوف الذنب او رجاء المغفرة ۔(جمع ج۲ص۸۰) مگر حضور اقدس ﷺ کے ارشاد نے بات واضح کردی کہ اس قدر کثرت و اہتمامِ عبادت کا سبب کچھ اور ہے، وھو الشکر علی التأھل لھا مع المغفرۃ و اجزال النعمة ۔(جمع ج۲ص۸۰) (اور وہ رحیم کریم ذات کا شکر کرنا کہ اس نے مجھے باوجود مغفرت اور کمال نعمت عطا کرنے کے اپنی عبادت کی اہلیت بھی نصیب فرمائی)

جیسا کہ آپؐ کا یہ بھی ارشاد ہے، ولا یکونن احدکم کالعبد السوء' إن خاف عمل و لا کالأجیر السوء ان لم یعط الأجر لم یعمل ۔(اتحافات ص۳۱۱) (اور تم میں کوئی ہرگز اس برے غلام کی طرح نہ ہو کہ اگر اس کو خوف ہو تو پھر کام کرتا ہے اور نہ اس برے مزدور جیسے کہ اگر اسے اجرت نہ دی جائے تو کام چھوڑ دے)

حضرت علیؓ کا ارشاد مبارک :

علامہ ملا علی قاریؒ نے حضرت علیؓ کا ارشاد نقل فرمایا ہے کہ بے شک جو لوگ جنت کی حرص و لالچ پر عبادت کرتے ہیں یہ عبادت تاجروں کی عبادت ہے اور جو لوگ خوف اور ڈر کی وجہ سے عبادت کرتے ہیں یہ غلاموں کی عبادت ہے اور جو لوگ بلا رغبت وخوف محض نعماءِ الٰہی کے شکریہ میں عبادت کرتے ہیں یہ عبادت احرار کی عبادت ہے، **عن علی کرم اللہ وجھہ ان قوماً عبدوا رغبة فتلک عبادة التجار و ان قوماً عبدوا رھبة فتلک عبادة العبید و ان قوماً عبدوا شکراً فتلک عبادة الاحرار۔** (جمع ج۲ص۸۰)

سیاقِ حدیث کی غرض :

دراصل اس حدیث سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اطاعتِ خداوندی میں ساری کائنات میں سے آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس ایک عظیم شخصیت تھی۔ نیز حدیث سے نفلی عبادات کا اہتمام اور اس کے لئے حتی الوسع مشقت برداشت کرنے کا استحباب بھی معلوم ہوتا ہے۔ علامہ مناویؒ فرماتے ہیں : **والغرض من سیاق ھذا الحدیث بیان انه اعظم الخلق طاعة لربّه و فیه ندب تشمیر ساق الجد فی العبادة و ان ادی لمشقة مالم یفض الی ملال۔** (مناوی ج۲ص۸۰)

(۲/۲۵۲) حَدَّثَنَا اَبُوعَمَّارِ نِ الْحُسَیْنُ بْنُ حُرَیْثٍ اَخْبَرَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوْسٰی عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ حَتّٰی تَرِمَ قَدَمَاهُ قَالَ فَقِیْلَ لَهٗ تَفْعَلُ هٰذَا وَ قَدْ جَآءَکَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَدْ غَفَرَلَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا۔

ترجمہ : ’’ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ابوعمار حسین بن حریث، نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو فضل بن موسیٰ نے محمد بن عمرو کی وساطت سے خبر دی، انہوں نے یہ روایت ابی سلمة سے اور انہوں نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اس درجہ نوافل

پڑھا کرتے تھے کہ پاؤں پر ورم ہو جاتا تھا۔ کسی نے عرض کیا کہ آپ پر اگلے پچھلے سب گناہوں کی معافی کی بشارت نازل ہو چکی ہے، پھر آپ اس درجہ کیوں مشقت برداشت فرماتے ہیں، آپؐ نے فرمایا کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

مضمونِ حدیث تو وہی ہے جو اس سے قبل کی حدیث میں گذر چکا ہے۔ مصنفؒ کی غرض بھی یہی ہے کہ دوسری سند سے بھی سابقہ مضمونِ حدیث کی تائید حاصل ہو جائے۔ ترم قدماہ ایک نسخہ میں تورم نقل ہوا ہے **اتفعل هذا ای الاجتهاد والتكلف فهو علی تقدير همزة الاستفهام** ۔(مواہب ص۲۰۱) (**تفعل هذا** یہاں ہمزہ استفہام مقدر ہے اور معنیٰ یہ ہوگا کیا تو اتنی محنت و مشقت کرتا ہے) حضور اقدس ﷺ بارگاہِ قدس میں تشکر و امتنان اور عبدیت و عبادت کا کس قدر اہتمام فرماتے تھے۔ حضراتِ مفسرین نے سورۃ آل عمران کے آخری رکوع "اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ......" کی تفسیر میں حضرت عائشہؓ سے روایت نقل کی ہے۔

آیت کا شانِ نزول :

اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور محدث ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے کہ عطاء بن ابی رباحؒ حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لے گئے، اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے حالات میں جو سب سے زیادہ عجیب چیز آپ نے دیکھی ہو، وہ مجھے بتلایئے۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا: آپؐ کی کس شان کو پوچھتے ہو؟ اُن کی تو ہر شان عجیب ہی تھی۔ ہاں ایک واقعہ عجیب سناتی ہوں، وہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ ایک رات میرے پاس تشریف لائے اور لحاف میں میرے ساتھ داخل ہو گئے، پھر فرمایا اجازت دو کہ میں اپنے پروردگار کی عبادت کروں، بستر سے اُٹھے، وضو فرمایا، پھر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور قیام میں اس قدر روئے کہ آپؐ کے آنسو سینہ مبارک پر بہہ گئے، پھر رکوع فرمایا اور اس میں بھی روئے، پھر سجدہ کیا اور سجدہ میں بھی اسی قدر روئے، پھر سر اُٹھایا اور مسلسل روتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ حضرت بلالؓ آئے، اور حضور ﷺ کو نماز کی اطلاع دی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ اس قدر کیوں گریہ فرماتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے تو آپؐ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرمادیئے ہیں۔آپؐ نے فرمایا تو کیا میں شکرگزار بندہ نہ بنوں؟ اورشکریہ میں گریۂ وزاری کیوں نہ کروں، جب کہ اللہ تعالیٰ نے آج کی شب مجھ پر آیتِ مبارکہ نازل فرمائی ہے: اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ :لآیۃ۔اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: بڑی تباہی ہے، اس شخص کے لئے جس نے ان آیتوں کو پڑھااوران میں غورنہیں کیا (معارف القرآن ج۲ص۲۶۱،۲۶۲)

الحاصل :

علامہ ملاعلی قاریؒ الحاصل بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں، والحاصل انه لایستغنی احد عن فضله سبحانه و لذا قال صلی اللّٰه علیه وسلم لن ینجو احد منکم بعمله قالوا ولا انت یا رسول اللّٰه قال ولا انا ' الا ان یتغمدنی اللّٰه برحمته و بهذا یتبین ان اللّٰه تعالیٰ لو عمل بالعدل مع الخلق لعذب الاولین و الآخرین و هو غیر ظالم لهم فنسأل اللّٰه فضله و نستعیذ من عدله (جمع ج۲ص۸۱) (خلاصہ یہ کہ دنیا میں کوئی بھی اللہ جل شانہ کے فضل وکرم اورمہربانی سے مستغنی نہیں اس لئے تو آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ ہرگز تم میں سے کوئی آدمی اعمال کی وجہ سے نجات نہیں پاسکتا صحابہؓ نے عرض کیا حضور ﷺ! آپ بھی۔آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اور میں بھی نہیں بچ سکتا الا یہ کہ اللہ اپنے فضل وکرم سے مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لے اس سے بخوبی معلوم ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے عدل وانصاف کا معاملہ فرماویں تو بھی اولین وآخرین کوعذاب دینے میں ظالم نہیں ہوں گے اس لئے ہم تو اس سے اس کے فضل وکرم کا معاملہ چاہتے ہیں اوراس کے صرف عدل سے پناہ مانگتے ہیں)۔

(۳/۲۵۳) حَدَّثَنَا عِیْسَی بْنُ عُثْمَانَ بْنِ عِیْسَی بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الرَّمْلِیُّ حَدَّثَنَا عَمِّیْ یَحْیَی بْنُ عِیْسَی الرَّمْلِیُّ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْمُ یُصَلِّیْ حَتّٰی یَنْتَفِخُ قَدَمَاهُ فَیُقَالُ لَهٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَفْعَلُ هٰذَا وَ قَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَکَ مَا

تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا.

ترجمہ : ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث عیسٰی بن عثمان بن عیسٰی بن عبدالرحمٰن رملی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے سامنے یہ روایت میرے چچا یحیٰی بن عیسٰی رملی نے بیان کی، انہوں نے یہ روایت اعمش سے نقل کی اور انہوں نے اسے ابی صالح سے روایت کیا۔ ابوصالح حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نماز اتنی طویل پڑھتے کہ آپؐ کے قدم مبارک ورم کر آئے۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ آپؐ اتنی طویل نماز پڑھتے ہیں، حالانکہ آپ کے سب گناہ اوّلین و آخرین معاف ہو چکے ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

راوی حدیث (۵۲۷) عیسٰی بن عثمان الرملیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مضمون حدیث وہی ہے جو گذشتہ دو احادیث میں بیان ہو چکا ہے انما ذکر الحدیث بالاسانید الثلاثة للتاکید والتقوية (جمع ج ۲ ص ۸۲) (حدیث کو تین اسناد سے ذکر کرنا تاکید و تقویت کے لئے ہے)

بعض اشکالات کا تفصیلی جواب :

امامِ ترمذیؒ نے اہتمام کی وجہ سے تین طریقوں سے اس مضمون کو ذکر کیا۔ ان روایات پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ سے مختلف طریقوں سے طاقت سے زیادہ مجاہدات اور عبادات کی ممانعت وارد ہوئی ہے، لیکن حق یہ ہے کہ آدمی صرف عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن شریف میں ارشاد فرمادیا کہ میں نے جن وانس کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ جب یہی اصل مقصد پیدائش کا ہے تو اس میں جتنا بھی اضافہ اور اہتمام اور زیادتی ہوگی، وہ ممدوح اور پسندیدہ ہوگی۔ اس کے بعد زیادتی کی ممانعت جہاں جہاں وارد ہوئی ہے۔ وہ عوارض کی وجہ سے ہے، جہاں کوئی عارض اور مانع پیش آجائے گا، وہاں غیر مستحسن ہو جائے گی۔ منجملہ اِن عوارض کے اُکتا جانا اور گھبرا کر بالکل ترک کر دینا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ بھاگ کر چلنا نہ اُکھڑ کر گرنا۔ احادیث میں اس طرف اشارہ ہے، چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اعمال اسی قدر کرو

جتنے کا تحمل ہو سکے۔ اللہ جل شانہ ثواب عطا کرنے سے دریغ نہیں فرماتے، جب تک کہ تم عمل سے اُکتا نہ جاؤ اسی لئے علماء مجاہدات کی زیادتی سے روکتے ہیں کہ مبادا اُکتا کر بالکل ہی ترک ہو جائے۔ جب کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے اور کیوں نہ ہوتی، جب کہ نماز اللہ کے ساتھ راز و نیاز ہے، تو حضور اکرم ﷺ جیسے مخلص بندے کے لئے آقا کے ساتھ سرگوشی میں جتنی بھی لذت ہو قرینِ قیاس ہے۔ اُکتاوے وہ جو اس لذت سے محروم ہو۔ اسی طرح دوسرا مانع جو احادیث میں وارد ہوا ہے، حقوقِ لازمہ کی ادا میں کوتاہی ہے کہ مجاہدات کی کثرت سے ضعف پیدا ہو کر حقوق میں کوتاہی ہوگی۔ حضور اکرم ﷺ کے یہاں یہ سوال بھی پیدا نہیں ہوتا، اس لئے کہ جو قدسی ذات ان مجاہدات اور تقلیلِ طعام وغیرہ پر بھی ایک دفعہ میں نو بیویوں سے صحبت کر سکتا ہو، وہاں ضعف کا کیا سوال۔ اسی طرح دیگر عوارض کا حال ہے جو حضور اکرم ﷺ کے یہاں منتفی تھے۔ اس لئے ان جیسی روایات پر کوئی اشکال نہیں ہے۔ (خصائل)

(۲۵۴/۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ سَأَلْتُ عَآئِشَةَ عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ فَقَالَتْ كَانَ يَنَامُ اَوَّلَ اللَّيْلِ ثُمَّ يَقُوْمُ فَاِذَا كَانَ مِنَ السَّحَرِ اَوْتَرَ ثُمَّ اَتٰى فِرَاشَهٗ فَاِنْ كَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ اَلَمَّ بِاَهْلِهٖ فَاِذَا سَمِعَ الْاَذَانَ وَثَبَ فَاِنْ كَانَ جُنُبًا اَفَاضَ عَلَيْهِ مِنَ الْمَآءِ وَاِلَّا تَوَضَّأَ وَخَرَجَ اِلَى الصَّلٰوةِ.

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی محمد بن جعفر نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت شعبہ نے ابی اسحاق کی وساطت سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت اسود بن یزید سے روایت کی۔ حضرت اسود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور اقدس ﷺ کی رات کی نماز یعنی تہجد اور وتر کے متعلق استفسار کیا کہ حضور اکرم ﷺ کا کیا معمول تھا، انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ (عشاء کی نماز کے بعد) شب کے نصفِ اوّل میں استراحت فرماتے تھے، اس کے بعد تہجد پڑھتے تھے، یہاں تک کہ اخیر شب ہو جاتی، تب وتر پڑھتے،

اس کے بعد اپنے بستر پر تشریف لے آتے، اگر رغبت ہوتی، تو اہل کے پاس تشریف لے جاتے یعنی صحبت کرتے، پھر صبح کی اذان کے ساتھ فوراً اُٹھ کر اگر غسل کی ضرورت ہوتی تو غسل فرماتے ورنہ وضو فرما کر نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔

صلوٰۃ اللیل :

قال سألت عائشة عن صلواة رسول الله صلی الله علیه وسلم ...... 'صلواة اللیل میں اگر چہ عموم ہے، مغرب وعشاء دونوں کو شامل ہے، مگر یہاں مزید تفصیل ہے وہ بمعنیٰ تہجد کے، کان السؤال عن صلاة اللیل یشمل التهجد و الوتر (اتحافات ص۳۱۲)(گویا صلوٰۃ اللیل کا سوال (مغرب وعشاء کے ساتھ) تہجد اور وتر کو بھی شامل ہے) کان ینام اول اللیل۔ حضور اقدس ﷺ کا یہ عام معمول تھا کہ عشاء کی نماز پڑھ کر سو جاتے تھے اور نصف شب تک آرام فرماتے، قبل العشاء سونے کو پسند نہ فرماتے، لانه یکره النوم قبلها (مواہب ص۲۰۲) ثم یقوم، پھر نماز تہجد کے لئے قیام فرماتے، ای یصلی فان قیام اللیل متعارف فی الصلاة فیه یستمر یصلی السدس الرابع و الخامس (مناوی ج۲ ص۸۲) (ثم یقوم کا مطلب یہ کہ پھر نماز تہجد پڑھتے اس لئے کہ قیام لیل تہجد پڑھنے کے لئے متعارف ہے۔ اور آپ ﷺ کی عادتِ مستمرہ چوتھے سدس اور پانچویں سدس میں تہجد پڑھنے کی تھی)

صلواۃِ وتر :

فاذا کان مِن السحر اوتر ۔اسی طرح جب عبادت الٰہی میں رات کا آخری حصہ ہو جاتا، تو وتر ادا فرماتے، السحر کا معنیٰ آخر اللیل ہے۔ (اتحافات ص۳۱۳) اوتر میں وتر کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی گئی۔ شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں، کان ﷺ یوتر بثلاث یقرأ فیهن بتسع سور من المفصل یقرأ فی کل رکعة ثلاث سور آخرهن قل هوا الله احد، وفی روایة کان یقرأ فی الاولیٰ سبح اسم ربک الأعلیٰ، وفی الثانیة قل یاایها الکافرون و فی الثالثة قل هو الله احد، والمعوذتین رواه ابوداؤد والترمذی۔ (مواہب ص۲۰۲) (نبی کریم ﷺ تین رکعت وتر پڑھا کرتے اور مفصل سورتوں میں سے نو سورتیں ان میں پڑھتے تھے ہر رکعت میں تین سورتیں پڑھا کرتے ان میں آخر قل هوا الله احد

ہوتی تھی اور ایک روایت میں ہے کہ وتر کی پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری میں قل یاایھا الکافرون اور تیسری رکعت میں قل ھو اللہ احد اور معوذتین پڑھا کرتے تھے اس کو ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے) ثم اتی فراشہ ، پھر اپنے بستر پر استراحت کے لئے تشریف لے آئے ، لیقوی بھا علی صلاۃ الصبح و مابعدھا من و ظائف الطاعات و لانہ یدفع صفرۃ السھر عن الوجہ (جمع ج ۲ ص ۸۲) (تا کہ صبح کی نماز اور بعد کے نفلی وظائف وغیرہ پر تقویت حاصل کی جائے اور اس لئے بھی کہ بیداری کی وجہ سے چہرہ کی زردی (کمزوری) کو دور کیا جائے)

وظیفۂ زوجیت :

فاذا کان لہ حاجۃ ..... الخ ' مضمونِ حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے ، الم باھلہ ' المام بمعنیٰ نزولِ خفیف کے آتا ہے ، گویا جماع سے کنایہ ہے ، ای قرب من زوجتہ و ھو کنایۃ عن الجماع ۔ (اتحافات ۲۱۳) (یعنی اپنی بیوی کے قریب ہو جاتے اور یہ جماع سے کنایہ ہے)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ وظیفۂ زوجیت کے لئے بعد السحر کے وقت کو ترجیح دیتے تھے ۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ تحریر فرماتے ہیں :

'' اطباء کے نزدیک بھی صحبت کے لئے بہترین وقت اخیر شب ہے کہ وہ اعتدال کا وقت ہے ۔ نیز سو کر اٹھنے کے بعد طرفین کی طبیعت بھی نشاط پر ہوتی ہے ۔ اول شب میں پیٹ بھرا ہوا ہوتا ہے ۔ ایسی حالت میں مضر ہوتی ہے اور بھوک کی حالت میں زیادہ مضر ہے ، اخیر شب کا وقت اس لحاظ سے بھی اعتدال کا ہوتا ہے ، لیکن یہ طبی مصالح ہیں ۔ شرعاً جواز ہر وقت حاصل ہے ۔ نبی کریم ﷺ سے بھی اول شب اور دن کے مختلف اوقات میں صحبت کرنا ثابت ہے ۔ البتہ بعض مشائخ نے لکھا ہے کہ عین نماز کے وقت اگر صحبت کی جائے اور اس سے حمل ٹھہر جائے تو وہ اولاد والدین کی نافرمان ہوتی ہے ۔ (خصائل)

(۲۵۵/۵) حَدَّثَنَا قُتَیْبَۃُ بْنُ سَعِیْدٍ عَنْ مَالِکِ بْنِ اَنَسٍ (ح) وَ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسَی الْاَنْصَارِیُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ عَنْ مَالِکٍ عَنْ مَخْرَمَۃَ بْنِ سُلَیْمٰنَ عَنْ کُرَیْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّہٗ اَخْبَرَہٗ اَنَّہٗ بَاتَ عِنْدَ

مَیْمُوْنَةَ وَهِیَ خَالَتُهٗ قَالَ فَاضْطَجَعْتُ فِیْ عَرْضِ الْوِسَادَةِ وَاضْطَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ طُوْلِهَا فَنَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اِذَا انْتَصَفَ اللَّیْلُ اَوْ قَبْلَهٗ بِقَلِیْلٍ اَوْ بَعْدَهٗ بِقَلِیْلٍ فَاسْتَیْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ یَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهٖ وَ قَرَأَ الْعَشْرَ الْاٰیٰتِ الْخَوَاتِیْمَ مِنْ سُوْرَةِ اٰلِ عِمْرَانَ ثُمَّ قَامَ اِلٰى شَنٍّ مُّعَلَّقٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهُ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ قَامَ یُصَلِّیْ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ فَقُمْتُ اِلٰى جَنْبِهٖ فَوَضَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَدَهُ الْیُمْنٰى عَلٰى رَأْسِیْ ثُمَّ اَخَذَ بِاُذُنِیَ الْیُمْنٰى فَفَتَلَهَا فَصَلّٰى رَكْعَتَیْنِ ثُمَّ رَكْعَتَیْنِ ثُمَّ رَكْعَتَیْنِ ثُمَّ رَكْعَتَیْنِ ثُمَّ رَكْعَتَیْنِ ثُمَّ رَكْعَتَیْنِ قَالَ مَعْنٌ سِتَّ مَرَّاتٍ ثُمَّ اَوْتَرَ ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتّٰى جَآءَ الْمُؤَذِّنُ فَقَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَیْنِ خَفِیْفَتَیْنِ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ۔

ترجمہ: ’’ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید نے مالک بن انس کے واسطہ سے یہ حدیث بیان کی۔ (ح) ہم کو اسحٰق بن موسیٰ انصاری نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے معن نے مالک کے حوالہ سے بیان کیا، انہوں نے اسے مخرمہ بن سلیمان سے نقل کیا۔ انہوں نے یہ روایت کریب سے اورانہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات (لڑکپن میں) اپنی خالہ حضرت میمونہ (ام المؤمنین رضی اللہ عنہا) کے یہاں سویا۔ حضور اقدس ﷺ اوران کی اہلیہ تکیہ کے طولانی حصہ پر سر رکھے ہوئے تھے اور میں تکیہ کی چوڑان پر سر رکھے ہوئے تھا سو گئے اور تقریباً نصف رات ہونے پر اپنے چہرۂ مبارک پر ہاتھ پھیر کر نیند کے آثار کو دور فرمانے لگے، پھر سورۂ آل عمران کے اخیر رکوع ’’اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ‘‘ کو تلاوت فرمایا۔ اس کے بعد مشکیزہ کی طرف جو پانی سے بھرا ہوا لٹک رہا تھا تشریف لے گئے اور اس سے (برتن میں پانی لے کر) وضو کیا اور نماز کی نیت باندھ لی۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں بھی وضو کر کے حضور اکرم ﷺ کی (بائیں جانب) برابر کھڑا ہو گیا۔ حضور اقدس ﷺ نے (اس لئے کہ مقتدی کو دائیں جانب کھڑا ہونا چاہئے) میرے سر پر ہاتھ مبارک رکھ کر میرا کان مروڑا، پھر حضور اقدس ﷺ دو دو رکعت پڑھتے رہے، معن کہتے ہیں کہ چھ (۶) مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے دو دو (۲) رکعت پڑھیں۔ گویا بارہ (۱۲) رکعت ہو گئیں

، پھر وتر پڑھ کر لیٹ گئے۔ صبح نماز کے لئے جب بلالؓ بلانے آئے تو دو (۲) رکعت سنت مختصر قرأت سے پڑھ کر صبح کی نماز کے لئے تشریف لے گئے۔

حضرت ابنِ عباسؓ :

یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے، جو حضور اقدس ﷺ کے چچازاد بھائی تھے اور عمر میں چھوٹے صحابی تھے۔ ام المومنین حضرت میمونہؓ حضرت ابن عباسؓ کی خالہ تھیں۔ **لانها اخت امه لأبيها ' واسم امه لبابة و كنيتها أم الفضل** (اتحافات ص ۳۱۲) (اس لئے کہ حضرت میمونہؓ ابن عباسؓ کی ماں کی علاتی بہن تھیں اور اس کی ماں کا نام لبابہ اور کنیت ام الفضل تھی) ابن عباس کی طرح خالد بن ولیدؓ اور حضرت زید بن اصم بھی ان کے بھانجے تھے۔ حضرت میمونہؓ کون تھیں "**هي التي وهبت نفسها للنبي صلى الله عليه وسلم و تولى ولايتها العباس**"۔ (اتحافات ص ۳۱۲) (یہ وہ عورت تھی جس نے اپنا نفس (جان) حضور ﷺ کو بخش دی تھی اس کا متولی حضرت عباسؓ تھا)

ملا علی قاریؒ مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں **لانها لما جاء تها خطبته و هي على بعير لها قالت هو و ما عليه لله و لرسوله وجعلت امرها للعباس فانكحها النبي صلى الله عليه وسلم و هو محرم فلما رجع بنى بها بسرف ...... و من غريب التاريخ انها ماتت بسرف في المحل الذى تزوجها فيه و صلى عليها ابن عباس و دخل قبرها وهي آخر ازواج النبي صلى الله عليه وسلم** (جمع ج ۲ ص ۸۳) (اس لئے کہ جب اس کے پاس حضور ﷺ کا پیغامِ نکاح پہنچا اور وہ اس وقت اپنے اونٹ پر سوار تھی کہا کہ اونٹ اور جو کچھ اس پر ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہے اور میں نے اپنا متولی حضرت عباسؓ کو بنایا ہے تو حضرت عباسؓ نے حضور ﷺ کے ساتھ اس کا نکاح کروادیا اور آپؐ اس وقت محرم تھے جب آپؐ (مکہ سے واپس) لوٹے تو مقام سرف میں بیوی کے پاس گئے اور تاریخ کے عجائبات میں سے ہے کہ حضرت میمونہؓ نے مقام سرف میں اسی جگہ وفات پائی جہاں آپؐ نے اس سے نکاح فرمایا تھا اور اس پر نمازِ جنازہ حضرت عباسؓ نے پڑھی اور قبر میں اتارا اور یہ نبی کریمؐ کی بیویوں میں آخری بیوی ہے)

یہ وہی ابن عباسؓ ہیں جن کے لئے حضور اقدس ﷺ نے علم وحکمت کی دعا فرمائی تھی۔ اللھم علمه الکتب والحکمة' اللھم فقهه فی الدین '(اے اللہ اس کو کتاب وحکمت (قرآن وحدیث) کا علم اور دین کی سمجھ عطا فرما) اپنے محسن ومربی استاذی واستاذ العلماء امیر المومنین فی الحدیث شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق قدس سرہٗ العزیز کا یہ معمول تھا کہ اپنے تلامذہ وفضلاء کے لئے خصوصیت سے ان الفاظ کے ساتھ دعا فرمایا کرتے تھے۔ اساتذہ ومشائخ کے لئے مسنون یہی ہے کہ وہ اپنے تلامذہ اور شاگردوں کے لئے اِن الفاظ کے ساتھ دعا کیا کریں۔

الوسادة :

فاضطجعت فی عرض الوسادة ...... یعنی حضور اقدس ﷺ تکیہ کے طولانی حصہ پر سر رکھے ہوئے تھے اور میں تکیہ کے چوڑان پر سر رکھے ہوئے تھا۔ اس روایت میں حضرت میمونہؓ کے اضطجاع کا کوئی ذکر نہیں، مگر عادتِ شریفہ یہی ہے کہ زوجین کا اضطجاع ایک ساتھ ہوتا تھا' ووضع رأسه الشریف علی طولها مع اهله میمونة ۔(مواہب ص۲۰۳) (اور حضور ﷺ نے اپنا سر مبارک بمعہ اپنی اہلیہ حضرت میمونہؓ کے تکیہ کے طولانی حصہ پر رکھا)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں :

قاضی عیاضؒ وغیرہ حضرات نے بجائے تکیہ کے بستر ے کا ترجمہ فرمایا تھا، جب کہ لفظِ وسادہ کا اصل ترجمہ تکیہ ہی کا ہے اور تکیہ مراد لینے میں کوئی بُعد بھی نہیں، تو پھر بستر مراد لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ مثلاً تکیہ کی لمبائی پر حضور اقدس ﷺ سر مبارک رکھ کر قبلہ کی طرف منہ کر کے لیٹ گئے اور ابن عباسؓ تکیہ کی چوڑان پر سر رکھ کر یعنی قبلہ کی طرف سر کر کے لیٹ گئے۔ (خصائل)

متنِ حدیث کی تشریح :

حتی اذا انتصف اللیل ...... جب آدھی رات ہوئی، اوقبله ای قبل انتصافه ۔(مناوی ج۲ ص۸۴) نصف رات یا اس سے قدرے قبل یا قدرے بعد میں، حضرت ابن عباسؓ وقت کے تعین میں شک کر رہے ہیں ۔ فجعل یمسح النوم ...... نوم کی مسح عادۃً ممکن نہیں، مراد أثر النوم ہے، لان

النوم لایمسح ۔(مواہب ص۲۰۳)اور وہ سستی، آنکھوں کی بندش اور طبعی فتور ہے۔

سوکر اُٹھتے وقت قرآن پڑھنا سنت ہے :

و قرأ العشر الآیات ...... آپؐ سے قرأتِ قرآن 'بعد النوم' ثابت ہوئی۔ بظاہر اگر چہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے ان آیات کو بغیر وضو کے پڑھا، مگر حقیقت یہ ہے کہ آپؐ کی نوم ناقض وضو نہیں تھی۔ تاہم ظاہری صورت میں اس عمل سے بھی، اور دیگر روایات سے بھی یہ ثابت ہے کہ آپؐ بغیر وضو کے بھی قرآن مجید پڑھ لیا کرتے تھے۔ شیخ ابراہیم الباجوریؒ فرماتے ہیں کہ سوکر اٹھنے کے وقت کچھ نہ کچھ قرآن پڑھ لینا مسنون ہے کہ اس سے کسل زائل ہوتا ہے۔ نشاط اور تازگی حاصل ہوتی ہے۔ عبادت کے لئے فرحت و انبساط کی انگیخت ہوتی ہے، بلکہ سورۃ آلِ عمران کی اِن آخری آیات کی تلاوت مستحب اور آپؐ سے ثابت ہے۔ بل تندب هذه الآیات بخصوصها عقب الانتباه (مواہب ص۲۰۳)(یعنی خواب سے بیداری کے بعد ان آیات کی تلاوت ایک مستحب عمل ہے)

شنّ کا معنی وتشریح :

الی شنّ ...... شنّ پرانی مشک کو کہتے ہیں، وهو قربة الخلق ۔(جمع ج۲ص۸۵) مواہب(۲۰۳)والے نے "قربة بالیة" سے تعبیر کیا ہے، جو کسی موزون جگہ پر معلق تھی، لٹکی ہوئی تھی، لتبرید الماء او لحفظه (جمع ج۲ص۸۵)(پانی کے محفوظ یا ٹھنڈا رکھنے کے لئے)فتوضأ منها میں ضمیر "الشنّ" کو راجع ہے، و تانیثه باعتبار المعنی ۔(جمع ج۲ص۸۵، ایضاً جمع ج۲ص۸۶)(منها کی ضمیر مؤنث لفظ شنّ کو باعتبار معنیٰ کے راجع ہے)اور صحیح نسخے میں "منه"، ضمیر مذکر نقل ہوئی ہے۔ وفی روایة فأطلق شناقها بکسر الشین خیط یشد به فم القربة ثم صب فی الجفنة ثم توضأ منها (مواہب ص۲۰۳)(اور ایک روایت میں ہے کہ اس کا شِناق کھولا(یعنی وہ دھاگہ)جس کے ساتھ مشکیزہ کا منہ بندھا ہوا تھا) پھر ایک بڑے پیالہ میں پانی ڈال کر وضو فرمایا) فأحسن الوضوء ...... الخ، ای اسبغه واکمله بأن أتی بواجباته و مندوباته ۔ (مواہب ص۲۰۳)(یعنی کامل وضو فرمایا یعنی واجبات سنن اور مستحبات سب بجا لائے)۔

حضرت ابن عباسؓ کا حضور اقدس ﷺ کے پہلو میں قیام :

فقمت الی جنبه ...... حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں آپؐ کے پہلو میں کھڑا ہوا اور ایک روایت میں مزید تصریح ہے کہ " **فقمت و توضأت فقمت عن يساره** " (مواہب ص ۲۰۳) (میں اٹھا اور وضو کر کے آپؐ کے بائیں طرف کھڑا ہوا)

فوضع ...... حضور اقدس ﷺ نے اولاً میرے سر پر اپنا مبارک ہاتھ رکھا، **قيل و ضعها عليه اولاً ليتمكن مِن اخذ الاذن او لانها لم تقع الاعليه اولينزل بركتها به ليحفظ جميع افعاله صلى الله عليه وسلم في ذلك المقام وغيره** ۔(جمع ج ۲ ص ۸۶) (بعض حضرات نے کہا کہ آپؐ نے ہاتھ مبارک سر پر پہلے اس لئے رکھا تا کہ کان پکڑنے کی قدرت اور امکان ہو۔ اور یا آپؐ کا ہاتھ پہلے سر ہی پر پڑا اور یا اس لئے کہ ہاتھ مبارک کی برکت سر پر نازل ہوتا کہ اس کی برکت سے آپؐ کے سب افعال اس جگہ کے بھی اور دوسرے مقامات کے بھی یاد ہو جاویں)

ففتلها ...... کان مروڑا ' **وفي رواية الشيخين فاخذ باذني فأدارني عن يمينه قيل و فتلها اما لينبهه على مخالفة السنة او ليزداد تيقظه لحفظ تلك الافعال او ليزيل ما عنده من النعاس** ۔ (جمع ج ۲ ص ۸۶) (بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے میرا کان پکڑ کر مجھے دائیں جانب پھیر دیا۔

بعض حضرات نے کہا کہ حضور ﷺ نے اس کے کان کو یا تو اس لئے مروڑا کہ اس کو سنت (دائین کھڑنا) کی مخالفت پر تنبیہ ہو جائے یا پھر اس لئے کہ اعمال نبوی ﷺ کی محافظت پر بیدار مغزی ہو جائے یا پھر اس لئے کہ اس کی اونگھ وغیرہ کو دور کرنا مقصود تھا) **او استعطافاً للصبي المحتاج الى العطف في مقام العبادة او ازعاجاً و تهييجاً و تحريضاً له على قيام الليل و تعلم الدين** ۔(مناوی ج ۲ ص ۸۶) (اور یا پھر مقام عبادت میں بوجہ کم سنی کے اس کے ساتھ نرمی محبت کا معاملہ کیا گیا یا اس کو دین کے سیکھنے اور تہجد کے اہتمام کرنے پر تحریص اور ابھارنا مقصود تھا) یہ **فتل** کوئی فعل کثیر نہیں ہے، کہ اسے مفسدِ صلوٰۃ قرار دیا جا سکے۔

گوشمالی کا ایک اور واقعہ :

و قد قیل إن المعلم اذا فتل أذن المتعلم کان أذکی لفهمه قال الربیع رکب الشافعی یوماً فلصقت بسرجه فجعل یفتل أذنی فأعظمت ذلک حتی وجدته عن ابن عباس انه صلی اللّٰہ علیه وسلم فعله به فعلمت أن الامام لایفعل شیئا الاعن اصلٍ۔ (مواہب ص۲۰۳ و مناوی ج۲ ص ۸۶) (کہا جاتا ہے کہ جب استاد شاگرد کا کان مروڑتا ہے تو یہ اس کی ذکاوت علمی کا سبب بن جاتا ہے امام ربیعؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن میرے شیخ واستاذ امام شافعیؒ سوار ہوئے تو میں بھی سواری کی زین پر اس کے ساتھ چمٹ پڑا۔ شیخؒ نے میرا کان مروڑنا شروع کیا تو یہ مجھے بڑا بھاری معلوم ہوا تا آنکہ ابن عباسؓ کی روایت سے پتہ چلا کہ آپ ﷺ نے بھی ان کے ساتھ یہی معاملہ فرمایا تھا تب معلوم ہوا کہ حضرت شیخؒ اور استاد کوئی بات بھی بغیر اس کی اصل اور بنیاد کے نہیں کیا کرتے)

اخذِ مسائل :

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تسویۃ الصفوف امام کی ذمہ داری ہے۔ شارحینِ حدیث اور فقہاء اس سے یہ بھی اخذ کرتے ہیں کہ اگر نماز میں کسی فعلِ تحریمی کا ازالہ کر دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ مثلاً اگر کسی شخص سے نماز میں ٹوپی گر جاتی ہے تو وہ اسے سر پر رکھ سکتا ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ امرِ معروف بفعل قلیل نماز میں جائز ہے۔ رات کو نماز کے بعد وتر پڑھنا افضل ہے۔ یہ کہ مؤذن کو مستحب ہے کہ اگر امام گھر میں ہو اور نماز تیار ہو تو اسے اعلام کرے۔ صبح کی سنتیں ہلکی پھلکی پڑھنا مسنون ہیں۔ صبح کی سنتیں گھر میں ادا کرنا بہتر ہیں۔ (مناوی ج۲ ص۸۶) **وفیه انه یسن للمقتدی الفذّ الوقوف عن یمین الامام فان وقف عن یساره حوله ندبا و ان الفعل القلیل لا یضر بل قد یسن اذا کان لمصلحة و ان الامر بالمعروف مشروع حتی فی الصلواة، وجواز صلٰوة الفرض بوضوء النفل و انّ الممیز کالبالغ جماعة و موقفا و انَ النفل یفعل جماعة.** (مناوی ج۲ ص۸۶)
(حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تنہا ایک مقتدی کو امام کے دائیں کھڑا ہونا مسنون ہے اگر وہ بائیں کھڑا ہوا تو اس کو استحباباً امام دائیں جانب پھیر سکتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عمل قلیل نماز کے لئے مضر نہیں

بلکہ کبھی مصلحت کی بناء پر مسنون بھی ہے اور یہ کہ امر بالمعروف ایک حکم شرعی ہے چاہے نماز میں بھی ہو نفل نماز کے لئے کیے ہوئے وضو سے فرض نماز پڑھنا بھی جائز ہے اور سمجھ دار لڑکے کا حکم جماعت کرنے کی صورت میں بالغ مرد جیسا ہے اور یہ کہ نفل بھی (بغیر تداعی) کے جماعت کے ساتھ پڑھے جاسکتے ہیں) یؤخذ منہ حذق ابن عباس مذ کان طفلاً و مراقبتہ احوال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی العبادات والعادات (مواہب ص ۲۰۴) (حدیث پاک سے حضرت ابن عباسؓ کی لڑکپن ہی سے عقلمندی، دانائی اور نبی کریم ﷺ کے عبادات اور خصائل کی کھوج وکرید کرنا معلوم ہو رہا ہے) جب مقتدی ایک ہو تو مسنون ہے کہ وہ امام کے دائیں جانب رہے۔ السنۃ من وقوف الماموم الواحد عن یمین الامام۔ (مواہب ص ۲۰۳)

فصلّی رکعتن ...... اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دو دو رکعت پر سلام سنت ہے اگرچہ آپؐ سے چار رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھنا بھی ثابت ہے، والاول اصح واشھر۔ (مواہب ص ۲۰۴) (اور پہلا عمل (دو دو رکعت والا) زیادہ صحیح اور مشہور ہے)

نوافل بالجماعۃ کا حکم :

ملا علی قاریؒ حضرت ابن عباسؓ کے حضورؐ کے پیچھے نوافل پڑھنے کے واقعہ کے ضمن میں لکھتے ہیں' وان الجماعۃ فی غیر المکتوبات جائزۃ ...... اقول و قد صرح فی الفروع اتفاق الفقھاء بکراھیۃ الجماعۃ فی النوافل اذا کان سوی الامام اربعۃ قال فی الکافی ان التطوع بالجماعۃ انما یکرہ اذا کان علی سبیل التداعی و امالو اقتدی واحد بواحد او اثنان بواحد لایکرہ و ان اقتدی ثلاثۃ بواحد اختلف فیہ و ان اقتدی اربعۃ بواحد کرہ اتفاقا و اما ماذکرہ فی شرح النقایۃ من جواز الجماعۃ فی النوافل مطلقا نقلاً عن المحیط و کذا ما ذکر فی الفتاویٰ الصوفیۃ و نحوھما فمحمول علی ان المراد بالجواز الصحۃ وھی لاتنافی الکراھۃ واللہ اعلم۔ (جمع ج ۲ ص ۸۶) (بے شک جماعت کرنا غیر فرائض میں بھی جائز ہے۔ میں کہتا ہوں کہ فقہاء نے نوافل میں جماعت جبکہ امام کے علاوہ چار آدمی ہوں مکروہ ہونے کی تصریح کی ہے۔ الکافی میں ہے کہ نوافل کی جماعت اس

وقت مکروہ ہے جب کہ علی سبیل التداعی کے ہو۔لیکن اگر ایک یا دو اشخاص کسی ایک امام کے پیچھے اقتداء کرلیں تو پھر مکروہ نہیں اور اگر تین آدمیوں نے اقتداء کرلی تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے البتہ اگر چار آدمیوں نے ایک امام کے پیچھے اقتداء کی تو بالاتفاق مکروہ ہے۔ اور وہ جو شرح نقایہ میں محیط سے نقل کر کے یہ مذکور ہے کہ نوافل میں مطلقاً جماعت جائز ہے اور اسی طرح فتاویٰ صوفیہ وغیرہ میں بھی اس کا جواز منقول ہے تو فقہاء کرام اس کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہاں جواز سے مراد نوافل کی جماعت کا محض صحیح ہونا ہے اور یہ کراہت کے منافی نہیں)

تعدادِ وتر :

ثـم اوتـر ' پھر آپ ﷺ نے وتر پڑھے۔اس روایت میں تیرہ (۱۳) رکعت کا ذکر کیا گیا ہے۔یعنی اولاً دو رکعت تحیۃ الوضوء' آٹھ رکعت تہجد' پھر تین وتر ادا فرمائے۔آپ ؐ سے مختلف روایات میں وتروں کی ادائیگی کے مختلف طریقے منقول ہیں۔بخاری میں اوتـر بثـلاث 'اوتـر بـخـمـس ' اوتر بـاحـدیٰ عشـر ' اوتر بثلث عشر (کہ تین وتر ادا کیے پانچ وتر پڑھے گیارہ وتر ادا کیے تیرہ وتر پڑھے) کے الفاظ بھی نقل ہوئے ہیں۔مسلم ج ا ص ۲۵۶' نسائی ج ا ص ۲۴۸ مسند اسحاق ج ۳ ص ۷۰۶ کی روایات کے مطابق احناف کا مسلک یہ ہے کہ وتروں کی تین رکعت ایک سلام کے ساتھ ادا کی جائیں اور یہی آپ ؐ کا طریقہ تھا۔امام شافعیؒ کا مسلک دو سلاموں کے ساتھ تین رکعت' امام مالکؒ کے نزدیک ایک سلام کے ساتھ تین رکعت اور دو سلام کے ساتھ تین رکعت پڑھنا بھی درست ہے، مگر اولیٰ و راجح احناف کا مسلک ہے کہ دو' دو رکعت تہجد پڑھنا معمول بنالیا جائے، جب صبح کے ظہور کا اندیشہ ہو تو ایک رکعت بڑھا کر وتر بنالو۔ **ثـم اعـلـم ان اباحنیفة قال یتعین الوتر ثلاثا موصولة محتجا بان الصحابة اجـمـعـوا عـلـی ان هـذا حسن جائز واختلفوا فیما زاد او نقص فاخذ بالمجمع علیه و ترک المختلف فیه** (جمع ج ۲ ص ۹۰) (معلوم ہونا چاہئے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وتر تین رکعت یکجا متعین ہیں وہ دلیل میں فرماتے ہیں کہ صحابہؓ نے ان تین پر اجماع کیا ہے اور کہا کہ یہ جائز اور حسن ہے اور تین سے زائد اور کم میں صحابہؓ کا اختلاف ہے تو امام اعظم ابوحنیفہؒ نے متفق علیہ کو لیا اور مختلف فیہ کو چھوڑ دیا)

اوقاتِ وتر :

حضور ﷺ اکثر اوقات وتر آخری شب میں پڑھتے تھے۔ البتہ حسبِ ضرورت اوّل شب یعنی بعد العشاء اور کبھی وسط شب میں بھی پڑھے ہیں۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں' و وتره صلی اللّٰہ علیه وسلم آخر اللیل هو الاغلب بناء علی انه الافضل والاکمل و الّا ففی الصحیحین و غیرهما عن عائشةؓ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم اوتر من کل اللیل من اوّله و اوسطه و آخره والمراد باوّله بعد صلاة العشاء و لعل اختلاف هذه الاوقات علی ما وردت به الروایات لاختلاف الاحوال و الاعذار فایتاره اوله لعله کان لمرض و اوسطه لعله کان لسفر۔ (جمع ج ۲ ص ۸۷) (حضور ﷺ کا اکثر معمول وتر کو رات کے آخری حصہ میں پڑھنے کا تھا کیونکہ یہی وقت حضورؐ کے نزدیک پڑھنے کے لئے افضل واکمل تھا۔ ورنہ دوسرے اوقات میں بھی پڑھے ہیں بخاری ومسلم وغیرھما میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے رات کے سب حصوں (یعنی شروع رات درمیان اور آخری حصہ میں) میں وتر پڑھے ہیں اور اول شب سے مراد عشاء کی نماز کے بعد پڑھنا ہے۔ اور حضور ﷺ کا مختلف اوقات میں وتر پڑھنا اعذار اور احوال کے اِختلاف کی وجہ سے تھا جیسے کہ روایات اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں تو شروع رات میں پڑھنا شاید بیماری کے سبب اور درمیانی رات میں پڑھنا شاید سفر وغیرہ کی وجہ سے ہوتا ہوگا)

ثم اضطجع ...... '**اضطجع** سے مراد لیٹنا اور قدرے استراحت ہے تاکہ قیام لیل کا تعب' تھکاوٹ کا ازالہ ہو اور صبح کی نماز میں خوب نشاط حاصل ہو۔ کسی رنجیدگی یا بے چینی کی وجہ سے ایسا نہیں ہوتا تھا امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ صبح کی دوسنتوں کے بعد لیٹنا بھی اسی طرح مستحب ہے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ قال میرک المراد بالاضطجاع منه صلی اللّٰہ علیه وسلم بعد التهجد للاستراحة لیزول عنه تعب قیام اللیل فیصلی فریضة الصبح بنشاط ولم یکن به ملالة قال النووی و یستحب الاضطجاع بعد رکعتی الفجر ایضاً (جمع ج ۲ ص ۸۶)

(۶/۲۵۶) حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ اَبِیْ جَمْرَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّیْ مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشَرَ رَكْعَةً .

ترجمہ : '' امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو کریب محمد بن علاء نے یہ حدیث بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت وکیع سے سُنی۔ انہوں نے شعبہ سے اور انہوں نے ابی جمرہ سے روایت کی۔ اُنہوں نے یہ حدیث عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ تہجد (مع وتر کبھی) تیرہ رکعت پڑھا کرتے تھے۔

راوی حدیث (۵۲۸) ابو جمرۃ ؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

تفصیل وتشریح اس سے قبل روایت میں عرض کردی گئی ہے۔ یصلی من اللیل' میں کلمہ مِن ابتدائیہ ہے۔ من قبیل اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم وصمت من یوم الجمعة ۔ (مناوی ج۲ص ۸۷) جیسے کہ ان دو مثالوں میں کلمہ من ابتدائیہ ہے) صاحبِ قاموس کہتے ہیں کہ مِن بمعنی فی کے ہے اور مثال دیتے ہیں، اذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة ۔ (جیسے کہ اس آیت میں بھی من بمعنیٰ فی کے ہے) ثلاث عشر رکعة یعنی دس رکعت تہجد اور تین رکعت وتر، بعض علماء نے ان میں صبح کی دو سنتیں شمار کی ہیں۔ اس صورت میں آٹھ رکعتیں تہجد کی ہوئیں۔ (خصائل)

(۷/۲۵۷) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ زُرَارَةَ اَبِیْ اَوْفٰی عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا لَمْ يُصَلِّ بِاللَّيْلِ مَنَعَهُ مِنْ ذٰلِكَ النَّوْمُ اَوْ غَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ صَلّٰى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَیْ عَشْرَةَ رَكْعَةً .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابو عوانہ نے بیان کیا۔ اُن کو یہ روایت قتادة نے زرارة ابی اوفیٰ سے سُن کر بیان کی انہوں نے یہ روایت سعد بن ہشام سے اور انہوں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب کبھی کسی عارض کی وجہ سے رات کو تہجد نہیں پڑھ

سکتے تھے، تو دن میں (چاشت کے وقت) بارہ (۱۲) رکعتیں پڑھ لیا کرتے تھے۔

راویان حدیث (۵۲۹) زرارہ ابی اوفیؒ اور (۵۳۰) سعد بن ہشامؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظِ اَو تقسیم کے لئے ہے یا تردید کے لئے :

کان اذا لم یصل باللیل' (آپؐ جب رات کو نماز نہ پڑھ لیتے) مراد تہجد اور وتر ہے 'صلی من النھار' (تو دن کو پڑھ لیا کرتے) اذا کا جواب ہے اور منعه من ذلک النوم أو غلبته عيناه (کہ آپؐ کو اس سے یا تو نیند روک دیتی تھی یا آنکھیں غالب ہو جاتی تھیں) سے مراد کیا ہے؟ علامہ شیخ ابراہیم الیجوریؒ فرماتے ہیں' فالمقصود به بيان سبب علم صلاته في الليل و أوللشک من الراوی أو للتقسيم والفرق بينهما ان الأول محمول على ما إذا أراد النوم مع امكانِ تركه اختيارا والثانی محمول على ما اذا غلبه النوم بحيث لايستطيع دفعه ۔(مواہب ص۲۰۴) (دراصل اس سے مقصود آپؐ کا رات کو نمازِ تہجد نہ پڑھنے کے سبب کا بیان ہے اور اس میں لفظ او شک راوی کے لئے ہے یا تقسیم کے لئے اور ان دونوں میں فرق یہ ہوگا کہ پہلی صورت کا محمل یہ ہو کہ آپؐ نیند کا ارادہ تو قصداً کرلیں اور اس کے ترک کا صرف امکان ہو اور دوسری صورت کا محمل یہ ہو کہ آپؐ پر نیند کا قدرتی طور پر ایسا غلبہ ہو کہ اس کے دفع اور روکنے کی استطاعت نہ ہو)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں...... اگر حضور اکرم ﷺ پر تہجد فرض تھا تو قضا ظاہر ہے اور اگر فرض نہیں تھا' تب بیانِ افضلیت کے لئے قضا فرماتے تھے۔ مسلم شریف میں حضرت عمرؓ کی روایت سے حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد بھی وارد ہے کہ جو شخص اپنا ورد اور معمول رات کو پورا نہ کر سکے، اس کو چاہئیے کہ صبح کے بعد سے دو پہر تک کسی وقت پورا کرلے۔ یہ ایسا ہی ہے گویا رات ہی کو پورا کرلیا۔ جیسے علامہ بیجوریؒ نے مواہب میں اسی طرح نقل فرمایا ہے عن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من نامه عن حزبه من الليل أو عن شئى منه فقرأه مابين صلاة الفجر وصلاة الظهر كان كمن قرأه من الليل ۔(مواہب ص۲۰۵) اسی سے مشائخِ سلوک کا یہ معمول ماخوذ ہے کہ ذکر وغیرہ

اگر رات کو پورا نہ کر سکے تو صبح کے وقت اس کو پورا کر لے۔ وقت گزر جانے کی وجہ سے بالکل ترک نہ کر دے کہ پھر نفس اس کا عادی ہو جاتا ہے۔

استنباطِ مسائل :

وفیہ دلیل علی جواز قضاء النافلة بل علی استحبابه لئلا تعتاد النفس بالترک و علی ان صلواة اللیل ثنتا عشرة رکعة کما ھو المختار عندابی حنیفة ۔(جمع ج۲ص۸۸)(اور اس میں نوافل کی قضاء کا جواز بلکہ مستحب ہونے کی دلیل ہے تا کہ نفس ان کے ترک کا عادی نہ بن جائے اور حدیث تہجد کا بارہ رکعت ہونا بھی معلوم ہو رہا ہے جیسے کہ امام ابوحنیفہؒ کا قول مختار یہی ہے)

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ حضور ﷺ جب یہ صلوٰۃ اللیل دن کو پڑھتے تھے تو وتر اول اللیل بعد العشاء پڑھے ہوتے تھے۔ جیسے کہ مسلم کی روایت میں ہے' کان صلی اللہ علیه وسلم اذا نام من اللیل من وجع اوغیرہ فلم یقم من اللیل صلی ثنتی عشرة ...... و ھذا فیه تنبیه علی انه کان یقدم وترہ فی اول اللیل ۔(جمع ج۲ص۸۸) کہ جب کبھی نبی کریم ﷺ رات کو درد وغیرہ کی وجہ سے سو جاتے اور پھر تہجد کے لئے نہ اٹھتے تو پھر دن کو بارہ رکعت پڑھ لیا کرتے اس میں تنبیہ ہے کہ اس رات آپؐ وتر شروع رات میں بعد العشاء تہجد سے پہلے پڑھ لیا کرتے) علامہ ابن قیمؒ نے یہ لکھا ہے کہ چونکہ حضور ﷺ حضر اور سفر میں ہمیشہ تہجد پڑھتے تھے، اس لئے دن کو بارہ رکعت اس وقت پڑھتے تھے، جب کوئی عارضہ پیش ہو جاتا تھا، فرماتے ہیں، ولم یکن صلی اللہ علیه وسلم یدع قیام اللیل حضرا ولاسفرا وکان اذا غلبه النوم او وجع صلی من النھار ثنتی عشرة رکعة ۔(زادالمعادج۱ص۱۰۸) (اور آپؐ سفر اور حضر میں تہجد نہیں چھوڑا کرتے اور جب کبھی آپؐ پر نیند کا غلبہ یا کوئی درد وغیرہ ہوتا (اور رات کو تہجد نہ پڑھ لیتے) تو پھر دن کو بارہ رکعت پڑھ لیتے تھے)

(۲۵۸/۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ اَخْبَرَنَا اَبُوْاُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ یَعْنِیْ ابْنَ حَسَّانٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِیْرِیْنَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَامَ اَحَدُکُمْ مِنَ اللَّیْلِ فَلْیَفْتَحْ صَلَا

تَهُ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن علاء نے یہ روایت بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی ابواُسامہ نے ہشام یعنی ابن حسان کے واسطہ سے، اُنہوں نے یہ روایت محمد بن سیرین سے روایت کی اورانہوں نے ابو ہریرۃؓ سے نقل کیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جب رات کو تہجد کے لئے اُٹھو تو شروع میں اول دو مختصر رکعتین پڑھ لو۔

آغاز میں رکعتین میں تخفیف کی حکمت :

قال اذا قام ...... شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں ، افتتاح صلاة الليل بركعتين خفيفتين ' للتنشيط والدخول في الصلاة بعد ذلك بيقظة تامة (اتحافات ص ۳۱۵) (تہجد کو دو مختصر اور ہلکی رکعتوں سے شروع میں طبیعت کو چست اور ہشاش بشاش بنانا مقصود تھا تا کہ اس کے بعد کی نماز میں پوری بیداری اور چستی سے لگا رہے)

ریحانۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں : تا کہ شروع ہی سے طویل رکعتیں شروع کرنے سے تکان نہ ہو جائے ۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ دو رکعتیں تحیۃ الوضوء ہوتی تھیں اور تحیۃ الوضو کا مختصر پڑھنا اولیٰ ہے ۔ اس لئے ان کو مختصر پڑھنے کا ارشاد ہے اور حضور اکرم ﷺ بھی مختصر پڑھتے تھے ۔ حافظ ابن حجرؒ نے شرح بخاری میں ایک لطیف بات لکھی ہے، وہ کہتے ہیں کہ حدیث میں آتا ہے کہ جب آدمی سوتا ہے تو شیطان اس کے بالوں میں تین گرہیں جادوگر کی طرح لگاتا ہے، جن میں یہ افسوں ہوتا ہے کہ ابھی تو رات بہت ہے اور سوتا رہوں، جب آدمی اُٹھ کر اللہ پاک کا نام لیتا ہے یعنی کوئی دعا وغیرہ پڑھتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے اور جب وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھلتی ہے اور جب نماز پڑھتا ہے تو تیسری کھلتی ہے ۔ چونکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری گرہ نماز پڑھنے پر کھلتی ہے اس لئے دو رکعت مختصر طور پر پڑھنے کا حکم ہے، تا کہ وہ تیسری گرہ بھی کھل جائے اور پھر ساری نماز شیطان کے اثر سے محفوظ ہونے کے بعد پڑھی جائے ۔ نبی کریم ﷺ شیطان کے تسلّط سے گو محفوظ تھے، مگر حضور اکرم ﷺ کا معمول امت کی تعلیم کے لحاظ سے ایسے امور کی رعایت فرمانے کا تھا، جن کی

اُمت کو احتیاج ہو، اس لئے نبی کریم ﷺ بھی بسا اوقات ان مختصر رکعتوں کو پڑھتے تھے، جیسا کہ بعض روایات میں وارد ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، والحکمة فيه تهوين الامر على النفس ابتداء لحصول النشاط والارشاد الى ان من شرع فی شئی فليکن قليلا قليلاً حتى يتعود نفسه بالعمل على التدريج فيكون الشروع فی بقية عمله بالنشاط و اتمامه على الوجه الاكمل ثم فی الحديث اشعار بانه لاينبغی ان يقتصر فی صلاة الليل على ركعتين الا عند الضرورة ۔(جمع ج ۲ ص ۸۸)(اوران (دو مختصر رکعتوں کے پڑھنے میں) حکمت یہ ہے کہ نفس میں چستی پیدا کرنے کے لئے ابتداء میں کچھ نرمی اور آسانی کی جائے اور اس میں امت کے لئے ہدایت اور رہنمائی ہے کہ جب تم میں سے کوئی کسی کام کو شروع کرنا چاہے تو ابتداء میں تھوڑا تھوڑا کرے تا کہ نفس کو تدریجاً اس عمل کا عادی بنا کر بقیہ اعمال کو چستی اور کامل طریقہ پر پورا کرنے کے لئے امادہ کیا جا سکے پھر اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ انسان کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ تہجد بلا ضرورت اور عذر کے صرف دو رکعتیں ہی پڑھے)

(۲۵۹/۹) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ (ح) وَ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسٰى حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِىْ بَكْرٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ قَيْسِ بْنَ مَخْرَمَةَ اَخْبَرَهٗ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِنِ الْجُهَنِّىِ اَنَّهٗ قَالَ لَاَرْمُقَنَّ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَوَسَّدْتُ عَتَبَتَهٗ اَوْفُسْطَاطَهٗ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَ هُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَ هُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ اَوْتَرَ فَذٰلِكَ ثَلٰثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید نے مالک بن انس کے واسطہ سے یہ حدیث بیان کی (ح) ہمارے پاس اسے اسحٰق بن موسیٰ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ روایت معن نے بیان کی۔

اُن کو یہ روایت مالک نے عبداللہ بن ابی بکر کے واسطہ سے بیان کی اور انہوں نے اپنے باپ سے نقل کی کہ عبداللہ بن قیس بن مخرمہ نے اُن کو زید بن خالد جہنی کے حوالہ سے خبر دی۔ حضرت زید بن خالد ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن یہ ارادہ کیا کہ حضور اقدس ﷺ کی نماز کو آج غور سے دیکھوں گا۔ میں آپؐ کے مکان یا خیمہ کی چوکھٹ پر سر رکھ کر لیٹ گیا (تا کہ غور سے دیکھتا رہوں) حضور اقدس ﷺ نے اول دو مختصر رکعتیں پڑھیں، اس کے بعد طویل طویل طویل رکعتیں پڑھیں (تین دفعہ طویل کا لفظ اس کے زیادتی طول بیان کرنے کے لئے فرمایا) پھر ان سے مختصر دو رکعتیں دو رکعتیں، پھر وتر پڑھے، یہ سب تیرہ رکعتیں ہوئیں۔

راویان حدیث (۵۳۱) عبداللہ بن ابی بکرؒ (۵۳۲) ابیہؒ (۵۳۳) عبداللہ بن قیس بن مخرمہؒ اور (۵۳۴) زید بن الخالد الجہنیؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت خالدؓ کا تجسس واشتیاق :

أنه قال لارمقنّ صلاة رسول الله ﷺ ہ رمق یرمق رمقاً باب نصر سے ہے۔ الرمق هو النظر الى الشئى على وجه المراقبة والمحافظة ۔(مواہب ص ۲۰۵) (اس کا معنیٰ کسی چیز کو پورے تأمل اور گہری نظر سے محافظت کے لئے دیکھنا) و مزيد التأمل (اتحافات ص ۳۱۶) پھر اسے لام تاکید اور نونِ تاکید ثقیلہ سے موکد کر دیا گیا ہے...... مبالغة فى طلب تحصيل معرفة ذلک و ضبطه۔ (مواہب ص ۲۰۵) ((حضورؐ کی رات کی نماز کو) معلوم اور ضبط کرنے کی طلب اور تحقیق میں مبالغہ کرنا مقصود ہے) یہاں بجائے ماضی کے ''لا رمقن'' مضارع کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ یہ ماضی سے عدول مضارع کی طرف بوجہ اس حالت کے استحضار کے ہے یا مقصد یہ ہے کہ میں اب گویا آپؐ کو دیکھ رہا ہوں۔ یہ واقعہ آج کی طرح مجھے یاد ہے۔ گویا تیقظ میں مبالغہ ہوا۔

عتبة اور فسطاط کا معنیٰ :

فتوسدت عتبته أو فسطاطه! دروازے کے اوپر نیچے والی لکڑیوں کو عتبہ کہتے ہیں۔ دروازے کی چوبوں کو لزاز کہتے ہیں۔ اس کی جمع لُزّة آتی ہے۔ اى جعلت العتبة العالية وسادة لى۔

(اتحافات ص۳۱۶)''فسطاط'' خیمے ڈیرے اور شہر کو کہتے ہیں۔لفظِ أو شک کے لئے ہے اور فسطاط سے قبل مضاف محذوف ہے۔ای عتبة فسطاطه۔(مواہب ص۲۰۵) یہ راوی کوشک ہے کہ استاذ نے عتبة کہا تھا یا فسطاط یعنی مکان کی چوکھٹ یا خیمہ کی چوکھٹ۔یہ حضراتِ محدثین کا کمالِ احتیاط ہوتا ہے کہ جس لفظ میں انہیں ذرا بھی تردد ہوا کرتا ہے، اس کو ظاہر کر دیتے ہیں، مگر یہاں متبادر یہی ہے کہ ''عتبة فسطاط'' یعنی خیمہ کی چوکھٹ مراد ہے۔یہ قصہ بھی کسی سفر کا ہے کہ حضر یعنی مدینہ منورہ میں آپ ؐ کا قیام زنانہ مکان میں ہوا کرتا تھا۔وہاں ازواجِ طاہرات ہوا کرتی تھیں۔ظاہر ہے کہ حضرت خالدؓ کو وہاں دیکھنے کا موقع نہیں مل سکتا تھا اور سفر میں جب آپ کے ساتھ ازواجِ طاہرات نہیں ہوتی تھیں، تو حضرت خالدؓ کے لئے اس تجسس واشتیاق کی تکمیل آسان تھی۔

فانه (السفر) خال عن الازواج الطاهرات فيمكنه ان يتوسد عتبة فسطاطه و المراد بعتبة الفسطاط بابه اى محل دخوله والفسطاط بيت من شعر و قيل خيمة عظيمة و يطلق على مصر العتيقة و كل مدينة جامعة والمرادهنا الاوّل ، وفيه عشر لغات فسطاط (بطائين) مع سكون السين أو تشديدها و فستات (بتائين) مع سكون السين و فستاط (بتاء ثم طاء) و فسّاط (بسين مشدّدة ثم طاء) فهذه خمسة كل بضم الاول و كسره فتلك عشرة كاملة۔

(مواہب ص۲۰۵)(چونکہ حضور ﷺ کے ساتھ اس سفر میں ازواج مطہرات نہیں تھیں تو حضرت خالدؓ کے لئے یہ ممکن ہوا کہ (آپ ؐ کے حالات معلوم کرنے کے لئے) خیمہ کے چوکھٹ پر تکیہ لگائے عتبة الفسطاط سے مراد خیمہ میں داخل ہونے کی جگہ اور محل مراد ہے فسطاط کا معنیٰ بالوں سے بنا ہوا خیمہ اور بعض کہتے ہیں کہ بڑا خیمہ اسی طرح اس کا اطلاق پرانے شہر یا ہر بڑے شہر پر بھی ہوتا ہے اور یہاں مراد پہلا معنیٰ ہے لفظ فسطاط کے تلفظ میں دس لغات ہیں (۱) فسطاط دو طاء اور سین کے سکون کے ساتھ (۲) فَسّطاط دو طاء اور سین مشدد کے ساتھ (۳) فُستات دو تاء سین ساکن کے ساتھ (۴) فستاط پہلے ایک تاء اور پھر طاء کے ساتھ (۵) فُسّاط پہلے سین مشددہ پھر طاء کے ساتھ۔یہ تو پانچ صورتیں ہوئیں ان میں سے ہر ایک کو ضم اول (فا) کے ساتھ یا کسرہ اول (فا) کے ساتھ)

تعدادِ رکعات وتوجیہات :

جولوگ وتر کی ایک رکعت ہونے کے قائل ہیں، ان کے نزدیک چھے مرتبہ دو دو رکعتیں نوافل اور ایک رکعت وتر کل تیرہ ہوئیں، اور جن کے نزدیک وتر تین رکعت ہیں، ان کے نزدیک کل پندرہ (۱۵) رکعتیں ہوئیں۔ تیرہ رکعتیں فرمانا اس بناء پر ہے کہ تحیۃ الوضوء شروع کی، دو رکعت اس میں شمار نہیں کی گئیں۔ بعض روایتوں میں، پھر ان سے مختصر دو رکعت پڑھیں، یہ لفظ بجائے چار مرتبہ ان کے تین مرتبہ ہے۔ اس صورت میں تحیۃ الوضوء کی دو خفیف رکعتیں جو شروع میں وارد ہوئی ہیں، ان کے باوجود دس رکعت نوافل ہوتی ہیں۔ ایسی حالت میں لامحالہ وتر کو تین ہی رکعت ماننا پڑے گا۔ ایک رکعت ماننے کی صورت میں تیرہ رکعت کا عدد پورا نہ ہوگا۔ (خصائل)

(۲۶۰/۱۰) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسٰی حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِکٌ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ اَبِیْ سَعِیْدِ الْمَقْبُرِیِّ عَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّہٗ اَخْبَرَہٗ اَنَّہٗ سَاَلَ عَائِشَۃَ کَیْفَ کَانَ صَلٰوۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِیَزِیْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَلَا فِیْ غَیْرِہٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشْرَۃَ رَکْعَۃً یُصَلِّیْ اَرْبَعًا لَاتَسْأَلْ عَنْ حُسْنِہِنَّ وَ طُوْلِہِنَّ ثُمَّ یُصَلِّیْ اَرْبَعًا لَاتَسْئَلْ عَنْ حُسْنِہِنَّ وَطُوْلِہِنَّ ثُمَّ یُصَلِّیْ ثَلَاثًا قَالَتْ عَائِشَۃُ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَتَنَامُ قَبْلَ اَنْ تُوْتِرَ قَالَ یَا عَائِشَۃُ اِنَّ عَیْنَیَّ تَنَامَانِ وَ لَایَنَامُ قَلْبِیْ ۔

ترجمہ : امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن موسیٰ نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے معن نے بیان کیا۔ ان کو مالک نے یہ حدیث بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت سعید بن ابی سعید مقبری سے نقل کی، جنہوں نے اسے ابی سلمۃ بن عبد الرحمٰن سے روایت کیا۔ ابوسلمہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں تہجد کی کتنی رکعتیں پڑھتے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضورِ اکرم ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے (گویا آٹھ رکعت تہجد اور تین رکعت وتر' چنانچہ خود اس کی تفصیل فرماتی

ہیں) کہ اول چار رکعت پڑھتے تھے۔ نہ یہ پوچھ کہ وہ کتنی طویل ہوتی تھیں اور کس عمدگی کے ساتھ بہترین حالت یعنی خشوع وخضوع سے پڑھی جاتی تھیں، پھر اسی طرح پھر چار رکعت اور پڑھتے تھے، ان کی لمبائی اور عمدگی کا حال کچھ نہ پوچھو' پھر تین رکعت پڑھتے تھے یعنی وتر' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ آپ وتر سے پہلے سو جاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں، لیکن دل جاگتا رہتا ہے۔

تہجد میں تعدادِ رکعات :

اس حدیث میں چند ضروری مباحث ہیں، جن میں سے دو ذکر کیے جاتے ہیں۔ اول تو یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حدیث میں رمضان اور غیر رمضان میں تہجد کی گیارہ رکعت سے زیادہ کی نفی فرماتے ہیں، حالانکہ حضرت ابن عباسؓ زید بن خالدؓ وغیرہ وغیرہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات سے تیرہ ثابت ہیں بلکہ بعض روایات میں تیرہ سے زیادہ بھی وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ ابوداؤد میں خود حضرت عائشہؓ نے عبداللہ بن ابی قیس کے سوال پر حضور اکرم ﷺ کی شب کی نماز کی رکعات یہ گنوائی ہیں کہ چار اور تین اور چھے اور تین آٹھ اور تین دس اور تین جو تیرہ ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ سے بھی تیرہ رکعتیں نقل کی گئی ہیں۔ چنانچہ ابوداؤد کی ایک روایت میں حضرت عائشہؓ سے نقل کیا گیا کہ حضور اکرم ﷺ سات رکعت سے کم اور تیرہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے اور مؤطا امام مالکؒ کی روایت ہے۔ **عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي بالليل ثلث عشرة ركعة ثم يصلي اذا سمع النداء للصبح بركعتين خفيفتين** یعنی حضور اکرم ﷺ رات کو تیرہ رکعت پڑھتے تھے۔ اس کے بعد صبح کی اذان پر دو رکعت صبح کی سنتیں پڑھتے تھے۔ بعض علماء نے تو اس اختلاف کو دیکھ کر یہ کہدیا کہ حضرت عائشہؓ کی روایتیں تہجد کی رکعات کے بارے میں مضطرب ہیں۔ یعنی ضعیف ہیں، لیکن مضطرب کہنے کی ضرورت نہیں ہے، اس میں کیا اشکال ہے کہ گیارہ رکعات اکثر اوقات اور عام معمول کے اعتبار سے ہوں اور کبھی کبھی ان سے کم وبیش بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہوں، جیسا کہ دوسری روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ **وقد حاول القاضي عياض ان**

یجمع بین احادیث روایتها فقال و یجمع بین احادیثها بأنها تکون قد اخبرت باحدی عشر عن غالب امره ' و بباقی الروایات عما یقع فی حاله صلی اللّٰہ علیه وسلم نادرا بضیق الوقت و اتساعه ' او تطویل القراء ۃ و قصرها و ماشا به ذلک۔(اتحافات ص ۳۱۷)

(چنانچہ صاحبِ اتحافات لکھتے ہیں کہ قاضی عیاضؒ نے تہجد کے بارے میں حضرت عائشہؓ کی مختلف روایات کی تطبیق وتوجیہ یہ فرمائی کہ گیارہ رکعات کی روایات کوتو حضورﷺ کے عام اور اکثر معمول پر حمل کیا جائے اور باقی روایات جو گیارہ سے کم وبیش کی ہیں ان کو حضورﷺ کے مختلف احوال واوقات پر محمول کیا جائے یعنی تنگی اور وسعتِ وقت کے لحاظ سے یا پھر طولِ قراءت اور مختصر قراءت کی بنا پر یا اسی قسم کے دوسرے ان کے مشابہ حالات کی وجہ سے)

علامہ ملا قاریؒ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں،والصواب ان ما ذکرته من ذلک محمول علی اوقات متعددۃ و احوال مختلفة بحسب النشاط وبیان الجواز وسیعلم مما سیاتی انه کان تارۃ یصلی قائما و هو الاغلب و تارۃ جالسا ثم قبل الرکوع یقوم (جمع ج۲ص۹۰)

(اور صحیح بات یہ ہے کہ جو حضرت عائشہؓ نے مختلف روایات ذکر کی ہیں دراصل وہ مختلف اوقات وحالات کی بناء پر محمول ہیں مثلاً طبیعت میں نشاط ہونا یا پھر بیانِ جواز کے لئے یا دوسرے وجوہ کی وجہ سے اور عنقریب یہ معلوم ہو جائے گا کہ آپؐ کبھی کھڑے ہوکر نمازِ تہجد پڑھتے اور یہی اکثر اور غالب معمول ہوتا تھا اور کبھی بیٹھ کر لیکن پھر رکوع کرنے سے پہلے کھڑے ہو جاتے تھے) اس سلسلہ میں علامہ ابن قیمؒ سے یہ منقول ہے کہ وصلوته باللیل ثلاثة انواع احدها و هو اکثرها صلاته قائماً الثانی انه کان یصلی قاعدا ویرکع قاعداً الثالث انه کان یقرأ قاعداً فاذا بقی یسیر من قراء ته قام فرکع قائما والانواع الثلاثة صحت عنه ۔(زادالمعادج اص۱۱۰)(کہ آپؐ کی تہجد کی نماز کی تین صورتیں تھیں (۱) کھڑے ہوکر نماز پڑھتے اور یہی اکثر اوقات میں ہوا کرتی۔(۲) کہ نماز بھی بیٹھ کر اور اس کے رکوع بھی بیٹھ کر کیا کرتے (۳) کہ نماز کی قراءت تو بیٹھ کر فرماتے لیکن جب تھوڑی قراءت رہ جاتی تو پھر کھڑے ہو جاتے اور کھڑے سے رکوع میں چلے جاتے اور تینوں صورتیں آپؐ سے منقول

ہیں)۔

آٹھ رکعت تراویح کا استدلال صحیح نہیں :

دوسری بحث یہ ہے کہ بعض لوگ اس حدیث سے یہ بھی مسئلہ نکالتے ہیں کہ تراویح بھی آٹھ رکعت ہے، حالانکہ اس روایت سے تہجد کا صرف آٹھ رکعت ہونا بھی معلوم نہیں ہوتا، چہ جائیکہ تراویح۔ اس حدیث کو تراویح سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ صلوٰۃ اللیل کے لفظی معنی رات کی نماز کے ہیں، لیکن اس سے مراد اور قرینہ تہجد کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ اس سے اگر رات کی ہر نماز مراد لی جائے تو تراویح کے ساتھ مغرب اور عشاء کے فرض اور ان کی سنتیں سب ہی خارج ہو جائیں گے، جن کو کوئی بھی نہیں نکال سکتا۔

حدیث میں صرف تہجد کا ذکر ہے :

غرض اس حدیث میں صرف تہجد کا ذکر ہے، وہی پوچھنے کی یہ ضرورت پیش آئی تھی کہ حضور اکرم ﷺ کی عادت شریفہ رمضان المبارک میں زیادتی عبادت کی تھی، جیسا کہ متعدد روایات میں آیا ہے۔ اس لئے ابوسلمہ کو خیال آیا کہ شاید تہجد کے عددِ رکعت میں بھی کچھ اضافہ فرماتے ہوں۔ اس لئے پوچھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی نفی فرمادی، کبھی نہیں ہوتی تھیں، اس لئے کہ تیرہ رکعات تک خود حضرت عائشہؓ سے ثابت ہو چکا ہے۔ تراویح کے بارے میں حضرت اقدس فخر المحدثین مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کا ایک مفصل رسالہ الرای النجیح اردو میں شائع شدہ ہے، جس کا دل چاہے اسے دیکھ لے۔ مختصر امر یہ ہے کہ احادیث میں تہجد کو صلوٰۃ اللیل (رات کی نماز) سے تعبیر کیا جاتا ہے اور تراویح کو قیامِ رمضان (رمضان کی نماز) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں نمازیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔

قیامِ رمضان سے مراد تراویح ہیں :

متعدد علماء نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ قیامِ رمضان سے تراویح مراد ہے۔ نبی کریم ﷺ کو قیامِ رمضان کا بہت اہتمام تھا۔ متعدد احادیث میں قولاً اور فعلاً اس کی اہمیت وارد ہے۔ حضور اکرم

ﷺ کا ارشاد ہے کہ جوشخص ایمان اور ثواب کی اُمید کے ساتھ قیام رمضان کرے، اس نے جتنے بھی گناہ کیے ہیں، تمام معاف ہو جاتے ہیں (علماء کے نزدیک صغائر مراد ہیں) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ قیامِ رمضان کا ایجابی حکم تو نہ فرماتے تھے، البتہ ترغیب دیا کرتے تھے۔ خود نبی اکرم ﷺ کبھی کبھی بڑی لمبی جماعت کے ساتھ اس نماز کو پڑھتے تھے اور ہمیشہ نہ پڑھنے کا یہ عذر فرماتے تھے کہ مجھے اس کے فرض ہو جانے کا اندیشہ ہے اور حضور ﷺ کی ہمیشہ پڑھنے سے فرض ہو جانا کئی وجوہ سے محتمل تھا۔ البتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین متفرق طور پر کچھ تنہا اور کچھ جماعت میں پڑھتے تھے، جو تقریباً نصف رات تک پڑھتے تھے اور کبھی اس سے بھی زیادہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ان متفرق جماعتوں اور علیحدہ پڑھنے والوں کو ایک امام کے پیچھے پڑھنے کا حکم فرما دیا کہ انتشار نہ ہو۔ سائب کہتے ہیں کہ امام عموماً ہر رکعت میں سو سو آیتوں والی سورتیں پڑھتے تھے، ہم لوگ کھڑے کھڑے تکان کی وجہ سے کسی چیز پر سہارا لگاتے تھے اور سحر کے قریب فارغ ہوتے تھے۔

تعدادِ رکعاتِ تراویح:

بہت سے علماء نے لکھا ہے کہ تراویح کے مسنون ہونے پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے اور اہل قبلہ میں سے روافض کے سوا کوئی فرقہ بھی اس کا انکار نہیں کرتا۔ ائمہ اربعہ یعنی امام اعظمؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ سب حضرات کی فقہ کی کتابوں میں اس کی تصریح ہے کہ تراویح کی بیس رکعات سنتِ مؤکدہ ہیں۔ البتہ امام مالکؒ کے نزدیک مشہور قول کے موافق چھتیس (۳۶) رکعتیں ہیں۔ فقہ حنبلی کی مشہور کتاب ''مغنی'' میں لکھا ہے کہ امام احمدؒ کے نزدیک راجح قول بیس رکعت کا ہے اور یہی مذہب ہے۔ سفیان ثوریؒ اور امام ابوحنیفہؒ، امامِ شافعی کا۔ البتہ امام مالکؒ کے نزدیک چھتیس رکعات ہیں۔ امام مالکؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ میرے پاس بادشاہ کا قاصد آیا کہ تراویح کی رکعات میں تخفیف کی اجازت دے دی جائے، میں نے انکار کر دیا۔ امام مالکؒ کے شاگرد کہتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں انتالیس (۳۹) رکعات پڑھی جاتی تھیں یعنی چھتیس تراویح اور تین وتر۔ اوجز میں یہ بحث مفصل ہے۔

میرے اساتذہ کا ارشاد ہے کہ مدینہ میں چھتیس رکعات جو پڑھی جاتی تھیں، ان میں بیس تراویح

ہوتی تھیں، لیکن ہر ترویحہ میں اتنی دیر ٹھہرنا مستحب ہے، جتنی دیر میں چار رکعت پڑھے۔ اس لئے وہ حضرات ہر ترویحہ میں چار رکعت نفل پڑھ لیتے تھے۔ اس لئے یہ سولہ رکعات چار درمیانی ترویحوں کی بڑھ گئیں۔ بہرحال یہ مالکیہ کا مذہب ہے، بقیہ تینوں اماموں کے نزدیک راجح قول بیس رکعات ہی کا ہے۔

حسنِ صلوٰۃ کے بیان سے واماندگی :

لاتسئل عن حسنھن ! سوال سے ممانعت نہیں بلکہ اس جانب اشارہ ہے کہ اس نماز کی شان بہت بڑی ہے یعنی نہایت ہی اطمینان، وقار، عظمت، فروتنی، عاجزی اور تعدیل ارکان کے ساتھ انتہائی عمدگی اور خوبصورتی سے ادا فرماتے اور ان میں قرأت بھی لمبی اور مناسب پڑھتے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد کس قدر پیارا ہے کہ میں آپ ﷺ کی نماز کی ادائیگی کے حسن و جمال اور خوبصورتی کو بیان ہی نہیں کر سکتی۔ فالمنع من السوال کنایۃ عن العجز عن الجواب۔

(مواہب ص ۲۰۶)

(پس منع کرنا اس کے سوال سے یہ کنایہ ہے، جواب سے عاجز ہونے پر (یعنی وہ لاجواب ہے)

(۲۶۱/۱۱) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسٰی حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ اِبْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُوْتِرُ مِنْهَا بِوَاحِدَةٍ فَاِذَا فَرَغَ مِنْهَا اضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ.

حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ عُمَرَ اَخْبَرَنَا مَعْنٌ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ نَحْوَهٗ (ح) وَ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ نَحْوَهٗ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن موسیٰ نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے معن نے بیان کیا، انہوں نے یہ حدیث مالک سے ابن شہاب کے واسطہ سے روایت کی۔ اُنہوں نے اسے عروہ سے نقل کیا اور عروہ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے۔ جس میں

ایک رکعت وتر ہوتی تھی، جب آپؑ اس سے فارغ ہوتے تو اپنی دائیں کروٹ پر آرام فرماتے۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں یہ روایت ہمارے پاس ابن ابی عمر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں ہمیں خبر دی معن نے مالک کے حوالے سے، انہوں نے یہ روایت انہی معانی میں ابن شہاب سے روایت کی (ح) ہمارے پاس یہ حدیث انہی معانی میں قتیبۃ نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت مالک سے اور انہوں نے ابن شہاب سے نقل کی۔

اختلافِ روایات' اختلافِ اوقات پر محمول ہے :

کان یصلی من اللیل ...... یہ روایت بھی حضرت عائشہؓ سے منقول ہے، جو اس پہلی روایت کے خلاف ہے، جس میں آٹھ رکعت کا بیان تھا۔ اسی وجہ سے بعض محدثین نے حضرتِ عائشہؓ کی روایات میں کلام کیا ہے۔ تاہم توجیہ بمنزلہ توجیہ کے درجہ میں اسی اختلاف کو اختلافِ اوقات پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں : **والحاصل ان فی روایة ثلاث عشرة و فی روایة احدیٰ عشرة و فی روایة تسعاً و فی روایة سبعاً و لعل اختلاف الروایات بحسب اختلاف الأوقات، و الحالات من صحة و مرض و قوة وضعف ولذالک قال الشیخ ابن حجر و الصواب حمله علی اوقات متعددة واحوال مختلفة فکان تارة یصلی کذا و تارة یصلی کذالک او للتنبیه علی سعة الامر فی ذلک** (مواہب ص ۲۰۷) (حاصل یہ ہوا کہ ایک روایت میں (صلوٰۃ اللیل) تیرہ رکعت اور ایک روایت میں گیارہ اور ایک روایت میں نو اور ایک روایت میں سات کا ذکر ہے شاید کہ اختلافِ روایات مختلف اوقات اور حالات کی بناء پر ہو یعنی صحت، مرض، قوت، ضعف، وغیرہ اس لئے تو شیخ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ دراصل صحیح بات یہ ہے کہ اس اختلافِ روایات کو آپؐ کے مختلف حالات اور متعدد اوقات پر حمل کیا جائے تو کبھی کتنی رکعات اور کبھی کتنی رکعات انہی وجوہ کی وجہ سے پڑھا کرتے تھے اور یا آپؐ کا مقصد امت کے لئے اس میں وسعت اور آسانی پیدا کرنے پر تنبیہ ہے)۔

وتر کا حکم :

یوتر بواحدة...... جس میں ایک رکعت وتر کی نماز ہوا کرتی تھی، مسئلہ وتر کی ایک رکعت کا

ہے، وتر کے بارے میں ائمہ کے چند اختلافات ہیں، سب سے اول اس کے حکم میں اختلاف ہے۔ حنفیہ کرامؒ کے نزدیک وہ واجب ہیں۔ بعض دیگر ائمہ کے نزدیک مستحب ہیں، چونکہ حدیث اس سے ساکت ہے، اس لئے یہاں اس بحث کو ترک کیا جارہا ہے۔

مسلک احناف کے دلائل :

ایک اختلاف ائمہ کا وتر کی رکعات میں ہے۔ حنفیہ کے نزدیک تین رکعتیں حتمی ایک سلام کے ساتھ ہیں، دیگر بعض ائمہ کے نزدیک وتر ایک رکعت ہے، شوافع کا یہی مسلک ہے، پھر ان ائمہ میں بھی اختلاف ہے، بعض صرف ایک رکعت فرماتے ہیں اور بعض ائمہ ایک رکعت کے ساتھ اس سے پہلے دو رکعت علیحدہ سلام کے ساتھ واجب بتاتے ہیں۔ احادیث میں مختلف روایات اس بارے میں وارد ہوئی ہیں، جن کی ترجیح میں ائمہ میں اختلاف ہوا۔ اسی وجہ سے اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہوا۔ حنفیہ حدیث باب سے جواب میں کہتے ہیں، وقیل کون الوتر واحدة منسوخ للنهی عن البتیرا۔ (جمع ج۲ ص۹۲) (وتر کا ایک رکعت ہونا منسوخ ہے بوجہ منع کرنے آپؐ کے بتیراء سے (یعنی ناتمام اور ناقص عمل سے)

احناف حضرات اپنے مسلک میں چند احادیث سے استدلال کرتے ہیں :

عبداللہ بن ابی قیس کی وہ روایت جو ابوداؤد نے ذکر کی ہے' گزشتہ حدیث کی بحث اول میں گزرچکی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضورِ اکرم ﷺ کی شب کی نماز چار اور تین' چھے اور تین' آٹھ اور تین' دس اور تین رکعتیں ذکر فرمائی۔ اس تکلیف کے ساتھ ذکر کرنا اور تین رکعت کو ہر جگہ بلا کم و زیادہ علیحدہ ذکر کرنا اس پر صاف دلیل ہے کہ یہ کوئی ایسی نماز ہے، جس میں کمی زیادتی نہیں ہوتی تھی، یہ تین ہی رکعتیں رہتی تھی، ورنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سات، نو، گیارہ فرماتیں۔ چار اور تین' چھے اور تین وغیرہ کیوں فرماتیں۔

(۲) ملاعلی قاریؒ نے حنفیہ کی دلیل یہ لکھی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہے کہ تین رکعات وتر جائز و مستحسن ہیں اور اس سے کم میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ایک رکعت بھی جائز ہے اور بعض کے نزدیک جائز ہی نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا مجمع علیہ قول اَولیٰ ہے مختلف

فیہ سے، حسن بصریؒ جو مشہور محدثین اور اکابر صوفیہ میں سے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ وتر تین رکعات پڑھی جائیں۔ حضرت حسنؓ سے کسی نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمر وتر کی تین رکعات میں دو سلام پھیرتے ہیں اور تیسری رکعت علیحدہ پڑھتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ ان کے باپ حضرت عمرؓ تینوں رکعات ایک ہی سلام سے پڑھتے تھے اور وہ ابن عمر سے زیادہ عالم تھے۔

(۳) احادیث میں ایک رکعت پڑھنے کی ممانعت آئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کسی نے کہا کہ حضرت سعد وتر کی ایک رکعت پڑھتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ ایک رکعت نماز ہی نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ اور بہت سے طریقوں سے حنفیہ استدلال فرماتے ہیں۔ علماء نے اس بارے میں مستقل رسائل تحریر فرمائے ہیں۔ (خصائل)

حضرت عائشہؓ سے مزید تفصیل :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کی اور تفصیل بھی منقول ہے کہ آپؐ ان تین رکعات میں سے پہلی رکعت کے اندر **سبح اسم ربک الاعلیٰ** دوسری میں **قل یاایھا الکفرون** اور تیسری میں **قل ھو اللہ احد** اور معوذتین پڑھتے تھے اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپؐ وتر کی تین رکعات پڑھتے تھے اور ہر ہر رکعت میں تین تین سورتیں پڑھا کرتے تھے اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی مثل روایتِ حضرت عائشہؓ کے منقول ہے۔ فرق اتنا ہے کہ آخری رکعت میں صرف **قل ھو اللہ احد** کہا معوذتین کا ذکر نہیں ہے۔

صحابۂ کرامؓ کا عملی اجماع :

اور صحابۂ کرام کا عملی اجماع وتر کی تین رکعات پر حسن بصریؒ نے نقل کیا ہے۔ وہ بھی ایک سلام سے۔ اس عمل کا خلاف کسی صحابی سے منقول نہیں ہے، اگرچہ حافظ ابن حجرؒ نے کوشش کر کے اتنا ثابت کر دیا کہ سلیمان بن یسار نے تین رکعات کو مکروہ کہا ہے۔ مگر تلاش کرنے پر صرف ایک شخص مخالف نکلا، وہ بھی صحابی نہیں ہے، بلکہ تابعی ہے۔

نیز! ان تین رکعات کو نفل تو کہہ نہیں سکتے، اس لئے کہ **نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ**

وسلم عن صلوٰۃ البتیرأ (کہ نبی کریم ﷺ نے بتیراء (نفل میں طاق رکعتوں) سے منع فرمایا ہے) موجود ہے، تو احناف کا مسلک مسئلہ وتر میں احوط اور اقرب الی الصواب ہے۔

(۲۶۲/۱۲) حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا اَبُوْالْاَحْوَصِ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ تِسْعَ رَكْعَاتٍ۔

حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اٰدَمَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنِ الْاَعْمَشِ نَحْوَهٗ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ھناد نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابوالاحوص نے اعمش کے حوالہ سے بیان کیا، اور انہوں نے ابراہیم سے اور وہ اسود سے بیان کرتے ہیں اسود کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت ہے فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ رات کو نو رکعات پڑھتے تھے۔

امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے یحییٰ بن آدم نے بیان کیا، ان کے پاس یہ روایت سفیان ثوری نے اعمش کے حوالہ سے بیان کی، جس کا مضمون پہلی روایت کے موافق ہے۔

نو رکعات کی تفصیل :

مضمونِ حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔ حنفیہؒ کے نزدیک چھ رکعت تہجد اور تین رکعت وتر کے تھے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن قیس کی روایت میں خود عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی منقول ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے چھ اور تین فرمایا۔

(۲۶۳/۱۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ اَبِيْ حَمْزَةَ رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ بَنِيْ عَبْسٍ عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ اَنَّهٗ صَلّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ فَلَمَّا دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ قَالَ اللّٰهُ اَكْبَرُ ذُو الْمَلَكُوْتِ

وَالْجَبَرُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظْمَةِ قَالَ ثُمَّ قَرَأَ الْبَقَرَةَ ثُمَّ رَكَعَ فَكَانَ رُكُوْعُهُ نَحْوًا مِّنْ قِيَامِهِ وَكَانَ يَقُوْلُ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَكَانَ قِيَامُهُ نَحْوًا مِّنْ رُكُوْعِهِ وَكَانَ يَقُوْلُ لِرَبِّيَ الْحَمْدُ لِرَبِّيَ الْحَمْدُ ثُمَّ سَجَدَ فَكَانَ سُجُوْدُهُ نَحْوًا مِّنْ قِيَامِهِ وَكَانَ يَقُوْلُ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَكَانَ مَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ نَحْوًا مِّنَ السُّجُوْدِ وَكَانَ يَقُوْلُ رَبِّ اغْفِرْلِيْ رَبِّ اغْفِرْلِيْ حَتّٰى قَرَأَ الْبَقَرَةَ وَاٰلَ عِمْرَانَ وَالنِّسَآءَ وَالْمَآئِدَةَ اَوِالْاَنْعَامَ شُعْبَةُ الَّذِيْ شَكَّ فِي الْمَآئِدَةِ وَالْاَنْعَامِ. قَالَ اَبُوْعِيْسٰى وَاَبُوْحَمْزَةَ اِسْمُهُ طَلْحَةُ بْنُ زَيْدٍ وَاَبُوْجَمْرَةَ الضُّبَعِيُّ اِسْمُهُ نَصْرُ بْنُ عِمْرَانَ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن مثنیٰ نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی شعبہ نے عمرو بن مرۃ کے حوالے سے انہوں نے اسے بنی عبس کے ایک شخص سے نقل کیا۔ انہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت حذیفہ بن یمانؓ سے روایت کیا۔ حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں ایک رات حضور اقدس ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ حضور اکرم ﷺ نے نماز شروع فرما کر یہ دعا پڑھی اللّٰہ اکبر ذوالملکوت والجبروت والکبریاء والعظمۃ (اللہ جل جلالہٗ عم نوالہٗ کی ذات والاصفات سب سے برتر ہے وہ ایسی ذات ہے جو بڑی بادشاہت والی ہے، بڑے غلبہ والی ہے، بڑائی اور بزرگی وعظمت والی ذات ہے) پھر حضور اکرم ﷺ نے (سورۂ فاتحہ پڑھ کر) سورۂ بقرہ تلاوت فرمائی، پھر رکوع کیا، یہ رکوع قیام ہی جیسا تھا۔ حضور اکرم ﷺ اپنے اس رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ (پاکی بیان کرتا ہوں میں اپنے پروردگار بزرگ کی) فرماتے رہے، پھر رکوع سے سر مبارک اٹھا کر کھڑے ہوئے اور یہ کھڑا ہونا بھی رکوع ہی جیسا تھا، اس وقت لِرَبِّيَ الْحَمْدُ لِرَبِّيَ الْحَمْدُ (میرے رب ہی کے لئے ہے ساری تعریفیں) فرماتے رہے، پھر سجدہ ادا کیا اور وہ سجدہ بھی کھڑے ہونے کے برابر ہی تھا، اس میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى (پاکی بیان کرتا ہوں میں اپنے پروردگار برتر کی) فرماتے رہے۔ پھر سجدہ سے اٹھ کر بیٹھے۔ یہ بھی سجدہ کی طرح سے طویل تھا، اس میں حضور ﷺ رَبِّ اغْفِرْلِيْ رَبِّ اغْفِرْلِيْ

(اے اللہ بخش دے مجھے) فرماتے رہے۔ غرض حضور اکرم ﷺ اپنی اس نماز میں سورۂ بقرہ، سورۂ آلِ عمران سورۂ نساء، سورۂ مائدہ یا سورۂ انعام۔ راوی کو ان اخیر کی دو سورتوں میں شک ہوگیا کہ کونسی تھی لیکن اوّل کی تین محقق ہیں۔ غرض تینوں سورتیں وہ اور ان دونوں میں سے ایک سورت یہ چاروں سورتیں تلاوت فرمائیں۔

راوی حدیث (۵۳۵) ابوحمزہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

تعیینِ لیل :

حدیث میں یہ تعیین نہیں کی گئی کہ یہ کونسی رات تھی ۔ ایّ لیلة قام فیها حذیفة (جس میں حضرت حذیفہؓ نے حضورؐ کے ساتھ نماز پڑھی) لیکن احمد ونسائی کی روایات میں تصریح ہے کہ أنها من لیلة رمضان (اتحافات ص۳۱۸) (کہ یہ قیامِ رمضان شریف کی کوئی رات میں تھا) انه صلی مع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من اللیل (کہ اس نے حضورؐ کے ساتھ تہجد کی نماز پڑھی) ! من تبعیض کے لئے ہے یا بمعنی فی کے ہے، جبکہ مسند احمد اور نسائی میں صلی معه فی لیلة من رمضان کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔ فلما دخل فی الصلوٰة ای اراد الدخول یعنی جب نماز میں داخل ہونے کا ارادہ فرمایا (جمع ج۲ص۹۳)

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

اللّٰه اکبر "ذو الملکوت" ای صاحب الملک، و صیغة ملکوت للمبالغة والکثرة "والجبروت" من الجبر القهر "والکبریا" أی الترفع والتنزه عن کل نقص "والعظمة" ای تجاوز القدر عن الاحاطة هکذا قال ابن حجر و جاء فی جمع الوسائل أن الکبریاء هو کمال الذات و العظمة اشارة الی جمال الصفات۔ (اتحافات ص۳۱۸) (ذوالملکوت کا معنیٰ بڑی بادشاہت والا اور صیغہ ملکوت کا مبالغے اور کثرت شیٔ کے لئے ہے۔ جبروت جبر سے بمعنیٰ قہر (غالب، قدرت، عظمت) کبریاء یعنی ہر عیب ونقص سے بلند وبالا اور پاک العظمۃ یعنی اس ذات کی قدر وعزت کا احاطہ سے باہر ہونا یعنی مذکورہ بالا تشریح ابن حجرؒ فرماتے ہیں اور جمع الوسائل میں (علامہ ملا

علی قاریؒ فرماتے ہیں) کہ کبریاء کا معنیٰ ذاتِ باری تعالیٰ کا کمال اور عظمت اشارہ ہے صفات کے جمال کی طرف)

اس روایت میں اجمال ہے :

دراصل اس روایت میں اجمال ہے۔ البتہ طوالت ارکان کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ چاروں سورتیں پہلی رکعت میں تلاوت کی گئیں یا ہر رکعت میں ایک ایک اور یہ بھی واضح نہیں کہ آپؐ نے چار رکعت پڑھے یا صرف دو رکعت۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں

و یلاحظ ان هذا الحدیث لم یذکر ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کم صلّی فی هذه اللیلة و لکنه ذکر ان رسول الله صلی الله علیه وسلم أطال فی صلاته۔(اتحافات ص ۳۱۹)

تفصیل و تطبیق :

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں **والظاهر ان رسول الله صلی الله علیه وسلم صلی أربع رکعات قرأ فی کل رکعة منها سورة ویحتمل انه قرأ الثلاث الاول البقرة' و ال عمران' والنساء فی رکعة واحدة و هذا ماتفیده روایة مسلم و ابی داؤد و لعل الواقعتین متعدد تان ۔** (اتحافات ص ۳۱۹) (اور ظاہر بات یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے چار رکعت پڑھیں ہر رکعت میں ایک ایک سورت پڑھی اور یہ احتمال بھی ہے کہ پہلی تین سورتیں (بقرہ۔ العمران۔ نساء) ایک رکعت میں پڑھی ہوں۔ اور یہ مسلم اور ابوداؤد کی روایات کا حاصل اور خلاصہ ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دراصل دو متعدد واقعات ہوں)

مسلم اور ابوداؤد کی روایت کے موافق بظاہر دو قصے علیحدہ علیحدہ ہیں، اگرچہ یہ بھی احتمال ہے کہ ایک ہی قصہ ہو اور کسی روایت میں کچھ سہو ہو گیا ہو' تاہم غلطی پر حمل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، جبکہ حضور اقدس ﷺ کا لمبی لمبی نماز پڑھنا روزانہ کا معمول تھا۔ اس لئے ایک مرتبہ چار سورتیں چار رکعت میں اور ایک مرتبہ تین سورتیں ایک رکعت میں پڑھی ہوں تو کیا مانع ہے۔

(۲۶۴/۱۴) حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ نَافِعٍ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ عَنْ اِسْمٰعِيْلَ بْنِ مُسْلِمٍ الْعَبْدِيِّ عَنْ اَبِى الْمُتَوَكِّلِ عَنْ عَآئِشَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاٰيَةٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ لَيْلَةً ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ابوبکر محمد بن نافع بصری نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالصمد بن عبدالوارث نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت اسماعیل بن مسلم عبدی سے نقل کی اور انہوں نے ابومتوکل سے روایت کی۔ انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ایک رات تہجد میں صرف ایک آیت کو تکرار فرماتے رہے۔

راویان حدیث (۵۳۶) ابوبکر محمد بن نافع البصریؒ (۵۳۷) عبدالصمد بن عبدالوارثؒ اور (۵۳۸) ابوالمتوکلؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اقدس ﷺ نے ایک آیت پر تمام رات گذار دی :

قالت قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بآیۃ من القرآن لیلۃ یعنی حضور اقدس ﷺ قرآن مجید کی ایک ہی آیت تمام رات نماز میں پڑھتے رہے۔ اس روایت میں تو آیت کا ذکر نہیں ہے، مگر دیگر روایات میں اس کی تصریح ہے۔ ابوعبید نے فضائل القرآن میں حضرت ابوذرؓ سے نقل کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک رات نماز تہجد میں تمام رات ایک ہی آیت پر گذار دی۔ حتی اصبح بھا و یقوم و یرکع فقیل لأبی ذر ماھی قال " ان تعذبھم فانھم عبادک و ان تغفرلھم فانک انت العزیز الحکیم ۔(مائدہ:۱۱۸)(مواہب ص۲۱۰) (تا آنکہ صبح ہوئی اور آپؐ قیام اور رکوع بھی کرتے رہے (اور آیت بھی ان میں پڑھتے رہے) ابوذرؓ سے کہا گیا وہ کونسی آیت تھی آپؐ نے فرمایا کہ ان تعذبھم الآیۃ ہے ''اگر عذاب دے گا تو ان کو۔ پس وہ بندے تیرے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے پس تو ہی غالب حکمت والا ہے)

مقصد یہ ہے کہ اے اللہ ! اگر تو اُن کو اُن کے گناہوں پر عذاب دیتا ہے، تو عین عدل ہے اور

اگر ان کے گناہوں کو میری عاجزی و دعا کو قبول فرما کر معاف کر دیتا ہے تو یہ تیرا عین فضل ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا کھڑے ہونے میں اور رکوع سجدہ میں بھی اس آیت کو پڑھتے رہنا اور بار بار دھراتے رہنا اللہ تعالیٰ کی دو صفات عدل و مغفرت کے متحضر ہو جانے کی وجہ سے تھا کہ قیامت کا سارا منظر ان ہی دو صفتوں کا مظہر ہے۔

تمام رات سے مراد پچھلی رات کا قیام ہے، جو تہجد کے وقت آپ کا معمول تھا۔ ایک آیت کی مسلسل تلاوت یہ آپ کا امتیازی عمل تھا، خاص حالات و کیفیات اور وجدان کے پیشِ نظر ایسا ہو جاتا تھا۔ امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کے بارے میں بھی منقول ہے کہ ایک رات صرف ایک ہی آیت کی تلاوت کرتے کرتے صبح کر دی۔ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۔(یٰسین:۵۹)(اور جدا ہو جاؤ آج کے دن اے گناہگارو)۔

اخذِ مسائل :

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں ، ویؤخذ منه جواز تكرار الآية في الصلاة و لعل ذلك كان قبل النهي عن القراءة في الركوع والسجود فلاينافيه خبر مسلم نهيت ان أقرأ القران راكعا و ساجدا على ان النهي للتنزيه فيكون فعله لبيان الجواز (مواہب ۲۱۰)(حدیث پاک سے ایک ہی آیت کا پوری نماز میں بار بار پڑھنے کا جواز معلوم کیا جا سکتا ہے اور شاید کہ یہ رکوع اور سجدہ میں قرآن پڑھنے سے منع کرنے سے پہلے کی بات ہے اس لئے یہ حدیث مسلم کی منافی نہ ہوا جس میں ہے کہ مجھے روکا گیا کہ میں رکوع اور سجدہ کی حالت میں قرآن پڑھوں اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ نہی (رکوع سجدہ میں) تنزیہی ہو تو آپ کا یہ فعل و عمل بیان جواز کے لئے ہوا) أو ان القراءة قصد بها الدعاء والتضرع و طلب المغفرة من الله العزيز الحكيم (اتحافات ص ۳۲۰)(یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرأت سے ارادہ دعا، تضرع عاجزی اور اللہ تعالیٰ سے بخشش کی طلب کی درخواست ہو)

صاحب اتحافات کی توجیہ کو علامہ ملا علی قاریؒ نے دوسرے انداز میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ و يمكن ان يقال المعنى كان يركع و يسجد بمقتضى تلك الآية مما يتعلق بمبناها و يترتب

علی معناها بان یقول سبحان ربی العزیز الحکیم . اللھم اغفرلنا ولاتعذبنا وارحم امتی ولا تعذبھم فانھم عبادک واغفرلھم فانک انت العزیز الحکیم و نحو ذلک واللہ اعلم۔(جمع ج ۲ ص ۹۶) (یہ بھی ممکن ہے کہ یرکع ویسجد کا یہ مطلب ہو کہ اس آیت کے معنیٰ و مقتضیٰ کو ملحوظ و مدنظر رکھتے ہوئے آپؐ رکوع اور سجدہ میں پڑھتے رہے۔ مثلاً یہ پڑھتے ہوں سبحان ربی العزیز الحکیم الخ۔ کہ پاکی بیان کرتا ہوں اپنے پروردگار کی جو غالب اور حکمت والا ہے اے اللہ ہمیں بخش دے اور عذاب نہ دیجئے اور میری امت پر بھی رحم فرما اور ان کو عذاب نہ دیجیے یہ تیرے ہی تو بندے ہیں اور ان کو بخش دے تیری ہی ذات غالب اور حکمت والی ہے یا اسی قسم کے دوسرے الفاظ فرماتے تھے)

(۱۵/۲۶۵) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ صَلَّيْتُ لَيْلَةً مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَزَلْ قَائِمًا حَتّٰى هَمَمْتُ بِاَمْرِ سُوْءٍ قِيْلَ لَهٗ وَمَا هَمَمْتَ بِهٖ قَالَ هَمَمْتُ اَنْ اَقْعُدَ وَ اَدَعَ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ . حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيْعٍ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنِ الْاَعْمَشِ نَحْوَهٗ ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ روایت سلیمان بن حرب نے بیان کی۔ ان کو شعبہ نے یہ روایت بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت اعمش سے ابووائل کے حوالہ سے روایت کی اور انہوں نے اسے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شب حضور اقدس ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ حضور ﷺ نے اتنا طویل قیام فرمایا کہ میں نے ایک برے کام کا ارادہ کرلیا۔ کسی نے پوچھا کس کام کا ارادہ کر لیا تھا، کہنے لگے کہ میں بیٹھ جاؤں اور حضور اکرم ﷺ کو تنہا چھوڑ دوں۔

راوی حدیث (۵۳۹) ابی وائلؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

نوافل میں تطویل قیام :

فلم یزل قائما ! حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے دیکھا کہ آپؐ نے بہت لمبا قیام فرمایا۔ یہاں

تک کہ عادی نہ ہونے کی وجہ سے ان پر بظاہر اسباب یہ شاق گذرا۔ یہ آپؐ کا ہمیشہ کا معمول نہ تھا کبھی بعض حالات، وجدان و کیف اور بارگاہِ ربّ میں حضوری کی لذتیں آپ کو ایسے عالم میں لے جاتی تھیں کہ وہ ہمیشہ کا معمول ترک ہو جایا کرتا تھا۔

تین معانی کا احتمال :

قال هممت ان اقعد وادع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم 'اس کے تین معانی محتمل ہیں۔(۱) میں نماز پڑھتے پڑھتے بیٹھ جاؤں اور اقتداء چھوڑ کر اپنی نماز منفرداً مکمل کرلوں اور آپؐ اپنی نماز پڑھتے رہیں، **ان اقعد مصلیًا وادع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یصلی قائما** (۲) دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ میں اس شفع کے بعد بیٹھ جاؤں اور بوجہ تھکاوٹ کے مزید نماز نہ پڑھوں اور آپؐ اپنی نماز پڑھتے رہیں، **ان اقعد بعد هذا الشفع ولا اصلی وادع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یصلی** ۔ یہ دونوں احتمال درست ہیں اور انہیں دو کو حضرت ابن مسعودؓ امرِ سوء سے تعبیر کر رہے ہیں۔ (۳) ایک تیسرا احتمال یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ میں ابھی سے نماز سے بیٹھ جاؤں اور بقیہ نماز کو ترک کردوں اور پھر نماز نہ پڑھوں اور آپؐ کو چھوڑ دوں کہ آپ اپنی نماز پڑھتے رہیں، **ان اقعد عن الصلوٰۃ الآن و اترکها وراءه ولا اصلی وادع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یصلی** 'مگر یہ محض احتمال ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابی سے ایک عمل خیر کا ترک کیسے ہوسکتا ہے، جبکہ **لاتبطلوا اعمالکم** کی ہدایات ان کے سامنے موجود ہوں، **لان ذلک لایلیق بجلالة ابن مسعود و ترک الاقتداء به والحرمان من مداومة جماعته امر سوء** ۔(مناوی ج۲ ص۹۷) (اس لئے کہ احتمال مذکور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابی کی شان ومنزلت کے لائق نہیں اور آپؐ کی اقتداء کو چھوڑ دینا اور آپؐ کے ساتھ جماعت سے مداومت سے محرومی یہی امرِ سوء (برا کام ہے)

اخذِ مسائل :

اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ "**من امّ قوماً فلیخفف**" کا حکم فرائض کی امامت کے لئے ہے۔ ورنہ نوافل میں آپؐ کی تطویل ظاہر ہے کہ کس قدر ہوتی تھی۔ یہ نوافل ہی تھے کہ حضرت

ابن مسعودؓ کے لئے بھی متابعت شاق ہوگئی تھی۔

(۱۶/۲۶۶) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسٰی الْاَنْصَارِیُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِکٌ عَنْ اَبِی النَّضْرِ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّیْ جَالِسًا فَیَقْرَأُ وَهُوَ جَالِسٌ فَاِذَا بَقِیَ مِنْ قِرَاءَتِهٖ قَدْرُ مَا یَکُوْنُ ثَلَاثِیْنَ اَوْ اَرْبَعِیْنَ اٰیَةً قَامَ فَقَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ رَکَعَ وَ سَجَدَ ثُمَّ صَنَعَ فِی الرَّکْعَةِ الثَّانِیَةِ مِثْلَ ذٰلِکَ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن موسی انصاری نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ روایت معن نے بیان کی۔ اُن کو یہ روایت مالک نے ابونضر سے ابوسلمہ کے حوالہ سے بیان کی اور ابوسلمہ نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہ سے نقل کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ (زمانۂ ضعف میں) نوافل میں قرآن شریف (چونکہ زیادہ پڑھتے تھے اس لئے) بیٹھ کر تلاوت فرماتے تھے اور جب رکوع کرنے میں تقریباً چالیس آیت رہ جاتی تھیں تو کھڑے ہوکر تلاوت فرماتے اور رکوع میں تشریف لے جاتے اور کھڑے ہونے کی حالت میں رکوع فرماتے، پھر سجدہ کرتے اور اسی طرح دوسری رکعت ادا فرماتے۔

نوافل قاعداً اور قائماً پڑھنے کی مختلف صورتیں اوران کا حکم :

مضمونِ حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے۔ **کان یصلی جالساً** 'نوافل بیٹھ کر پڑھنے کا یہ عمل آپؐ کی کبرسنی کا عمل بتایا جاتا ہے ۔ **قیل کان ذلک فی کبر سنه**۔(مواہب ص۲۱۰) **لعل الجلوس کان لارھاق أومرض أو حالة طارئة**۔(اتحافات ص۳۲۱) (شاید کہ آپؐ کا یہ بیٹھنا بوجہ بدن کو ہلکا کرنے یا بیماری کے یا کوئی حالت طاری ہوجانے کی وجہ سے ہو) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص کھڑے ہوکر نفل پڑھنے پر قادر ہو وہ بیٹھ کر بھی نفل پڑھ سکتا ہے ...... **یؤخذ صحة التنفل القادر قاعداً ھو مجمع علیه**۔(مواہب ص۲۱۰) **وفی الحدیث جواز بدء النفل من جلوس ثم القیام لعذر** (اتحافات ص۳۲۱) (حدیث شریف سے نوافل کو کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر شروع کرنا اور پھر کھڑے ہو

جانے کا جواز معلوم ہوتا ہے)

شیخ ابراہیم الباجوریؒ فرماتے ہیں کہ یہ بھی آپؐ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ کا نفل قاعداً پڑھنا اجر وثواب میں قائماً کے برابر ہے۔ ان تطوعه قاعداً كهو قائماً لانه مامون الكسل فلاينقص اجره بخلاف غيره فانه من صلى قاعداً فله نصف اجر القائم۔ (مواہب ص۲۱۰)

(اس لئے کہ آپؐ سستی اور کاہلی سے محفوظ ہیں اس لئے آپؐ کے اجر وثواب میں کمی نہیں کی جاسکتی بخلاف دوسرے امتیوں کے کہ اگر وہ بیٹھ کر نفل پڑھیں تو ان کو کھڑے شخص کے ثواب کا آدھا اجر وثواب دیا جاتا ہے) واضح رہے کہ یہ حکم غیر معذور شخص کا ہے۔ ورنہ معذور شخص کو بھی بفضل خداوندی پورا پورا اجر ملے گا۔ علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، لكن القاعد لغير عذر له نصف اجر القائم (جمع ج۲ص۹۸) بعض حضرات نے کہا ہے کہ جو آدمی قاعداً نفل پڑھنا شروع کردے تو اس کے لئے قائماً رکوع وسجدہ جائز نہیں ہے، مگر ائمہ اربعہ اور جمہور علماء اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح وہ آدمی جو قائماً نفل نماز شروع کرے، اسے قاعداً بھی اس کی تکمیل جائز ہے۔ و يوخذ من ذلك صحة بعض النفل قاعداً و بعضه قائماً و صحة بعض الركعة قاعداً و بعضها قائماً و جعل بعض القراءة في القعود و بعضها في القيام و سواء في ذلك كله قعد ثم قام او قام ثم قعد و سواء نوى القيام ثم اراد القعود أو نوى القعود ثم اراد القيام وهو قول الائمة الاربعة لكن يمنع بعض المالكية الجلوس بعد ان ينوى القيام ۔(مواہب ص۲۱۱) (اور اس حدیث مذکور سے چند مسائل کا علم ہوا۔ یعنی یہ جائز ہے کہ نفل نماز کا کچھ حصہ بیٹھ کر اور کچھ کھڑے ہوکر پڑھے نیز یہ کہ ایک رکعت کا بعض بیٹھ کر اور بعض کھڑے ہوکر پڑھے تو بھی جائز ہے اسی طرح قرأت کا کچھ حصہ بیٹھے پڑھے اور کچھ کھڑے ہوکر پڑھے اور ان سب صورتوں میں چاہے پہلے بیٹھا تھا پھر کھڑا ہوا یا پہلے کھڑا تھا اور پھر بیٹھا اور چاہے نیت کھڑے ہونے کی تھی پھر بیٹھنے کا ارادہ کیا اور یا نیت بیٹھنے کی تھی پھر کھڑے ہونے کا ارادہ کیا اور یہی ائمہ اربعہ کا قول اور مذہب ہے لیکن بعض مالکیہؒ کے نزدیک بیٹھنا منع ہے جبکہ پہلے نیت قیام کی تھی)

(۲۶۷/۱۷) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ اَخْبَرَنَا خَالِدُ نِ الْحَذَّآءُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَطَوُّعِهٖ فَقَالَتْ كَانَ يُصَلِّيْ لَيْلًا طَوِيْلًا قَآئِمًا وَلَيْلًا طَوِيْلًا قَاعِدًا فَاِذَا قَرَأَ وَ هُوَ قَائِمٌ رَكَعَ وَسَجَدَ وَ هُوَ قَائِمٌ وَ اِذَا قَرَأَ وَهُوَ جَالِسٌ رَكَعَ وَ سَجَدَ وَهُوَ جَالِسٌ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن منیع نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ہشیم نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خالد حذاء نے عبداللہ بن شقیق کے واسطہ سے خبر دی ۔عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور اکرم ﷺ کے نوافل کے متعلق دریافت کیا، انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ رات کے طویل حصہ میں نوافل کھڑے ہوکر پڑھتے تھے اور طویل حصہ میں نوافل بیٹھ کر پڑھتے تھے۔حضور اکرم ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کھڑے ہوکر قرآن مجید پڑھتے تو رکوع وسجود بھی کھڑے ہونے کی حالت میں ادا فرماتے اور جب بیٹھ کر قرآن مجید پڑھتے تو رکوع وسجود بھی بیٹھنے کی حالت میں ادا فرماتے۔

راوی حدیث (۵۴۰) عبداللہ بن شقیقؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

نمازِ تہجد میں مختلف احوال کا بیان :

کان یصلی لیلاً طویلاً ...... اس کا ایک معنیٰ تو یہ ہے کہ ایک ہی رات میں بہت سا حصہ کھڑے ہوکر اور بہت سا حصہ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔ دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ یہ مختلف لیالی کے احوال ہیں کہ بعض راتوں میں طویل نماز کھڑے ہوکر پڑھتے تھے اور بعض راتوں میں بیٹھ کر طویل نماز پڑھتے تھے۔ حضرات محدثینؒ نے دوسرے معنیٰ کو راجح قرار دیا ہے کہ آپؐ تہجد کی نماز میں تطویل فرمایا کرتے، طبیعت میں نشاط اور صحت وسلامتی ہوتی، کھڑے کھڑے تہجد پڑھتے' ضعف اور اضمحلال ہوتا تو بیٹھ کر تہجد ادا فرماتے۔ اس حدیث کا پہلی روایت سے کوئی تعارض نہیں بلکہ دونوں حدیثوں میں مختلف احوال کا بیان ہے۔ هذا الحديث يروى احوالاً أخرى من عبادته صلى الله عليه وسلم ولا تنافى بين هذا الحديث والذى قبله۔ (اتحافات ص ۳۲۱)

یہ تو پہلے بھی عرض کیا گیا کہ نوافل کا دار و مدار طبعی نشاط اور سرور پر ہے، جس وقت جس طرح نشاط و سرور حاصل ہوتا، اسی وقت اسی طرح نماز ادا فرماتے۔ دوسرا یہ کہ آپؐ کے پیشِ نظر تعلیم امت مقصود ہوتی تھی۔ مختلف صورتوں میں افعال کی ادائیگی بیان جواز کے لئے ہوتی۔ اس لئے تو آپؐ کو بیٹھ کر نماز پڑھنے پر بھی پورا ثواب ملتا کہ تعلیم اُمت و بیانِ جواز کی غرض سے بیٹھ کر نماز پڑھنا بھی نبوت کے مقصد کو پورا کرنا ہے۔

(۲۶۸/۱۸) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسَى الْاَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ السَّآئِبِ بْنِ يَزِيْدَ عَنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ اَبِيْ وَدَاعَةَ السَّهْمِيِّ عَنْ حَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِيْ سُبْحَتِهٖ قَاعِدًا وَ يَقْرَأُ بِالسُّوْرَةِ وَ يُرَتِّلُهَا حَتّٰى تَكُوْنَ اَطْوَلَ مِنْ اَطْوَلِ مِنْهَا .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن موسٰی انصاری نے یہ حدیث بیان کی۔ ان کو معن نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو مالک نے ابن شہاب کے واسطہ سے یہ روایت بیان کی۔ انہوں نے یہ حدیث سائب بن یزید سے مطلب بن ابی وداعہ سہمی کی وساطت سے سنی، جنہوں نے ام المؤمنین حضرت حفصہؓ سے نقل کی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نوافل بیٹھ کر پڑھتے اور اس میں کوئی سورت پڑھتے تو اس قدر ترتیل سے پڑھتے کہ وہ سورۃ اپنے سے لمبی سورۃ سے بھی بڑھ جاتی تھی۔

راویان حدیث (۵۴۱) المطلب بن ابی وداعۃؒ اور (۵۴۲) حفصہ بنت عمر بن الخطابؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اقدس ﷺ کا نوافل میں معمول :

کان رسول اللہ ﷺ ...... علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں زاد مسلم من ھذا الوجہ فی اولہ مارایت رسول اللہ ﷺ یصلی فی سبحتہ جالساً حتی اذا کان قبل موتہ بعام فکان الخ

(امام مسلمؒ نے اسی روایت کے شروع میں کان رسول الخ سے پہلے مذکورہ عبارت زیادہ کی ہے یعنی حضرت حفصہؓ فرماتی ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو کبھی نوافل بیٹھ کر پڑھتے نہیں دیکھا تا آنکہ آپؐ کی وفات سے ایک سال پہلے تو پھر آپؐ نوافل بیٹھ کر پڑھتے) اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کا نوافل قائماً پڑھنے کے معمول پر (غیر سفر و غیر عذر میں) مواظبت تھی، اگرچہ آپؐ کے لئے قاعداً نوافل بھی اجر و ثواب میں قائماً کے حکم میں تھے، یؤخذ من ذلک انہ ﷺ و اظب علی القیام فی النفل أکثر عمرہ و ان کان تطوعہ قاعداً کھو قائماً۔(مواہب ص۲۱۲)

سبحۃ کی تحقیق :

سبحۃ ! تسبیح کے دانے گننے کو بھی کہتے ہیں، دعا اور نوافل نماز کو بھی کہتے ہیں قضیت سبحتی یعنی میں نے اپنی دعا پوری کرلی ۔ یہاں سبحۃ سے صلوٰۃ النافلۃ مراد ہے۔و سمیت النافلۃ سبحۃ لاشتمالھا علی التسبیح (اتحافات ص۳۲۲) (اور نفل نماز کو اس لئے سبحہ کہتے ہیں کہ وہ بھی تسبیحات پر مشتمل ہوتی ہے)۔

علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں، وخصت النافلۃ بذلک لان التسبیح الذی فی الفریضۃ نافلۃ فاشبھتہ صلوٰۃ النفل و ھذا التخصیص امر غالبی فقد یطلق التسبیح علی الصلوٰۃ مطلقاً تقول فلان یسبح ای یصلی فرضاً او نفلاً و منہ قولہ تعالیٰ فسبح بحمد ربک ای صلّ و قولہ فلولا انہ کان من المسبحین ای المصلین۔(مواہب ص۲۱۲)

(اور نفل نماز کی تخصیص تسبیح کے ساتھ اس لئے کی گئی کہ فرض نماز میں جو تسبیحات پڑھی جاتی ہیں وہ نفل ہوتی ہیں تو گویا نفل نماز تسبیح کے مشابہ ہوئی اور تسبیح کی تخصیص نفل نماز کے ساتھ حکمِ غالب اور اکثری ہے ورنہ تسبیح کا اطلاق تو مطلق نماز (چاہے فرض یا نفل ہو) پر بھی ہوتا ہے عرب کا مقولہ ہے فلان یسبح یعنی فلاں نماز پڑھتا ہے چاہے فرض ہو یا نفل اور اسی معنیٰ میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول فسبح بحمدربک بھی ہے یعنی تو اپنے رب کی نماز پڑھ۔اور اللہ تعالیٰ کے اس قول فلو لا انہ کان من المسبحین (کہ اگر یونسؑ نماز پڑھنے والوں سے نہ ہوتے) میں مسبحین بمعنی مصلینُ کے ہے)

ترتیل کا معنیٰ :

ویرتلها تلاوت میں مخارج' اظہارِ حروف اور حرکات انتہائی ترتیل سے ادا فرماتے اور نہایت ہی اطمینان' سکون' وقار اور ٹھہر ٹھہر کر قرآن مجید کی تلاوت فرماتے ' ای یبین حروفها و حركاتها و وقوفها مع التأني في قراء تها وهو معنى قول بعضهم الترتيل رعاية الحروف والوقوف ۔ (مواہب ص ۲۱۲) (یعنی قرأت کرنے میں حروف وحرکات اور وقوف وغیرہ کو پورے واضح طور پر ادا کرتے ہوئے سکون اور اطمینان سے تلاوت فرمایا کرتے اور یہی بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ترتیل کا معنیٰ حروف (کے مخارج) اور وقوف وغیرہ کا پورا خیال رکھنا)حتی تکون أطول من أطول منها ای حتى تكون السورة المرتلة أطول من السورة الأطول منها لو قرئت غير مرتلة (اتحافات ص ۳۲۲) (یعنی آپ ﷺ کا ترتیل سے پڑھنا اس درجہ کا ہوتا کہ ترتیل سے پڑھی گئی (چھوٹی) سورت بھی اس لمبی سورت سے طویل معلوم ہوا کرتی ۔ جب لمبی سورت کو بغیر ترتیل کے پڑھا جائے)

ایک رکعت میں مکمل سورت پڑھنا مستحب ہے :

حدیث مذکور سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مستحب ہے کہ ایک رکعت میں پوری سورت پڑھی جائے ،اگر چہ بعض سورت کا پڑھنا بھی ثابت ہے ۔علامہ مناویؒ فرماتے ہیں کہ وندب استيعاب السورة في الركعة الواحدة و هو افضل من قرأة بعض سورة بقدرها والاقتصار على بعض سورة جائز حسن بلا كراهة و قد فرق المصطفىٰ ﷺ الاعراف في المغرب (مناوی ج ۲ ص ۹۹) (اور کسی سورت کے بعض پر اکتفاء کرنا بھی بلا کراہت جائز ہے حضور ﷺ نے بھی سورہ اعراف کو مغرب کی نماز میں متفرق طور پر پڑھا۔

(۲٦۹/۱۹) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الزَّعْفَرَانِيُّ حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عُثْمَانُ بْنُ اَبِيْ سُلَيْمَانَ اَنَّ اَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَهُ اَنَّ عَآئِشَةَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَمُتْ حَتّٰى كَانَ اَكْثَرُ صَلَاتِهٖ وَ هُوَ جَالِسٌ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں حسن بن محمد زعفرانی نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے حجاج بن محمد نے ابن جریج کے واسطہ سے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے اس حدیث کی خبر عثمان بن ابی سلیمان نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کے ذریعہ سے دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ وصال کے قریب زمانہ میں اکثر نوافل بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔

راوی حدیث (۵۴۳) عثمان بن ابی سلیمانؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مضمونِ حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔ حضور اقدس ﷺ حیاۃ طیبہ کے آخری ایام میں نفلی عبادت اکثر اوقات بیٹھ کر کیا کرتے تھے اور ان میں تلاوت بہت زیادہ فرماتے تھے۔ حضرت امّ سلمہؓ سے روایت ہے انها قالت والذی نفسی بیده ما مات رسول الله صلی الله علیه وسلم حتی کان اکثر صلواته قاعداً الا المکتوبة ۔(نسائی و ابن ماجۃ) (وہ فرماتی ہیں قسم ہے اس ذات پاک کی کہ میری روح اس کی قبضہ میں ہے کہ وفات کے قریب آپؐ فرض نماز کے علاوہ نفل نماز اکثر بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے)

(۲۰/۲۷۰) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِیعٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ اَیُّوْبَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَکْعَتَیْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَ رَکْعَتَیْنِ بَعْدَهَا وَ رَکْعَتَیْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِیْ بَیْتِهٖ وَ رَکْعَتَیْنِ بَعْدَ الْعِشَآءِ فِیْ بَیْتِهٖ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن منیع نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے اسمٰعیل بن ابراہیم نے ایوب کے واسطہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت نافع سے سُنی، جنہوں نے اسے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ دو رکعتیں ظہر سے قبل اور دو ظہر کے بعد اور دو مغرب کے بعد اپنے گھر میں اور دو عشاء کے بعد وہ بھی گھر میں پڑھیں۔

سننِ مؤکدہ کی تفصیل :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ تحریر فرماتے ہیں : اس حدیث میں سنتوں کا ذکر ہے۔ سنتِ مؤکدہ حنفیہ کے نزدیک بھی اسی طرح ہیں، جیسا کہ ابن عمرؓ کی حدیث میں گزرا۔ البتہ ظہر کی سنتیں حنفیہ کے نزدیک چار رکعت ہیں۔ نبی کریم ﷺ سے متعدد احادیث میں یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص رات دن میں بارہ رکعات پر مداومت کرے حق تعالیٰ جل شانہٗ اس کے لئے جنت میں گھر بنا دیتے ہیں۔ ان بارہ رکعات کی تفصیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی روایات سے کئی حدیثوں میں یہی آئی ہے، جو حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں گزری۔ البتہ ظہر سے قبل ان روایتوں میں چار رکعت وارد ہوئی ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ظہر سے پہلے چار رکعت ایک سلام کے ساتھ ہوں، ان کے لئے آسمان کے دروازے کُھل جاتے ہیں یعنی بہت جلد قبول ہوتی ہیں۔ بخاری شریف اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ ظہر سے قبل چار رکعت کبھی ترک نہیں فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مسند احمد وابوداؤد وغیرہ میں روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ ظہر کی نماز کے لئے تشریف لے جاتے وقت چار رکعت گھر سے پڑھ کر مسجد تشریف لے جاتے تھے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ سنتیں مکان پر پڑھ کر تشریف لاتے تھے اور وہ چار رکعت ہوتی تھیں۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات میں ہے۔ ابوداؤد شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک مفصل روایت نقل کی گئی ہے، جس میں وہ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ ظہر سے قبل چار رکعت میرے گھر پڑھتے تھے، پھر مسجد میں تشریف لے جاتے اور فرض پڑھاتے، اس کے بعد گھر تشریف لاتے اور دو رکعت پڑھتے اور مغرب کی نماز کے بعد میرے گھر تشریف لاتے اور دو رکعت پڑھتے اور عشاء کی نماز کے بعد بھی تشریف لاتے اور دو رکعت پڑھتے اور صبح صادق کے بعد دو رکعت پڑھتے اور نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔ اس مفصل حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سنتیں اکثر گھر پر پڑھتے تھے' اور مسجد میں تشریف لاکر غالب یہ ہے کہ دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھا کرتے تھے، جس کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضور

اقدس ﷺ نے کبھی کبھی کسی ضرورت کی وجہ سے دو ہی رکعت سنت پڑھی ہوں، جن کو حضرت ابن عمرؓ نے نقل فرمایا۔ نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اس حدیث میں یہ ارشاد کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ یہ نمازیں پڑھیں، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جماعت کی بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ بھی پڑھتے تھے اور میں بھی پڑھتا تھا۔ سنتوں کا جماعت کے ساتھ پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ (خصائل ص ۲۳۸ تا ۲۳۹)

تطبیق کی تین صورتیں :

اس روایت میں آپؐ سے قبل الظہر دو اور حضرت علیؓ کی روایت سے چار رکعت منقول ہیں۔

(۱) بعض حضرات نے تطبیق یوں کی ہے کہ یہ دو رکعت تحیۃ المسجد ہیں اور چار رکعت سنت آپؐ گھر پر پڑھ کر آتے تھے۔

(۲) دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ چار رکعت احوط ہیں، لہٰذا انہیں ترجیح دی جائے گی۔ اکثر فقہاء اس کو راجح قرار دیتے ہیں۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ آپؐ کبھی دو رکعت پڑھتے اور کبھی چار۔

(۲۱/۲۷۱) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مُنِيعٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيلُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا اَيُّوبُ عَنْ نَافِعٍ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ حَدَّثَتْنِيْ حَفْصَةُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ حِيْنَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ وَ يُنَادِي الْمُنَادِيْ قَالَ اَيُّوْبُ اُرَاهُ قَالَ خَفِيْفَتَيْنِ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن منیع نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسمٰعیل بن ابراہیم نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ایوب نے نافع کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے (میری بہن ام المؤمنین) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں کہ حضور اقدس ﷺ صبح صادق کے بعد جس وقت مؤذن اذان کہتا ہے، اس وقت دو مختصر رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

کان یصلی رکعتی ...... مرادصبح کی سنتیں ہیں، و اوجبھا الحسن البصری ۔(مواہب ص ۲۱۳) (حسن بصریؒ صبح کی سنتوں کوواجب قرار دیتے ہیں) یطلع بمعنی یظھر کے ہے، الفجر وھو ضوء الصبح و ھو حمرۃ الشمس فی سواد اللیل سمی بذلک لانفجارہ والمراد الفجر الصادق ' أراہ ای اظن نافعاً فالھاء راجعۃ لنافع شیخ ایوب ۔(مواہب ص ۲۱۳)(فجر سے مرادصبح کی روشنی ہے اور وہ رات کی تاریکی میں سورج کی سرخی کا نمودار ہونا ہے فجر کو اس لئے فجر کہتے ہیں کہ اس میں صبح کی روشنی آجاتی ہے یہاں اس سے مرادصبح صادق ہے۔

قال ایوب اراہ الخ یعنی شیخ ایوب کہتے ہیں میں خیال کرتا ہوں نافع کا تو اس صورت میں ضمیر اراہ کی حضرت نافع کو راجع ہوگی جو ایوب کا شیخ اور استاد ہے۔

صبح کی سنتوں میں قرأت کا مسئلہ :

اس حدیث میں صبح کی نماز سے قبل دوسنتوں کا بیان ہے۔ اکثر روایات میں ان دو رکعت کے بارے میں یہی آیا ہے کہ آپؐ اِن کو مختصر پڑھتے تھے، جیسا کہ روایت باب میں ہے، "قال خفیفتین" یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے محض فاتحہ پر اکتفاء کرنے اور دوسری سورۃ نہ ملانے کا کہا ہے، مگر یہ قول مرجوح ہے' صحیح یہی ہے کہ ان دو رکعت میں حضوراقدس ﷺ سے سورتوں کا پڑھنا ثابت ہے، جو اکثر مختصر ہوا کرتی تھیں مسلم شریف کی حدیث میں صراحت ہے کہ آپؐ اِن دونوں رکعت میں سورۂ الکافرون اور سورۂ اخلاص پڑھا کرتے تھے۔

ایک حدیث میں ہے نعم السورتان تقرأبھما فی رکعتی الفجر ۔(جمع ج ۲ ص ۱۰۱) یعنی یہ دوسورتیں کیسی اچھی ہیں کہ صبح کی سنتوں میں پڑھی جاتی ہیں۔ صبح کی سنتوں میں اِن دوسورتوں کے پڑھنے کی بہت تاکید آئی ہے۔ مسلم شریف کی حدیث ہے کہ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الدُّنیَا جَمِیعًا۔ (کہ یہ مجھے پوری دنیا سے بھی زیادہ محبوب اور پسند ہیں)

علامہ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ امامِ ابوحنیفہؒ سے روایت ہے کہ دو سنتیں واجب ہیں اور اس

میں تو کسی قسم کا شک نہیں ہے کہ تمام رواتب سے یہ افضل ہیں ''ولهذا روی عن ابی حنیفة انهما واجبتان فلا شک انهما افضل من سائر الرواتب'' (جمع ج۲ص ۱۰۲) علامہ ابن قیمؒ ان کے باقی رواتب سے زیادہ افضل ومؤکد ہونے کے متعلق لکھتے ہیں : و کان تعاهده و محافظة علی سنة الفجر اشد من جمیع النوافل و لذلک لم یکن یدعها هی والوتر سفراً و حضرا و کان یواظب فی السفر علی سنة الفجر ...... دون سائر السنن ۔(زادالمعاد ج اص ۱۰۴) آپؐ سنت فجر کی دوسرے سنن ونوافل سے زیادہ محافظت اور پابندی کا خیال رکھا کرتے اس لئے توان کواور وتروں کو سفر وحضر میں نہیں چھوڑتے تھے اور سفر میں بھی ہمیشہ فجر کی سنتوں پر مواظبت اختیار فرمایا کرتے نہ کہ دوسرے سنن ونوافل پر)

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں : والمراد بتخفیفهما عدم تطویلهما علی الوارد فیهما وهو '' قولوا امنا بالله الیٰ آخر آیة البقرة '' أو الم نشرح و قل یاأیها الکافرون فی الرکعة الاولیٰ و قل یا أهل الکتاب تعالوا الیٰ آخر آیة آلِ عمران او ألم ترکیف ، أو قل هو الله احد فی الثانیة حتی لوقرأ جمیع ذلک لم تفته سنة التخفیف ۔(مواہب ص۲۱۳) (اورسنت فجر میں تخفیف سے مراد یہ کہ جو قرأت احادیث میں ان میں پڑھنے کے متعلق وارد ہوئی ہیں اس سے لمبی نہ پڑھا کرتے اور وہ قولوا امنّا بالله الخ یعنی سورہ بقرہ کی اس آیت کے آخر تک یا پھر الم نشرح یاقل یاایها الکافرون پہلی رکعت میں اور قل یااهل الکتاب تعالوا الخ یعنی سورت آل عمران کی اس آیت کے آخر تک اور یا پھر الم ترکیف یا قل هوا الله احد دوسری رکعت میں گویا اگر یہ سب سورتیں منقولہ صورت میں بھی پڑھ لے تو سنت فجر کی تخفیف کرنا فوت نہ ہوگا)

(۲۷۲/۲۲) حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیدٍ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِیَةَ الْفَزَارِیُّ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ بُرْقَانَ عَنْ مَیْمُوْنِ بْنِ مِهْرَانَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِیَ رَکْعَاتٍ رَکْعَتَیْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَ رَکْعَتَیْنِ بَعْدَهَا وَ رَکْعَتَیْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَ رَکْعَتَیْنِ بَعْدَ الْعِشَآءِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ

وَحَدَّثَتنِیْ حَفْصَةُ بِرَکْعَتِیِ الْغَدَاةِ وَلَمْ اَکُنْ اَرَاهُمَا مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبۃ بن سعید نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے مروان بن معاویہ فزاری نے جعفر بن برقان کے حوالہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت میمون بن مہران سے روایت کی، جنہوں نے اسے حضرت عبداللہ بن عمر سے نقل کیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے آٹھ رکعتیں یاد کی ہیں۔ دو ظہر سے قبل، دو ظہر کے بعد، دو مغرب کے بعد، دو عشاء کے بعد، مجھے میری بہن حفصہ رضی اللہ عنہا نے صبح دو رکعتوں کی بھی خبر دی ہے جن کو میں نے نہیں دیکھا تھا۔

راوی حدیث (۵۴۴) میمون بن مھرانؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

رکعتا الفجر سے مراد صبح کی سنتیں ہیں، وأصل الغداة ما بین طلوع الفجر و طلوع الشمس۔ (اتحافات ص ۳۲۴) (اور الغداۃ اصل اور قاعدہ کی رو سے صبح صادق اور سورج نکلنے کے درمیانی وقت کا نام ہے)

آپ ﷺ صبح کی دو سنتیں گھر میں ادا فرماتے تھے :

وحدثتنی حفصة ...... یعنی مجھے میری بہن حفصہؓ نے صبح کی دو رکعتوں کی بھی خبر دی ہے ،جن کو میں نے نہیں دیکھا تھا۔ یہ اس سے قبل بھی گذر چکا ہے کہ آپ ﷺ صبح کی دو رکعت سنت گھر میں ادا فرماتے تھے۔ اس لئے حضرت ابن عمرؓ کا یہ فرمانا کہ ولم اکن اراھما من النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم (کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ دو رکعتیں پڑھتا نہیں دیکھا) کچھ مستبعد نہیں ہے۔ نیز ظہر کی چار سنتیں بھی آپؐ اپنے گھر میں ادا فرماتے تھے۔ اسی لئے حضرت ابن عمرؓ نے ان کا ذکر بھی نہیں کیا۔

بعض علماء نے ''نہ دیکھنے کی'' یہ توجیہ بھی کی ہے کہ اس وقت تک نہیں دیکھا' جب حضرت حفصہؓ نے خبر دی تھی' اس کے بعد دیکھنے کی نوبت آئی تھی، کیونکہ بعض روایات میں حضرت ابن عمرؓ کا اپنا مشاہدہ بھی ان سنتوں کے متعلق نقل ہوا ہے۔ رمقت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم شهرا یقرأ بهما ای بسورتی الاخلاص والکافرون فی رکعتی الفجر فهذا صریح فی انه رأه یصلیهما ۔(مناوی ج ۲ ص ۱۰۲) (میں نے حضور ﷺ کا ایک ماہ تک سنت فجر میں سورت کافرون اور سورت اخلاص پڑھنے کا مشاہدہ

کیا ہے تو یہ روایت اس بات میں صریح ہے کہ ابن عمرؓ نے حضور ﷺ کو سنت فجر پڑھتے ہوئے دیکھا ہے)

(۲۷۳/۲۳) حَدَّثَنَا اَبُوْ سَلَمَةَ يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ خَالِدِ نِ الْحَذَّآءِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلٰوةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ يُصَلِّيْ قَبْلَ الظُّهْرِ رَكْعَتَيْنِ وَ بَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَ بَعْدَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ وَ بَعْدَ الْعِشَآءِ رَكْعَتَيْنِ وَ قَبْلَ الْفَجْرِ ثِنْتَيْنِ

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابوسلمۃ یحیٰی بن خلف نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے بشر بن مفضل نے خالد حذاء کے واسطہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت عبداللہ بن شقیق سے نقل کی۔ عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور اکرم ﷺ کے نوافل کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے دو رکعت ظہر سے قبل اور دو ظہر کے بعد اور دو مغرب کے بعد اور دو عشاء کے بعد اور دو صبح کی نماز سے قبل بتلائیں۔

راوی حدیث (۵۴۵) ابوسلمۃ یحیی بن خلفؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ظہر کے چار رکعت سنت :

سننِ مؤکدہ میں حنفیہ حضرات کا بھی یہی مسلک ہے، جو روایت میں مذکور ہے، البتہ ظہر کی سنتوں میں اختلاف ہے۔ ظہر سے قبل کی سنتیں حنفیہ کے نزدیک چار ہیں، جو مؤکد ہیں۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ ظہر سے قبل چار رکعت، صبح سے قبل دو رکعت نہیں چھوڑتے تھے یعنی ہمیشہ پڑھتے تھے۔ (بخاری)

(۲۷۴/۲۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ قَالَ سَمِعْتُ عَاصِمَ بْنَ ضَمْرَةَ يَقُوْلُ سَاَلْنَا عَلِيًّا عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ النَّهَارِ فَقَالَ اِنَّكُمْ لَا تُطِيْقُوْنَ ذٰلِكَ قَالَ قُلْنَا مَنْ اَطَاقَ مِنَّا ذٰلِكَ صَلّٰى فَقَالَ كَانَ اِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ مِنْ

هٰهُنَا كَهَيْئَتِهَا مِنْ هٰهُنَا عِنْدَ الْعَصْرِ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَ اِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ مِنْ هٰهُنَا كَهَيْئَتِهَا مِنْ هٰهُنَا عِنْدَ الظُّهْرِ صَلّٰى اَرْبَعًا وَ يُصَلِّىْ قَبْلَ الظُّهْرِ اَرْبَعًا وَ بَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَ قَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعًا يَفْصِلُ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ بِالتَّسْلِيْمِ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَالنَّبِيِّيْنَ وَ مَنْ تَبِعَهُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن مثنیٰ نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں شعبہ نے ابواسحٰق کی وساطت سے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عاصم بن ضمرۃ کو یہ کہتے ہوئے سُنا۔ عاصم بن ضمرہؒ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور اقدس ﷺ کے ان نوافل کے متعلق استفسار کیا، جن کو آپؐ دن میں پڑھتے تھے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تم اس کی طاقت کہاں رکھ سکتے ہو۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ صبح کے وقت جب آفتاب آسمان پر اتنا اوپر چڑھ جاتا، جتنا اوپر عصر کی نماز کے وقت ہوتا ہے، اُس وقت حضور اکرم ﷺ دو رکعت (صلوٰۃ الاشراق) پڑھتے تھے اور جب مشرق کی طرف اس قدر اوپر ہو جاتا، جس قدر ظہر کی نماز کے وقت مغرب کی طرف ہوتا ہے، تو اس وقت چار رکعت (چاشت کی نماز جس کا مفصل بیان دوسرے باب میں آ رہا ہے) پڑھتے تھے، ظہر سے قبل چار رکعت پڑھتے تھے اور ظہر کے بعد دو رکعت (یہ چھ رکعتیں سنتِ مؤکدہ ہیں) اور عصر سے قبل چار رکعت پڑھتے تھے چار رکعت کے درمیان بیٹھ کر ملائکہ مقربین اور مؤمنین پر سلام بھیجتے تھے۔

راوی حدیث (۵۴۶) عاصم بن ضمرۃؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

دن میں پڑھے جانے والے نوافل :

من النهار !دن کو پڑھے جانے والے نوافل کے متعلق استفسار کیا گیا، کیونکہ رات کے نوافل یعنی تہجد وغیرہ کے معمولات ان کو پہلے سے معلوم تھے، تہجد کی روایات کثرت سے منقول ہیں اور مشہور ہیں۔

تحقیق وسوال کے ساتھ جذبۂ عمل بھی :

فقال انكم لا تطيقون ذلك تم اس کی طاقت کہاں رکھتے ہو، یعنی آپ ﷺ جیسی عبدیت' فروتنی وعاجزی' خشوع وخضوع' حسنِ اہتمام' تعدیلِ ارکان اور کمال عبدیت کے اظہار کی طاقت تم میں

کہاں ہے؟ ای خشوعاً و تمام أرکان و طول رکوع و سجود و انصرافاً عن الدنیا۔(اتحافات ص ۳۲۵) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مقصود تنبیہ تھی کہ محض سوال اور تحقیق سے کیا فائدہ جب تک عمل کی سعی نہ ہو۔

عمل نہ ہو سکے تو صرف علم بھی فائدے سے خالی نہیں :

فقلنا .... یعنی جو طاقت رکھ سکتا ہوگا، وہ پڑھے گا اور جس کی طاقت نہ ہوگی، اس کو علم تو حاصل ہو جائیگا، وہ دوسروں کو تو بتا سکے گا اور خود بھی عمل کرنے کی کوشش کرے گا۔ شیخ ابراھیم البیجوریؒ فرماتے ہیں ومن لم یطق ذلک منا فقد علمه ۔(مواہب ص ۲۱۴)

اشراق اور چاشت کی نماز :

کان اذا کانت الشمس ! یہ پہلی بیان کردہ دو رکعت ہیں، مراد صلوٰۃ الاشراق ہے، جو سورج نکلنے کے بعد سب سے پہلے پڑھی جاتی ہیں۔ دوسری روایات میں تصریح ہے کہ آپ ﷺ یہ دو رکعت تب ادا فرماتے تھے، جب سورج نیزہ یا سوا نیزہ کے برابر نکل آتا تھا۔

واذا کانت الشمس ...... اِن چار رکعت سے مراد چاشت کی نماز ہے، جس کا مفصل بیان آگے آرہا ہے، جو سورج کے نکلنے کے ایک پہر بعد پڑھی جاتی ہے۔ ھی صلوٰۃ الاوابین و ورد فی الحدیث "صلاۃ الأوابین حین ترمض الفصال " (اتحافات ص ۳۲۵) یعنی جب اونٹ کے بچوں کے پاؤں ریت میں جلنے لگیں، آج کل کے حساب سے کوئی نو تا گیارہ بجے کا وقت ہو سکتا ہے، یعنی زوال سے ایک گھنٹہ پہلے تک۔

ویصلی قبل الظھر اربعاً ھی سنة الظھر القبلیة وبعدھا رکعتین ھی السنة البعدیة و بقیة الحدیث واضح (اتحافات ص ۳۲۵) (اور ظہر سے پہلے آپ ﷺ چار رکعات پڑھا کرتے یہ ظہر سے پہلے کی سنتیں ہیں اور دو رکعت ظہر کے بعد پڑھتے اور یہ ظہر کے بعد کی سنتیں ہیں اور باقی حدیث کا مطلب واضح ہے)

تسلیم بین الرکعتین سے مراد :

یفصل بین کل رکعتین بالتسلیم ...... اس سے التحیات بھی مراد ہوسکتا ہے۔یعنی التحیات میں دعاو سلام کے کلمات پڑھنا ہے۔لہٰذا حدیث میں جہاں جہاں چار رکعت کا بیان کیا گیا ہے، سب کو شامل ہے، کیونکہ روایت میں " النبیین و من تبعھم " (انبیاءؑ اور جن لوگوں نے ان کی اتباع اور تابعداری کی ہو) کی تصریح موجود ہے، جس کا تقاضا ہے کہ سلام سے آخری ختم صلوٰۃ کا سلام مراد نہیں، بلکہ التحیات کا سلام مراد ہے اور آخری سلام تو صرف مخاطبین پر ہوتا ہے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں : "اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے صرف دو رکعت پر سلام پھیرنا مراد ہو تو مقصود یہ ہے کہ ان چار رکعتوں میں جو عصر سے قبل پڑھی جاتی تھیں، دو رکعت پر سلام پھیر دیتے تھے، عصر کے نوافل دو رکعت اور چار رکعت دونوں طرح ثابت ہیں، خود حضرت علیؓ سے بھی دونوں روایتیں ہیں"۔ (خصائل) البتہ یہاں تسلیم علی الملائکۃ سے مراد تسلیم فی النیۃ ہوگا۔

جیسے علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ، فیسن للمسلم منھا ان ینوی بقولہ السلام علیکم من علی یمینہ و یسارہ و خلفہ من الملائکۃ و المؤمنین" (جمع ج ۲ ص ۱۰۴) (پس سلام پھیرنے والے کے لئے مسنون یہ ہے کہ السلام علیکم کہتے وقت دائیں بائیں اور پیچھے موجود فرشتوں اور مومنین کی نیت کیا کرے)

ایک اہم نکتہ :

مذکورہ روایت میں ومن تبعھم کے بعد من المؤمنین و المسلمین کے اضافہ کے متعلق ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں، ولعل الجمع بین الوصفین مع ان موصوفھما واحد للاشارۃ الی انقیادھم الباطنی و الظاھری و الجمع بین النسبۃ العلمیۃ و المباشرۃ العملیۃ (جمع ج ۲ ص ۱۰۴) (المواہب ص ۲۱۵) (اور شاید یہ دو اوصاف (ایمان و اسلام) کے درمیان اجتماع باوجودیکہ ان کا موصوف ایک ہی ہے یہ اشارہ ہو کہ وہ لوگ ظاہری اور باطنی طور پر تابعداری اختیار کرنے والے اور وہ نسبتِ علمیہ (اعتقادیات) اور نسبتِ عملیہ کے اوصاف کے جامع ہیں)

حاصلِ باب :

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ باب کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں کہ :

" أربعة و عشرون حديثًا قدمها لنا الامام الترمذی فی عبادة التطوع لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ـ ولم یتعرض الإمام الترمذی فی الباب الفرائض ، فکیف کان وقته یسمح لذلک کله؟

وهذا مع الجهاد و مصالح العباد ، و شوؤن البیت و غیر ذلک من الامور الجسام لعل الذین یضیعون أوقاتهم فی غیر طائل ، یقتدون بهذا العمل لتوجیهی ، وهذه التربیة المصفاة .

قال الشاعر :

إذا عاش الفتی ستین حولا فنصف العمر تمحقه اللیالی
و نصف النصف یمضی لیس یدری بغفلته یمینا من شمال
وباقی النصف آمال و حرص و شغل بالمکاسب و العیال
و باقی العمر أسقام و شیب و آفات تدل علی انتقال
فحب المرء للحیوان جهل و قسمته علی هذا التوالی

و للرواتب من النوافل حکمة جلیلة قال فی الاکمال إن أوقات الصلوات تفتح فیها أبواب السماء ، و یستجاب فیها الدعاء ، فرغب فی تکثیر النوافل حینئذ . قالوا و تقدیم النوافل علی الفرائض لیأنس العبد بالصلاة المفروضة لیکون فیها من الخاشعین (اتحافات ص ۳۲۶) (امام ترمذیؒ نے صرف حضور ﷺ کی نفلی عبادت کے متعلق بھی چوبیس (۲۴) احادیث کا ذکر کیا ہے حالانکہ اس نے باب میں فرائض کا تذکرہ نہیں کیا اس سے آپ خود اندازہ لگائیں کہ آپؐ ان کے لئے وقت میں کتنی وسعت اور فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہوں گے اور عبادت خداوندی میں ہمہ تن مصروفیت کے ساتھ ساتھ جہاد ،لوگوں کے مصالح ،گھریلوں ضروریات کے علاوہ دیگر بڑے اہم امور میں

مصروفیات ہوا کرتیں ان امور کے تذکرے سے شاید وہ لوگ جو اپنے قیمتی اوقات کو فضول اور بے مقصد کاموں میں لگائے رکھتے ہیں کچھ غور وفکر کر کے اپنے اوقات کو آپ ﷺ کی پیروی کر کے با مقصد اور اہم امور میں مصروف رکھا کریں۔ شاعر کہتے ہیں کہ جب ایک نوجوان ساٹھ سال زندگی گزار دے تو گویا آدھی عمر کو راتوں کی غفلت وغیرہ نے گھٹا دیا اور پھر آدھی عمر کا نصف تو ایسے گزرتا ہے کہ وہ اپنی غفلت میں دائیں بائیں کی تمیز بھی نہیں کر سکتا اور باقی نصف آرزؤوں لالچ، کسبِ معاش اور اہل وعیال کی مشغولیت میں لگ جاتا ہے۔ اور باقی بیماریوں بڑھاپے اور ایسے آفات ومصائب جو موت وانتقال کی خبر دیتے ہیں۔ اس لئے انسان کو زندگی سے محبت کرنا جہالت ہی ہے اور اس کی تقسیم اسی طور طریقہ پر ہی ہے۔ اور سنن ونوافل کے اہتمام کرنے میں بہت سے فوائد اور حکمتیں مضمر ہیں۔ اکمال میں ہے کہ اوقات نماز میں آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ان اوقات میں دعائیں قبول ہوتی ہیں اس لئے ایسے قیمتی اوقات میں نوافل کی کثرت میں رغبت اور الفت پیدا کریں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ نوافل وسنن کی فرائض پر تقدیم اس غرض ومقصد کے لئے ہوتی ہے تاکہ بندہ فرض نمازوں کے ساتھ مانوس ہو جائے تاکہ گروہ خاشعین سے ہو جائے)

علامہ مناویؒ اس مقام پر خاتمہ کا عنوان قائم کر کے ایک ضابطہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں، **قال ابن دقيق العيد ، ضابط ماورد فيه احاديث بالنسبة الى النوافل المرسلة ان كل خبر صحيح دل على استحباب عدد من الاعداد وهيئة من الهيئات اونفل من النوافل يعمل به في استحبابه ...... ثم يختلف مراتب ذلك المستحب فما دل الدليل على تأكده اما بملازمة فعله اوبكثرة فعله و اما بقوة دلالة اللفظ على تأكد حكمه واما بمعاضدة خبر آخر تعلو رتبته في الاستحباب ومانقص عن ذلك فهو بعده في الرتبة ...... وما ورد فيه حديث لاينتهي للصحة فان كان حسنا عمل به ان لم يعارضه اقوى منه و مرتبته ناقصة عن الرتبة الثانية اعني الصحيح الذى لم يدم عليه اولم يؤكد اللفظ في طلبه، وما كان ضعيفا لايدخل في حيز الموضوع فان احدث شعارا في الدين منع والااحتمل ان يقال يستحب لدخوله تحت العمومات المقتضية لفعل الخير و ندب الصلوة و احتمل ان يقال هذه الخصوصيات بالوقت والحال والهيئة فاللفظ يحتاج لدليل خاص ليقتضى استحبابه بخصوصه**

وھذا اقرب اھ۔(مناوی ج ۲ ص ۱۰۴)

(ابن دقیق العیدؒ نے کہا کہ نوافل مرسلہ کے متعلق وارد شدہ احادیث کا ضابطہ یہ ہے کہ ہر حدیث صحیح جب اعداد میں سے کسی عدد یا ہیئات اور کیفیات میں سے کسی کیفیت اور یا کسی نفل کام کے مستحب ہونے پر دلالت کرے تو استحبابی طور سے اس پر عمل کیا جائے گا ہاں استحباب کے مراتب درجات مختلف ہوں گے یعنی جب کوئی دلیل اس کے مؤکد ہونے پر دال ہو جیسے وہ فعل یا تو بطور دوام کیا جاتا تھا یا اس کو بہت زیادہ کرتے تھے اور یا پھر اس کے حکم پر الفاظ وعبارت ہی میں تاکید نمایاں ہو یا پھر کسی دوسری حدیث وخبر سے اس کی مزید تاکید ہو رہی ہو تو یہ استحباب کے اعلیٰ درجہ کی قسم ہے اور جو اس سے کچھ کم ہو تو اس کا درجہ بھی پہلے سے بعد میں ہوگا اور جس فعل کے مستحب ہونے کے متعلق ایسی حدیث وارد ہو جو صحیح کے درجہ کو نہیں پہنچی ہے۔

تو پھر اگر وہ حسن کے درجہ میں ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا بشرطیکہ اس کے معارض کوئی ایسی حدیث نہ ہو جو اس سے قوی تر ہو اور اس کا مرتبہ ناقص اور کم ہوگا دوسرے درجہ کی روایت سے یعنی اس حدیث صحیح سے جس سے ایسے فعل کا استحباب معلوم ہوا تھا جس پر دوام کا التزام نہیں ہوا یا اس کے کرنے میں مؤکد الفاظ اور کلمات استعمال نہیں ہوئے تھے اور اگر وہ حدیث ضعیف درجہ کی ہو تو اگر اس کی وجہ سے کوئی نیا طریقہ (بدعت) دین میں ایجاد ہونے کا خطرہ ہو تو پھر وہ ممنوع ہوگا ورنہ احتمال ہے کہ یہ کہا جائے کہ وہ مستحب ہے کیونکہ یہ ان عمومی روایات میں سے ہوگا جو نماز اور دوسرے نیکی کے امور کے استحباب کے مقتضی ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ کسی وقت حال یا کیفیات کے ساتھ مخصوص ہوں تو پھر لفظ ایک ایسی دلیلِ خاص کا محتاج ہوگا جو بالخصوص اس کے استحباب کی مقتضی ہو۔اور یہ توجیہ وتطبیق اقرب ہے)

==================================

باب صلوٰۃ الضحیٰ

باب ! نمازِ چاشت کے بیان میں

ضحیٰ کا معنیٰ اور وقت کی تعیین :

ضحٰی 'قری کی طرح ضحوۃ کی جمع ہے۔ضحوۃ اوّلِ نہار کو کہتے ہیں۔سورج کے بلند ہونے سے لے کر زوالِ آفتاب تک وقتِ ضحٰی ہے۔شارحینِ حدیث نے اس کے تین نام نقل کئے ہیں۔

(۱)ضحوۃ' ذلک عند الشروق ۔(۲)ضحی ذلک اذا ارتفعت الشمس ۔(۳) ضحاء ذلک الی الزوال ۔(ضحوہ سورج نکلنے سے روشن ہونے تک کو کہتے ہیں (۲) ضحیٰ جب سورج خوب چڑھ جائے (۳) ضحاء۔سورج کے خوب چڑھنے سے زوال تک) حنفیہ کے نزدیک چوتھائی دن کے بعد سے نصف النہار تک چاشت کا وقت ہے۔فالضحی اسم لزمن مخصوص والإضافة هنا بمعنیٰ فی : ای الصلوۃ التی تصلی فی الضحی ۔(اتحافات ص۳۲۷)(تو ضحیٰ ایک مخصوص وقت کا نام ہے اور صلوۃ الضحیٰ میں اضافت بمعنی فی کے ہے یعنی وہ نماز جو ضحیٰ (چاشت) کے وقت میں پڑھی جاتی ہے)

طلوع شمس سے لے کر ظہر سے پہلے پہلے تین نماز ادا کی جاتی ہیں۔سورج طلوع ہونے کے بعد دس پندرہ منٹ (کہ اس میں نماز مکروہ ہے) جب سورج نیزے' سوا نیزے کے برابر ظاہر ہو جاتا ہے، اس وقت نماز اشراق ادا کی جاتی ہے۔اشراق کے دو تین گھنٹے گذرنے کے بعد چاشت کا وقت شروع ہوتا ہے، جو نو' دس بجے سے قبل استواء تک رہتا ہے۔اس وقت پڑھی جانے والی نفل نماز کو چاشت کہتے ہیں۔لکن الأفضل تاخيرها الى ان يمضى ربع النهار ليكون فى كل ربع صلوۃ ۔ (مواہب ص ۲۱۵)(لیکن اس میں چوتھائی دن گزرنے تک تاخیر اس لئے افضل ہے تاکہ دن کی ہر چوتھائی میں نماز ہو) جسے بعض روایات میں صلوۃِ اوّابین کا نام بھی دیا گیا ہے۔اس کا نام ضحٰی ہے اور

باب میں اسی کا تذکرہ ہے اور ایک صلوٰۃ الزوال ہے، جس کا وقت زوال سے کچھ بعد ہے۔ انہی کا تذکرہ علامہ ملا علی قاریؒ ان الفاظ سے فرماتے ہیں، **وانّ ما وقع فی اوائله یسمی صلوٰۃ الاشراق و ماوقع فی اواخره یسمی صلوٰۃ الزوال و ما بینھا یختص بصلوٰۃ الضحی** ۔(جمع ج۲ص۱۰۴) اور کبھی صلوٰۃ ضحٰی سے تینوں نمازیں مراد لی جاتی ہیں۔ اس باب کے تحت امام ترمذیؒ نے آٹھ حدیثیں نقل کی ہیں۔

صلوٰۃِ ضحٰی کی فضیلت :

صلوٰۃ ضحٰی کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ شارحینِ حدیث نے اس میں علماء کے آٹھ مذاہب ذکر کئے ہیں۔ احناف اسے مستحب قرار دیتے ہیں اوجز المسالک میں پچیس (۲۵) صحابہ کرامؓ کی روایات نقل کی گئی ہیں۔ **أخرج مسلم عن رسول الله ﷺ قال یصبح علی کل سلامی من احدکم صدقة، فکل تسبیحة صدقة و کل تحمیدة صدقة، و کل تهلیلة صدقة و کل تکبیرة صدقة و امر بالمعروف صدقة و نهی عن المنکر صدقة، ویجزی عن ذلک رکعتان یرکعها من الضحی** ۔(اتحافات ص۳۳۱) (امام مسلمؒ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا کہ (صبح صحت و سلامتی کے ساتھ اٹھنے پر) ہر انسان کے ہر جوڑ کے بدلہ صدقہ ہے پھر اس کا سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے اور الحمدللہ کہنا بھی صدقہ ہے اور لا الہ الا اللہ کہنا بھی صدقہ ہے اور اللہ اکبر کہنا بھی صدقہ ہے نیکی کا حکم کرنا بھی صدقہ ہے اور برائی سے منع کرنا بھی صدقہ ہے۔ اور ان سب سے چاشت کی دو رکعت نماز پڑھ لینا کافی ہے)

یہ نماز چار رکعت سے لے کر بارہ رکعت تک میں ادا کی جاتی ہے۔ امام احمدؒ سے روایت ہے، **من حافظ علی صلاة الضحی غفرت له ذنوبه و ان کانت مثل زبد البحر**...... (جس شخص نے چاشت کی نماز کا اہتمام کیا تو اس کے سب گناہ ولغزشیں معاف کردی جائے گی اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں) اس نماز پر مواظبت کرنے والے کو دو حجوں اور دو عمروں کا ثواب ملتا ہے

(۱/۲۷۵) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ يَزِيْدَ الرِّشْكِ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاذَةَ قَالَتْ قُلْتُ لِعَآئِشَةَ اَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الضُّحٰى قَالَتْ نَعَمْ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ وَ يَزِيْدُ مَاشَاءَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی ۔وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابوداؤدطیالسی نے بیان کیا۔وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی شعبۃ نے یزید رشک کے واسطہ سے ۔یزید کہتے ہیں کہ میں نے معاذۃؒ کو یہ کہتے ہوئے سُنا۔معاذۃ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا حضور اقدس ﷺ چاشت کی نماز پڑھتے تھے۔انہوں نے فرمایا کہ ہاں چار رکعت (کم سے کم) پڑھتے تھے اور اس سے زائد جتنا دل چاہتا پڑھ لیتے۔

راویان حدیث (۵۴۷) یزید الرشکؒ اور (۵۴۸) معاذۃؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

صلواۃ ضحٰی اور تعدادِ رکعت :

أربع رکعات و یزید ماشاء اللّٰہ عزوجل ! شارحینِ حدیث کہتے ہیں کہ صلوٰۃ ضحٰی نوافل ہیں۔کم سے کم دوؔ اور زیادہ کے لئے تحدید نہیں ،جتنی بھی سرور وانبساط سے پڑھی جاسکیں پڑھی جائیں۔ تاہم حضور اقدس ﷺ سے بارہ (۱۲) رکعت تک پڑھنا ثابت ہے۔

علامہ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ صحیح اور ضعیف احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے آٹھ رکعات سے زیادہ یہ نماز نہیں پڑھی اور بارہ رکعت سے زیادہ پڑھنے کی ترغیب بھی نہیں دی اور چار رکعت پڑھنا افضل ہے، لکن باستقراء الاحادیث الصحیحۃ والضعیفۃ علم انہ لم یزد علی الثمان و لم یرغب اکثر من اثنتی عشرۃ ۔(جمع ج۲ص۱۰۶)(احادیث صحیحہ اور ضعیفہ کے تتبع اور تلاش کے بعد معلوم ہوا کہ آپؐ نے چاشت کی نماز آٹھ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھی اور بارہ رکعت سے زیادہ کی ترغیب نہیں دی)

حدیث باب سے متعلق ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں، وفیہ دلیل علی ان الاربع ھو الافضل من

حیث مواظبته صلی اللہ علیه وسلم والزیادة علیه احیاناً و یدل علیه اکثر الاحادیث الواردة فی ذلک و کحدیث ابی الدرداء و ابی ذر عند الترمذی مرفوعاً عن اللہ تعالیٰ ابن آدم ارکع لی اربع رکعات اول النهار اکفک آخره ۔(جمع ج۲ص۱۰۶)(اورحدیث باب میں چار رکعت نماز چاشت پڑھنے کے افضل ہونے کی دلیل ہے کیونکہ نبی علیہ السلام کی چار رکعت نمازِ چاشت پڑھنے پر مواظبت ہوا کرتی تھی اور کبھی کبھی اس سے زیادہ بھی پڑھ لیا کرتے نیز چار رکعت نماز چاشت کی افضلیت پر اکثر احادیث بھی دال ہیں اور جیسے کہ ترمذی کے نزدیک ابودرداءؓ اور ابوذرؓ سے حدیث قدسی منقول ہے اے ابنِ آدم! تو میری رضا کے لئے چار رکعت شروع دن میں پڑھ لے میں تیرے دن کے سارے امور کے لئے کافی ہو جاؤں گا)

علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں انیس (۱۹) صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کو صلوٰۃ الضحٰی پڑھتے دیکھا ہے، حتی قال ابن جریر اخبارها بلغت حد التواتر ۔(مواہب ص۲۱۶)(تا آنکہ ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ چاشت کی نماز کے متعلق احادیث حدتواتر کو پہنچے ہیں)

(۲۷۶/۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنِیْ حَکِیْمُ بْنُ مُعَاوِیَةَ الزِّیَادِیُّ حَدَّثَنَا زِیَادُ بْنُ عُبَیْدِ اللّٰهِ بْنِ الرَّبِیْعِ الزِّیَادِیُّ عَنْ حُمَیْدِ الطَّوِیْلِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّی الضُّحٰی سِتَّ رَکَعَاتٍ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن مثنیٰ نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے اسے حکیم بن معاویہ زیادی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ روایت زیاد بن عبیداللہ بن ربیع زیادی نے حمید طویل کے حوالہ سے بیان کی اور انہوں نے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ صلوٰۃ الضحٰی یعنی چاشت کی چھ رکعات پڑھا کرتے تھے

راویان حدیث (۵۴۹) حکیم بن معاویہؒ اور (۵۵۰) زیاد بن عبیداللہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

چھ رکعت کی بات :

کان یصلی الضحٰی ستّ رکعات ! گزشتہ حدیث میں **اربع رکعات و یزید ماشاء اللّٰہ** منقول ہوا ہے۔ مختلف حالات اور کیفیات کے پیش نظر تعدادِ رکعات میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ کم از کم دو رکعت، عام معمول چار رکعت، زیادۃ کا معمول آٹھ رکعت اور گاہے گاہے بارہ رکعت بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔ شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں : **فالحاصل أنه صلاها تارة رکعتین و هو اقلها و تارة اربعًا و هو اغلب احواله و تارة ستا و تارة ثمانية و هو اکثرها فضلا و عددا علی الراجح و قیل افضلها ثمان و اکثرها اثنتا عشرة** (مواہب ص۲۱۶)

(۳/۲۷۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی قَالَ مَا اَخْبَرَنِیْ اَحَدٌ اَنَّهٗ رَاَی النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّى الضُّحٰی اِلَّا اُمُّ هَانِیءٍ فَاِنَّهَا حَدَّثَتْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ بَيْتَهَا يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ فَاغْتَسَلَ فَسَبَّحَ ثَمَانِىَ رَكَعَاتٍ مَارَاَيْتُهٗ صَلّٰى صَلٰوةً قَطُّ اَخَفَّ مِنْهَا غَيْرَ اَنَّهٗ كَانَ يُتِمُّ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن مثنیٰ نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر دی شعبہ نے عمرو بن مرہ سے اور انہوں نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے حوالہ سے روایت کی۔ عبدالرحمٰنؒ ایک تابعی کہتے ہیں کہ مجھے امّ ہانی رضی اللہ عنہا کے سوا اور کسی نے حضور اکرم ﷺ کی صلوٰۃ الضحٰی کی خبر نہیں پہنچائی۔ البتہ حضرت امّ ہانیؓ نے یہ فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ اُس روز جس روز مکہ مکرمہ فتح ہوا تھا، ان کے مکان پر تشریف لے گئے اور غسل فرما کر آٹھ رکعات نماز پڑھی۔ میں نے ان آٹھ رکعات سے زیادہ مختصر حضور اکرم ﷺ کی کبھی کوئی نماز نہیں دیکھی، لیکن باوجود مختصر ہونے کے رکوع، سجود پورے پورے فرما رہے تھے یہ نہیں کہ مختصر ہونے کی وجہ سے رکوع اور سجدے ناقص ہوں۔

راویان حدیث (۵۵۱) عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ اور (۵۵۲) ام ھانیؓ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل

ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

دیگر صحابہؓ سے عدم روایت کی حقیقت :

ما اخبرنی احد ...... عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے اس کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نماز کا علم سوائے امّ ہانی کے کسی اور صاحب کو تھا ہی نہیں۔ شیخ ابراہیم الباجوریؒ فرماتے ہیں ..... **والمنفی انما هو اخبار غير ام هانی لعبد الرحمن بن ابی ليلٰی بصلواة النبی صلوٰة الضحٰی و هو لاينافی ما تقدم من ان اكابر الصحابة تسعة عشر شهدوا ان النبی صلی الله عليه وسلم كان يصليها و من ثم قال ابوزرعة ورد فيها احاديث كثيرة صحيحة مشهورة حتی قال ابن جرير انها بلغت حد التواتر** (مواہب ص ۲۱۷) (عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ کا یہ کہنا کہ مجھے ام ھانیؓ کے علاوہ حضورؐ کی چاشت نماز پڑھنے کی روایت کا تذکرہ کسی نے نہیں کیا تو یہاں منفی صرف یہ ہے کہ عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ کو حضور ﷺ کی نمازِ چاشت کا علم ام ھانیؓ کے علاوہ کسی دوسرے کے خبر دینے کی ہے۔ اور یہ بات سابقہ انیس (۱۹) صحابہؓ سے مروی شدہ روایت کے خلاف نہیں جس میں وہ شہادت دیتے ہیں کہ نبی علیہ السلام (نماز چاشت) پڑھا کرتے تھے اور اسی لئے تو امام ابوزرعہ نے کہا ہے کہ اس سلسلہ میں تو بہت سے احادیث صحیحہ مشہورہ وارد ہوئی ہے ابن جریرؒ نے تو اس حد تک کہہ دیا کہ نمازِ چاشت کے بارے میں احادیث درجہ تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں)

ایک تعارض کا حل :

دخل بيتها يوم فتح مكة ...... (حضور ﷺ فتح مکہ کے دن ام ھانیؓ کے گھر گئے) جبکہ بعض دیگر روایات میں اس کے بالعکس ہے، یعنی **دخلت امّ هانی علی رسول الله صلی الله عليه وسلم** (ام ھانیؓ حضور ﷺ کے پاس آئیں) شارحینِ حدیث نے تطبیق کی مختلف توجیہات نقل کی ہیں۔ راجح یہ ہے کہ یہ دو مختلف واقعات ہوں گے اور ایک صورت یہ بھی ہے کہ آپؐ جب امّ ہانی کے گھر تشریف لے گئے، تو **دخل بيتها** صادق ہوگیا، مگر حضرت امّ ہانی اس وقت گھر میں موجود نہیں تھیں۔ بعد میں جب وہ اپنے گھر تشریف لائیں تو وہ **دخلت امّ هانی علی رسول الله صلی الله عليه**

وسلم کی مصداق قرار پائیں۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ ''یہ نماز جو اس حدیث میں ذکر کی گئی ہے یہ چاشت کی نماز نہ تھی بلکہ مکة المکرمہ کے فتح ہونے پر شکرانہ کی نماز تھی۔ حضور اقدس ﷺ کا معمول تھا کہ جب کوئی مسرت کی بات ہوتی تو شکرانہ کی نماز پڑھتے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان رکعات میں سے کچھ حصہ چاشت کی نماز ہو اور کچھ حصہ شکرانہ کی نماز ہو''۔ (خصائل)

تخفیفِ رکعات کیوں ؟

اخف منها ...... شیخ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ نمازِ چاشت میں پیغمبرِ خدا ﷺ کی قرأت لمبی ہوتی تھی۔ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ فتح مکہ کے دن مشاغل اور مشکل ذمہ داریوں کے پیشِ نظر اس نماز کی قرأت کو نہایت مختصر فرمادیا ہو۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں **و انما خفف یوم الفتح لاحتمال انه قصد التفرغ لمهمات الفتح لکثرة شغله به**۔ (جمع ج۲ ص۱۰۹)

(۴/۲۷۸) حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا وَ کِیْعُ حَدَّثَنَا کَهْمَسُ ابْنُ الْحَسَنِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِیْقٍ قَالَ قُلْتُ لِعَآئِشَةَ اَکَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّی الضُّحٰی قَالَتْ لَا اِلَّا اَنْ یَّجِیْءَ مِنْ مَغِیْبِه.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ابن ابی عمر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے وکیع نے بیان کیا۔ اُن کو یہ حدیث کہمس بن حسن نے عبداللہ بن شقیق کے حوالہ سے نقل کی۔ عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ صلوٰۃ الضحٰی پڑھتے تھے، انہوں نے فرمایا کہ معمولاً تو نہیں پڑھتے تھے۔ ہاں سفر سے جب لوٹتے تو ضرور پڑھتے۔

صلوٰۃ ضحٰی پڑھنے کا معمول کیا تھا :

قالت لا الّا ان یجئی من مغیبه ! امّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں فرمایا، معمولاً تو نہیں پڑھتے تھے، ہاں سفر سے جب لوٹتے تو ضرور پڑھتے تھے۔ لفظی ترجمہ میں لفظِ معمولاً کا اضافہ کر کے تعارض روایات کے اشکال کا جواب دے دیا گیا ہے۔

حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ جواب، حضرت معاذۃ رضی اللہ عنہا کے جواب کے بالعکس ہے۔ وہاں قطعاً اثبات اور یہاں بظاہر نفی ہے۔ شارحینِ حدیث کہتے ہیں کہ اس حدیث میں نفی مداومت کی ہے، جو کبھی کبھی پڑھنے کے منافی نہیں ہے۔ علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں، ای لم یکن یداوم علی صلوتھا فقولھا ھنا لا نفی للمداومۃ۔ (مواہب ص ۲۱۷)

تعارضِ روایات سے جواب:

الّا ان تجئی من مغیبہ ! حضور اقدس ﷺ کا عام معمول یہ تھا کہ اکثر سفر سے واپسی پر صبح کے وقت مدینہ منورہ میں داخل ہوتے اور پہلے مسجدِ نبوی میں تشریف لے جا کر نوافل ادا فرماتے اور یہ عموماً چاشت کا وقت ہوا کرتا تھا، پھر وہیں تشریف رکھتے، کعب بن مالک سے روایت ہے، انہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان لایقدم من سفرہ الانھارا من الضحی فاذا قدم بدأ بالمسجد اوّل قدومہ فصلّی فیہ رکعتین ثم جلس فیہ۔ (مواہب ص ۲۱۷)

لہٰذا بعض علماء نے اسی طرح تطبیق کی ہے کہ سفر سے لوٹنے کے علاوہ اور ایام میں مسجد میں نہیں پڑھتے تھے، بلکہ گھر میں پڑھتے تھے۔ گویا حدیث میں نفی خاصۃً مسجد میں پڑھنے کی مقصود ہے کہ مسجد میں جب ہی پڑھتے تھے، جب سفر سے واپس تشریف لاتے۔ (خصائل)

(۵/۲۷۹) حَدَّثَنَا زِیَادُ ابنُ اَیُّوبَ الْبُغْدَادِیُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَبِیْعَۃَ عَنْ فُضَیْلِ بْنِ مَرْزُوْقٍ عَنْ عَطِیَّۃَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ ِالْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّی الضُّحٰی حَتّٰی نَقُوْلَ لَایَدَعُھَا وَ یَدَعُھَا حَتّٰی نَقُوْلَ لَایُصَلِّیْھَا.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں زیاد بن ایوب بغدادی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے محمد بن ربیعہ نے فضیل بن مرزوق کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت عطیہ سے سُنی اور انہوں نے صحابی رسول حضرت ابو سعید خدریؓ سے نقل کیا۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ صلوٰۃ الضحٰی کبھی تو اس قدر اہتمام سے پڑھتے تھے کہ ہم لوگوں کا یہ خیال ہوتا تھا کہ اب کبھی

نہیں چھوڑیں گے اور حضور اکرم ﷺ کبھی (فرض ہونے کے خوف سے یا کسی اور مصلحت سے) ایسا ترک فرماتے تھے کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ بالکل چھوڑ دی۔ اب کبھی نہیں پڑھیں گے۔

راویان حدیث (۵۵۳) محمد بن ربیعہ الکلابیؒ (۵۵۴) فضیل بن مرزوقؒ اور (۵۵۵) عطیہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

صلوٰۃ ضحٰی میں آپ ﷺ کا ایک اور معمول :

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ...... صلوٰۃ ضحٰی کے بارے میں حضور اقدس ﷺ کا معمول تھا، کبھی پڑھ لیتے، کبھی ترک فرمادیتے، کبھی کم پڑھتے اور کبھی زیادہ پڑھتے۔ اس میں بھی باری تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کارفرما تھی، اگر مسلسل پڑھتے تو احتمال تھا کہ اللہ پاک اسے فرض قرار دے دیں اور اگر مسلسل ترک فرمادیتے تو لوگ اس کی برکات سے محروم رہ جاتے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بعض امور میں حضور اقدس ﷺ کا دل چاہتا تھا کہ وہ اسے کر ڈالیں، مگر اس ڈر سے اہتمام نہیں فرماتے تھے کہ مبادا امت پر یہ فرض ہو جائیں۔ شیخ الیجوریؒ فرماتے ہیں والحاصل انه کان یحبها فکان یواظب علیها ایاما و یترکها احیانا للخوف من اعتقاد فرضیتها (مواہب ص ۲۱۸)

(۶/۲۸۰) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ عَنْ هُشَيْمٍ اَخْبَرَنَا عُبَيْدَةُ عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنْ سَهْمِ بْنِ مِنْجَابٍ عَنْ قُرْثَعٍ الضَّبِّيِّ اَوْ عَنْ قَزْعَةَ عَنْ قُرْثَعٍ عَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُدْمِنُ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ عِنْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ تُدْمِنُ هٰذِهِ الْاَرْبَعَ الرَّكَعَاتِ عِنْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ فَقَالَ اِنَّ اَبْوَابَ السَّمَآءِ تُفْتَحُ عِنْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ فَلَا تُرْتَجُ حَتّٰى تُصَلَّى الظُّهْرُ فَاُحِبُّ اَنْ يَصْعَدَ لِيْ فِيْ تِلْكَ السَّاعَةِ خَيْرٌ قُلْتُ اَفِيْ كُلِّهِنَّ قِرَاءَةٌ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ هَلْ فِيْهِنَّ تَسْلِيْمٌ فَاصِلٌ قَالَ لَا.

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا عُبَيْدَةُ عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنْ سَهْمِ بْنِ مِنْجَابٍ عَنْ قَزْعَةَ عَنِ الْقُرْثَعِ عَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهٗ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں احمد بن منیع نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ہشیم نے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی عبیدۃ نے ابراہیم کے واسطہ سے، اُن کو یہ حدیث ابراہیم نے سہم بن منجاب سے اور اس نے قرثع ضبی سے بلا واسطہ یا بالواسطہ قزعہ عن قرثع سُن کر نقل کی ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہمیشہ زوال کے وقت چار رکعت پڑھتے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ ان چار رکعتوں کا بڑا اہتمام فرماتے ہیں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ آسمان کے دروازے زوال کے وقت سے ظہر کی نماز تک کھلے رہتے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میرا کوئی کارِ خیر اُس وقت آسمان پر پہنچ جائے۔ میں نے عرض کیا کہ ان کی ہر رکعت میں قرأت کی جائے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہاں قرأت کی جائے۔ میں نے عرض کیا کہ کیا ان میں دو رکعت پر سلام پھیرا جائے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ نہیں چاروں رکعات ایک ہی سلام سے ہونی چاہییں۔

بحث اسناد :

امامِ ترمذی نے ابوایوب انصاریؓ کی حدیث مذکور کو دو سندات سے ذکر کیا ہے۔(۱) اپنے شیخ **احمد بن منیع عن هشیم** ...... کے واسطہ سے جس میں یہ شک ہے کہ **سهم بن منجاب عن قرثع عن ابی ایوب الانصاری** ہے یا **عن قزع عن قرثع عن ابی ایوب الانصاری** ہے۔(۲) اپنے شیخ احمد بن منیع **حدثنا ابو معاویة** ...... کے واسطہ سے، جس میں بلاشک **عن قزعة عن قرثع عن ابی ایوب الانصاری** ہے۔ اس کی وجہ علامہ مناویؒ نے نقل فرماتے ہوئے لکھا ہے **قال القسطلانی کذا وقع فی هذه الروية (الاولٰی) بالشک و فی طریق ابی معاویة عن قزعة بلاشک ...... قال بعضهم ابومعاوية المذکور هو هشیم و فیه تأمل لانه لو کان کذلک فلیس لا یراد المؤلف الاسناد بعینه و قوله فی آخره نحوه کبیر فائدة فیحتمل ان یکون ابومعاوية هو محمد بن خازم او شیبان النحوی و یحتمل ان مراد المؤلف ان ابن منیع رواه تارة عن هشیم علی التردد و تارة علی الجزم** ۔(مناوی ج۲ص۱۱۲) (علامہ قسطلانیؒ فرماتے ہیں اسی طریقہ سے اسی روایت (پہلی) میں شک کے ساتھ واقع ہوا (کہ سہم بن منجاب قرثع سے اور وہ ابوایوب انصاری سے روایت کرتے ہیں یا

سہم قزع سے اور وہ قرثع سے اور وہ ابوایوب انصاری سے روایت کرتے ہیں) اور ابو معاویہ عن قزع کے طریق (سند) میں بغیر شک کے اسی طرح ہے کہ (عن قزعة عن قرثع عن ابی ایوب الانصاری) بعض حضرات کہتے ہیں کہ ابو معاویہ مذکورہ وہ ھشیم ہی ہیں لیکن یہ کہنا قابل تأمل ہے اس لئے کہ اگر ایسا ہی ہوتا تو مصنفؒ کا اسناد کو بعینہ ذکر کرنا اور پھر اس کے آخر میں نحوہ (کہ اس کے مثل ہے) کہنے کا کوئی خاص فائدہ نظر نہیں آتا تو یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ ابو معاویۃ وہ محمد بن خازم یا شیبان نحوی ہوں اور یہ احتمال بھی ہے کہ مصنفؒ کی مراد یہ ہو کہ احمد بن منیع کبھی تو ہشیم سے شک کی صورت میں اور کبھی یقینی طور پر روایت کرتے ہیں)

راویان حدیث (۵۵۶) عبیدہؒ وابراهیمؒ (۵۵۷) سہم بن منجابؒ (۵۵۸) قرثعؒ اور (۵۵۹) قزعۃؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

صلوٰۃ الزوال کی حقیقت :

کان یلمن اربع رکعات ......یلمن ہمیشگی کرتے تھے۔ ای یداوم (مواہب ص ۲۱۸)

عند زوال الشمس یہاں عند بمعنی بعد کے ہے، ای عقبه لعدم التراخی کانها عنده ۔ (مواہب ص ۲۱۸) یعنی زوال کے بعد چونکہ زوال کے بعد بلا تاخیر پڑھا کرتے اس لئے اس کو عند زوال الشمس سے تعبیر کیا گیا) صوفیاء کرام صلوٰۃ الزوال کو ایک مستقل نماز قرار دیتے ہیں، مگر محدثین حضرات ان چار رکعت سے ظہر کی سنتیں مراد لیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ زوال کے بعد اور ظہر سے پہلے پہلے ان چار رکعت سنت کے علاوہ دوسری کوئی نماز نہیں ہے۔ جن پر آپ ﷺ نے مداومت فرمائی ہو۔ وهذه الصلوة هی سنة الزوال و قیل سنة الظهر القبلية و يعد الاول التعبير بالادمان المراد به المواظبة اذلم يثبت انه صلى الله عليه وسلم واظب على شئی من السنن بعد الزوال الاعلىٰ راتبة الظهر (مواہب ص ۲۱۸) (اور یہ چار رکعات زوال کے بعد یہ سنت زوال ہیں اور بعض حضرات اس کو ظہر سے پہلے کی سنتیں کہتے ہیں حدیث میں ادمان یعنی مواظبت سے پڑھنے کے قرینہ نے پہلے معنیٰ کو بعید قرار دے دیا اس لئے کہ آپؐ سے زوال کے بعد سنن ظہر کے علاوہ دوسرے سنن پر دوام ثابت نہیں ہے)

ایک اشکال کا جواب :

جب یہ صلوٰۃ الضحیٰ نہیں تو امام ترمذیؒ نے اسے اس باب کے تحت کیوں درج کیا۔ شارحینِ حدیث فرماتے ہیں (۱) کہ اس وقت چاشت کی نماز کا منتہٰی تھا۔ اس لئے تبعاً یہاں ذکر کر دیا گیا۔ (۲) بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے، اس کا محل گذشتہ باب ہے، جیسا کہ بعض نسخوں میں یہ گذشتہ باب میں نقل بھی ہوئی ہے۔

سوال کی حکمت :

فقلت ! سوال کی غرض اس کی حکمت وفضیلت کا استفہام ہے۔ **هو الاستفهام عن حكمة ذلک**۔ (اتحافات ص ۳۳۰) حضور اقدس ﷺ کا جواب واضح ہے۔ **تفتح** ! آسمان کے دروازے کھلتے ہیں۔ **لصعود الطاعة و نزول الرحمة**۔ (اتحافات ص ۳۳۰) (طاعت اور نیکیوں کے چڑھنے اور رحمت خداوندی کے نزول کے لئے) **فاحبّ** ! شیخ عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں۔ **قد يراد بالصعود القبول**۔ (اتحافات ص ۳۳۰) (کہ کبھی صعود (اوپر جانے) سے مراد قبول ہونا ہوتا ہے)

چار رکعت نوافل سلامِ واحد سے :

هل فيهن تسليم فاصل قال لا ' یہ مسئلہ ماقبل باب کی آخری حدیث میں بھی بیان ہو چکا ہے۔ **يفصل بين كل ركعتين بالتسليم على المقربين والنبيين و من تبعهم من المؤمنين والمسلمين** ' یعنی آپ ﷺ دو دو رکعت سلام کے ساتھ فاصلہ کرتے تھے۔ احناف کہتے ہیں، یہ سلامِ فصل نہیں، بلکہ مومنین پر سلام ہے۔ یہ سلام چار رکعت کے درمیان بھی ہے کہ دو رکعت کے درمیان گویا فاصل ہے اور فاصل نہیں بھی کہ سلام نہیں پھیرا جاتا بلکہ ایک سلام سے چار رکعت مکمل کر لئے جاتے ہیں امام اعظمؒ کے نزدیک نوافل چار رکعت ایک سلام کے ساتھ پڑھنا افضل ہیں...... **قال الافضل اربعاً اربعاً ليلاً ونهاراً و وافقه صاحباه فى النهار دون الليل**۔ (مواہب ص ۲۱۹) (علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نوافل چار چار رکعات پڑھنا رات اور دن دونوں میں افضل ہیں اور

صاحبین (امام ابویوسفؒ ومحمدؒ) نے امام صاحب کی دن میں نہ کہ رات میں موافقت کا قول کیا ہے)

(۲۸۱/۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی اَخْبَرَنَا اَبُوْدَاوٗدَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمِ بْنِ اَبِی الْوَضَّاحِ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيْمِ الْجَزَرِیِّ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّیْ اَرْبَعًا بَعْدَ اَنْ تَزُوْلَ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ وَ قَالَ اِنَّهَا سَاعَةٌ تُفْتَحُ فِيْهَا اَبْوَابُ السَّمَآءِ فَاُحِبُّ اَنْ يَّصْعَدَلِیْ فِيْهَا عَمَلٌ صَالِحٌ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن مثنیٰ نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی ابوداؤد نے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو محمد بن مسلم ابن ابی الوضاح نے یہ روایت بیان کی اور انہوں نے اسے عبداللہ بن سائب سے روایت کیا۔ عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ زوال کے بعد ظہر سے قبل چار رکعت پڑھتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میرا کوئی عملِ صالح اس وقت بارگاہِ عالی تک پہنچے۔

راویان حدیث (۵۶۰) محمد بن مسلمؒ (۵۶۱) عبدالکریم الجزریؒ اور (۵۶۲) عبداللہ بن السائبؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث باب میں ظہر سے پہلے اور بعد الزوال کے وقت کی برکت واہمیت کو اُجاگر کیا گیا ہے، پھر اس میں عبادت اور وہ بھی نماز' آخر اس سے بڑھ کر اور سعادت کیا ہوسکتی ہے۔ نماز میں نبی ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور باری تعالیٰ سے مناجات و مذاکرات ہیں۔ حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کو زوالِ آفتاب کے بعد کی سنتیں بہت پسند تھیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تفتح فیھا ابواب السماء و ینظر اللّٰہ الی خلقہ بالرحمۃ وھی صلوۃ یحافظ علیھا آدم و نوح و ابرھیم و موسٰی و عیسی علیھم السلام۔ (جمع ج۲ص۱۱۲) (اس وقت آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو نظرِ رحمت سے نوازتے ہیں یہ ایک ایسی نماز ہے کہ اس پر آدم، نوح، ابراھیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام جیسے

جلیل القدر انبیاء نے محافظت فرمائی ہے)

(۲۸۲/۸) حَدَّثَنَا اَبُوْسَلَمَةَ يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَلِيِّ الْمُقَدَّمِيُّ عَنْ مِسْعَرِ ابْنِ كِدَامٍ عَنْ اَبِىْ اِسْحٰقَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ كَانَ يُصَلِّيْ قَبْلَ الظُّهْرِ اَرْبَعًا وَ ذَكَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْهَا عِنْدَ الزَّوَالِ وَيَمُدُّ فِيْهَا .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ابوسلمۃ یحیٰی بن خلف نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عمر بن علی مقدمی نے مسعر بن کدام کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت ابواسحٰق سے روایت کی، جنہوں نے اسے عاصم بن ضمرۃ کے واسطہ سے نقل کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ظہر سے قبل چار رکعت پڑھتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ بھی ان چار رکعت کو پڑھتے تھے اور ان میں طویل قرأت فرماتے تھے۔

راوی حدیث (۵۶۳) عمر بن علی المقدمیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

تطویلِ قراءت :

و يمد فيها ! تطویل قرأت کی طرف اشارہ ہے۔ من المد بمعنى الاطالة ۔ (جمع ج۲ص۱۱۴)

(یمد کا لفظ مدّ سے ماخوذ ہے بمعنیٰ لمبی قراءت کے)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں، امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ اِن چار رکعت میں بہتر یہ ہے کہ سورۂ بقرہ پڑھے، ورنہ کوئی ایسی سورۃ جو سو آیات سے زیادہ ہو تا کہ حضور اکرم ﷺ کا اتباع طویل قرأت میں ہوجائے۔ (خصائل)

باب ھذا میں حدیث چھ سے تا آخر تینوں روایات کا بظاہر اس باب سے تعلق معلوم نہیں ہوتا،

ويلاحظ ان الأحاديث الثلاثة الأخيرة غير مناسبة للباب ۔ (اتحافات ص۳۳۱)

===

بَابُ صَلٰوةِ التَّطَوُّعِ فِی الْبَیْتِ

باب ! نفل نماز گھر میں پڑھنے کے بیان میں

(۲۸۳/۱) حَدَّثَنَا عَبَّاسُ الْعَنْبَرِیُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِیٍّ عَنْ مُّعَاوِیَةَ بْنِ صَالِحٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ الْحٰرِثِ عَنْ حِرَامِ بْنِ مُعَاوِیَةَ عَنْ عَمِّهٖ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلٰوةِ فِیْ بَیْتِیْ وَالصَّلٰوةِ فِی الْمَسْجِدِ قَالَ قَدْ تَرٰی مَا اَقْرَبَ بَیْتِیْ مِنَ الْمَسْجِدِ فَلَاَنْ اُصَلِّیَ فِیْ بَیْتِیْ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اُصَلِّیَ فِی الْمَسْجِدِ اِلَّا اَنْ تَکُوْنَ صَلٰوةً مَکْتُوْبَةً۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عباس عنبری نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو عبدالرحمٰن بن مہدی نے معاویہ بن صالح کے واسطہ سے یہ روایت بیان کی۔ اُنہوں نے یہ روایت علاء بن حارث سے حرام بن معاویہ کے حوالہ سے بیان کی۔ اُنہوں نے یہ روایت اپنے چچا عبداللہ بن سعدؓ سے نقل کی۔ عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے دریافت کیا کہ نوافل مسجد میں پڑھنے افضل ہیں یا گھر میں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم دیکھتے ہو کہ میرا گھر مسجد سے کتنا قریب ہے، (جس کی وجہ سے مسجد کے آنے میں کسی قسم کی دقت یا رُکاوٹ نہیں ہوتی، لیکن اس کے باوجود) فرائض کے علاوہ مجھے اپنے گھر میں نماز پڑھنا مسجد سے زیادہ پسند ہے۔

راویان حدیث (۵۶۴) عباس العنبریؒ (۵۶۵) معاویہ بن صالحؒ (۵۶۶) العلاء بن الحارثؒ (۵۶۷) حرام بن معاویہؒ اور (۵۶۸) عبداللہ بن سعدؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

گھر نوافل ادا کرنا :

سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... اس سوال کے جواب میں حضور اقدس ﷺ نے

کس قدر پیارا اور خوبصورت جواب مرحمت فرمایا کہ اے ابن سعد! یقیناً تو دیکھ رہا ہے کہ میرا گھر اسی مسجد یعنی مسجد نبوی کے کتنا ہی نزدیک ہے یعنی بغیر کسی ہچکچاہٹ' بغیر کسی رکاوٹ اور تکلیف برداشت کرنے کے مسجد نبوی میں نفل نماز ادا کرسکتا ہوں، مگر میں پسند یہی کرتا ہوں کہ علاوہ فرائض کے باقی نفل نمازیں گھر میں ہی پڑھوں۔

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں' فمعنی الحدیث انه مع کمال قرب بیتی من المسجد صلاتی فی بیتی احب الی من صلوٰتی فی المسجد الا المکتوبة۔(مناوی ج۲ص۱۱۵) (حدیث کا مطلب یہ کہ باوجودیکہ میرا گھر مسجد کے بہت ہی قریب ہے لیکن پھر بھی فرائض کے علاوہ مجھے اپنے گھر میں نماز پڑھنا زیادہ پسندیدہ ہے) دلیل میں صحیحین کی حدیث نقل فرماتے ہیں، افضل الصلاة صلاة المرء فی بیته الا المکتوبة (مناوی ج۲ص۱۱۵)(کسی شخص کے لئے زیادہ افضل نماز فرض نماز کے علاوہ گھر میں نماز پڑھنا ہے) البتہ فرائض کے علاوہ وہ نمازیں جن کا اخفا مناسب نہیں ہے۔ مسجد ہی میں افضل ہیں، جیسے طواف کعبہ کی رکعتیں تحیة المسجد' صلواة التراویح' صلواة الکسوف یعنی ہر وہ نفل نماز جو جماعت سے ادا کی جاتی ہو۔

علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں وکذالک یستثنیٰ من النفل ما تسن فیه الجماعة و الضحیٰ و سنة الطواف والاحرام والاستخارة وغیر ذلک۔(مواہب ص۲۲۰)

گھر میں نوافل پڑھنے کی حکمتیں:

حدیث میں تصریح ہے کہ نوافل کا مسجد میں پڑھنے سے گھر میں پڑھنا افضل ہے' حالانکہ حدیث میں ہے مسجد نبویؐ میں ایک نماز پر پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے' مگر پھر بھی گھر میں نماز پڑھنے کو افضل کہا گیا ہے۔ اسی طرح جامع مسجد میں ایک نماز پر پانچ سو نمازوں کا ثواب ملتا ہے' مگر نوافل گھر میں پڑھنا اس سے افضل ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ کمیت کے لحاظ سے مساجد میں نماز ادا کرنا افضل ہے، مگر کیفیت کے اعتبار سے صلواة تطوع فی البیت نفل نماز گھر میں افضل ہے' لتحصیل البرکة فی البیت و أهله و لتنزل الملائکة و لیذهب عنه الشیطان (المواہب ص۲۱۹) (اہل وعیال اور گھر میں خیر و برکت حاصل

ہونے کی غرض سے اور تا کہ رحمت کے فرشتوں کا نزول ہو اور اس گھر سے شیطان چلا جائے ولأن الصلوٰة فی البیت ابعد عن الریاء و اقرب الی الإخلاص ۔(مواہب ص۲۲۰)(اور اس لئے بھی کہ نفل نماز کا گھر میں پڑھنا ریا وسمعہ سے بعید اور اخلاص سے زیادہ قریب ہے) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے، اجعلوا فی بیوتکم من صلاتکم ولاتتخذوھا قبورا ۔(مواہب ص۲۱۹)(نفل نماز گھروں میں پڑھا کرو اور ان کو قبرستان نہ بناؤ)الا ان تکون صلواۃ مکتوبۃ ! فرض نمازوں کا مسجد میں پڑھنا افضل ہے' لانھا من شعائر الاسلام ۔ (مواہب ص۲۲۰)(اس لئے کہ فرائض تو اسلام کے شعائر میں سے ہیں) اس سے تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سنن اور واجبات بھی تطوع میں داخل ہیں، تاہم سنن مؤکدہ اور وتروں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ ملحق بالفرائض ہیں۔ کیونکہ یہ مکملاتِ فرائض ہیں' لٰہذا بہتر ہے کہ آج کل انہیں مساجد میں پڑھنا چاہئے۔ امام شعرانیؒ یہی فرماتے ہیں کہ خواص بھی انہیں مسجد میں ادا کریں، ورنہ عامۃ المسلمین ان کا پڑھنا بھی چھوڑ دیں گے۔

==

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ صَوْمِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

باب ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزوں کے بیان میں

صوم کا لغوی اور اصطلاحی معنٰی :

صوم کا لغوی معنٰی "الامساک" ہے یعنی رُکنا چاہے کھانے پینے سے ہو یا بولنے سے۔قرآن میں بھی اس معنٰی میں استعمال ہوا ہے۔ انی نذرت للرحمن صوماً ای امساکًا عن الکلام ۔ (مواہب ص۲۲۰) (میں نے اللہ کے لئے روزہ کی نذر کی ہے یعنی لوگوں سے بات چیت سے رکنا اور خاموشی اختیار کرنا) شریعت میں صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک نیتِ معتبرہ کے ساتھ کھانے پینے اور جماع کرنے سے رک جانا روزہ ہے ، و شرعاً الامساک عن المفطرات جمیع النھار بنیة والمراد ھھنا مایشمل الفرض والنفل (مواہب ص۲۲۰)(اور یہاں صوم سے مراد عام ہے فرض اور نفل دونوں کو شامل ہے)

نفل روزوں کا معمول :

اس باب میں آپ ﷺ کے نفلی روزوں کے معمولات کا بیان ہے۔باب میں سولہ (۱۶) حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ مہینہ میں کتنے دن روزے رکھتے تھے۔ مسلسل یا وقفہ وقفہ سے، مہینہ کے آغاز میں اور انتہا میں تین تین ایام روزے رکھنا آپ ﷺ سے ثابت ہے۔ایام بیض یعنی تیرہ چودہ پندرہ (۱۳،۱۴،۱۵) کو تو اکثر روزے رکھنے کا معمول تھا۔ماہِ صیام کی فرضیت سے قبل عاشورے کا روزہ فرض تھا جب شعبان ۲ھ میں روزہ فرض قرار دیا گیا تو یہ روزہ مستحب قرار پایا۔

نفل روزوں میں فلسفہ و حکمت :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے یہاں دلچسپ بحث لکھی ہے، من وعن نذرِ قارئین ہے۔

اس باب سے مقصود حضور اقدس ﷺ کے نفل روزوں کا بیان ہے۔ آپ ﷺ کی عادت شریفہ روزے بہت رکھنے کی تھی، کبھی کبھی آپ ﷺ مسلسل کئی کئی دن کے روزے رکھتے تھے۔ روزہ کی فضیلتیں احادیث کی کتابوں میں بہت وارد ہوئی ہیں۔ حق تعالیٰ جل شانہٗ کے ہر حکم میں، ہر ارشاد میں ہزاروں مصالح ہیں، حکمتیں ہیں۔ آدمی کی عقل کی اتنی پرواز کہاں ہے کہ حق تعالیٰ جلّ شانہٗ جیسے حکیم کی حکمتوں تک پہنچ سکے۔ ہر شخص کی جہاں تک پرواز ہے۔ وہاں تک وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے دینی اور دنیوی فوائد کا ادراک کرسکتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمتیں اس سے بھی اونچی ہوتی ہیں، جس طرح اور احکام میں ہزاروں مصلحتیں ہیں، روزے میں بھی ہیں، من جملہ ان کے چند مصالح ظاہر اور بدیہی ہیں، جن میں سے (۱) ایک جذبۂ مواساۃ اور ہمدردی ہے، جو شخص خود بھوکا رہتا ہے، اس کو بھوکے کی ہمدردی پیدا ہوسکتی ہے۔ جو خود بھوک کی تکلیف اُٹھاتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ غریب پر کیا گزرتی ہے، بھوکے کو کس مصیبت کا سامنا ہے۔ ایسی حالت میں اس کو بھوکے کی امداد کا جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے اور غریب کے ساتھ ہمدردی کو بھی طبیعت تقاضا کرتی ہے۔ (۲) اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ روزہ سے قوتِ بہیمیّہ اور شہوانیہ کا زور کم ہوتا ہے۔ یہ قوت جب زور پکڑتی ہے، تو بہت سے ایسے اُمور آدمی سے سرزد ہوتے ہیں، جو دین و دنیا میں روسیاہی کا سبب بنتے ہیں، اسی کو مولانا رومی فرماتے ہیں ......

این نہ عشق است آں کہ در مردم بود

این فسادِ خوردنِ گندم بود

یہ عشق یعنی جو آج کل لوگوں میں ہوتا ہے، وہ عشق نہیں ہے، جو بھلے آدمیوں میں ہوتا ہے، یہ پیٹ بھرنے کا فساد ہے کہ جب پیٹ بھرائی مل جاتی ہے تو ناپاک حرکتیں خوب سوجھتی ہیں اور جب بھوک کا غلبہ ہو رہا ہو تو عشق وِشق سب بھول جاتا ہے۔ اسی لئے حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو نکاح نہ کرسکتا ہو، اس کو چاہئے کہ روزے کثرت سے رکھا کرے کہ یہ شہوت کو توڑنے والا ہے۔ (۳) اس کے علاوہ ایک

بڑی مصلحت روحانیت کی قوت ہے۔ روزہ سے روحانیت کو بہت زیادہ ترقی ہوتی ہے، اسی وجہ سے ہر ملت و مذہب میں کسی نہ کسی صورت میں روزے کا وجود ہے اور مذاہب حقہ میں حضرت آدم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ و السلام کے زمانے سے روزہ کی مشروعیت رہی ہے۔ حضرات انبیاء کرام علی نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کا معمول روزے میں مختلف رہا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا معمول ہمیشہ بارہ مہینے روزے رکھنے کا تھا' اور حضرت داؤد علیہ السلام کا معمول ایک دن روزہ اور ایک دن افطار کا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معمول ایک دن روزہ دو دن افطار کا تھا۔ اسی طرح دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مختلف معمولات رہے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا معمول اس میں بھی عجیب نرالا تھا کہ مصالح وقتیہ کے تحت خاص خاص ایام کے روزے معمول اور متعین فرما رکھے تھے اور ان کے علاوہ وقتی مصالح کے تحت بھی بسا اوقات لگاتار روزے رکھتے اور بسا اوقات افطار فرماتے، جس کی وجہ ظاہر ہے کہ جب روزہ بمنزلہ ایک تریاق اور دوا کے ہے تو وقتی مصالح سے اس میں قلت و کثرت جیسا کہ دوا کا اُصول ہے لابدی ہے، چنانچہ حضور اکرم ﷺ کے چند معمولات نمونہ کے طور پر مصنف ؒ نے ذکر فرمائے ہیں۔ (خصائل)

(۲۸۴/ا) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ اَيُّوبَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَـائِشَةَ عَنْ صِيَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ يَصُوْمُ حَتّٰى نَقُوْلَ قَدْ صَامَ وَ يُفْطِرُ حَتّٰى نَقُوْلَ قَدْ اَفْطَرَ قَالَتْ وَمَا صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا كَامِلًا مُنْذُ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ اِلَّا رَمَضَانَ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبۃ بن سعید نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے حماد بن زید نے ایوب کی وساطت سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عبداللہ بن شقیق سے نقل کی۔ عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے حضور اقدس ﷺ کے روزہ رکھنے کے متعلق پوچھا، انہوں نے فرمایا کہ کبھی حضور اقدس ﷺ متواتر روزے رکھتے کہ ہمارا یہ خیال ہوتا کہ

اس ماہ میں افطار ہی نہیں فرمائیں گے اور کبھی ایسا مسلسل افطار فرماتے تھے کہ ہمارا خیال یہ ہوتا کہ اس ماہ میں روزہ ہی نہیں رکھیں گے، لیکن مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد سے رمضان المبارک کے علاوہ کسی تمام ماہ کے روزے نہیں رکھے۔ حضور اقدس ﷺ کے اس معمول کے متعلق کسی قدر تفصیل حدیث نمبر۳ کے ذیل میں آئے گی۔

قالت کان یصوم ...... یعنی کبھی تو آپ ﷺ تواتر سے روزے رکھتے اور یہ اس قدر تواتر و تسلسل ہوتا، ہم سمجھتے کہ اس ماہ میں افطاری ہی نہیں فرماویں گے اور کبھی افطار میں اس قدر تسلسل ہوتا' ہمارا خیال بنتا کہ اس ماہ میں روزہ نہیں رکھیں گے۔

روایات میں تعارض کا جواب :

وما صام ...... یعنی مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد رمضان المبارک کے علاوہ کسی بھی مہینہ میں پورے مہینہ کے روزے نہیں رکھے' جبکہ اگلی حدیث میں ہے' **کان یصوم شعبان الا قلیلاً** اور ایک روایت میں یہ بھی ہے، **ماصام شهراً کاملاً الّا شعبان** (شعبان کے علاوہ کسی مہینہ کے پورے روزے نہیں رکھے) بظاہر روایات میں تعارض ہے' شارحینِ حدیث جواب میں کہتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں وصالِ صیام ہوتا تھا، مگر مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے بعد وصال کو چھوڑ دیا تھا یا کُل سے مراد اکثر ہے...... **یجمع بینهما بحمل الکل علی المعظم حتی جاء فی کلام العرب إذا صام اکثر الشهر یقال صام الشهر کله أو أنه صامه کله فی سنة و صام بعضه فی سنة اخری۔** (مواہب ص۲۲۰) (تعارض کے دفعیہ کے لئے یا تو یہ تطبیق کی جائے گی کہ کل کو اکثر پر محمول کرلیں گے اور کلام عرب میں بھی ہے کہ جب ایک شخص مہینہ کے اکثر دنوں کے روزے رکھ لے تو کہا جاتا ہے کہ فلاں نے مہینہ کے روزے رکھے ہیں اور یا یہ کہ نبی علیہ السلام نے ایک سال تو پورے شعبان کے روزے رکھے اور دوسرے سال میں شعبان کے بعض روزے)

رمضان کی وجہ تسمیہ :

سمی بذلک لأن وضع اسمه علیه و افق الرمض وهو شدة الحر أو لانه یرمض

الذنوب ای یذهبها ۔(مواہب ص۲۲۱)(رمضان کا نام رمضان اس لئے ہے کہ اس کے اس کی وضع رمضان کے نام پر رمض کے ساتھ موافق ہوئی اور رمض سخت گرمی کو کہتے ہیں اور یا اس لئے کہ گناہوں کو دور کرتا ہے)

استنباطِ مسائل :

مذکورہ بالا حدیث میں غور کرنے سے چند مسائل معلوم کئے جاسکتے ہیں۔(۱) مستحب ہے کہ ہر ماہ میں نفلی روزے رکھے جائیں۔(۲) یہ کہ نفلی روزوں کا تسلسل مہینہ سے کم ہو۔(۳) اور نفلی روزے رمضان (عیدین ایام تشریق) کے علاوہ پورے سال میں رکھے جاسکتے ہیں۔(۴) و قال شارح من علمائنا فیه دلیل للمذهب الصحیح المختار الذی ذهب الیه البخاری و المحققون انه یجوز ان یقال رمضان من غیر ذکر الشهر بلا کراهیة ۔(جمع ج۲ص۱۱۶)(اور علماء احنافؒ میں سے کسی شارح نے کہا کہ اس میں مذہبِ مختار کی دلیل ہے اور امام بخاریؒ اور دیگر محققین کا بھی یہی مذہب ہے وہ یہ کہ جائز ہے کہ کہا جائے رمضان بغیر ذکر کرنے لفظ شہر کے اور اس میں کوئی کراہت بھی نہیں)

(۲/۲۸۵) حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَیْدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنْ صَوْمِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ کَانَ یَصُوْمُ مِنَ الشَّهْرِ حَتّٰی نَرٰی اَنْ لَّا یُرِیْدَ اَنْ یُّفْطِرَ مِنْهُ وَ یُفْطِرَ حَتّٰی نَرٰی اَنْ لَّا یُرِیْدَ اَنْ یَّصُوْمَ مِنْهُ شَیْئًا وَ کُنْتَ لَا تَشَآءُ اَنْ تَرَاهُ مِنَ اللَّیْلِ مُصَلِّیًا اِلَّا اَنْ رَاَیْتَهٗ مُصَلِّیًا وَلَا نَائِمًا اِلَّا رَاَیْتَهٗ نَآئِمًا۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ حدیث بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسمٰعیل بن جعفر نے حمید سے روایت بیان کی۔انہوں نے یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کسی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روزوں کے متعلق پوچھا، انہوں نے فرمایا کہ عادتِ شریفہ اس میں مختلف تھی، کسی ماہ میں تو اتنی کثرت سے روزے رکھتے تھے، جس سے یہ خیال ہو جاتا کہ اس میں افطار فرمانے کا ارادہ ہی نہیں ہے اور کسی ماہ میں ایسا مسلسل افطار فرماتے تھے

،جس سے ہم یہ سمجھتے کہ اس ماہ میں آپ ﷺ کا روزہ کا ارادہ ہی نہیں ہے۔ آپ ﷺ کی عادتِ شریفہ یہ بھی تھی کہ اگر تم حضور اکرم ﷺ کو رات کو سوتا ہوا دیکھنا چاہو تو یہ بھی مل جاتا اور اگر نماز پڑھتا ہوا دیکھنا چاہو تو یہ بھی میسر ہو جاتا۔

راوی حدیث (۵۶۹) اسماعیل بن جعفرؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

عبادات میں افراط وتفریط سے اجتناب :

کان یصوم ...... یعنی حضور اقدس ﷺ روزے بھی رکھتے تھے اور افطار بھی فرماتے تھے۔ رات کو نماز بھی پڑھتے تھے اور نیند بھی فرماتے تھے۔ گویا روزوں اور نمازوں میں کمالِ اعتدال تھا نہ افراط ہوتا تھا اور نہ تفریط۔ علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں **والحاصل ان صومه و صلاته صلی الله علیه وسلم کانا علی نهایة الاعتدال فلا افراط فیهما و لا تفریط**۔(المواہب ص ۲۲۱)

علامہ مناویؒ مزید وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: **ومن ثم لما بلغه ان بعض صحبه حلف لیقومن اللیل ابدا و البعض لیصومن الدهر ابدا قال امّا انا فاصلی و انام و اصوم وافطر فمن رغب عن سنتی فلیس منی** ۔(مناوی ج ۲ ص ۱۱۹) (جب حضور ﷺ کو یہ بات پہنچی کہ بعض صحابہؓ نے یہ قسم اٹھائی ہے کہ وہ ضرور بہ ضرور ہمیشہ قیام اللیل کریں گے اور بعض دوسرے صحابہؓ نے یہ حلف کیا ہے کہ ہم ضرور بہ ضرور ہمیشہ روزے رکھیں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا رہتا ہوں پس جس شخص نے میری سنت سے روگردانی کی تو وہ مجھ سے نہیں)

دوامِ عمل بھی، اور شفقت علی الامت بھی :

حتّٰی نری ان لا یرید انه یصوم منه شیئًا ، ظاہراً حدیث کی اس عبارت سے دوام معلوم نہیں ہوتا۔ محدثین حضرات اس کی توضیح میں فرماتے ہیں، دوامِ عمل تو تھا یعنی جس قدر روزے ایک مہینے میں آپ ﷺ رکھنا چاہتے تھے، وہ رکھ لیتے تھے۔ البتہ اوقات اور ایام میں تبدیلی کر لیا کرتے تھے، تا کہ کسی وقتِ خاص کے تعیّن سے امت پر وجوب نہ ہو جائے، تو اس طرح گویا دوامِ عمل بھی رہا اور شفقت

امت بھی ملحوظ رہی، جبکہ مکہ المکرمہ میں تسلسل سے روزے رکھتے تھے، حتیٰ کہ چالیس روز بلکہ دو ماہ تک بھی صومِ وصال ہوا کرتا تھا۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومی ؒ فرماتے ہیں **وکذالک تھجدہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ای کان ینام ماشاء اللّٰہ أن ینام و یصلی ماشاء اللّٰہ ان یصلی** (اتحافات ص۳۳۴) (اور اسی طرح آپ ﷺ کی تہجد کی نماز کا وطیرہ تھا کہ جتنا اللہ تعالیٰ چاہے آپ ﷺ اتنا ہی سویا کرتے اور نماز بھی کہ جتنی اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوتی اتنی ہی پڑھتے)

عبادات میں اعتدال کا اہتمام :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں :

مقصود یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی عادتِ شریفہ نہ تمام رات سونے کی تھی نہ تمام رات جاگنے کی تھی ، بلکہ درمیانی رفتار میں حقوقِ نفس کی رعایت فرماتے ہوئے عبادات کا اہتمام بھی پورا پورا فرماتے تھے۔ اس لئے شب کو سوتے ہوئے دیکھنا بھی ممکن تھا کہ کچھ حصہ آرام بھی فرماتے تھے اور نماز کی حالت میں دیکھنا بھی کہ کچھ حصہ نماز میں گزرتا تھا۔ بعض علماء نے اس کا دوسرا مطلب یہ بھی بتایا ہے وہ یہ کہ عادتِ شریفہ اس باب میں مختلف تھی کہ کبھی اوّلِ شب میں نوافل پڑھتے ، کبھی وسطِ رات میں، کبھی اخیر میں۔ اس لئے اگر رات کے کسی حصۂ خاص میں کوئی سوتے ہوئے یا نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا چاہے تو دیکھ سکتا ہے ، یعنی اگر کوئی یہ چاہے کہ میں اوّل رات میں حضور اکرم ﷺ کو نماز پڑھتا ہوا دیکھوں تو کسی دن یہ بھی مل جاتا اور اس وقت سوتا ہوا دیکھنا چاہے تو یہ بھی مل جاتا۔ اس لئے کہ رات کا ہر حصہ کسی نہ کسی دن حضور ﷺ نماز میں گزارتے تھے اور اس کی دو مصلحتیں سمجھ میں آتی ہیں۔

اول تو یہ کہ عبادت جو اصل مقصد اور آدمی کے وجود کی غرض ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا سبب ہے ، رات کے ہر حصہ کو کبھی نہ کبھی اس کی برکات میسر ہو جائیں اور قیامت میں رات کا ہر حصہ اپنے اندر عبادت کا وجود رکھے۔ دوسرے یہ کہ عبادت جب ایک ہی وقت میں ہوتی رہے تو بمنزلہ عادت کے بن جاتی ہے ، پھر مشقت کا لطف نہیں رہتا اور جب رات کے مختلف حصوں میں عبادت کی جائیگی تو عادت نہ بنے گی۔

تعارض اور تطبیق :

حدیث بالا کا بظاہر ان احادیث جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہیں کہ...... کان اذا صلی صلاۃً داوم علیها و فی الروایة الاخری کان عمله دیمة (کہ آپ ﷺ جب کبھی کوئی (نفل نماز) پڑھتے تو پھر اس پر دوام کیا کرتے اور دوسری روایت میں بھی ہے کہ آپ ﷺ کا عمل دائمی ہوتا تھا) سے تعارض ہے۔ علامہ ملا علی قاریؒ اس کی توجیہ میں لکھتے ہیں، لان المراد ما اتخذه واجباً لا مطلق النافلة ...... قلت الاظهر ان یقال اعمال العمل المسمیٰ بالتهجد مثلا تارة فی اول اللیل و اخری فی آخره......لاینا فی مداومة العمل کما ان صلوة الفرض تارة تصلی فی اوّل الوقت و تارة فی آخره۔(جمع ج۲ص۱۱۸) (کہ اس سے مطلق نماز نفل نہیں بلکہ جس کو آپ ﷺ واجب بنالیا کرتے۔ میں کہتا ہوں کہ زیادہ واضح یہ بات ہے کہ کہا جائے کہ حضور ﷺ کی تہجد کی نماز کبھی شروع رات میں ہوا کرتی اور پھر کبھی رات کے آخری حصہ میں اور یہ عمل دوام کے منافی نہیں جیسے کہ فرض نماز کبھی آپ ﷺ شروع وقت میں پڑھ لیتے اور کبھی وقت کے آخر میں)

(۲۸۶/۳) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَیْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوٗدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِیْ بِشْرٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعِیْدَ بْنَ جُبَیْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ حَتّٰی نَقُوْلَ مَا یُرِیْدُ اَنْ یُّفْطِرَ مِنْهُ وَ یُفْطِرُ حَتّٰی نَقُوْلَ مَایُرِیْدُ اَنْ یَّصُوْمَ مِنْهُ وَ مَا صَامَ شَهْرًا کَامِلًا مُنْذُ قَدِمَ الْمَدِیْنَةَ اِلَّا رَمَضَانَ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابوداؤد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں شعبۃ نے ابی بشر کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ روایت سعید بن جبیر سے صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حوالہ سے سُنی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی حضور اکرم ﷺ کی یہ عادتِ شریفہ مروی ہے کہ کسی ماہ میں اکثر حصہ روزہ رکھتے تھے، جس سے ہمارا خیال ہوتا تھا کہ اس میں افطار کا ارادہ نہیں اور کسی ماہ میں ایسے ہی افطار

فرماتے تھے، جس سے ہمیں خیال ہوتا کہ اس میں روزہ نہیں رکھیں گے' لیکن کسی ماہ میں بجز رمضان المبارک کے تمام ماہ روزہ نہیں رکھتے تھے۔

روزوں میں تسلسل کی وجہ :

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول متعدد روایات میں گزر چکا ہے۔اس معمول کی دو وجہ ہیں۔ اوّل تو یہ کہ روزہ حقیقت میں ایک تریاق ہے اور بسا اوقات روحانی ترقی اور دیگر وقتی مصالح کے لئے بطورِ دوا کے بھی استعمال کی حاجت ہوتی ہے اور بسا اوقات خاص ضرورت نہیں ہوتی یا اگر معمولی ضرورت بھی ہوتی ہے تو دوسرے وقتی عوارض کی وجہ سے دوا کا ترک ضروری ہوتا ہے، جو اطباء کے یہاں ایک معروف چیز ہے اور نبی کریم ﷺ کے برابر روحانیت کا طبیب کون ہوسکتا ہے۔اس لئے نبی کریم ﷺ وقتی ضروریات کے لحاظ سے بسا اوقات مسلسل روزے رکھتے تھے اور بسا اوقات مسلسل افطار فرماتے تھے۔ اُمت کے لئے بھی جو حضرات خود روحانی طبیب ہیں، وہ روحانی مصالح کے لحاظ سے روزے اور افطار کے اوقات متعین فرما سکتے ہیں اور جو شخص خود طبیب نہیں ہے، وہ کسی روحانی طبیب کے زیر علاج عملدر آمد کرے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے کچھ خصوصی معمولات تھے، مثلاً پیر جمعرات کا روزہ رکھنا، ہر مہینے میں تین روزے رکھنا، ایامِ بیض' عشرۂ محرم' عشرۂ ذی الحجہ کے روزے رکھنا وغیرہ وغیرہ یہ معمولات بسا اوقات اسفار وغیرہ کے عوارض کی وجہ سے چھوٹ جاتے تھے۔ اس لئے عوارض دور ہو جانے کے بعد بطورِ قضا اور تلافی کے جتنے روزے معمول میں سے ترک ہو جاتے تھے، ان کو پورا فرما لیا کرتے تھے کہ یہ بھی حضور اکرم ﷺ کی ایک خصوصی عادتِ شریفہ تھی کہ جب کسی عبادت کو شروع فرماتے، تو اس پر دوام اور نباہ فرمایا کرتے تھے، اس لئے جتنے روزے معمول سے رہ جاتے، تو ان کو رکھتے۔اس لئے لگاتار روزے رکھنے کی نوبت آجاتی تھی۔ اللّٰھم وفقنا اتباعہ ۔(خصائل)

(۲۸۷/۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِى الْجَعْدِ عَنْ اَبِىْ سَلَمَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ مَارَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يَصُوْمُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ اِلَّا شَعْبَانَ وَ رَمَضَانَ .

قَالَ اَبُوْعِيْسٰى هٰذَا اِسْنَادٌ صَحِيْحٌ وَ هٰكَذَا قَالَ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ وَرَوٰى هٰذَا الْحَدِيْثَ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ يَحْتَمِلُ اَنْ يَّكُوْنَ اَبُوْسَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَدْ رَوٰى هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ عَائِشَةَ وَ اُمِّ سَلَمَةَ جَمِيْعًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبد الرحمٰن بن مہدی نے سفیان سے سُن کر بیان کی۔ اُنہوں نے یہ روایت منصور (الثقفی) سے سُنی، جنہوں نے اسے سالم بن ابی جعد سے نقل کیا۔ انہوں نے یہ روایت ابوسلمۃ سے ام سلمۃ کے حوالہ سے سُنی۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو رمضان و شعبان کے سوا دو ماہ کامل روزے رکھتے نہیں دیکھا۔

راویان حدیث (۵۷۰) منصورؒ اور (۵۷۱) سالم بن ابی الجعدؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

شعبان ورمضان کے روزے' مختلف روایات میں تطبیق :

یہ حدیث بظاہر گزشتہ تمام احادیث کے خلاف ہے' کیونکہ اب تک سب روایتیں اس پر متفق تھیں کہ حضور اکرم ﷺ رمضان المبارک کے علاوہ کسی ماہ کے مسلسل روزے نہیں رکھتے تھے، لیکن اس حدیث میں اس کے ساتھ شعبان کو بھی ملا دیا' ان دونوں کی تطبیق علماء نے مختلف طریقوں سے فرمائی ہے۔

اول یہ کہ اس حدیث میں تمام شعبان کو مبالغہ کے طور پر کہا گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی عادتِ شریفہ اکثر حصہ شعبان کے روزے رکھنے کی تھی۔ چنانچہ آئندہ حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے خود اس کی تصریح موجود ہے۔ دوسرے یہ کہ ممکن ہے کسی وقت میں اتفاقاً حضور اکرم ﷺ نے تمام ماہ شعبان کے روزے رکھے ہوں، جس کی حضرت ام سلمہؓ کو اطلاع ہوئی اوروں کو نہیں ہوئی۔ تیسرے یہ کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ حضرات کی روایت میں عادت کی نفی ہے کہ حضور اکرمؐ کی

عادت شریفہ رمضان کے علاوہ اور کسی ماہ کے مسلسل روزے رکھنے کی نہیں تھی۔ اتفاقاً کسی ماہ کے پورے روزے رکھ لینا اس کے منافی نہیں ہے۔ اس لئے اگر کسی سال عارض کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے شعبان کے بھی پورے روزے رکھ لیے ہوں تو چونکہ وہ معمول نہ تھا، اس لئے حضرت عائشہؓ وغیرہ نے ان کا تذکرہ نہیں کیا اور چونکہ پورے مہینے رکھے تھے۔ اس لئے حضرت اُمّ سلمہؓ نے ان کو ذکر کر دیا۔ اس لئے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ چوتھے یہ کہ حضور اکرم ﷺ ابتداء میں شعبان کے تمام مہینے کے روزے رکھتے ہوں اور اخیر میں ضعف کی وجہ سے کم کر دیے ہوں۔ اس لئے جس نے آخری فعل ذکر کیا اس وجہ سے کہ وہ آخری فعل تھا، اس نے اکثر ذکر کر دیا اور جس نے یہ خیال کیا کہ عارض کی وجہ سے تھا، اصل معمول تمام مہینہ کا تھا اس نے تمام مہینہ ذکر کر دیا۔ بعض نے اس کا عکس بتایا ہے، جیسا کہ روایت کے ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اوّل اکثر مہینے کے روزے رکھتے تھے، بعد میں تمام مہینے کے رکھنے لگے۔ (خصائل)

(۲۸۸/۵) حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو حَدَّثَنَا اَبُوْسَلَمَةَ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ لَمْ اَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ فِيْ شَهْرٍ اَكْثَرَ مِنْ صِيَامِهٖ فِيْ شَعْبَانَ كَانَ يَصُوْمُ شَعْبَانَ اِلَّا قَلِيْلًا بَلْ كَانَ يَصُوْمُ كُلَّهٗ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ھناد نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدۃ نے محمد بن عمرو سے سُن کر بیان کیا۔ انہوں ابوسلمہ سے اور انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے نقل کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو (رمضان کے علاوہ) شعبان سے زیادہ کسی ماہ میں روزے رکھتے نہیں دیکھا۔ شعبان کے اکثر حصہ میں آپ ﷺ روزے رکھتے تھے، بلکہ (قریب قریب تمام مہینے کے روزے رکھتے تھے)۔

راویان حدیث (۵۷۲) عبدۃؒ اور (۵۷۳) محمد بن عمرو بن العطاءؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

شعبان کے روزوں کی فضیلت واہمیت :

یہ ترقی کر کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تمام ماہ شعبان کے روزوں کا ذکر صاف بتلا رہا ہے کہ اس سے مبالغہ مقصود ہے۔ شعبان میں روزوں کی کثرت کی وجہ سے خود حضور اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اس مہینہ میں وہ دن بھی ہے، جس میں سال کے اعمال حق تعالیٰ جل شانہٗ کے دربار میں پیش ہوتے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میرے اعمال ایسی حالت میں پیش ہوں کہ میں روزہ دار ہوں۔ اس کے علاوہ اور بھی بعض وجوہ احادیث وغیرہ میں وارد ہوئی ہیں اور بعض اوقات ایک وجہ کا ہونا' دوسرے وقت دوسری وجہ کا ہونا بھی ممکن ہے اور متعدد وجوہ کا جمع ہو جانا بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا گیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا معمول تین دن ہر ماہ میں روزے رکھنے کا تھا۔ وہ بسا اوقات عوارض کی وجہ سے رہ جاتے تھے اور سب کا مجموعہ شعبان میں حضور اکرم ﷺ رکھا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ دوسری روایات میں پیر جمعرات کا روزہ بھی حضور اکرم ﷺ کا معمول نقل کیا گیا ہے، ایسی صورت میں اگر دو تین مہینے بھی تمام سال میں کسی عذر سے چھوٹ گئے تو ایک مہینہ کے روزے بن جانا کیا مشکل ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ رمضان کی تعظیم کی وجہ سے شعبان کا روزہ افضل ہے، یعنی جیسا فرض نمازوں سے قبل سنتیں پڑھی جاتی ہیں۔ ایسے ہی رمضان سے قبل نفل روزے ہیں، اگرچہ حضور اکرم ﷺ نے ضعف کے خیال سے رمضان شریف کے قبل روزے کو منع بھی فرمایا ہے' مگر حضور اکرم ﷺ پر ضعفِ روزہ کا کچھ ایسا اثر نہ ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے لگا تار روزے بھی رکھ لیتے تھے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے کسی نے شعبان میں روزوں کی کثرت کا سبب پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس مہینہ میں ہر اُس شخص کا نام مرنے والوں میں لکھا جاتا ہے جو اس تمام سال میں مرنے والے ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میری موت ایسی حالت میں لکھی جائے کہ میں روزہ دار ہوں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ہر مہینہ میں نفل روزے رکھنے کا مخصوص معمول تھا اور رمضان المبارک میں نفل روزے رکھنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس لئے ماہِ رمضان کے حصے کے روزے بھی پیشگی شعبان ہی میں رکھ لیتے تھے اور اسی بناء پر شعبان رمضان دو مہینوں کے روزے مل کر اکثر حصہ مہینہ کا

ہو جاتا تھا۔ (خصائل)

(۲۸۹/۶) حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ دِيْنَارِ الْكُوْفِيُّ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰى وَ طَلْقُ بْنُ غَنَّامٍ عَنْ شَيْبَانَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ زِرٍّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ مِنْ غُرَّةِ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ وَ قَلَّ مَا كَانَ يُفْطِرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قاسم بن دینار کوفی نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبداللہ بن موسیٰ اور طلق بن غنام (الکوفی مات ۲۱۱ھ) نے بیان کیا، انہوں نے یہ روایت شیبان سے اور انہوں نے عاصم سے سُنی۔ اُنہوں نے یہ روایت زر سے نقل کی اور انہوں نے صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہر مہینہ کے شروع میں تین دن روزہ رکھا کرتے تھے اور جمعہ کے دن بہت کم افطار فرماتے تھے۔

راویان حدیث (۵۷۴) طلق بن غنامؒ اور (۵۷۵) زر بن جیشؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ہر ماہ میں تین روزوں کا اہتمام :

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یصوم ... حضور اقدس ﷺ ہر مہینہ کی ابتداء میں تین روزے رکھتے تھے۔ الغرۃ اول الشھر (غرۃ کا معنیٰ مہینہ کا شروع) ہر مہینہ میں تین روزے رکھنا، گویا سال بھر روزے رکھنے کے برابر ثواب ہے کیوں کہ ہر روزہ دس روزوں کے ثواب کی ضمانت ہے۔ ومن ثم ورد فی الخبر صوم ثلثۃ ایام من کل شھر صوم الدھر۔ (مناوی ج ص ۱۲۲) (اس لئے تو حدیث میں آیا ہے کہ ہر مہینہ سے تین دن روزہ رکھنا پورے زمانہ کے روزے رکھنا ہے (یعنی جو شخص یہ عمل کرے گا وہ صائم الدھر ہوگا) و یظھر أن ثلاثۃ ایام کانت فی اول الشھر ، و سبب الثلاثۃ أن الحسنۃ بعشر امثالھا فیکون کصیام الدھر۔ (اتحافات ص ۳۴۵) (اور حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تین دن شروع مہینہ میں ہوا کرتے تھے اور مہینہ میں تین دن روزہ رکھنے کی وجہ یہ ہے

کہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہوتا ہے تو گویا یہ پوری زندگی روزے رکھنے والا ہوا) البتہ ہر مہینہ میں تین دن کی تعیین میں روایات مختلف ہیں، کبھی شروع میں تین دن، کبھی ہر پیر اور جمعرات، کبھی تیرہ، چودہ، پندرہ، کبھی آخری تین دن کی روایات منقول ہیں۔ احادیث میں تعارض نہیں، معمول میں ایام کی تعیین نہیں تھی

جمعہ کے دن کا روزہ :

و قلّ ما کان یفطر یوم الجمعة اور جمعہ کے دن بہت کم افطار فرماتے تھے، وھو دلیل لابی حنیفة و مالک حیث ذھبا الی ان صوم یوم الجمعة وحده حسن۔ (جمع ج۲ ص۱۲۳) (اور آپ ﷺ کا یہ معمول امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے مذہب کی دلیل ہے کیونکہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ صرف تنہا جمعہ کا روزہ رکھنا مستحب ہے)

حدیث باب سے جمعہ کے روز، صیام کا اہتمام معلوم ہوتا ہے۔ مگر دیگر روایات میں جمعہ کی تخصیص کی ممانعت آئی ہے۔ لہٰذا بعض علماء سے اس کے استحباب کا قول منقول ہے۔ بعض علماء ممانعت کی وجہ سے جمعہ کی تخصیص کو مکروہ بتاتے ہیں۔ اس کے متعلق مفصل بحث کے لئے علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد ج۱ ص۱۴۲ میں مستقل عنوان فصل فی افراد صوم یوم الجمعة قائم فرمایا ہے۔

(۲۹۰/۷) حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوُدَ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ يَزِيْدَ الرِّشْكِ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاذَةَ قَالَتْ قُلْتُ لِعَائِشَةَ اَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ قَالَتْ نَعَمْ قُلْتُ مِنْ اَيِّهِ كَانَ يَصُوْمُ قَالَتْ كَانَ لَايُبَالِيْ مِنْ اَيِّهِ صَامَ ...... قَالَ اَبُوْعِيْسٰى وَ يَزِيْدُ الرِّشْكُ هُوَ يَزِيْدُ الضُّبَعِيُّ الْبَصْرِيُّ وَهُوَ ثِقَةٌ رَوٰى عَنْهُ شُعْبَةُ وَ عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيْدٍ وَ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ وَ اِسْمٰعِيْلُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ وَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِّنَ الْاَئِمَّةِ وَهُوَ يَزِيْدُ الْقَاسِمُ وَيُقَالُ الْقَسَّامُ وَالرِّشْكُ بِلُغَةِ اَهْلِ الْبَصْرَةِ هُوَ الْقَسَّامُ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابوداؤد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں شعبہ نے یزید رشک کے واسطہ سے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ

معاذۃ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ ہر ماہ میں تین روزے رکھتے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں رکھتے تھے۔ میں نے مکرر پوچھا کہ مہینہ کے کن ایام میں رکھتے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کا اہتمام نہیں تھا، جن ایام میں موقعہ ہوتا رکھ لیتے۔

من ایہ صام ' آپ ﷺ کا ایک زمانہ یہ بھی معمول رہا ہے کہ مہینہ میں صوم کے لئے تعین ایام کا اہتمام نہیں تھا، کبھی اوّل میں، کبھی وسط میں اور کبھی آخر میں، ای کان یستوی عندہ الصوم من اولہ و من اوسطہ و من آخرہ ۔ (مواہب ص۲۲۴) (یعنی آپ ﷺ کے خیال میں مہینہ کے شروع درمیان اور آخر کے تین دن روزہ رکھنے میں برابر تھے)

(۲۹۱/۸) حَدَّثَنَا اَبُوْحَفْصٍ عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ دَاوُدَ عَنْ ثَوْرِ بْنِ یَزِیْدَ عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ رَبِیْعَۃَ الْجُرَشِيِّ عَنْ عَآئِشَۃَ قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَحَرّٰی صَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَالْخَمِیْسَ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ابوحفص عمرو بن علی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبداللہ بن داؤد نے ثور بن یزید سے روایت کر کے بیان کیا، انہوں نے یہ روایت خالد بن معدان سے اور انہوں نے ربیعۃ جرشی سے روایت کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ پیر جمعرات کے روزہ کا (اکثر) اہتمام فرماتے تھے۔

راویان حدیث (۵۷۶) عبداللہ بن داؤدؒ اور (۵۷۷) ربیعۃ الجرشیؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

پیر اور جمعرات کا روزہ :

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتحری ...... یتحری، تحری سے ہے بمعنیٰ قصد کرنا اور ترجیح دینا من التحری وھو طلب الحری او الاحریٰ بحسب الظن الغالب و منہ قولہ تعالیٰ فاولئک تحروا رشدا ای کان یقصد ۔ (جمع ج۲ ص۱۲۵) (یتحری یہ تحری سے ہے اور اس کا معنیٰ

یہ کہ غالب ظن سے زیادہ مناسب یا زیادہ لائق تلاش کرنا اور اسی سے ہے اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ فاولئک تحروا رشدا "سو انہوں نے بھلائی کا راستہ ڈھونڈ لیا" تو تحری بمعنیٰ یقصد کے ہوا) آپ پیر او رجمعرات کو روزے کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ مسلم شریف کی حدیث ہے۔ صوم الاثنین قد ثبت عند مسلم عن ابی قتادة قال سئل عن صوم الاثنین فقال فیه ولدت و انزل علیّ فاحب (الحدیث)۔ (حاشیۂ شمائل ترمذی) (حضرت ابو قتادہؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ سے سوموار یعنی پیر کے روزے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس دن میں پیدا ہوا اور اسی دن (پہلی) وحی نازل ہوئی تو میں پسند کرتا ہوں کہ اس میں روزہ سے ہوں)

اسی باب میں دسویں نمبر پر حدیث نقل کی گئی ہے کہ یہ دونوں دن اعمال کی پیشی کے ہیں' قال تعرض الاعمال یوم الاثنین والخمیس فاحب ان یعرض عملی و انا صائم ۔(آپ ﷺ نے فرمایا کہ (اللہ تعالیٰ) کی بارگاہِ اقدس میں پیر اور خمیس کے دن اعمال پیش کیے جاتے ہیں پس میں پسند کرتا ہوں کہ میرے اعمال آپ کے سامنے پیش ہوں اور میں روزہ سے ہوں)۔

شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ فرماتے ہیں ' وحکمة العرض ' کما ذکر العلماء ' ان اللہ تعالیٰ یباھی ملائکته بالطائعین الصالحین من بنی آدم ' واللہ سبحانهٗ و تعالیٰ غنی عن العرض ' و علیم بدقائق عباده ۔(اتحافات ص ۳۳۶) (اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اعمال کے پیش ہونے کی علت وحکمت جیسے کہ علماء کرامؒ نے ذکر کی ہے یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں پر انسانوں میں سے اپنے نیک اور فرمانبردار بندوں کے اعمال کے ذریعہ فخر ومباہات فرماتے ہیں۔ حالانکہ باری تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال دقیقہ سے باخبر ہیں اس کے سامنے پیش ہونے کی ضرورت نہیں)

(۲۹۲/۹) حَدَّثَنَا اَبُوْمُصْعَبِ الْمَدِیْنِیُّ عَنْ مَالِکِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ اَبِی النَّضْرِ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ مَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ فِیْ شَهْرٍ اَکْثَرَ مِنْ صِیَامِهٖ فِیْ شَعْبَانَ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو مصعب مدینی نے یہ روایت بیان کی۔ اُنہوں نے یہ روایت مالک بن انس سے ابی نضر کے حوالہ سے روایت کی۔ انہوں نے یہ روایت ابی سلمۃ بن عبد الرحمٰن سے نقل کی اور انہوں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ شعبان سے کسی ماہ میں زیادہ روزے نہیں رکھتے تھے۔

شعبان میں نفلی روزوں کا اہتمام :

قالت ما کان ...... مضمونِ حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں اور تشریح اس سے قبل حدیث نمبر ۵/ ۲۸۸ میں ہو چکی ہے، یعنی نفلی عبادات میں آپ ﷺ کا کوئی مستقل معمول نہیں تھا۔ ہر مہینے میں چند ایام روزہ رکھ لیتے تھے۔ البتہ ماہِ رمضان کے فرض روزوں کے علاوہ شعبان میں نفلی روزوں کا زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔

(۲۹۳/۱۰) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا اَبُوْعَاصِمٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ اَبِىْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تُعْرَضُ الْاَعْمَالُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ فَاُحِبُّ اَنْ يُّعْرَضَ عَمَلِىْ وَ اَنَا صَائِمٌ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن یحییٰ نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابو عاصم نے محمد بن رفاعہ سے روایت کر کے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت سہیل بن ابی صالح سے ان کے باپ کے حوالہ سے بیان کی، اور انہوں نے اسے صحابی رسولؐ ابو ہریرہؓ سے نقل کیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اعمال پیر اور جمعرات کے دن حق تعالیٰ جل شانہٗ کی عالی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں، میرا دل چاہتا ہے کہ میرے اعمال روزہ کی حالت میں پیش ہوں۔

عرض اعمال کی تین مختلف صورتیں :

قال تعرض الاعمال ...... حدیث باب میں عرض اعمال کا ذکر ہے، جو پیر اور جمعرات

کے دن پیش کئے جاتے ہیں' جبکہ مسلم شریف میں حدیث ہے کہ رات کے اعمال دن سے پہلے اور دن کے اعمال رات سے پہلے پیش کیئے جاتے ہیں' یرفع الیہ عمل اللیل قبل عمل النهار و عمل النهار قبل عمل اللیل ۔(مسلم) جبکہ بعض احادیث میں ہے کہ ایک پیشی اعمال شعبان اور شب قدر میں بھی ہوتی ہے۔ بظاہر تینوں روایات میں اختلاف ہے۔

شارحینِ حدیث نے جمع روایات کی سہل صورت یہ لکھی ہے کہ شب و روز کے اعمال تفصیلی طور پر روزانہ دو مرتبہ پیش ہوتے ہیں، پھر معمولی تفصیل سے ہفتہ میں دو بار پیر اور جمعرات کو پیش ہوتے ہیں اور تمام سال کی مجموعی سالانہ روئیداد یا رپورٹ اجمالی طور پر شعبان اور شب قدر میں پیش ہوتی ہے اور بار بار پیشی میں جملہ دیگر مصالح کے ایک مصلحت فرشتوں کے سامنے نیک لوگوں کا اظہارِ شرف ہے، جنہوں نے پیدائش آدم پر اعتراض کیا تھا، تو باری تعالیٰ بہت سے نیک اعمال پر فرشتوں کے سامنے تفاخر کے طور پر تذکرہ فرماتے ہیں۔

(۲۹۴/۱۱) حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْاَحْمَدَ وَ مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ خَيْثَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ مِنَ الشَّهْرِ السَّبْتَ وَالْاَحَدَ وَالْاِثْنَيْنِ وَمِنَ الشَّهْرِ الْاٰخَرِ الثَّلَاثَاءَ وَالْاَرْبِعَاءَ وَالْخَمِيْسَ۔

ترجمہ : امامِ ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابو احمد اور معاویہ بن ہشام نے بیان کیا، وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم کو سفیان نے بحوالہ منصور یہ روایت بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت خیثمہ سے روایت کی، اور انہوں نے امّ المومنین عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (کبھی) ہر مہینہ کے تین روزے اس طرح بھی رکھتے تھے کہ ایک مہینہ میں ہفتہ اتوار پیر کو روزہ رکھ لیتے تھے اور دوسرے ماہ میں منگل' بدھ' جمعرات کو

نوافل میں عدم موالاۃ کا معمول :

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! اس حدیث کا مضمون یہی ہے کہ آپ ﷺ نے

کسی مہینہ میں نفلی روزوں کے لئے دنوں کا تقرر نہیں فرمایا تھا تا کہ آپ ﷺ کی اُمت کو کوئی مشکل اور صعوبت پیدا نہ ہو۔ لم يوال الرسول صلى الله عليه وسلم فى الصيام بين أيام الأسبوع تخفيفاً على الأمة و رحمة بها و لأن الموالاة لم تفرض الا فى شهر رمضان ۔(اتحافات ص۳۳۶)
(حضور ﷺ نے امت پر ترحم اور تخفیف وآسانی کرنے کی غرض سے پورے ہفتے کے مسلسل نفلی روزے کبھی نہیں رکھے اور اس لئے بھی کہ روزوں کا تسلسل اور تواتر ماہ رمضان کے علاوہ فرض نہیں کیا گیا ہے)

علامہ ملا علی قاریؒ آپ ﷺ کے اس طرزِ عمل کی ایک اور توجیہ یہ فرماتے ہیں کہ اراد صلى الله عليه و سلم ان يبين سنية صوم جميع ايام الاسبوع فصام من شهر السبت و الاحد والاثنين و من شهر الثلاثاء والاربعاء والخميس وانما لم يصم جميع هذه الستة متوالية لئلا يشق على الامة الاقتداء به (ہوسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی غرض اور مقصد ہفتے کے تمام دنوں میں نفلی روزے کی سنّیت بیان کرنا ہو اس لئے تو کبھی ایک مہینہ میں ہفتہ، اتوار اور پیر کا روزہ رکھتے اور دوسرے مہینہ میں منگل، بدھ اور جمعرات کا روزہ رکھ لیتے اور آپ ﷺ نے مسلسل ان چھ دنوں کے روزے اس لئے نہیں رکھے تا کہ امت پر آپ ﷺ کی اقتداء و تابعداری کرنا مشکل نہ ہوجائے)

باقی آپ ؐ کا معمول صوم یوم الجمعہ کا تو اس کا تذکرہ ابن مسعود کی ایک روایت ہے کہ كان قلما يفطر يوم الجمعة منفردا او منضما الى ما قبله او بعده (جمع ج ۲ ص ۱۲۵)
(آپ ؐ بہت قلیل تنہا صرف جمعہ کا روزہ یا آگے پیچھے ملائے ہوئے (رکھنے کی عادت کو) چھوڑا کرتے)

(۲۹۵/۱۲) حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ اِسْحٰقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ عَاشُوْرَاءُ يَوْمًا يَصُوْمُهُ قُرَيْشٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُهُ فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ صَامَهُ وَ اَمَرَ بِصِيَامِهِ فَلَمَّا افْتُرِضَ

رَمَضَانُ كَانَ رَمَضَانُ هُوَ الْفَرِيْضَةُ وَ تُرِكَ عَاشُوْرَاءُ فَمَنْ شَآءَ صَامَهٗ وَ مَنْ شَآءَ تَرَكَهٗ ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ہارون بن اسحٰق ہمدانی نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو عبدۃ بن سلیمان نے ہشام بن عروۃ کے واسطہ سے یہ روایت بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت اپنے باپ سے اور انہوں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عاشورا کا روزہ زمانہ جاہلیت میں قریش رکھا کرتے تھے اور حضور اقدس ﷺ بھی (ہجرت سے قبل تطوعاً) رکھ لیا کرتے تھے (لیکن ہجرت کے بعد) جب مدینہ منورہ تشریف لائے، تو خود بھی (اہتمام سے) رکھا اور اُمت کو بھی (وجوباً) حکم فرمایا، مگر جب رمضان المبارک کے روزہ کا حکم نازل ہوا تو وہی فرضی روزہ بن گیا اور عاشورہ کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔ (اب استحباب باقی ہے) جس کا دل چاہے رکھے جس کا دل چاہے نہ رکھے۔

صوم عاشورہ کی فضیلت :

قالت کان عاشورآء یوماً تصومه ...... عاشورے کے روزے کی فضیلت میں مختلف روایتیں وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ عرفہ کے روزہ سے دو سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور عاشورہ کے روزہ سے ایک سال کے۔ بعض شروح میں لکھا ہے کہ عاشورہ کے دن حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تھی اور حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کنارہ پر آئی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات ملی تھی اور فرعون غرق ہوا تھا۔ اُسی دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور اسی دن آسمان پر اُٹھائے گئے۔ اُسی دن حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے خلاصی ملی اور اس دن ان کی اُمت کا قصور معاف ہوا اور اسی دن حضرت یوسف علیہ السلام کنوئیں سے نکالے گئے۔ اسی دن حضرت ایوب علیہ السلام کو مشہور مرض سے صحت عطا ہوئی اور اسی دن حضرت ادریس علیہ السلام آسمان پر اُٹھائے گئے۔ اسی دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ اسی دن حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک عطا ہوا۔ اس کے علاوہ اور بھی کرامات اس دن کی شروح حدیث اور کتب سیر میں لکھی ہیں۔ محدثانہ حیثیت سے ان میں کلام بھی ہے، مگر بہت سے کرامات صحیح طور سے بھی

ثابت ہیں، کہتے ہیں کہ وحشی جانور بھی اُس دن روزہ رکھتے ہیں۔ اللہ اکبر کس قدر متبرک دن ہے، جس کو ہم لوگ لہو ولعب میں ضائع کر دیتے ہیں۔ غالباً انہیں میں سے کسی وجہ سے زمانۂ جاہلیت میں اس دن کی فضیلت مشہور تھی، جس کی وجہ سے قریش اسلام سے قبل اس کا روزہ رکھتے تھے، جب حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو دیکھا کہ یہود جو اہل کتاب ہیں، وہ بھی اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ یہ روزہ کیوں رکھتے ہو، انہوں نے کہا کہ اس دن حق تعالیٰ شانہٗ نے موسیٰ علیہ السلام کو خلاصی عطا کی تھی اور فرعون کو غرق کیا تھا، جس کے شکریہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن روزہ رکھا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اتباع کے تم سے زیادہ مستحق ہیں۔ اس لئے حضور اکرم ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور اُمت کو بھی اس روزہ کا حکم فرمایا۔ مسلم شریف میں یہ قصہ مذکور ہے۔ اسی وجہ سے حنفیہ کے نزدیک رمضان سے پہلے یہ روزہ فرض تھا، جب رمضان شریف کا روزہ فرض ہوا تو اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔ استحباب اور ایک سال کے گناہ معاف ہونے کی فضیلت اب بھی باقی ہے۔

مسئلہ : عاشورے کا روزہ اصل دسویں تاریخ کا ہے، لیکن نبی کریم ﷺ ابتداء اسلام میں اہل کتاب کی موافقت فرماتے تھے کہ ان کا مذہب بہرحال آسمانی ہے اور مشرکین کے مذہب سے اولیٰ ہے، مگر اخیر زمانے میں اہل کتاب کی مخالفت کا قولاً اور فعلاً اہتمام ہوگیا تھا، جو بہت سی وجوہ سے ضروری تھا۔ اسی سلسلہ میں کسی صحابیؓ نے ادھر توجہ دلائی تو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اگر زندہ رہا تو آئندہ سال نویں تاریخ کا روزہ رکھوں گا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہود کی مخالفت کرو اور نویں یا گیارہ کا روزہ رکھا کرو یعنی دسویں کے ساتھ ایک اور ملالیا کرو کہ اس سے تشبہ جاتا رہتا ہے۔ اس لئے تنہا عاشورے کا روزہ نہیں رکھنا چاہئے، بہتر تو یہ ہے کہ اس کے ساتھ نویں تاریخ کا روزہ ملالے تاکہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے، اگر نویں کا نہ ملا سکے تو پھر گیارھویں کا ملالے۔ (خصائل) ولذا قال بعض المحققين صيام يوم عاشوراء ثلاثة مراتب ادناها ان يصام وحده و فوقه ان يصام التاسع معه و فوقه ان يصام التاسع والحادي عشر معه ۔(جمع ج۲ ص۱۲۸) (اس لئے تو بعض

محققین کہتے ہیں کہ عاشورہ کے دن کے روزوں کے تین درجات ہیں ان میں ادنیٰ یہ ہے کہ صرف تنہا عاشورہ ہی کے دن روزہ رکھے اس سے اوپر کا درجہ یہ ہے کہ عاشورہ کے دن کے ساتھ نویں تاریخ کا بھی روزہ رکھے اور سب سے اعلیٰ یہ ہے کہ عاشورہ کے دن کے ساتھ نویں اور گیارہ تاریخ کا روزہ بھی رکھے)

(۲۹۶/۱۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ اَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخُصُّ مِنَ الْاَيَّامِ شَيْئًا قَالَتْ كَانَ عَمَلُهٗ دِيْمَةً وَ اَيُّكُمْ يُطِيْقُ مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطِيْقُ

ترجمہ : امامِ ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبد الرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو سفیان نے منصور کے ذریعہ سے یہ روایت بیان کی ۔ انہوں نے یہ روایت ابراہیم سے روایت کی ، جنہوں نے اسے علقمۃ سے نقل کیا ۔ علقمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا حضور اقدس ﷺ کوئی ایام کو عبادت کے لئے مخصوص فرمایا کرتے تھے ، انہوں نے فرمایا کہ (نہیں) حضور اکرم ﷺ کے اعمال دائمی ہوتے تھے ، تم میں سے کون طاقت رکھتا ہے ، جس کی حضور اقدس ﷺ طاقت رکھتے تھے ۔

کان عمله دیمة ...... ای دائماً متصلاً (مناوی ج۲ ص۱۳۲) (یعنی دائمی اور متصل) علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ' فان الدیمة فی الاصل المطر الذی لارعد فیه و لابرق و فیه سکون و اقله ثلث اللیل او ثلث النهار و اکثره مابلغ من عدة ۔ (جمع ج۲ ص۱۳۲)

یعنی دیمہ دراصل اس بارش کو کہتے ہیں ، جس میں نہ گرج ہوتی ہے ، نہ چمک بلکہ موسلا دھار بارش ہوتی رہتی ہے ۔ تہائی رات یا تہائی دن کم از کم اور زیادہ کی کوئی حد نہیں ، برستی رہتی ہے ۔ امّ المؤمنین حضرت عائشہؓ کا خطاب حضرات صحابہ کرامؓ کو ہے باوجودیکہ ان کی علوِ ہمت اور قلبی جِلا حضور پاک ﷺ کی صحبت مبارک سے نور علی نور تھی ، مگر حضورِ اقدس کے برابر کی طاقت وہ کب رکھتے تھے ' والحق انه لیس یطیق ما کان یطیق النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فی الخشوع و الأعمال . (اتحافات ص۳۳۹)

(اور حق بات یہی ہے کہ آپ ﷺ جتنے اعمال کی اور جس خشوع وخضوع سے انہیں ادا کرنے کی طاقت رکھتے تھے اتنی طاقت صحابہؓ میں کوئی بھی نہیں رکھتا تھا)

(۱۴/۲۹۷) حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ اِسْحٰقَ اَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ عِنْدِیْ اِمْرَأَةٌ فَقَالَ مَنْ هٰذِهٖ قُلْتُ فُلَانَةٌ لَا تَنَامُ اللَّيْلَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْاَعْمَالِ مَا تُطِيْقُوْنَ فَوَاللّٰهِ لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا وَ كَانَ اَحَبُّ ذٰلِكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِیْ يَدُوْمُ عَلَيْهِ صَاحِبُهٗ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ہارون بن اسحٰق نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو عبدۃ نے ہشام بن عروۃ سے خبر دی۔ جنہوں نے اسے اپنے باپ سے نقل کیا۔ انہوں نے یہ روایت امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ایک مرتبہ تشریف لائے تو میرے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھیں۔ حضور اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے، میں نے عرض کیا کہ فلانی عورت ہیں، جو رات بھر نہیں سوتیں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ نوافل اس قدر اختیار کرنے چاہیں، جن کا تحمل ہو سکے، حق تعالیٰ شانہٗ ثواب دینے سے نہیں گھبراتے، یہاں تک کہ تم کرنے سے گھبرا جاؤ۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو وہی عمل زیادہ پسند تھا، جس پر آدمی نباہ کر سکے۔

و عندی امرأة ...... کانت المرأة من بنی اسد، واسمها الحولاء بنت تويت بضم التاء الاولی ابن حبیب بن عبد العزیٰ، من رهط خديجة أمّ المؤمنين ۔(اتحافات ص ۳۳۹) (یہ عورت بنی اسد قبیلہ کی تھی اس کا نام حولاء بنت تُویت (پہلی تاء کے ضمہ کے ساتھ) ابن حبیب بن عبد العزیٰ تھا ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کی قوم سے تھی)

لاتنام الليل ...... ای لذکرها و تهجدها (ذکر کرنے اور تہجد پڑھنے کی وجہ سے ساری رات نہیں سویا کرتی) علامہ الدومیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں منہ سامنے مدح کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے۔ بشرطیکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، وفیه جواز المدح فی الوجه اذا امنت الفتنة (اتحافات ص ۳۳۹) فو اللّٰہ!

والقسم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للتاکید ۔(اتحافات ص۳۳۹)(حضور ﷺ کا قسم اٹھانا تاکید ہی کے لئے ہے)

طاقت کے مطابق عمل :

علیکم من الاعمال ما تطیقون ...... حضور ﷺ کا ارشاد ہے ”جتنی طاقت رکھتے ہو اُتنے اعمال کرو“ یعنی خواہ روزہ ہو یا نماز یا قرآن مجید کی تلاوت یا ذکر الٰہی وغیرہ وغیرہ اپنی بساط کے مطابق نفلی عبادت کرو، اپنی طاقت اور بساط سے زیادہ نہ کرو، تاکہ تکلیف مالایطاق کا باعث نہ بنے اور تم خود بھی دل برداشتہ نہ ہو جاؤ۔ ارشاد ہے ”وہ نہیں تھکتا یہاں تک کہ تم خود تھک جاؤ گے“ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ جل جلالہٗ ثواب عطا فرمانے میں ہرگز نہیں تھکتا، مگر تم اپنی طاقت سے زیادہ عبادت کرو گے تو تھک جاؤ گے اور جب تمہاری عبادت میں اس تھکاوٹ کے باعث بے اطمینانی اور دل برداشتگی پیدا ہوگی تو خلوص عاجزی اور جو خشوع و خضوع ہونا چاہیے، وہ جاتا رہا تو پھر قبولیت نہیں ہوگی۔ ام المؤمنین کا ارشاد ہے کہ ”حضور رسول کریم ﷺ کے نزدیک یہ بات بہت پسندیدہ تھی کہ اس پر عمل کرنے والا مداومت کرے“ یعنی ایسی عبادت کرے جو ہمیشہ کرے، اگرچہ قلیل ہی کیوں نہ ہو۔ وہ عبادت جو زیادہ کی جائے اور منقطع ہو، اس سے ہمیشگی کی عبادت اگرچہ تھوڑی ہو بہتر ہے۔

ادائیگی حقوق کا اہتمام :

یہ صحابیہ حضرت حولاء رضی اللہ عنہا تھیں۔ صحابۂ کرامؓ میں عبادت کا ولولہ اور جوش تھا۔ حدیث کی کتابوں میں بہت سے قصے اس قسم کے مذکور ہیں کہ ان حضرات کا شوق ان کو حد سے زیادہ مجاہدہ پر مجبور کرتا تھا، مگر حضور اکرم ﷺ اعتدال کی نصیحت فرماتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ ایک مشہور صحابی ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ یہ طے کر لیا کہ عبادت میں بہت ہی کوشش کروں گا، دن میں ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا اور رات کو روزانہ ایک کلام مجید ختم کیا کروں گا۔ میرے والد نے ایک شریف عورت سے میرا نکاح کر دیا۔ ایک مرتبہ والد نے بیوی سے میرا حال دریافت کیا۔ اس نے عرض کیا بہت نیک آدمی ہیں، رات بھر بستر پر نہیں آتے، نہ کسی سے کوئی واسطہ رکھتے ہیں۔ میرے والد مجھ پر

بہت خفا ہوئے کہ میں نے کیسی شریف عورت سے تیرا نکاح کیا تھا، تو نے اس کو معلق چھوڑ کر رکھا ہے۔ مجھ پر غلبۂ شوق میں کچھ اثر نہ ہوا۔ والد نے حضور اکرم ﷺ سے شکایت کر دی۔ حضور اکرم ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ میں نے سُنا ہے کہ تم دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہو اور رات بھر نماز پڑھتے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت صحیح ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ایسا نہ کیا کرو، کبھی روزہ رکھا کرو اور کبھی افطار۔ اسی طرح رات کو نمازیں بھی پڑھا کرو اور سویا بھی کرو، تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے کہ رات بھر جاگنے سے ضعیف ہو جاتی ہیں۔ تمہاری بیوی کا بھی حق ہے، اولاد کا بھی حق ہے، ملنے والوں کا بھی حق ہے۔ (خصائل)

(۲۹۸/۱۵) حَدَّثَنَا اَبُوْهِشَامٍ مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيْدَ الرِّفَاعِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِىْ صَالِحٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ وَ اُمَّ سَلَمَةَ اَىُّ الْعَمَلِ كَانَ اَحَبُّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتَا مَادِيْمَ عَلَيْهِ وَ اِنْ قَلَّ۔

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو ہشام محمد بن یزید رفاعی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابن فضیل نے اعمش کے حوالہ سے بیان کیا، انہوں نے یہ روایت ابو صالح سے نقل کی۔ ابو صالح رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرتِ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور اقدس ﷺ کے نزدیک کونسا عمل زیادہ پسند تھا۔ دونوں نے جواب دیا کہ جس عمل پر مداومت کی جائے، خواہ کتنا ہی کم ہو۔

عمل قلیل ہو مگر مداومت ہو:

قال سألت عائشة و امّ سلمة ...... مضمونِ حدیث واضح ہے یعنی نفلی عبادات، ذکر و اشغال، نفلی روزے اور تلاوت وغیرہ کے معمولات اپنی طاقت، صحت اور بساط کے مطابق ادا کرے، ایسا نہ ہو کہ نوافل کی زیادہ و کثرت کی وجہ سے طاقت اور صحت جاتی رہے اور فرائض کی ادائیگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ لہٰذا شفیقِ اُمت نے اپنی اُمت کو تعلیم دی کہ تھوڑی عبادت کرو، مگر با قاعدہ اور ہمیشہ کرو۔ الحدیث واضح

والعمل القليل مع الدوام خير من الكثير مع الانقطاع ۔(اتحافات ص۳۴۰)(اور حدیث کا مطلب واضح ہے کہ تھوڑا عمل دائمی طور پر یہ بہتر ہے اس بہت سے عمل سے جس میں انقطاع (ناغہ) ہو)؛ ذ بدوام العمل تدوم الطاعة والذکر والمراقبة ولا کذلک مع انقطاعه ۔(مواہب ص۲۲۷)(اس لیئے کہ دائمی عمل سے ذکر ومراقبہ اور طاعت میں دوام کی عادت پڑ جاتی ہے اور اس جیسا (اثر) نہیں ہوتا عمل وعبادت کے رہ جانے سے)وھذہ ثمرات تزید علی الکثیر المنقطع اضعافاً کثیرة ۔(جمع ج۲ ص ۱۳۵)((دائمی اور با قاعدگی سے تھوڑے عمل کرنے کے)اتنے زیادہ فوائد ونتائج ہوتے ہیں کہ وہ اس عمل کثیر جس میں انقطاع ہوتا ہو پر کئی گنا بڑھ جاتے ہیں)

(۲۹۹/۱۶) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنِي مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ اَنَّهُ سَمِعَ عَاصِمَ بْنَ حُمَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ عَوْفَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ كُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَاسْتَاكَ ثُمَّ تَوَضَّأَ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي فَقُمْتُ مَعَهُ فَبَدَأَ فَاسْتَفْتَحَ الْبَقَرَةَ فَلَا يَمُرُّ بِآيَةِ رَحْمَةٍ اِلَّا وَقَفَ فَسَأَلَ وَلَا يَمُرُّ بِآيَةِ عَذَابٍ اِلَّا وَقَفَ فَتَعَوَّذَ ثُمَّ رَكَعَ فَمَكَثَ رَاكِعًا بِقَدْرِ قِيَامِهِ وَ يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِيَآءِ وَالْعَظَمَةِ ثُمَّ سَجَدَ بِقَدْرِ رُكُوْعِهٖ وَ يَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِيَآءِ وَالْعَظَمَةِ ثُمَّ قَرَأَ اٰلَ عِمْرَانَ ثُمَّ سُوْرَةً سُوْرَةً يَفْعَلُ مِثْلَ ذٰلِكَ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن اسمٰعیل نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبد اللہ بن صالح نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت معاویہ بن صالح نے عمرو بن قیس کے حوالہ سے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عاصم بن حمید (السکونی الحمصی) سے سُنا۔ عاصم کہتے ہیں کہ میں عوف بن مالک سے سنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک شب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک فرمائی، پھر وضو فرمایا، پھر نماز کی نیت باندھ لی۔ میں نے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتداء کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز کی نیت باندھ لی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے سورۂ بقرہ شروع فرمائی اور جس آیتِ رحمت پر گزرتے، وہاں وقفہ فرما کر حق تعالیٰ شانہٗ سے رحمت کا سوال فرماتے اور ایسے جس آیت عذاب پر گذرتے، وہاں وقفہ فرما کر اس عذاب سے پناہ مانگتے، پھر حضور اکرم ﷺ نے تقریباً اتنی دیر رکوع فرمایا، رکوع میں سبحان ذی الجبروت والملکوت والکبریاء والعظمة، یہ دعا پڑھتے رہے۔ پاک ہے وہ ذات جو حکومت اور سلطنت والی نہایت بزرگی اور عظمت و بڑائی والی ہے۔ پھر رکوع ہی کی مقدار کے موافق سجدہ کیا اور اس میں بھی یہی دعاء پڑھی، (پھر دوسری رکعت میں) سورۂ آل عمران (اور اسی طرح ایک ایک رکعت میں ایک ایک سورۃ پڑھتے رہے۔

راویان حدیث (۵۷۸) عبداللہ صالحؒ (۵۷۹) عمرو بن قیسؒ اور (۵۸۰) عوف بن مالک الاشجعیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

آپ ﷺ صائم الدھر اور قائم اللّیل تھے :

حدیث ۱۴ تا ۱۶ کا بظاہر باب ھذا سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ بعض نے اسے سہوِ کاتب قرار دیا ہے ''ان احادیث کو'' باب ما جاء فی عبادة رسول صلی اللہ علیہ وسلم (حضور ﷺ کی عبادت کرنے کے باب) میں ہونا چاہئے تھا۔ بعض حضرات یہ توجیہ فرماتے ہیں کہ مصنف کا مقصود یہ ہو کہ آپ ﷺ دن کو روزہ رکھتے تھے اور رات کو بھی اس طرح کی عبادت کرتے تھے' گویا آپؐ صائم الدھر اور قائم اللیل تھے۔ (پوری عمر روزے رکھنے والے اور ساری راتوں میں تہجد کرنے والے)

جب غلبہ شوق ہو :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ ''عموماً'' جو لوگ روزہ کے شوقین ہوتے ہیں' اکثر دیکھا گیا کہ وہ ایسی افراط کرنے لگتے ہیں کہ حقوق میں کوتاہی ہو جاتی ہے' اس لئے اوّل امام ترمذیؒ نے اعتدال اور میانہ روی کی حدیثیں نقل کیں اور اخیر روایت سے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ اگر غلبۂ شوق میں کسی وقت کچھ معمول سے زیادتی ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔ البتہ ایسا نہ ہونا چاہئے کہ عبادت سے ملال اور نفور پیدا ہو جائے۔

==

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ قِرَآءَ ةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کے بیان میں

اس باب میں مصنف نے آٹھ (۸) احادیث درج کی ہیں، جن میں حضور اقدس ﷺ کی تلاوت کا بیان ہے کہ آپ ﷺ انتہائی وقار اور متانت سے اور ٹھہر کر تلاوت فرماتے تھے۔ حروف واضح ہوتے، سننے والے کو کوئی شبہ نہ ہوتا بعض نسخوں میں "فی صفة قراء ة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم" (یعنی لفظِ قرأت سے پہلے صفۃ کا لفظ ہے یعنی حضور ﷺ کے پڑھنے کی صفت اور نوعیت کے بیان میں) نقل ہوا ہے۔ والمراد بها الترتیل والمد والوقف والاسرار والاعلان الترجیع و غیرها (مواہب ص ۲۲۸) (اور صفت قرأت سے مراد ترتیل، مدّ، وقف، خفیہ، جہر اور ترجیع (کلمات و آیات کو دوبارہ پڑھنا) وغیرہ مراد ہے)

(۱/۳۰۰) حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ حَدَّثَنَا اللَّیْثُ بْنُ شِهَابٍ عَنْ اِبْنِ اَبِیْ مُلَیْکَةَ عَنْ یَعْلَی بْنِ مَمْلَکٍ اَنَّهٗ سَاَلَ اُمَّ سَلَمَةَ عَنْ قِرَاءَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا هِیَ تَنْعَتُ قِرَاءَ ةً مُفَسَّرَةً حَرْفًا حَرْفًا۔

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبۃ بن سعید نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو لیث بن شہاب نے ابن ابی ملیکہ سے سن کر بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت یعلٰی بن مملک سے نقل کیا۔ یعلٰی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امّ سلمۃ رضی اللہ عنہا سے حضور اکرم ﷺ کی قراءت کی کیفیت پوچھی، انہوں نے ایک ایک حرف علیحدہ علیحدہ صاف صاف کیفیت بتائی۔

راوی حدیث (۵۸۱) یعلٰی بن مملکؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

قراءت رسول ﷺ کی توصیف :

فاذا ھی تنعت ...... فا ' عطف کیلئے ہے اور اذا ' مفاجاۃ کے لئے ، مفیدۃ باجابتھا لذالک علی الفور مبیّنۃ بانھا فی کمال ضبطھا ۔(جمع ج۲ص۱۳۷) (حضرت ام سلمہؓ فوری طور مفید جواب دیتی ہوئی بیان کرتی ہے اور اس کو پورے ضبط و وضاحت کے ساتھ مفصل اور واضح طور پہ خاص کیفیت سے بیان کر دیا۔ مفسرۃ یہ فسر سے مشتق ہے اس کا معنیٰ بیان کا آتا ہے اور اس مادہ سے تفسیر بھی ہے) قراءۃً مفسّرۃ ای مبیّنۃ مشروحۃً واضحۃً مفصولۃ الحروف من الفسر وھو البیان و منہ التفسیر ۔(جمع ج۲ص۱۳۷) قال الجزری ، حرفاً حرفاً ای کلمۃ کلمۃ ولعلھا ذکرت بالقول او الفعل لتبیّن الکیفیۃ فتثبت فی ذھن السائل ۔(اتحافات ص۳۴۲) (امام جزریؒ فرماتے ہیں کہ حرفاً حرفاً بمعنیٰ کلمۃً کلمۃً یعنی ایک ایک حرف اور کلمہ بتادیا اور شاید کہ ام سلمہؓ نے یہ زبانی طور پر کہا اور یا فعل کے ساتھ (یعنی خود پڑھ کر) اس کی کیفیت کو واضح کرنے کے لئے پڑھا تا کہ وہ سائل کو خوب ذہن نشین ہو جائے) یعنی حضرت ام سلمہؓ نے یہ کیفیت یا تو زبانی بتائی یا پڑھ کر عملاً بتائی اقرب دوسرا احتمال ہے، جس کی باب ہٰذا کی تیسری حدیث سے تائید بھی ہوتی ہے۔ علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں' وظاہر السیاق یدل علی الثانی فکانھا علمت بقرینۃ المقام ماھو مراد السائل او اظھرت کیفیۃ ماسمعت بالفعل الذی ھو اقویٰ من القول مع انہ یفید الروایۃ والدرایۃ (جمع ج۲ص۱۳۷) (سیاقِ کلام کا ظاہر دوسرے احتمال پر دلالت کرر ہا ہے گویا کہ قرینہ مقام ہی کی وجہ سائل کی مراد کو جان لیا یا پھر اس نے وہ کیفیت (جو حضور ﷺ سے سنی تھی) بالفعل ظاہر کردی جو کہ محض قول سے زیادہ قوی ہے باوجودیکہ وہ روایت اور درایت کے لحاظ سے مفید ہے)

(۲/۳۰۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيْرِ بْنِ حَازِمٍ حَدَّثَنَا اَبِیْ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ كَيْفَ كَانَ قِرَاءَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَدًّا ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ روایت بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے

وہب بن جریر بن حازم نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو میرے باپ نے قتادہ کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم ﷺ کی قراءۃ کی کیفیت پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ (مد والے حروف کو) مد کے ساتھ کھینچ کر پڑھتے تھے۔

قال مدًا ای ممدودة ' أو ذات مد ' اور یہ طبعًا تھا۔ قرأت وتجوید کے اُصول اور قواعد کے مطابق جتنی کہ ایک ''مد'' اس کی مستحق ہوتی ہے۔ و هذا هو المدّ الطبيعي و طبعاً الخالي من المبالغة والمد يستلزم الترتيل و الترتيل يستلزم التدبر و قدكان رسول الله صلى الله عليه و سلم في قرأته يكسوه من كل آية يقرؤها حال يناسب تلك الآية وقد قال على كرم الله وجهه "لا خير في عبادة لا فقه فيها و لا في قراءة لا تدبر فيها أفلا يتدبرون القرآن" (اتحافات ص ۳۴۲)

(۳۰۲/۳) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدِ الْاُمَوِيُّ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ اَبِىْ مُلَيْكَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَطِّعُ قِرَاءَ تَهٗ يَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ٥ ثُمَّ يَقِفُ ثُمَّ يَقُوْلُ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥ ثُمَّ يَقِفُ وَ كَانَ يَقْرَأُ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ٥

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یعلی بن حجر نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے یحییٰ بن سعید اموی نے ابن جریج کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت ابن ابی ملیکہ سے امّ المؤمنین امّ سلمہؓ سے نقل کی۔ حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت میں ہر آیت کو جُدا جُدا کر کے علیحدہ علیحدہ اس طرح پڑھتے تھے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن پر ٹھہرتے پھر اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پر وقف کرتے تھے پھر مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْن پر وقف کرتے۔

راوی حدیث (۵۸۲) یحییٰ بن سعید الاموی ؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

قراءت میں وقف واتصال کا مسئلہ :

كان النبى صلى الله عليه وسلم يقطع قراء ته ...... ظاہر حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ

آپ ﷺ ہر آیت پر وقف کرتے تھے۔ ای بـالتـوقف من التقطيع و هو جعل الشئى قطعة قطعة (جمع ج ۲ص ۱۳۹)یقطع کالفظ تقطیع سے ماخوذ ہے یعنی کسی چیز کو ٹکڑے ٹکڑے بنانا) ای يقف على رؤس الآية فالوقوف على الآياتِ سنة ۔(اتحافات ص ۳۴۳) (یعنی آپ ﷺ ہر آیت پر وقف فرمایا کرتے تو گویا ہر آیت پر وقف کر کے پڑھنا سنت ہوا) ہر آیت پر وقف کرنے کے بارے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔(۱) بعض حضرات کہتے ہیں کہ جب تک سانس جاری رہے پڑھتا رہے، گویا اتصال افضل ہے اور وقف ضرورت پر مبنی ہے۔(۲) بعض حضرات کا قول ہے کہ ہر آیت پر وقف ہونا چاہئے، گویا وقف افضل ہے اور اتصال بھی جائز ہے۔امام جزریؒ سے بھی یہی منقول ہے۔ محققینؒ بھی اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔روایات بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔تاہم یاد رہے کہ جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔البتہ یہ اولویت اور غیر اولویت کا فرق ہے۔فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اردو زبان میں ایک رسالہ ''رد الطغيان فی اوقاف القرآن '' کے نام سے لکھا ہے، جو اپنے موضوع پر بے حد نافع ہے۔

(۳۰۳/۴) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ قَيْسٍ قَالَ سَاَلْتُ عَآئِشَةَ عَنْ قِرَاءَ ةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكَانَ يُسِرُّ بِالْقِرَاءَ ةِ اَمْ يَجْهَرُ قَالَتْ كُلُّ ذٰلِكَ قَدْ كَانَ يَفْعَلُ رُبَّمَا اَسَرَّ وَ رُبَّمَا جَهَرَ قُلْتُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ فِی الْاَمْرِ سَعَةً ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید نے یہ حدیث بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے لیث نے معاویہ بن صالح کے حوالہ سے بیان کیا۔انہوں نے یہ روایت عبداللہ بن ابی قیس سے نقل کی۔ عبداللہ بن ابی قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور اقدس ﷺ قرآن شریف آہستہ پڑھتے تھے یا پکار کر۔انہوں نے کہا کہ دونوں طرح معمول تھا۔میں نے کہا الحمد للہ اللہ کا شکر واحسان ہے ، جس نے ہر طرح سہولت عطا فرمائی (کہ بمقتضائے وقت جیسا مناسب ہو آواز سے یا آہستہ اسی طرح پڑھ سکے)

قرأت جہراً ہو یا سراً :

یہ سوال جیسا کہ جامع ترمذی شریف کی روایت میں تصریح ہے، تہجد کی نماز کے بارے میں تھا اوراس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا کہ دونوں طرح معمول تھا، یعنی آواز سے بھی اور آہستہ بھی۔ اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک رات میں ہی دونوں طرح معمول تھا اور یہ بھی صحیح ہے کہ کسی رات میں آواز سے پوری نماز پڑھنے کی نوبت آتی تھی اور کسی رات میں آہستہ تمام نماز پڑھ لیتے تھے۔ دونوں صحیح ہیں اور تہجد میں دونوں طرح پڑھنے میں مضائقہ نہیں ہے، وقت کی مناسبت سے بسا اوقات آواز سے پڑھنا افضل ہوتا ہے۔ بالخصوص جہاں دوسروں کی ترغیب کا سبب بنے یا نشاط پیدا ہو اور جہاں کسی تکلیف کا احتمال ہو یا ریا کا شائبہ ہو، وہاں آہستہ پڑھنا اولیٰ ہوتا ہے، جہر سے پڑھنے میں دوسروں کی تکلیف کی رعایت ضروری ہے اور کسی وقت دونوں برابر ہوں تو معمولی جہر اولیٰ ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا معمول تہجد میں آہستہ پڑھنے کا تھا اور حضرت عمرؓ بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کا دونوں حضراتؓ پر گذر ہوا، دونوں کا حال دیکھا۔ صبح کو جب دونوں حضراتؓ حاضرِ خدمت ہوئے تو حضور اقدس ﷺ نے اس کا تذکرہ فرمایا کہ ابوبکر! میں تمہارے پاس سے گزرا تم بہت آہستہ آہستہ پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں جس پاک ذات سے باتیں کرر ہا تھا، وہ سُن ہی رہا تھا، پھر حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم بہت بلند آواز سے پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ غفلت سے سونے والوں کو جگانا اور شیطان کو اپنے سے دور رکھنا مقصود تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے دونوں حضرات کی تصویب فرمائی اور حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ تم اپنی آواز کو تھوڑا سا بڑھا لیا کرو اور حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم ذرا آہستہ کردو۔ (خصائل)

(۳۰۴/۵) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَیْلَانَ حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنْ اَبِی الْعَلَاءِ الْعَبْدِیِّ عَنْ یَحْیٰی بْنُ جَعْدَۃَ عَنْ اُمِّ ھَانِیءٍ قَالَتْ کُنْتُ اَسْمَعُ قِرَاءَۃَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاللَّیْلِ وَ اَنَا عَلٰی عَرِیْشِیْ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں وکیع نے اوران کے پاس مسعر نے یہ روایت بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ابوالعلاء عبدی سے بواسطہ یحییٰ بن جعدۃ نقل کی اوراس نے ام ہانی سے۔ حضرت امّ ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضوراقدس ﷺ (مسجد حرام میں قرآن شریف پڑھتے تھے اور میں حضوراکرم ﷺ) کے پڑھنے کی آوازرات کواپنے گھر کی چھت پر سے سُنا کرتی تھی۔

راویان حدیث (۵۸۳) ابوالعلاء العبدیؒ اور (۵۸۴) یحییٰ بن جعدۃؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظِ عریش کی وضاحت :

و انا علی عریشی ! عریش ' لغت میں چھت اورسائبان کوکہتے ہیں۔ یہاں مرادبستر ہے العریش ھو السریر الذی کانت تنام علیہ أوفراشھا ۔(اتحافات ص۳۴۴)(عریش یاتووہ چارپائی جس پروہ سویا کرتی تھی اوریااس کابستر مرادہے)

جہراً تلاوت بھی جائز ہے :

حضرت امّ ہانیؓ کا گھر بیت اللہ شریف کے سامنے رکن یمانی کے مقابل تھا، جب رات کوآپ ﷺ بیت اللہ شریف میں عبادت کرتے ،تو قرآنِ پاک کی تلاوت کرتے ،تو حضرت امّ ہانیؓ اپنے گھر میں اپنے بستر پرآپ ﷺ کی تلاوت وقرأت سنتی تھیں۔ گویا آپ ﷺ اونچی آواز سے بھی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ وھذہ القراءۃ کانت فی مکۃ عند الکعبۃ لیلاً ۔(اتحافات ص۳۴۴)(اورآپ ﷺ کی یہ (جہراً) قرأت مکہ میں رات کو بیت اللہ شریف میں ہوتی تھی) جہری قرأت کی وجہ ایک تو یہ ہوسکتی ہے۔ لیسمع من لم یکن یسمع من قریش أو لان القراءۃ باللیل یکون الخشوع فیھا اکثر او لغیر ذلک ۔(اتحافات ص۳۴۴)(تاکہ سن لیں قریش میں سے وہ بھی جونہیں سنا کرتے تھےاور یا یہ کہ رات کے وقت نماز میں خشوع کی کیفیت زیادہ ہوا کرتی ہے یاہوسکتا ہے کسی اورغرض ومقصد کے

لئے ہو) باقی رہا اس حدیث کا " المسر بالقراءة كالمسر بالصدقة " (کہ خفیہ قرأت کرنے والے (کی مثال اور درجہ) ایسا ہے جیسا کہ خفیہ صدقہ اور خیرات کرنے والا) سے بظاہر تعارض کا مسئلہ سو یہ کوئی تعارض ہی نہیں، یہ حکم تب ہے جب ریا کاری کا اندیشہ ہو۔ اور حضور ﷺ کے متعلق ریا کاری وغیرہ کا امکان تک نہیں ہوسکتا۔ شیخ احمد عبدالجوادؒ فرماتے ہیں فهذا يكون حين يخشى الرياء أما رسول الله صلى الله عليه وسلم فلايعرف الرياء اليه سبيلا ۔ (اتحافات ص ۳۴۴) ریا کا تو آپ ﷺ کی طرف گمان بھی ناممکن ہے، بلکہ زوال ایمان کا باعث ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کا قراءت میں جہر بشرائط مذکورہ عظیم حکمتوں پر مبنی ہے۔

(۳۰۵/۶) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوُدَ اَنْبَانَا شُعْبَةُ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ يَقُوْلُ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى نَاقَتِهٖ يَوْمَ الْفَتْحِ وَهُوَ يَقْرَأُ : اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ○ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ . قَالَ فَقَرَاَ وَ رَجَّعَ قَالَ وَ قَالَ مُعَاوِيَةُ بْنُ قُرَّةَ لَوْ لَا اَنْ يَّجْتَمِعَ النَّاسُ عَلَيَّ لَاَخَذْتُ لَكُمْ فِيْ ذٰلِكَ الصَّوْتِ اَوْ قَالَ اللَّحْنِ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے ابوداؤد نے بیان کیا اور ان کے پاس شعبۃ نے خبر دی۔ معاویۃ بن قرۃ سے معاویۃ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مغفلؓ کو یہ کہتے ہوئے سُنا۔ عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو فتح مکہ کے دن اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ○ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (تحقیق فتح دی ہم نے تجھ کو فتح ظاہر۔ تاکہ بخشے تیرے واسطے خدا جو کچھ ہوا تھا پہلے گناہوں تیرے سے اور جو کچھ پیچھے ہوا) پڑھتے دیکھا۔ حضور اقدس ﷺ ترجیع کے ساتھ پڑھ رہے تھے۔ معاویۃ بن قرۃ (جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں وہ) کہتے ہیں کہ اگر لوگوں کے جمع ہو جانے کا ڈر نہ ہوتا تو میں اُس لہجہ میں پڑھ کر سُناتا۔

قرأت میں ترجیع کا مسئلہ :

فقرأ و رجع ...... حدیث میں ''سورۃ الفتح'' کی آیات کی تلاوت کا ذکر ہے۔ ''سورۃ الفتح'' صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی تھی، جس میں مسلمانوں کے ساتھ فتح مکہ کا وعدہ کیا گیا تھا، جب وہ وعدہ پورا ہوا اور اللہ پاک نے فتح مکہ مکمل کرادیا اور آپ ﷺ مکۃ المکرّمہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو تشکر و امتنان، عبدیت و انابت کے جذبات سے سرشار ہو کر اللہ کے وعدوں کو یاد کر کے آپ مزے لے لے کر سورۃ الفتح پڑھ رہے تھے رجّع، ترجیع سے ہے، ترجیع کا معنیٰ خوش آوازی سے پڑھنے، ایک آیت کو دو، دو بار پڑھنے اور حلق میں آواز گھمانے، لوٹانے اور لوٹا کر پڑھنے کے آتے ہیں ای ردد صوته بالقراءة و قد فسره عبد اللّٰہ بن مغفل بقوله آ، آ، آ بهمزة مفتوحة بعده الف ساكنة ثلاث مرات و زعم بعضهم ان ذلك كان من هز الناقة بغير اختياره و رد بأنه لو كان كذالک لما فعله عبد اللّٰہ اقتداء به (مواہب ص ۲۳۰) (یعنی اپنی آواز کو قرأت کے ساتھ لوٹایا اور دہرایا اور اس کی وضاحت عبداللہ بن مغفلؓ نے اپنے قول آ، آ، آ سے کی یعنی ہمزہ مفتوحہ کے بعد الف ساکن تین مرتبہ پڑھا اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس قسم کی آواز غیر اختیاری طور پر اونٹنی کی رفتار و حرکت کی وجہ سے تھی لیکن اس کی تردید بایں وجہ کی گئی کہ اگر ایسا ہوتا تو پھر عبداللہ بن مغفلؓ اس میں آپ ﷺ کی اقتداء ہرگز نہ کرتے)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی رائے :

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ ترجیع کے معنی لغت کے اعتبار سے لوٹانے کے ہیں، آواز کو لوٹا کر پڑھنا مراد ہے۔ خود عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے اس کی تفسیر آ آ آ منقول ہے۔ اس کا مطلب بعض علماء نے آواز کو درست کر کے پڑھنے کا فرمایا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو مکہ مکرمہ کے فتح ہونے اور دار الاسلام بن جانے کی وجہ سے غایت سرور تھا۔ اس لئے نہایت لطف سے پڑھ رہے تھے، مگر میرے اُستاذ حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی تحقیق یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ چونکہ اونٹنی پر تشریف فرما تھے، اس لئے اس کی حرکت سے آواز ترجیعی معلوم ہوتی تھی۔ اسی بناء پر عبداللہ بن مغفلؓ

نے اس کی تفسیر آ آ آ سے نقل کی اور اسی وجہ سے معاویہ نے اس کی نقل کرنے کی ہمت نہیں کی کہ دانستہ اس طرح آواز بنانے سے لوگ مجتمع ہو جائیں گے۔ اس توجیہ کے موافق آئندہ حدیث کے بھی مخالف نہیں ہوگی۔ بندہ کے نزدیک یہی توجیہ زیادہ پسندیدہ ہے۔ اس لئے کہ اگر پہلے قول کے موافق آواز بنا کر اور درست کر کے پڑھنا مراد ہے، تو پھر لوگوں کے مجتمع ہونے کا کیا خوف ہے۔ قرآن پاک کو اچھی آواز سے جس میں گانے سے مشابہت پیدا نہ ہو، پڑھنا ہی چاہئے۔ بہت سی احادیث میں مختلف عنوان سے قرآن پاک کو ترتیل سے اچھی آواز کے ساتھ پڑھنے کی ترغیب وارد ہوئی ہے۔ (خصائل)

قرأت میں تحسین صوت :

شیخ احمد عبدالجواد الدومی تحریر فرماتے ہیں' والترجیع هو التحطیط والترديد . ويوافق هذا الحديث : زينوا القرآن بأصواتكم ، و حديث : " وليس منا من لم يتغن بالقرآن " وحديث : " مـا أذن الله لشئي كاذنه لنبي حسن الصوت يتغنى بالقرآن " .وورد أنه صلى الله عليه وسلم استمع لقراءة أبي موسى الأشعري فلما أخبره بذلك قال : " لو كنت أعلم أنك تسمعه لحبرته لك تحبيرا " . أي حسنته لك تحسينا ، وورد : " لكل شئي حلية ، و حلية القرآن حسن الصوت " . و ظاهر هذه الأحاديث جواز التغني بالقرآن بشرط أن لا يخرج عن الأداء الشرعي،قال في الإكمال " و لا خلاف في أن تحسين الصوت بقراءة القرآن مشروع مندوب اليه "(اتحافات ص ۳۴۵)

(ترجیع کا معنیٰ ایک بات کو دہرانا اور لوٹانا اور اسی معنیٰ کی موافقت اس حدیث سے ہے کہ تم اپنی آوازوں سے قرآن کو مزیّن اور خوبصورت کیا کرو۔ اور اس حدیث سے بھی کہ ہم (مسلمانوں) میں سے نہیں جو خوش آوازی سے قرآن نہیں پڑھتا اور اس حدیث سے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بھی کسی چیز کی اتنی اجازت نہیں دی جتنی کہ قرآن مجید کو خوش آوازی سے پڑھنے کی۔ اور حدیث شریف میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک بار ابوموسیٰ اشعریؓ کی قرأت کو کان لگا کر سنا اور جب آپ ﷺ نے اس کو یہ بتلا بھی دیا تو ابوموسیٰؓ نے کہا کہ اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ آپ ﷺ میری قرأت کو سن رہے ہیں تو میں اس کو آپ ﷺ کے لئے خوب مزیّن و آراستہ کر کے عمدہ طریقہ پر پڑھتا۔ اور

حدیث میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ ہر چیز کا زیور ہوتا ہے اور قرآن کا زیور اس کو خوش آوازی سے پڑھنا ہے تو بظاہر یہ سب احادیث قرآن مجید کے پڑھنے میں خوش آوازی کرنے کے جواز پر دال ہیں بشرطیکہ یہ خوش آوازی اس کو اداء شرعی (تجوید وقرأت کے قواعد) سے خارج نہ کردے۔ ''اکمال'' میں ہے کہ قرآن مجید کو خوش آوازی سے پڑھنا مشروع اور مندوب ہے)

تنبیہ :

مسئلہ قرأت قرآن میں تحسینِ صوت پر ترجیع وغیرہ کے جواز، عدم جواز اور اس مسئلہ کے متعلق مذاہب کی تفصیل مطلوب ہو، تو زاد المعادج اص ۱۶۵ ملاحظہ فرماویں۔

(۳۰۶/۷) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا نُوحُ بْنُ قَيْسِ الْحُدَانِيُّ عَنْ حُسَامِ بْنِ مِصَكٍّ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا حَسَنَ الْوَجْهِ حَسَنَ الصَّوْتِ وَ كَانَ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَسَنَ الْوَجْهِ حَسَنَ الصَّوْتِ وَ كَانَ لَا يُرَجِّعُ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبۃ ابن سعید نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے نوح بن قیس حدانی نے حسام بن مصک کے حوالہ سے بیان کی اور انہوں نے یہ روایت حضرت قتادۃؒ سے نقل کی۔ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ جل شانہ نے ہر نبی کو حسین صورت اور حسین آواز والا مبعوث فرمایا ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ حسین صورت اور جمیل آواز والے تھے۔ حضور اقدس ﷺ قرآن شریف (گانے والوں کی طرح) آواز بنا کر نہیں پڑھتے تھے۔

راویان حدیث (۵۸۵) نوح بن قیس الحدانیؒ اور (۵۸۶) حسام بن مصکؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

تمام انبیاء خوبصورت اور خوش آواز تھے :

حسن الوجه حسن الصوت...... یعنی تمام انبیاء کرام حسین صورت اور حسین صوت والے ہوتے تھے۔ لیدل حسن ظاهره علی حسن باطنه لأن الظاهر عنوان الباطن۔(مواہب ص ۲۳۱)

(تا کہ اس کا ظاہری حسن وخوبصورتی اس کے حسنِ باطنی پر دلالت کرے کیونکہ ظاہر (ہمیشہ) باطن کا عنوان ہوا کرتا ہے) معنى الحديث واضح فقد كان رسولنا الأكرم صلى الله عليه وسلم أحسن الناس وجوها و أحسنهم صوتاً "وكان لايرجع" بتشديد الجيم المكسورة اى فى بعض الأحيان فلا تنافى بينه و بين الحديث الذى قبله۔(اتحافات ص ۳۰۰)(تو حدیث شریف کا مطلب بالکل واضح ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت اور خوش آواز تھے اور آپ ﷺ ترجیع (یعنی بات کو دہرانا) بعض اوقات نہیں کیا کرتے (تو اس توجیہ سے) اس حدیث اور اس سے پہلے ذکر شدہ حدیث میں کوئی منافات اور تعارض نہ رہا)

علامہ بیجوریؒ نے اسی تطبیق کے علاوہ ایک اور توجیہ بھی لکھدی، جس کی طرف ترجمہ میں بھی اشارہ کردیا گیا۔ فرماتے ہیں' اى فى بعض الاحيان او كان لايرجع ترجيع الغناء ولا ينافى مامر۔ (مواہب ص ۲۳۱) (یا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ترجیع (لوٹانا) راگ کے طرز کی نہ ہوتی (تو اس توجیہ سے) گذشتہ روایت (جس میں قدرتی خوش آوازی کا ذکر تھا) کے منافی نہ ہوا)

شاہ ولی اللہ کا قولِ فیصل :

لایرجع ...... میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ آپ ﷺ باوجود خوش آواز ہونے آواز کو حلق میں گھما گھما کر بہ تکلف خوش آوازی بنا بنا کر قرآن نہیں پڑھتے تھے، بلکہ طبعی لہجہ کے مطابق حسبِ ضرورت خوش آوازی سے پڑھتے تھے، جو محمود بھی ہے اور مطلوب بھی، جیسا کہ احادیث میں آیا ہے، حَسِّن بالقرآن صوتک ' حسنوا القرآن بأصواتكم ' اور لكل شئى حاية و حلية القرآن الصوت الحسن (کہ قرآن مجید کے پڑھنے میں آواز کو خوبصورت بناؤ۔ یا یہ کہ تم قرآن کو خوش آوازی سے پڑھا کرو اور یہ کہ ہر ایک چیز کا زیور ہوتا ہے اور قرآن مجید کا زیور خوش آوازی ہے)

لایرجّع ' میں گانے اور تکلف سے آواز نکالنے کی نفی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے شرح مؤطا میں قول فیصل تحریر کیا ہے کہ ایک لہجہ طبعی ہوتا ہے، جس میں ترنم اور تکلف کی ممانعت ہے، کیونکہ اس میں تخشع اور تدبر فی القرآن حاصل نہیں ہوتا۔

(۸/۳۰۷) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِی الزِّنَادِ عَنْ عَمْرِو بْنِ اَبِی عَمْرٍو عَنْ عِكْرَمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ قِرَاءَ ةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُبَّمَا يَسْمَعُهَا مَنْ فِي الْحُجْرَةِ وَهُوَ فِي الْبَيْتِ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے یحییٰ بن حسان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبدالرحمٰن بن ابی زناد نے عمرو بن ابی عمرو کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عکرمہ سے روایت کی اور انہوں نے عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی آواز (صرف اس قدر بلند ہوتی تھی کہ) آپ ﷺ اگر کوٹھڑی میں پڑھتے تو صحن والے سُن لیتے تھے۔

قرأت بالجہر میں اعتدال :

قال كان قراءة النبی صلی اللّٰه عليه وسلم ...... بیت سے مراد کوٹھڑی' گھر' دالان اور حجرہ سے مراد صحن ہے۔ یعنی حضور اقدس ﷺ جب اندر اپنی قیامگاہ یا دالان میں تلاوت فرماتے، تو صحن والے سن لیتے تھے، یعنی آواز مبارک نہ تو بہت اونچی ہوتی تھی اور نہ ہی بہت پست' بلکہ بین بین تلاوت فرماتے۔ علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، **والمقصود أن قرائته كانت متوسطة لافی نهاية الجهر ولا فی غاية الاخفاء۔** (جمع ج۲ ص۱۴۳)

قرآن مجید کا آہستہ اور آواز سے پڑھنا، دونوں مواقع کے لحاظ سے افضل ہے، اگر ترغیب کا موقع ہو یا کوئی اور سبب جہر کی ترجیح کا ہو، تو جہر سے پڑھے اور اگر ریا وغیرہ کا خوف ہو تو آہستہ پڑھے۔ غرض یہ کہ موقع کے لحاظ سے حکم بھی مختلف ہوتا رہتا ہے۔

اس لئے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ آواز سے قرآن پاک پڑھنے والا ایسا ہے، جیسا اعلان سے صدقہ کرنے والا اور آہستہ قرآن شریف پڑھنے والا ایسا ہے، جیسا کہ چپکے سے صدقہ کرنے والا' جبکہ صدقہ کے متعلق اظہار و اخفاء کا افضل ہونا موقع اور محل کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے۔ اسی طرح تلاوت کا بھی حکم ہے۔ (خصائل)

تتمہ :

قرآن مجید کی تلاوت کے متعلق حضور اکرم ﷺ کا معمول مذکورہ آٹھ حدیثوں کی تشریح کے ضمن میں واضح ہو چکا ہے۔ آخر میں بطور تکملہ کے یہ بھی ذہن نشین رہے کہ آپ ﷺ بغیر جنابت کے ہر حالت میں تلاوت فرمالیتے۔ علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں، **وکان یقرأ القرآن قائما و قاعداً و مضطجعا و متوضأ و محدثا** ۔(زادالمعاد ج ۱ ص ۱۶۵) (آپ ﷺ ہر حالت میں قرآن مجید پڑھا کرتے چاہے کھڑے ہوتے یا بیٹھے اور لیٹے ہوئے وضو کے ساتھ بھی اور بے وضو کی حالت میں بھی)

حضرت شقیق بلخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **طلبنا خمسا فوجدنا فی خمس طلبنا برکة القوت فوجدنا فی صلوٰة الضحیٰ و طلبنا ضیاء القبور فوجدنا فی صلوٰة اللیل و طلبنا جواب منکر و نکیر فوجدنا فی قرأة القرآن و طلبنا عبور الصراط فوجدناه فی الصوم و الصدقة و طلبنا ظل العرش فوجدناه فی الخلوة** (روض الریاحین ص ۱۵۲) (ہم نے پانچ چیزوں کی طلب وتلاش کی تو ہم نے ان کو پانچ چیزوں میں پایا ہم نے رزق میں برکت طلب کی تو وہ ہمیں نماز چاشت میں ملی اور ہم نے قبروں کی روشنی طلب کی تو وہ ہمیں تہجد گزاری میں حاصل ہوئی اور ہم نے منکر ونکیر کے (صحیح) جواب دینے کی طلب کی تو ہم نے قرآن مجید کی تلاوت میں اسے پالیا اور ہم نے پل صراط پر گزرنے کی طلب کی تو روزے اور صدقہ وخیرات میں ہم نے پالی اور ہم نے عرش خداوندی کا سایہ طلب کیا تو خلوت اور گوشہ نشینی میں میسر ہوا)

اللّٰهم اجعل لنا ممن یعمل بها آمین یا رب العالمین (اے اللہ! ہمیں بھی ان لوگوں سے کردے جوان چیزوں پر عمل پیرا ہیں آمین یارب العالمین۔

==================================

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ بُکَآءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی گریہ وزاری کے بیان میں

بکاء کا معنیٰ واقسام :

بکاء، مد کے ساتھ بھی آیا ہے اور قصر کے ساتھ بھی، جب مقصور پڑھیں گے، بُکی تو معنی ہے ضعیف اور سست آواز کے ساتھ رونا ہو، سیلان اللمع مع الحزن (حزن وغم کے ساتھ آنسو بہانا) اور اگر ممدود پڑھیں گے، تو معنی ہے بلند آواز کے ساتھ رونا وبالمد رفع الصوت معه (مواہب ص ۲۳۱) (حزن وغم کے ساتھ زور سے رونا) رونے کی بھی متعدد انواع واقسام ہیں۔ شیخ ابراہیم البیجوریؒ نے تفصیل لکھی ہے، جونذرِ قارئین ہے۔ وهو انواع بكاء رحمة و رأفة و بكاء خوف وخشية وبكاء محبة و شوق بكاء فرح و سرور و بكاء جزع من ورود مؤلم على الشخص لايحتمله و بكاء حزن و بكاء مستعار كبكاء المرأة لغيرها من غير مقابل و بكاء مستاجرٍ عليه كبكاء النائحة و بكاء موافقة و هو بكاء من يرى من يبكى فيبكى ولا يدرى لاىّ شئى يبكى و بكاء كذب و هو بكاء المصر على الذنب (مواہب ص ۲۳۱) (رونے کی چند قسمیں ہیں (۱) رحمت ورأفت یعنی نرم دلی کا رونا (۲) خوف وخشیت کا رونا (۳) محبت اور شوق سے رونا (۴) خوشی کا رونا (۵) کسی شخص کا ناقابل برداشت تکلیف سے آہ زاری کرنا (۶) غم کا رونا (۷) عاریت کا رونا یعنی کسی عورت کا بلا معاوضہ کسی کے لئے رونا (۸) اجرت لیکر رونا جیسے کہ مردہ پر رونے والی عورت کا رونا (۹) صرف دوسرے کی موافقت کے لئے رونا جیسے کہ کسی کو روتے دیکھ کر رونا اور یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کس لئے روتا ہے (۱۰) جھوٹا رونا یعنی گناہ پر اصرار کرنے والے شخص کا رونا)

باب ھٰذا میں چھ احادیث نقل کی گئی ہیں، جن میں حضور اقدس ﷺ کے بکاء کا ذکر ہے کہ

آپ ﷺ نماز میں اللہ پاک کے جلال و جمال کی تجلیات کے وقت، اشتیاقِ محبت کے ازدیاد کے وقت، قرآن کے سماع کے وقت، اللہ تعالیٰ کی ہیبت، عظمت و کبریائی اور اپنی اُمت پر شفقت و رحمت کی وجہ سے اُمت کے لئے بخشش و مغفرت کے طلب کرنے کے وقت اور میّت پر رحم و مودت کی وجہ سے گریہ وزاری کیا کرتے تھے۔ شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں کہ رونے میں غم کا رونا حضرت داؤد علیہ السلام کا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رونا شوق کا رونا تھا۔ حضور اقدس ﷺ کا رونا محبت کا رونا تھا۔ ومنه حزن و هو لداؤد و منه شوق و هو لابراهيم و منه محبة و هو لمحمد۔ (مناوی ج۲ص۱۴۴)

شیخ البیجوریؒ فرماتے ہیں، وبكاءه صلى الله عليه وسلم تارة يكون رحمة و شفقة على الميّت و تارة يكون خوفا على اُمته و تارة يكون خشيةً من الله تعالىٰ و تارة يكون اشتياقاً و محبة مصاحباً للاجلال و الخشية و ذلك عند استماع القرآن ۔ (مواہب ص۲۳۱) (نبی کریم ﷺ کا رونا کبھی تو ملت پر شفقت و رحمت کے لئے ہوا کرتا اور کبھی امت پر خوف کھانے کی وجہ سے اور کبھی خشیت خداوندی کی بنا پر اور کبھی ایسے شوق و محبت جو عظمت و خشیت باری تعالیٰ کو مدنظر رکھتے ہوئے اور یہ رونا اکثر قرآن مجید کے استماع کے وقت ہوا کرتا تھا)

(۱/۳۰۸) حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ مُطَرِّفٍ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيْرِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّيْ وَ لِجَوْفِهٖ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الْمِرْجَلِ مِنَ الْبُكَآءِ ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں سوید بن نصر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن مبارک نے حماد بن سلمہ کے حوالے سے خبر دی، انہوں نے یہ روایت ثابت سے نقل کی، اور انہوں نے اسے مطرف بن عبداللہ بن شخیرؓ سے ان کے باپ کے حوالہ سے نقل کیا۔ حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو حضور اکرم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور رونے کی وجہ سے آپ ﷺ کے سینہ سے ایسی آواز نکل رہی تھی، جیسے ہنڈیا کا جوش ہوتا ہے۔

راویان حدیث (۵۸۷) مطرفؒ اور (۵۸۸) ابیہ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ازیز و مرجل کا معنیٰ :

ولجوفه ازیز ...... رونے کی آواز کو ازیز ھو صوت البکاء اور ہنڈیا کو مرجل کہتے ہیں،ھو القدر من النحاس او کل قدر یطبخ فیها و سمی بذلک لانه إذا نصب فکأنه أقیم علی رجلین ۔(مواہب ص۲۳۲) (وہ تانبے کی ہنڈیا (دیگ) یا ہر ہنڈیا جس میں سالن پکایا جاتا ہو۔ مرجل کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کو مرجل اس لئے کہا جاتا ہے کہ جب وہ رکھی جاتی ہے تو گویا وہ دو پاؤں پر کھڑی کی گئی)

کمال خوف کا اظہار، عبودیت کاملہ کی دلیل ہے :

حضور اقدس ﷺ کا نماز میں یہ گریہ وتضرع، کمالِ خشوع وخضوع، اللہ سے خوف اور شدتِ شوق کی وجہ سے تھا۔ خوفاً من اللّٰہ و شدة شوق الیه ویؤید هذا ماروی عنه صلی اللّٰہ علیه وسلم " لوتعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا و لبکیتم کثیرا "۔(اتحافات ص۳۴۷) (اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر تم کو معلوم ہو جائے جو میں جانتا ہوں البتہ تم لوگ پھر تھوڑے ہنستے اور بہت روتے) شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ ''یہ حالت آپ ﷺ پر اس وقت ہوتی تھی، جب اللہ تعالیٰ کی صفات جلالیہ اور صفات جمالیہ دونوں کا ظہور اکھٹے ہوتا تھا'' (خصائل)

علامہ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضور اقدس ﷺ کا کمال خوف کا اظہار، کمال درجہ کا خشوع وخضوع آپ ﷺ کی عبودیت کاملہ کی دلیل ہے ۔و هذا دلیل علی کمال خوفه و خشیته و خضوعه فی عبودیته ۔(جمع ج۲ص۱۴۴) اور ہانڈی کے جوش کی طرح آپؐ کے سینے سے آواز اور گریہ آپؐ کو سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وراثت میں منتقل ہوا۔ و ذلک مما ورثه من أبیه ابراهیم فانه کان یسمع من صدره صوت کغلیان القدر علی النار من مسیرة

میل ۔ (مواہب ص۲۳۲) (ابراہیم علیہ السلام کے سینہ مبارک سے ایسی آواز جیسے کہ ہنڈیا آگ پر رکھے جوش مارتی ہے ایک میل سے سنائی دیتی تھی)

(۲/۳۰۹) حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنْ عُبَيْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِقْرَأْ عَلَيَّ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اَقْرَأُ عَلَيْكَ وَ عَلَيْكَ اُنْزِلَ قَالَ اِنِّي اُحِبُّ اَنْ اَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي فَقَرَأْتُ سُورَةَ النِّسَآءِ حَتّٰى بَلَغْتُ وَ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَآءِ شَهِيدًا قَالَ فَرَأَيْتُ عَيْنَيْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَهْمُلَانِ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے معاویہ بن ہشام نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت سفیان نے اعمش کے حوالہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ابراہیم سے عبیدۃ کی وساطت سے نقل کی اور انہوں نے اسے صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضور اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ قرآن شریف سُناؤ، (شاید حضور اکرم ﷺ نے اس لئے ارشاد فرمایا ہو کہ سننے میں غور وتدبر پڑھنے سے زیادہ ہوتا ہے یا کسی اور وجہ سے سننے کی رغبت فرمائی ہو کہ بہت سی وجوہ اس کی ہوسکتی ہیں، مثلاً یہی کہ قرآن شریف سننے کی سنّیت بھی حضور اکرم ﷺ کے فعل سے ثابت ہوجائے) میں نے عرض کیا کہ حضور (ﷺ) آپ ہی پر تو نازل ہوا ہے اور آپ ﷺ ہی کو سناؤں۔ (شاید ابن مسعودؓ کو یہ خیال ہوا ہو کہ سنانا، تبلیغ اور یاد کرانے کے واسطے ہوتا ہے) حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ دوسرے سے سنوں۔ میں نے امتثالِ حکم میں سنانا شروع کیا اور سورۂ نساء (جو چوتھے پارہ کے پونے سے شروع ہوتی ہے پڑھنا شروع کی۔ میں جب اس آیت پر پہنچا فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَآءِ شَهِيدًا ۔ (پس کیوں کر ہوگا جس وقت لاویں گے ہر امت سے ایک گواہی دینے والا اور لاویں گے ہم تجھ کو ان پر ان کے گواہ) تو میں نے حضور

اکرم ﷺ کے چہرۂ مبارک کی طرف دیکھا تو دونوں آنکھیں گریہ کی وجہ سے بہہ رہی تھیں۔

دوسروں سے قرآن سننا :

اقرأ علی ...... وهو على المنبر كما في الصحيحين ۔(مواہب ص۲۳۲) (حضور ﷺ اس وقت منبر پر تشریف فرما تھے جیسے بخاری ومسلم کی روایت میں ہے) حضرت ابن مسعودؓ سمجھ گئے کہ حضور اقدس ﷺ کا یہ امر امتحان واختبار کے لئے نہیں بلکہ استلذاذِ قراءت کے لئے ۔

لكون السامع خالصاً لتعقل المعانى بخلاف القارى فإنه مشغول بضبط الالفاظ و اعطاء الحروف حقها ولأنه اعتاد سماعه من جبريل و العادة محبوبة بالطبع ۔(مواہب ص۲۳۲) (اس لئے کہ سامع تو صرف معانی ومطالب سمجھنے کی طرف متوجہ رہتا ہے بخلاف پڑھنے والا کہ وہ الفاظ وحروف کے ضبط وترتیب اور اپنے مخارج سے ادائیگی کے خیال میں مصروف ہوتا ہے اور اس لئے بھی کہ آپ ﷺ کی جبرئیل علیہ السلام سے سننے کی عادت بن چکی تھی اور عادت فطری طور پر انسان کو محبوب و پیاری ہوتی ہے) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک لائق فاضل کو اپنے سے کمتر مفضول سے اخذ و استفادہ میں استنکار نہیں کرنا چاہئے۔ فقد كان كثيرا من السلف يستفيدون من طلبتهم ۔ (مواہب ص۲۳۲) (بہت سے اسلاف کرامؒ اپنے طلبہ اور شاگردوں سے استفادہ کیا کرتے تھے)

استماع قرآن کے وقت گریہ وتضرع :

قال فرأيت ...... تهملان یہ هَمل سے مشتق ہے هو جريان اللمع او المطر بسرعة اى تسيل دموعهما لفرط رأفته أو مزيد شفقته حيث عز عليه عنتهم ۔(مناوی ج۲ص۱۴۶) (وہ آنسوؤں یا بارش کا تیزی سے بہنا۔ یعنی آپؐ کی آنکھوں مبارک سے (بوجہ انتہائی نرم دلی یا آپؐ کی مزید شفقت کے کہ امت کی تکلیف آپؐ پر دشوار تھی) لگا تار آنسو بہہ رہے تھے)

(۱) حضور اقدس ﷺ کا گریہ وتضرع قرآن کے سننے کی وجہ سے تھا کہ تلاوت کے وقت عارفین وصالحین کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں۔ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُكِيًّا ٥ (سورۂ مریم:۵۸) یعنی جب ان پر رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو زمین پر گر جاتے ہیں سجدہ

کرتے ہوئے اور روتے ہوئے۔ (سورۃ بنی اسرائیل: ۱۰۲) میں ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا o یعنی یہ قرآن جب ان پر پڑھا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں روتے ہوئے اور یہ قرآن کا سننا ان کے خشوع کو بڑھا دیتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اِن آیات کا اوّلین مصداق تو حضور اقدس ﷺ ہی ہو سکتے ہیں، گو آپ ﷺ کا یہ گریہ قرآن کی عظمت و جلال کی وجہ سے تھا اور زیادہ قرین قیاس بھی یہی ہے۔ اس پس منظر میں کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی آغاز تلاوت سے آپ ﷺ پر گریہ طاری ہو گیا ہو، مگر ابن مسعودؓ کی نگاہ اس وقت پڑی ہو جب وہ وَجِئْنَابِکَ عَلٰى هٰؤُلَآءِ شَهِيْدًا پر پہنچے ہوں۔

۲ ...... دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ نفس آیت کے مضمون اور معانی یعنی قیامت کے ہولناک منظر اور محشر کی ہولناکی کے تصور سے گریہ آ گیا ہو۔ صاحبِ اتحافات لکھتے ہیں ومن الطبيعي ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد تمثل في هذه اللحظة مايكون يوم القيامة من هول و شفاعة و عتاب و عقاب .... (اتحافات ص ۳۴۸)

۳ ...... بعض شارحین حدیث کہتے ہیں کہ آیت میں آپ ﷺ کی گواہی کا ذکر ہے شدتِ شہادت کی وجہ سے خوف ہو۔ چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی، تو آپ ﷺ نے فرمایا یا اللہ ! جو لوگ میرے سامنے نہیں ہیں، ان پر کیسے گواہی دوں گا۔

۴ ...... بعض شارحین فرماتے ہیں کہ قیامت کا ہولناک منظر جب سامنے آیا اور اُمت کی کمزوری و ضعف تو امت کے گنہ گاروں پر شفقت و رأفت کی وجہ سے گریہ کا غلبہ ہو گیا۔

الغرض تمام وجوہات علیحدہ علیحدہ بھی گریہ کا سبب بن سکتی ہیں اور ان سب کا مجموعہ بھی سببِ گریہ بن سکتا ہے۔

اخذِ مسائل :

اور صحیحین میں ہے کہ جب ابن مسعودؓ ان آیات پر پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا' انه قال له حسبک' ویؤخذ منه حل امر الغير بقطع قراء ته للمصلحة (مواہب ص ۲۳۳) (آپ کو بس اتنا

پڑھنا کافی ہے۔اس سے کسی شخص کو کسی مصلحت کی بناء پر قرأت سے روکنے کے حکم کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے) و فیہ ندب القراء ۃ حتی فی مجلس الوعظ والاستماع لها والاصغاء الیها والبكاء عندها والتدبر والتواضع لاهل العلم ورفع منزلتهم وجواز استماع القرآن من محل عال والقاری أسفل منه وجواز طلبها ممن هو دونه رتبة و علما كمامر۔(مناوی ج۲ص۱۴۶)(اوراس حدیث سے قرآن مجید کے پڑھنے کا استحباب معلوم ہورہا ہے تاآنکہ وعظ ونصیحت کی مجلس میں بھی۔ نیز یہ بھی کہ اس کو پوری توجہ اور کان لگا کر سنا جائے اور استماع کے وقت رونے کا، اہل علم کا خشوع وخضوع اور تدبر کرنا اوران کے مرتبہ کا عالی شان ہونا اور قرآن مجید کو اونچی جگہ پر سننا اور قاری اس سے نیچے کا جواز نیز قرأت کا مطالبہ اپنے سے کم علم ورتبہ سے کرنے کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے)

(۳/۳۱۰) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ عَطَآءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ يَوْمًا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ حَتّٰى لَمْ يَكَدْ يَرْكَعُ ثُمَّ رَكَعَ فَلَمْ يَكَدْ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ فَلَمْ يَكَدْ اَنْ يَّسْجُدَ ثُمَّ سَجَدَ فَلَمْ يَكَدْ اَنْ يَّرْفَعَ رَأْسَهٗ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ فَلَمْ يَكَدْ اَنْ يَّسْجُدَ ثُمَّ سَجَدَ فَلَمْ يَكَدْ اَنْ يَّرْفَعَ رَأْسَهٗ فَجَعَلَ يَنْفُخُ وَ يَبْكِيْ وَ يَقُوْلُ رَبِّ اَلَمْ تَعِدْنِيْ اَنْ لَّا تُعَذِّبَهُمْ وَ اَنَا فِيْهِمْ رَبِّ اَلَمْ تَعِدْنِيْ اَنْ لَّا تُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ وَ نَحْنُ نَسْتَغْفِرُكَ فَلَمَّا صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ انْجَلَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ فَحَمِدَ اللّٰهَ تَعَالٰى وَ اَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ فَاِذَا انْكَسَفَا فَافْزَعُوْآ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى۔

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہؒ نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے جریر نے عطاء بن سائب کے حوالہ سے بیان کیا۔انہوں نے یہ روایت اپنے باپ سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمروؓ سے نقل کی۔عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں ایک مرتبہ سورج گہن ہوا (یہ قصہ جمہور کے نزدیک ۱۰ھ کا ہے۔حضور اقدس ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے

اور نماز شروع فرما کر اتنی دیر کھڑے رہے گویا رکوع کرنے کا ارادہ ہی نہیں ہے) (دوسری روایت میں ہے کہ سورہ بقرہ پڑھی تھی) اور پھر رکوع اتنا طویل کیا کہ گویا رکوع سے اٹھنے کا ارادہ ہی نہیں، پھر ایسے ہی رکوع کے بعد سر اُٹھا کر قومہ میں بھی اتنی دیر تک کھڑے رہے، گویا سجدہ کرنا ہی نہیں ہے، پھر سجدہ کیا اور اس میں سر مبارک زمین پر اتنی دیر تک رکھے رہے گویا سر مبارک اُٹھانا ہی نہیں ہے۔

اسی طرح سجدہ سے اُٹھ کر جلسہ اور پھر جلسہ کے بعد دوسرے سجدہ میں۔ غرض ہر ہر رکن اس قدر طویل ہوتا تھا کہ گویا یہی رکن اخیر تک کیا جائے گا، دوسرا کوئی رکن نہیں ہے۔ شدتِ غم اور جوش سے سانس لیتے تھے اور روتے تھے اور حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہِ عالی میں یہ عرض کرتے تھے کہ اے اللہ ! تو نے مجھ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ میری موجودگی تک اُمت کو عذاب نہ ہوگا۔

اے اللہ ! تو نے ہی یہ وعدہ کیا تھا کہ جب تک یہ لوگ استغفار کرتے رہیں گے، عذاب نہیں ہوگا، اب ہم سب کے سب استغفار کرتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد اُس مضمون کی طرف اشارہ ہے، جو کلام اللہ شریف میں نویں پارے کے اخیر میں ہے۔ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۔اس آیت شریف کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ ایسا نہ کریں گے کہ ان لوگوں میں آپ ﷺ کے موجود ہوتے ہوئے ان کو عذاب دیں اور اس حالت میں بھی ان کو عذاب نہ دیں گے کہ وہ اِستغفار کرتے رہتے ہوں۔ حضور اکرم ﷺ جب نماز سے فارغ ہوئے تو آفتاب نکل چکا تھا۔

حضور اکرم ﷺ نے اس کے بعد وعظ فرمایا، جس میں حق تعالیٰ شانہٗ کی حمد و ثنا کے بعد یہ مضمون فرمایا کہ شمس و قمر کسی کی موت یا حیات کی وجہ سے گہن نہیں ہوتے، بلکہ یہ حق تعالیٰ جل شانہٗ کی دو نشانیاں ہیں۔ جن سے حق سبحانہٗ اپنے بندوں کو عبرت دلاتے ہیں اور ڈراتے ہیں) جب یہ گہن ہو جایا کریں تو اللہ جل جلالہٗ کی طرف فوراً متوجہ ہو جایا کرو (اور استغفار و نماز شروع کر دیا کرو)

راویانِ حدیث (۵۸۹) عطاء بن السائب الثقفی الکوفیؒ اور (۵۹۰) ابیہ کے حالات "تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

کسوف وخسوف :

قال انکسفت الشمس ...... کسوفِ شمس سورج کے بےنور ہوجانے (هو استتار نورها (اتحافات ص ۳۴۸) کو کہتے ہیں اور خسوف جب چاند بےنور جائے، ہماری اصطلاح میں اسے سورج گرہن اور چاند گرہن کہتے یں۔ یوماً علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم ،(ایک دن حضور ﷺ کے زمانہ میں) یہ وہی روز تھا جب آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تھا اورلوگ کہنے لگے کہ سورج بھی حضرت ابراہیم کی موت پر غمزدہ ہے۔اس لئے بےنور ہوگیا ہے۔علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں ففی البخاری کسفت الشمس علی عهد النبی صلی الله علیه و سلم یوم مات ابراهیم فقال الناس کسفت الشمس لموت ابراهیم۔(مواہب ص ۲۳۳)

صلواۃ الکسوف ہر رکعت میں ایک رکوع :

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں۔یہ حدیث بمنزلہ صریح ہے کہ صلوٰۃ کسوف بھی عام نمازوں کی طرح ایک رکعت میں ایک رکوع کے ساتھ پڑھی گئی۔یہی مسلک امام اعظم ابوحنیفہؒ کا ہے اور یہ حدیث ان کا مستدل ہے۔ وهذا الحدیث کالصریح فی أنها صلواۃ برکوع واحد و به احتج ابو حنیفة (مواہب ص ۲۳۳) امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ رکعتِ واحد میں دو رکوع ہیں اور امام احمدؒ تین رکوع کے قائل ہیں۔ و ذهب احمدؒ الی انها تصح بثلاث رکوعات لادلة اخریٰ۔ (مواہب ۲۳۳)

نماز میں گریہ :

فجعل ینفخ و یبکی ...... آپ ﷺ شدتِ غم اور جوش کے ساتھ سانس لیتے تھے اور روتے تھے۔یہ دوسری رکعت تھی۔امام احمدؒ، ابن خزیمہؒ، ابن حبانؒ اور طبرانیؒ کی روایات میں تصریح ہے کہ و یبکی و هو ساجد۔(جمع ج ۲ ص ۱۴۷) (آپ ﷺ سجدہ کی حالت میں رورہے تھے) علامہ ابن قیمؒ نے حضور اکرم ﷺ کا رونا مختلف وجوہ سے نقل کرکے بکاء کی اقسام اوران کے درمیان فرق

کو پوری تفصیل سے ذکر کیا ہے، جن حضرات کو اس کی تفصیل مطلوب ہو، وہ زاد المعادج ا ص ۶۴ ملاحظہ فرمادیں۔ دس اقسام کا ذکر تو اس باب کے شروع میں بھی گذر چکا ہے۔ البتہ بکاء کے اُصول کو ان الفاظ سے لکھا ہے کہ و اما بکاءہ صلی اللہ علیہ و سلم فکان من جنس ضحکہ لم یکن بشھیق و رفع صوت کما لم یکن ضحکہ بقھقۃ و لکن کان تلمع عیناہ حتی تھملا و یسمع لصدرہ ازیز ۔(زاد المعادج ا ص ۶۴)(حضور ﷺ کا رونا بھی ہنسنے کی نوع سے تھا یعنی چیخ و پکار کے ساتھ نہیں ہوتا تھا جیسا کہ آپ ﷺ کا ہنسنا بھی قہقہہ نہیں ہوتا تھا لیکن آنکھیں مبارک صرف آنسو آلود ہوکر بہہ پڑتی تھیں اور آپ ﷺ کے سینے مبارک کی آواز بھی سنی جا سکتی تھی)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ نماز کے دوران میں اُمت کی فکر کیا کرتے تھے۔ اُمت کے حق میں مغفرت طلب کرتے، بخشش کی دعائیں کرتے اور گریہ و زاری اور تضرع فرماتے۔ ویقول ربّ الم تعدنی ...... (اور کہتے اے رب کیا تو نے میرے ساتھ وعدہ نہیں فرمایا کہ) قرآن مجید کے اس وعدے کی طرف اشارہ ہے، وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۔(الانفال:۳۳)(اور نہیں تھا اللہ کہ عذاب کرتا ان کو اور تو بیچ ان کے تھا۔ اور نہیں تھا اللہ تعالیٰ عذاب کرنے والا ان کو اور وہ ہوں بخشش مانگتے۔

صلوٰۃ کسوف کی دو طویل رکعتیں :

فلما صلی رکعتین ...... اس سے قبل ان رکعتین کی تفصیل کا بیان ہوا کہ سورج گرہن کے وقت حضور اقدس ﷺ نے خوب لمبی نماز پڑھی، جس میں طویل قیام فرمایا۔ رکوع بھی طویل تھا، قومہ اور سجدہ الغرض تمام ارکان میں طوالت اختیار فرمائی۔ ان دو رکعت پر اتنا وقت صرف فرمایا کہ جب آپ ﷺ فارغ ہوئے، تو سورج گرہن دور ہو چکا تھا۔

چونکہ سورج دن کو ہوتا ہے، پہلے پہر یا پچھلے پہر اور لوگ دن کو بیدار ہوتے ہیں، لہٰذا اگر صلوٰۃ کسوف اجتماعی طور پر پڑھی جائے تو اُمت کے لئے تکلیف مالا یطاق کا باعث نہیں۔ اس لئے اس کا اجتماعی پڑھنا مستحب ہے۔ البتہ چاند گرہن رات کے وقت ہوتا ہے، لوگ آرام کر رہے ہوتے ہیں، اس

لئے بہتر یہ ہے کہ صلوٰۃ الخسوف انفرادی طور پر پڑھ لینا چاہئے اور یہی بہتر ہے۔

شمس وقمر قدرت کی دو آیتیں :

قال ان الشمس والقمر آیتان من ایات اللّٰہ ...... ای الدالتان علی وحدانیته و کمال قدرته کما قال تعالیٰ و جعلنا اللیل والنهار آیتین ای علامتین تدلان علی القادر الحکیم بتعاقبهما علی نسق واحد مع امکان غیره او علی تخویف العباد من بأسه و سطوته و یؤیده قوله تعالیٰ و مانرسل بالآیات الا تخویفا۔ (جمع ج۲ص۱۴۹) (نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ کے نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور کمالِ قدرت پر دال ہیں جیسے اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں کہ ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنائی ہیں یعنی ایسی دو علامتیں جو اللہ تعالیٰ کے قادر وحکیم ذات ہونے پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ شمس وقمر کا ایک ہی نہج وطریقہ پر ایک دوسرے کے پیچھے چلنا حالانکہ دوسری صورتوں کا امکان بھی ہوسکتا ہے یہی اس ذات کی قدرت اور حکمت ودانائی کی نشانیاں ہیں۔اور یا پھر یہ اپنے بندوں پر سخت عذاب میں مبتلا ہونے کے علامات ہیں اور اس معنیٰ کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ ہم اپنی آیات (نشانیاں) نہیں بھیجتے مگر ڈرانے ہی کے لئے)

کسوف وخسوف کو کسی کی موت وحیات سے کوئی تعلق نہیں :

لاینکسفان لموت احد ...... آغازِ باب میں عرض کیا گیا ہے کہ سورج گرہن یا چاند گرہن کسی بڑے آدمی کی موت وحیات پر واقع نہیں ہوتا، جیسا کہ اس زمانہ کے لوگوں کا خیال تھا۔حضور اقدس ﷺ نے بھی واضح فرمادیا، کسوف ہو یا خسوف ان کو کسی کی موت وحیات سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ اللہ کی عظمت وقدرت کی نشانیاں ہیں۔

فافزعوا الی ذکر اللّٰہ تعالیٰ 'یہ فزع سے ہے، کہا جاتا ہے، **فزع الصبی امه**' جب لڑکا کسی چیز سے ڈر جائے، خوف کھائے اور پناہ کے لئے ماں کی طرف بھاگے اور سمجھے کہ خوفناک چیز سے بچنا ماں کے دامن میں آنے سے ہوگا اور وہ بچ جائے گا۔ مسلمان بھی بارگاہِ قدس میں سجدہ ورکوع اور ذکر وانابت کو

عذابِ الٰہی سے بچانے والی چیز سمجھ کر اس کی طرف لپکنا اپنائیں۔فادعوا اللّٰہ مخلصین له الدین پر عمل کریں، اللہ کریم حفاظت فرماوے گا، نجات دے گا، پناہ ملے گی، تو بقا ملے گی' ای خافوا و تضرّعوا والتجئوا و بادروا و توجھوا الی ذکر اللّٰہ والامر للاستحباب ۔(جمع ج۲ص۱۴۹) (اسی ذات سے ڈرواور تضرع وعاجزی کرو، پناہ مانگو، سبقت کرو اور متوجہ ہو اللہ کے ذکر کی طرف اور یہ امر استحبابی ہے)

کسوف وخسوف کا ایک اہم سبب :

سورج اور چاند گرہن کے اسباب علم ہیئت والے بھی بیان کرتے ہیں۔دورِ جاہلیت میں بھی اس کو کسی کی موت وحیات کے ساتھ متعلق کیا جاتا رہا۔آپ ﷺ نے ان کی نفی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، ان الشمس و القمر لاینکسفان ...اوران کے آثار کے مدافعت کا عمل بھی بتلایا کما فی خبر البخاری فاذا رئیتم ذلک فافزعوا و کبروا وصلوا و تصدقوا' (جیسے کہ بخاری شریف کی حدیث میں ہے جب تم اس طرح کا واقعہ دیکھو تو اس سے خوف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اس کی عظمت و کبریائی بیان کرو، نماز پڑھو اور صدقہ وخیرات کرو) البتہ ملا علی قاریؒ نے اس کے ایک اہم سبب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا' وانّ اللّٰہ اذا تجلی لشئی من خلقه خشع له فان ظاھرہ ان سبب الکسوف خشوعھما للّٰہ تعالٰی و لعل السر فی ذلک ان النور من عالم الجمال الحسی فاذا تجلت صفة الجلال انطمست الانوار لھیبته و عظمته و من ثم قال طاؤس لما نظر للشمس و ھی کاسفة بکی حتی کاد ان یموت و قال ھی اخوف للّٰہ منا ۔(جمع ج۲ص۱۵۰) (اور جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی چیز پر تجلی فرماتے ہیں تو وہ چیز فروتنی اور اللہ کے لئے عاجزی اختیار کرتی ہے تو یہاں بھی بظاہر سبب کسوف سورج اور چاند کی اللہ تعالیٰ کے لئے خشوع فروتنی کا اظہار ہی ہے اور شاید کہ اس میں یہ خفیہ راز ہو کہ نور (روشنی) حسی اور ظاہری جمال کے عالم میں سے ہے اور جب ان پر ذاتِ باری تعالیٰ کی صفت جلال کی تجلی کا پرتو پڑا تو اس کی ہیبت وعظمت کی وجہ سے (سورج وچاند کے) انوار مٹ اور بجھ گئے اس لئے تو امام طاؤسؒ نے جب سورج گرہن دیکھا تو اتنا روئے کہ قریب تھا کہ مرجاتے اور پھر فرمایا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ سے ہم لوگوں سے بھی زیادہ ڈرنے والا ہے)

(۴/۳۱۱) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَطَآءِ بْنِ السَّآئِبِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اِبْنَةً لَهُ تَقْضِىْ فَاحْتَضَنَهَا فَوَضَعَهَا بَيْنَ يَدَيْهِ فَمَاتَتْ وَ هِىَ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ صَاحَتْ اُمُّ اَيْمَنَ فَقَالَ يَعْنِى النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَتَبْكِيْنَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَقَالَتْ اَلَسْتُ اَرَاكَ تَبْكِىْ قَالَ اِنِّىْ لَسْتُ اَبْكِىْ اِنَّمَا هِىَ رَحْمَةٌ اِنَّ الْمُؤْمِنَ بِكُلِّ خَيْرٍ عَلٰى كُلِّ حَالٍ اِنَّ نَفْسَهُ تُنْزَعُ مِنْ بَيْنِ جَنْبَيْهِ وَهُوَ يَحْمَدُ اللّٰهَ تَعَالٰى۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابواحمد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان نے عطاء بن سائب کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عکرمہ سے نقل کی اور انہوں نے اسے عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی ایک لڑکی قریب الوفات تھیں۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کو گود میں اُٹھایا اور اپنے سامنے رکھ لیا۔ حضور اکرم ﷺ کے سامنے ہی رکھے رکھے ان کی وفات ہوگئی۔ امّ ایمن (جو حضور اکرم ﷺ کی ایک باندی تھی) چلا کر رونے لگیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کیا اللہ کے نبی کے سامنے ہی چلا کر رونا شروع کر دیا۔ (چونکہ حضور اکرم ﷺ کے بھی آنسو ٹپک رہے تھے اس لئے) انہوں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ بھی تو رو رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ رونا ممنوع نہیں۔ یہ اللہ کی رحمت ہے کہ بندوں کے قلوب کو نرم فرمائیں اور، اُن میں شفقت ورحمت کا مادہ عطا فرمائیں) پھر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مومن ہر حال میں خیر ہی میں رہتا ہے۔ حتیٰ کہ خود اس کا نفس نکالا جاتا ہے اور وہ حق تعالیٰ شانہٗ کی حمد کرتا ہے۔

تقضی اور حضن کا معنی :

قال اخذ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ابنة له...... تقضی بمعنٰی قضاء کے ہے، یہاں موت کا وقوع مراد ہے۔ القضاء مرجعه الی انقطاع الشیء و تمامه۔ (جمع ج ۲ ص ۱۵۱) (قضا کا مآل اور انجام اس چیز کے ختم اور پورے ہونے پر ہوتا ہے)

فاحتضنها ...... یہ حضن (بمعنی گود) سے ہے، وهو مادون الا بط الی الکتف او الصدر والعضدان و ما بینهما۔(مناوی ج۲ص۱۵۱)(اور وہ بغل کے نیچے کندھے تک یا سینہ اور دونوں بازوں اوران کے درمیان کو کہتے ہیں)

قصہ بیٹی کا نہیں نواسی یا نواسے کا ہے :

یہ قصہ کس بیٹی کا ہے۔اس میں علماء کا اختلاف ہے۔مختلف توجیہات بیان کی گئی ہیں،مگر راجح یہی ہے کہ یہ قصہ آپ ﷺ کی کسی نواسی یا نواسے کا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ آپ ﷺ کے کسی صاحبزادے کا واقعہ ہو۔وقال عالم المغرب ، لعل المذکور : ابنه ، فوقع تحریف فی الکلمة (اتحافات ص۳۵۰)(مغرب کے بعض حضرات کا قول ہے کہ حدیث کا لفظ بجائے ابنة کے شاید ابنه ہو تو گویا کلمہ میں تحریف (ردوبدل) واقع ہوئی ہے) قالوا اِن المراد ببنته هی أمامة بنت بنتهٖ زینب و کانت متزوجة لأبی العاص ابن الربیع (اتحافات ص۳۵۰) (اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی بیٹی سے مراد آپ ﷺ کی نواسی حضرت امامہ ہیں جو کہ حضرت زینبؓ کی بیٹی تھی اور حضرت زینبؓ ابوالعاص ابن الربیع کی بیوی تھیں)

ملا علی قاریؒ نے اس احتمال کی پرزور مفصل تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ لکنه اشکل من حیث ان اهل العلم بالاخبار اتفقوا علی ان امامة عاشت بعد النبی صلی الله علیه وسلم حتی تزوجها علی بن ابی طالب ...... (اس میں ایک اشکال یہ ہے کہ سب علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ امامہؓ تو حضور ﷺ کے بعد بھی بہت وقت تک زندہ رہی تا آنکہ اس سے حضرت علیؓ نے نکاح بھی کیا تھا) پھر بعد میں فرمایا' ویحتمل ان یکون المراد ابن بعض بناته و هو الظاهر ففی الاسباب المیلادی ان عبد الله بن عثمان من رقیة بنته صلی الله علیه وسلم مات فی حجره فبکی و قال انما یرحم الله من عباده الرحماء ...... (جمع ج۲ص۱۵۲)(اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا کوئی نواسہ ہو اور یہی ظاہر بھی ہے کیونکہ اسباب المیلادی میں ہے کہ حضور ﷺ کی بیٹی حضرت رقیہؓ کا بیٹا عبداللہ بن عثمانؓ آپ ﷺ کے گود میں فوت ہوا تو آپ ﷺ اس وقت روئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بھی

اپنے رحماء بندوں ہی پر رحم فرماتے ہیں)

الغرض واقعہ جس کا بھی ہو، مقصود آپ ﷺ کی رقت، نرم دلی، محبت اور شفقت کا بیان ہے۔ اولاد کے ساتھ محبت وشفقت نہ تو ولایت کے خلاف ہے، اور نہ نبوت کے، بلکہ عینِ فطرت، بلکہ عند اللہ ممدوح ومطلوب ہے۔

حضرت ام ایمنؓ :

وصاحت ام ایمنؓ...... حضرت ام ایمنؓ حضور اقدس ﷺ کی آزاد کردہ لونڈی رونے لگی۔ ام ایمنؓ کا اصلی نام برکۃ تھا۔ معرکۂ احد میں زخمیوں کی مرہم پٹی اور مجاہدین کو پانی پلانے کی خدمات کی سعادت بھی حاصل کی تھی۔ غزوۃ خیبر میں شریک ہوئیں۔ حضرت ام ایمنؓ آپ ﷺ کے لئے والد کی طرف سے میراث میں آئی تھیں۔ انہوں نے آپ ﷺ کو اپنی گود میں کھلایا پلایا تھا، پھر آپ ﷺ نے اُن کا نکاح بھی اپنے خادم خاص حضرت زیدؓ سے کیا، جس کے بطن سے اُسامہ پیدا ہوئے، اور حضرت عمرؓ کی وفات کے بیس (۲۰) دن بعد فوت ہوئیں۔ صاحب اتحافات لکھتے ہیں کہ **وامّ ایمن هی التی حضنت النبی صلی اللّٰه علیه وسلم و مولاته و هی التی تزوجها زید بن حارثة و ولدت له أسامة و ماتت بعد وفاة عمر بعشرین یوما** ۔(اتحافات ص۳۵۰)

اتبکین عند رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ...... (کیا تو رسول اللہ ﷺ کے پاس روتی ہے) عندی کے بجائے عند رسول اللہ کہا گیا۔ **لانه ابلغ فی الزجر** ۔(جمع ج۲ص۱۵۱) (اس لئے کہ حدیث شریف کے گذشتہ الفاظ بنسبت لفظ عندی کے ڈانٹنے میں زیادہ بلیغ ہیں)

نوحہ شرعاً ممنوع ہے :

حضرت امّ ایمنؓ کا رونا ممنوع ومحظور تھا کہ اس میں نوحۂ صیاح، جزع اور عدم الرضاء بالقضاء کے آثار تھے۔ کیونکہ شریعت میں چلّا چلّا کر رونا اور میت پر جزع فزع کرنا منع ہے۔ پیٹنا، بال نوچنا، گریبان چاک کرنا، منہ پر طمانچے مارنا، سینہ کوبی کرنا، خاک اڑانا، رونے کی یہ تمام قسمیں شرعاً قطعاً ممنوع ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے **لیس منا من ضرب الخلود و شق الجیوب و دعا**

بدعوی الجاھلیة ۔ (بخاری و مسلم) (کہ ہم میں سے نہیں ہے جو اپنے چہرے پر تھپڑ مارتا ہے اور گریبان پھاڑتا ہے اور دورِ جاہلیت کی باتیں کرتا ہے) جو خاتون نوحہ کرتی اور سنتی ہے، اللہ نے اس پر لعنت بھیجی ہے۔ لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم علی النائحة و مستمعة ۔ (ابوداؤد) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، انا بریء ممن حلق و صلق و خرق ۔ (بخاری و مسلم) میں اس شخص سے بری ہوں جو سر منڈائے اور چلا کر روئے اور اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔

قال لست ابکی انما ھی رحمة ...... آپ ﷺ نے امّ ایمنؓ سے فرمایا کہ میرا رونا تیرے رونے کی طرح نہیں، یہ رونا نہیں شفقت و محبت اور صبر ہے، حوصلہ ہے، یہ تو اللہ کی رحمت ہے۔ کما فی الصحیحین جعلھا اللّٰہ فی قلوب عبادہ فانما یرحم اللّٰہ من عبادہ ۔ (جمع ج۲ ص۱۵۲) (جیسے کہ صحیحین (بخاری و مسلم) میں ہے کہ اس رحمت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھا ہے بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ہی بندوں پر رحم فرماتے ہیں) علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، ویؤیدہ ماورد ان العین تدمع و القلب یحزن و لا نقول الا ما یرضی الربّ و انا علی فراقک یا ابراھیم لمحزونون ۔ (جمع ص۱۵۲) (اور اس بات کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور دل بھی غمگین ہے لیکن کہیں گے وہی بات جو ربّ تعالیٰ کو پسند ہوگی اور بے شک تیری جدائی پر اے ابراہیم ہم مغموم ہیں)

(۳۱۲/۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبَّلَ عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُوْنٍ وَ هُوَ مَيِّتٌ وَهُوَ يَبْكِيْ اَوْ قَالَ وَ عَيْنَاهُ تُهْرَقَانِ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبد الرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت سفیان نے عاصم بن عبید اللہ سے نقل کی۔ انہوں نے یہ روایت قاسم بن محمد سے نقل کی اور انہوں نے اسے اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے

روایت کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے عثمان بن مظعون ؓ کی پیشانی کو اُن کی وفات کے بعد بوسہ دیا۔ اُس وقت حضور اکرم ﷺ کے آنسو ٹپک رہے تھے۔

راویان حدیث (۵۹۱) عاصم بن عبید اللہ (۵۹۲) قاسم بن محمد اور (۵۹۳) عثمان بن مظعون کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

آپ ﷺ نے حضرت عثمان ؓ کا بوسہ لیا :

امّ المؤمنین حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ جب حضرت عثمان بن مظعون ؓ فوت ہوئے، تو حضور اقدس ﷺ نے ان کا بوسہ لیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے آنسوؤں کے رخسار پر گر رہے تھے۔ فرأیت دموع النبی صلی اللہ علیہ وسلم تسیل علی خدّ عثمان۔ (جمع ج۲ص۱۵۳)

حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت عثمان بن مظعون ؓ فوت ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کے چہرے سے چادر ہٹائی، دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور بہت روئے۔ قبل بین عینیہ ثم بکی طویلا (جمع ج۲ص۱۵۳) پھر جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو ارشاد فرمادیا، اے عثمان ؓ! تیرے لئے بشارت ہے کہ نہ تو تو نے دنیا پہنی اور نہ دنیا تجھے پہن سکی۔ ملا علی قاری ؒ لکھتے ہیں کہ طوبٰی لک یا عثمان لم تلبسک الدنیا ولم تلبسها۔ (جمع ج۲ص۱۵۳)

(۶/۳۱۳) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ اَخْبَرَنَا اَبُوْعَامِرٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ وَ هُوَ ابْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ شَهِدْنَا ابْنَةً لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ عَلَى الْقَبْرِ فَرَاَيْتُ عَيْنَيْهِ تَدْمَعَانِ فَقَالَ اَفِيْكُمْ رَجُلٌ لَمْ يُقَارِفِ اللَّيْلَةَ قَالَ اَبُوْطَلْحَةَ اَنَا قَالَ انْزِلْ فَنَزَلَ فِيْ قَبْرِهَا ۔

ترجمہ : امام ترمذی ؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن منصور نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کی خبر ابو عامر نے دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے فلیح بن سلیمان نے ہلال بن علی کے حوالے سے بیان کیا اور انہوں نے اسے حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت کیا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

فرماتے ہیں کہ حضوراقدس ﷺ اپنی صاحبزادی (اُمّ کلثوم) کی قبر پر تشریف فرما تھے اور آپ ﷺ کے آنسو جاری تھے۔حضوراکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ قبر میں وہ شخص اُترے، جس نے آج رات مجامعت نہ کی ہو۔ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں ہوں۔حضور ﷺ کے فرمانے سے وہ قبر میں اُترے۔

راویان حدیث حدیث (۵۹۴) ابو عامرؓ اور (۵۹۵) ہلال بن علیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت امّ کلثومؓ کا انتقال :

شھدنا ابنة لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم ...... یہ متوفاۃ حضوراقدس ﷺ کی لختِ جگر حضرت امّ کلثومؓ تھیں، جو حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد حضرت عثمانؓ کے حبالہ عقد میں آئیں تھیں۔ جالس علی القبر ای علی طرفه و اغرب شارح حیث قال و فی الحدیث جواز الجلوس علی القبر۔(جمع ج۲ص۱۵۴) (یعنی حضور ﷺ قبر کی ایک جانب بیٹھے ہوئے تھے اور کسی شارح نے یہ تو عجیب بات کہی کہ حدیث میں قبر پر بیٹھنے کا جواز معلوم ہوتا ہے)

لم یقارف کا معنیٰ :

لم یقارف اللیلة ...... جامع الاصول میں ہے، لم یقارف ای لم یذنب ذنبا ۔(کہ آج کی رات کوئی گناہ نہ کیا ہو) محدث کبیر شیخ رشید احمد گنگوہیؒ بھی اسی معنیٰ کو ترجیح دیتے ہیں۔ ملا علی قاریؒ دوسرا معنیٰ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں ویجوز ان یراد الجماع فکنٰی عنه ۔(جمع ج۲ص۱۵۴) (اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد جماع ہو پس حضور ﷺ نے اس سے کنایہ کیا ہو)

و أصلها الدنو واللصوق ۔ (اتحافات ص۳۵۲) (یقارف کا اصلی اور لغوی معنیٰ نزدیک ہونا اور چپکنا ہے) حضوراقدس ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ میری بیٹی کو وہ شخص قبر میں اُتارے جس نے آج رات مجامعت نہ کی ہو اور اگر دوسرا معنیٰ مراد لیں، تو معنیٰ ہوگا، جس نے آج رات گناہ نہ کیا ہو۔ اس کے جواب میں حضرت ابوطلحہؓ آگے بڑھے اور اپنی خدمات پیش کیں، تو حضوراقدس ﷺ نے فرمایا

......انزل' فنزل فی قبرها 'حضرت ابوطلحہؓ کو حکم فرمایا۔ چنانچہ والد اور شوہر کی موجودگی میں حضرت ابوطلحہؓ نے انہیں قبر میں رکھا۔

ایک اشکال کا جواب :

یہاں اشکال یہ ہے کہ حضرت ابوطلحہؓ، حضرت امّ کلثوم کے ذی رحم محرم نہیں ہیں۔ محرم کے ہوتے ہوئے اس کو کیوں حکم دیا گیا، جواب میں شارحین کہتے ہیں کہ بیانِ مسئلہ غرض تھی...... وفیہ حل جواز دخول الاجنبی القبر باذن من ولی المیت۔(اتحافات ص۲۵۲)(اور حدیث سے اجنبی شخص کا ولی میت کی اجازت سے قبر میں داخل ہونے کا جواز معلوم ہوتا ہے) دوسرا یہ کہ اس میں ایک خاص مصلحت تھی۔ وہ یہ کہ حضرت عثمانؓ نے اس رات اپنی ایک جاریہ سے جماع کیا تھا اور بیمار زوجہ سے بے اعتنائی برتی تھی، جس پر لطیف سی تنبیہ مقصود تھی۔ حکم ہوا کہ اُن کو ہاتھ بھی نہ لگانے دیا جائے' مگر یہ ایک وقتی رنجش تھی، جو جلد ختم ہوگئی۔ تاہم حضرت عثمانؓ کے لئے یہ شرعاً کوئی جرم نہ تھا اور اگر ضرورت ہو تو کچھ اشکال بھی نہیں اور اگر حضرت گنگوہیؒ کا ترجمہ لیں، پھر تو کوئی اشکال ہی نہیں کہ حضرت ابوطلحہؓ نے اللہ کی ذات پر توکل و بھروسہ اور اعتماد کر کے خود کو پیش کر دیا۔

ابوطلحہ کون تھے ؟

یہ ایک مشہور صحابی ہیں، جو کنیت کے ساتھ مشہور ہیں، ان کا نام زید بن سہل انصاری خزرجی ہے' ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں، شهد المشاهد و قال صلی اللّٰه علیه وسلم لصوت ابی طلحة خیر من مائة رجل و قتل یوم حنین عشرین رجلًا واخذ اسلابهم و فضائله کثیرة۔(جمع ج۲ص۱۵۴)(آپؓ سب غزوات میں شریک رہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابوطلحہؓ کی آواز تو بہتر اور بھاری ہے سو(۱۰۰) آدمیوں کی آواز سے بھی۔ غزوہ حنین میں آپؓ نے بیس (۲۰) آدمیوں کو قتل کر کے ان کے مال واسباب بھی اٹھائے اور اس کے فضائل و مناقب بہت ہیں) وهو عم انس و زوج امه و لیس فی الصحب احد یقال له ابوطلحة سواه۔ (مواہب ص۲۳۶)(آپؓ حضرت انسؓ کے چچا اور ماں کے خاوند بھی تھے اور صحابہؓ میں آپؓ کے علاوہ اور کوئی ابوطلحہ نہیں ہے)

الحاصل :

علامہ احمد عبدالجواد الدومیؒ آخر باب کا حاصل تحریر فرماتے ہیں کہ :

وفی الباب ستة احادیث و قد قرأنا ان دموع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کانت تسیل للرحمة الرحیمة ' والعاطفة الکریمة و قد أفاضت الأخبار الأخری ببکاء رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم و هو فی صلاته أوحین یذکر احوال أمته ' و هکذا و لقد کان بکاء النبی صلی اللّٰه علیه و سلم من غیر صوت ' کما أن ضحکه کان کذالک ' واللّٰه اعلم ۔(اتحافات ص۳۵۲)(اس باب میں چھ احادیث تھیں اور ہم پڑھ چکے ہیں کہ حضور ﷺ کے آنسو مبارک رحمت وشفقت اور نرم دلی کی وجہ سے بہا کرتے تھے اس کے علاوہ دوسرے احادیث مشہورہ سے حضور ﷺ کا نماز میں رونا یا امت کے حالات کے تذکرہ کے وقت رونا یا اس جیسے دوسرے امور کے وقت رونا ثابت ہے البتہ آپ ﷺ کا رونا بغیر کسی آواز کے ہوتا تھا جیسے کہ آپ ﷺ کا ہنسنا بھی بغیر آواز کے ہوتا تھا)

=================================

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ فِرَاشِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

باب ! ان روایات کا ذکر جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر کے بارے میں وارد ہوئی ہیں

فراش بمعنٰی مفروش کے ہے، جیسے کتاب بمعنٰی مکتوب کے ہیں، اس کی جمع فُرش آتی ہے، جیسے کتاب کی جمع کتب آتی ہے۔ ویقال لہ ایضاً فرش من باب التسمیة بالمصدر ' وقد ورد فی صحیح مسلم فراش للرجل و فراش لزوجته و فراش للضیف و فراش للشیطان و انما اضافه للشیطان لانه زائد علی الحاجة مذموم و قیل لانه اذا لم یحتج إلیه کان مبیته و مقیله۔ (مواهب ص۲۳۶) (صحیح مسلم میں وارد ہوا ہے کہ ایک بستر مرد کے لئے اور ایک بستر اس کی بیوی کے لئے اور ایک بستر مہمان کے لئے اور ایک بستر شیطان کا ہے اور بے شک اس بستر کی شیطان کو اس لئے نسبت کی کہ وہ ضرورت اصلیہ زائد ہے اور مذموم ہے اور بعض کہتے ہیں کہ چونکہ اس بستر کی ضرورت نہیں اور وہ فالتو ہے تو وہ گویا شیطان کا مبیت (بیتوتة کی جگہ) اور مقیل (قیلولہ) کی جگہ ہے) حضور اقدس ﷺ کا بستر مبارک چمڑے' ٹاٹ اور بوریا کا ہوا کرتے تھے، نرم اور گداز بستر پسند نہیں فرماتے تھے۔ الشیخ یوسف بن اسماعیل النبہانی فرماتے ہیں ''حضور نبی کریم ﷺ کا بستر مبارک چمڑے کا تھا، جس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔ اس کی لمبائی کم وبیش دو گز تھی اور چوڑائی ایک گز اور ایک ہاتھ تقریباً' آپؐ دنیاوی ساز وسامان سے بالکل الگ رہے، باوجودیکہ خدا نے دنیا کے خزانوں کی کنجیاں آپؐ کو عنایت فرمائی تھیں، مگر آپ ﷺ نے کبھی دنیاوی خواہش نہیں کی' ہمیشہ آخرت پر اور اس کی نعمت پر نظر رکھی اور آخرت کو اختیار فرمایا''۔ (وسائل الوصول)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کے لئے بستر بچھا دیا، تو اس پر لیٹ گئے، اگر نہ بچھایا، تو زمین پر ہی لیٹ جاتے تھے۔ آپ کا تکیہ چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کی چھال بھری پڑی رہتی تھی۔ (وسائل الوصول)

(۳۱۴/۱) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ اَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّمَا كَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِيْ يَنَامُ عَلَيْهِ مِنْ اَدَمٍ حَشْوُهُ لِيْفٌ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر علی بن مسہر نے دی۔ انہوں نے یہ روایت ہشام بن عروۃ سے ان کے باپ کے واسطہ سے نقل کی، اور انہوں نے اسے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے سونے اور آرام فرمانے کا بستر چمڑے کا ہوتا تھا، جس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔

راوی حدیث (۵۹۶) علی بن مسہرؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضورِ اقدس ﷺ کا بستر مبارک اور آرام فرمانے کا طریقہ :

حضور سیدِ دو عالم ﷺ نرم بستر کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ چونکہ آنجناب ﷺ کے پیشِ نظر اپنی اُمت کو عبادت، زہد، ریاضت، محنت، مسلسل تبلیغ اسلام کی راہ میں مشقت اٹھانے اور ہر وقت خدمتِ خلق کرنے کی زندگی اور تعلیم دینی مقصود تھی۔ اس لئے خود بھی عیش و آرام اور تنعم کی زندگی ترک فرما دی تھی۔ یہاں تک کہ نیند بھی سخت بستر پر فرماتے اور آرام دہ گدّے یا توشک پر سونا پسند نہ فرماتے۔ بیہقی نے امّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ سے روایت کی ہے کہ میرے پاس انصار کی ایک عورت آئی، اس نے رسول مقبول ﷺ کا بسترہ دیکھا جو چمڑا کو دوہرا کر کے بچھا رکھا تھا فبعث الیّ بفراش حشوہ صوف وہ عورت گئی اور اس نے روئی سے بھری ہوئی توشک (لحاف) آنحضور ﷺ کے لئے میرے پاس بھیج دی۔

حضور ﷺ تشریف لائے اور اس کو دیکھا، فرمایا اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ انصار کی فلاں عورت نے آپ کا بستر ہ دیکھا، تو پھر جا کر آپ کے لئے روئی سے بھرا ہوا گدا بھیج دیا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ! یہ اسے واپس کر دے۔

واللہ لو شئت اجری اللہ معی جبال الذھب والفضة

''اور فرمایا قسم ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی، اگر میں چاہوں تو اللہ جل جلالہ سونے اور چاندی کے پہاڑ عطا کر دے'' یعنی خوب آرام' عیش اور تنعم کی زندگی بسر کروں، مگر میں تو راحت وآسائش کے ہر قسم کے سامان کو ہیچ سمجھتا ہوں اور درحقیقت راحت وآرام تو وہ ہے جو آخرت میں نصیب ہو۔ امام احمدؒ اور ابوداوٗد الطیالسیؒ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے فاثر فی جنبہٖ آپ ﷺ کے جسمِ اطہر واقدس پر اس بوریے کے نشان پڑے ہوئے تھے۔ عرض کیا گیا کہ کیا آپؐ کے لئے کوئی نرم بستر نہ لائیں تو ارشاد فرمایا :

''مالی وللدنیا انما انا والدنیا کراکب استظل تحت شجرۃ ثم راح و ترکھا''

''مجھے دنیاوی آرام سے کیا کام' میری مثال تو اس مسافر کی ہے جو راستے میں کسی درخت کے نیچے ذرا آرام کرلے اور پھر اپنی منزل کی جانب روانہ ہو جائے''۔

وسائل الوصول میں علامہ یوسف النبھانی امیر المؤمنین سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ میں جناب نبی کریم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ جسمِ مبارک پر بوریے کے نشان نظر آرہے تھے۔ حجرہ کی یہ حالت تھی کہ ایک طرف تھوڑے سے جَو پڑے ہوئے تھے۔ دیوار پر کھال لٹکی ہوئی تھی (نماز پڑھنے کے لئے) میں نے یہ حال دیکھا تو میرے آنسو نکل آئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے ابن خطاب کیوں روتا ہے، میں نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی! میں اب بھی نہ روؤں۔ اس چٹائی نے آپ کے جسم پر نشان ڈال دیئے ہیں۔ مفتوحہ علاقوں سے جو روپیہ آرہا ہے کیا اس میں آپ کا کوئی حصہ نہیں۔ دوسری طرف یہ قیصر وکسریٰ ہیں، جو دنیا کی بے اندازہ نعمتوں میں کھیل رہے ہیں اور آپ اللہ کے نبی اور محبوب ہیں، پھر بھی اس تنگدستی پر گذر بسر ہے۔ آپ

ﷺ نے ارشاد فرمایا' اے ابن خطاب ! کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ آخرت کی ابدی نعمتیں ہمارے لئے ہوں اور دنیا کی چندروزہ آسائشیں انہیں دے دی جائیں ۔ یہ تو وہ لوگ ہیں، جنہیں یہی کچھ آسائشیں دے کر بہلا دیا گیا ہے، جن کی مدت بہت مختصر ہے اور ہم وہ لوگ ہیں جو آخرت میں ایسی نعمتوں سے نوازے جائیں گے' جو کبھی ختم نہ ہوں گی''۔

شرح سنۃ میں حضرت انسؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں، میں نے حضور اکرم ﷺ کو دیکھا ہے کہ

یرکب الحمار العری و یجیب دعوۃ المملوک و ینام علی الارض و یجلس علی الارض و یاکل علی الارض

''برہنہ گدھے پر سواری فرماتے ۔ غلاموں کی دعوت قبول فرماتے، زمین پر سوتے، زمین پر بیٹھتے اور زمین پر کھانا کھاتے''۔ (شرح غوثیہ ۴۲۱ تا ۴۲۳)

الادم' ادیم کی جمع ہےوھو الجلد المبلوغ 'او الاحمر' او مطلق الجلد ولعل الخشونۃ کانت تساعدہ علی قلۃ النوم' لأن الفراش الوثیر یساعد علی کثرۃ النوم و ھذا دلیل الزھادۃ الحقیقیۃ فان قدرتہ او سع من ذلک بکثیر ۔ (اتحافات ص ۳۵۴) (ادیم کا معنی رنگا ہوا چمڑا یا سرخ چمڑا اور یا پھر مطلق چمڑا اور شاید کہ اس کا کھردرا پن وسختی نیند کی قلت میں معاون ومددگار ثابت ہوتی تھی اس لئے کہ نرم وملائم بستر تو نیند کی کثرت میں زیادہ موافق ومعاون ہوتا ہے اور یہی چیز دراصل دنیا سے بے رغبتی اور روگردانی کی دلیل ہے ورنہ آپ ﷺ کی طاقت وقدرت میں اس سے زیادہ قیمتی وملائم کی بھی وسعت ہوسکتی تھی)

(۲/۳۱۵) حَدَّثَنَا اَبُوالْخَطَّابِ زِیَادُ بْنُ یَحْیَی الْبَصْرِیُّ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰہِ بْنُ مَیْمُوْنٍ اَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ سُئِلَتْ عَآئِشَۃُ مَا کَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ بَیْتِکِ قَالَتْ مِنْ اَدَمٍ حَشْوُہٗ لِیْفٌ وَ سُئِلَتْ حَفْصَۃُ مَا کَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ بَیْتِکِ قَالَتْ مِسْحًا نَثْنِیْہِ ثِنْیَتَیْنِ فَیَنَامُ عَلَیْہِ فَلَمَّا کَانَ ذَاتَ لَیْلَۃٍ قُلْتُ لَوْ ثَنَیْتُہٗ اَرْبَعَ ثِنْیَاتٍ لَکَانَ اَوْطَأَ لَہٗ فَثَنَیْنَاہُ لَہٗ بِاَرْبَعِ ثِنْیَاتٍ فَلَمَّا اَصْبَحَ قَالَ مَا فَرَشْتُمُوْنِیَ اللَّیْلَۃَ قَالَتْ قُلْنَا ھُوَ فِرَاشُکَ اِلَّا اَنَّا ثَنَیْنَاہُ بِاَرْبَعِ ثِنْیَاتٍ قُلْنَا

هُوَ اَوطَأُ لَکَ قَالَ رُدُّوْهُ لِحَالَتِهِ الْاُوْلٰی فَاِنَّهٗ مَنَعَتْنِیْ وَطَأَتُهٗ صَلٰوتِیَ اللَّیْلَةَ ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں ہمیں ابوالخطاب زیاد بن یحییٰ بصری نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبداللہ بن میمون نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں جعفر بن محمد نے اپنے باپ کے واسطہ سے خبر دی۔ امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے یہاں حضور ﷺ کا بستر ہ کیسا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ چمڑہ کا تھا، جس کے اندر کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی ۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے گھر میں حضور ﷺ کا بستر ہ کیسا تھا، انہوں نے فرمایا کہ ایک ٹاٹ تھا، جس کو دوہرا کر کے ہم حضور ﷺ کے نیچے بچھا دیا کرتے تھے۔ ایک روز مجھے خیال ہوا کہ اگر اس کو چوہرا کر کے بچھا دیا جائے تو زیادہ نرم ہو جائے گا۔ میں نے ایسے ہی بچھا دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے صبح کو دریافت فرمایا کہ میرے نیچے رات کو کیا چیز بچھائی تھی ۔ میں نے عرض کیا کہ وہی روز مرّہ کا بستر ہ تھا، رات کو اسے چوہرا کر دیا تھا کہ زیادہ نرم ہو جائے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس کو پہلے ہی حال پر رہنے دو، اس کی نرمی رات کو مجھے تہجد سے مانع ہوئی

کھردرے بستر کو ترجیح :

المسح بکسر المیم ' ٹاٹ کو کہتے ہیں، جو اون سے بنا ہوتا تھا، یہ معمولی سا فراش ہے، جو بغیر بچھانے کے اور کسی بھی کام کا نہ تھا، گویا ایک معمولی سا کمبل و هو كساء خشن من صوف ۔

(اتحافات ص ۳۵۴)

مضمونِ حدیث تو ترجمۃ الباب میں واضح کر دیا ہے : حضور سیّد دو عالم ﷺ نے اپنی اُمت کو عملی طور پر سمجھایا کہ دیکھو ایسا نہ ہو کہ یہ تمہارے نرم نرم بستر ے، یہ آرام و آسائش، یہ تنعم دنیوی تمہیں یادِ الٰہی، نماز اور تہجد سے بے پروا غافل نہ کر دیں۔ صرف اس لئے ذرا سا نرم بستر ہ استعمال کرنا نہیں پسند فرمایا کہ نمازِ تہجد کہیں نہ پڑھی جا سکے۔ آج ہمیں سرورِ انبیاء، شفیقِ اُمت، پیغمبر اسلام ﷺ کی اِس سنتِ مبارکہ کو زندہ کرنا چاہیئے۔

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو تکیہ سے ٹیک لگائے ہوئے

دیکھا اور آپ بوریئے پر نماز پڑھتے تھے اور اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ دباغت کی ہوئی کھال ہو اور آپ اس پر نماز ادا فرمائیں۔

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں ومِن هنا نستفيد كيف أن لين الفراش كاد يمنع رسول الله صلى الله عليه و سلم من التهجد و اذا كان الرسول و هو الذى تنام عينه ولاينام قلبهُ يخشى الفراش الوثير فكيف بنا نحن؟ إن الكثير مِن المسلمين يفرح إذا استغرق فى النوم مِن أول الليل الى اٰخره والأكثر مِن الكثير يحزن اذا لم يكن عنده الفراش الوثير إننا نتفنن اليوم فى السرر والستائر و النمارق، ناسين البساطة الحلوة، والسنن الكريمة ۔(اتحافات ص۳۵۵) (اور ان احادیث سے ہمیں معلوم ہوا کہ بستر کی نرمی اور ملائمت میں آپ ﷺ کے لئے بھی تہجد سے مانع بن جانے کا امکان تھا۔ اور جب کہ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس کو (جس کی صرف آنکھیں تو سو جاتیں لیکن دل بیدار ہوتا) بھی نرم وملائم بستر کا سببِ غفلت بننے سے خوف لاحق تھا تو پھر ہماری حالت ان کے استعمال کرنے سے کیا ہوگی حالانکہ صورتِ حال یہ ہے کہ بہت سے مسلمان تو شروع رات سے آخرِ رات تک گہری نیند میں مستغرق ہونے سے خوش ہوتے ہیں اور بہت سے دیگر لوگ نرم وملائم اور آسائش وآرام کے بستر نہ ہونے سے پریشان وغمگین رہتے ہیں ادھر آج کے ماحول میں تو ہم لوگ تخت، پلنگ، صوفہ سیٹ گاؤ تکیے، پردے، غالیچے اور قالینوں کے استعمال میں تنوع پیدا کرنے کی کوشش تو کرتے ہیں لیکن سادہ بچھونے (کمبل، دری، ٹاٹ، فرش زمین) وغیرہ کی میٹھی زندگی اور حضور ﷺ کی پیاری سنتوں کو بھلانے والے ہیں)

==================================

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ تَوَاضُعِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انکساری کے بارے میں

تواضع کا معنی اور تشریح :

تواضع کا معنی تذلل، عاجزی، فروتنی، انکساری اور خشوع ہے۔ و عند الصوفية تذلل القلوب لعلام الغيوب بالتسليم لمجاری احكام الحق (جمع ج۲ص۱۶۱) (اور صوفیاء کرامؒ کے نزدیک اپنے دلوں کو علام الغیوب ذات کے لئے عاجز منکسر کر کے احکامِ حق کو ماننے اور تسلیم کرنے کے لئے آمادہ کرنا)

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ تحریر فرماتے ہیں: و عرفا : خروج الانسان عن مقتضى جاهه ، و تنزله عن مرتبة أمثاله و عند المحققين : التواضع هو : أن لا يرى العبد لنفسه مزية و يرى الحالة التي هو فيها اعظم مِن أن يستحقها و سئل أبو يزيد : متى يكون العبد متواضعا ؟ فقال : إذا لم ير العبد لنفسه مقالا و لاحالا ۔(اتحافات ص۳۵۶) (تواضع کا معنیٰ عرفِ عام میں یہ ہے کہ کسی شخص کا اپنے حقیقی اور اصلی مرتبہ کے مقتضیٰ سے خروج اور اپنے ہم مرتبہ اشخاص سے تنزل اختیار کرنا ہے اور محققین کے نزدیک یہ کہ کوئی شخص اپنے لئے کوئی فضیلت اور مرتبے کا خواہش مند نہ ہو اور جس حالت میں بھی ہو اس کو اپنے استحقاق سے زیادہ خیال کرنے اور سمجھے بھی۔ اور ابو یزید سے پوچھا گیا کہ ایک انسان کب متواضع کہلاتا ہے اس نے جواب میں کہا کہ جب بندہ اپنے کسی قول (گفتگو) یا حال (کیفیت) کو بڑا سمجھنے کا خواہش مند نہ ہو)

حضور اقدس ﷺ تمام لوگوں سے بڑھ کر متواضع تھے۔ حضراتِ صوفیاءِ کرام کہتے ہیں، تواضع میں کمال تب آتا ہے، جب تجلی شہود میں کمال حاصل ہو۔ علامہ بیجوریؒ بھی یہی لکھتے ہیں کہ قال بعض

العارفین "لا یبلغ العبد حقیقة التواضع الا اذا دام تجلی الشهود فی قلبه" (مواہب ص۲۳۷) کیونکہ اس سے نفس کا مقابلہ ہوتا ہے۔ کمزور پڑتا ہے اور تجلیٔ شہود سے نفس کی بیماریاں تکبر، عجب، ضد، خود پسندی اور سرکشی و بغاوت ختم ہو جاتی ہیں۔

حضور ﷺ سب لوگوں سے زیادہ متواضع تھے:

شیخ یوسف النبھانیؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تواضع اور انکساری میں سب سے بڑھ کر تھے۔ بہت کم گو تھے، مگر آپ ﷺ کی کم گوئی کبر کی وجہ سے نہ تھی، جب بات کرتے تو بہت مختصر کرتے، بہت خوب رو تھے، دنیا کے کسی بڑے سے بڑے کام سے بھی نہ گھبراتے تھے، مگر اس حد تک بھی تواضع اور انکساری سے کام نہیں لیتے تھے کہ دوسرا آدمی آپ ﷺ کو حقیر سمجھنے لگے۔ (وسائل الوصول)

حضور اقدسؐ نے لکڑیاں جمع کرنا اپنے ذمہ لیا:

ایک مرتبہ کسی سفر میں چند صحابہ کرامؓ نے ایک بکری ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا اور اس کا کام آپس میں تقسیم فرمایا۔ ایک نے اپنے ذمہ ذبح کرنا لیا، دوسرے نے کھال نکالنا، کسی نے پکانا، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا، **فقال علی جمع الحطب** یعنی پکانے کے لئے لکڑی اکٹھا کرنا میرے ذمہ ہے **فقالوا یا رسول الله نکفیک العمل** صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ حضرت! یہ کام تو ہم خود کرلیں گے **فقال قد علمت انکم تکفونی و لکن اکره ان اتمیز علیکم و ان الله یکره من عبده ان یراه متمیزا بین اصحابه** ۔ (جمع ج۲ ص۱۶۱) حضور اقدس ﷺ نے فرمایا یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ تم لوگ اس کام کو بخوشی کرلو گے، لیکن مجھے یہ بات پسند نہیں کہ مجمع میں ممتاز رہوں اور اللہ کریم بھی اس کو پسند نہیں کرتے۔

چند متواضعانہ اعمال:

علامہ ملا علی قاریؒ نقل فرماتے ہیں **لم یاکل متکأ بعد حتی فارق الدنیا و قال اجلس کما یجلس العبد و أکل کما یا کل العبد و لم یقل لشیء فعله خادمه انس اف قط وما**

ضرب احدا من عبيده و امائه وهذا امر لايتسع له الطور البشرى لولا التائيد الالٰهى و عن عائشة انها سئلت كيف كان اذا خلا فى بيته قالت ألين الناس بساما ضحاكا لم يرقط مادا رجليه بين اصحابه و عنها ما كان احد احسن خلقا منه مادعاه احد من اصحابه الا قال لبيك و كان يركب الحمار و يردف خلفه (جمع ج۲ص۱۶۰) (نبی کریم ﷺ نے کبھی (بلا عذر) تکیہ لگا کر کھانا اپنے وصال مبارک تک نہیں کھایا اور فرماتے کہ میں تو ایسا (متواضع) بیٹھتا ہوں جیسا کہ ایک بندہ اور غلام بیٹھتا ہے اور کھاتا بھی ایسا ہوں جیسے کہ ایک غلام کھاتا ہے اور کبھی اپنے خادم حضرت انس ؓ کو کسی کام کرنے پر اُف تک نہیں کہا اور نہ کبھی اپنے غلاموں اور کنیزوں میں سے کسی کو مارا پیٹا اور یہ ایسے مشکل امور ہیں کہ اگر تائیدِ خداوندی اس میں شامل حال نہ ہو تو نوعِ انسانی کو ان کے سرانجام دینے کی وسعت وقدرت نہیں ہوسکتی اور حضرت عائشہ ؓ سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ کا برتاؤ گھر میں کیسا ہوتا تھا ؟ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا کہ سب لوگوں میں سے نرم مزاج والے ۔تبسم اور ہنسنے والے ۔یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ آپ ﷺ اپنے صحابہ ؓ کے درمیان پاؤں پھیلائے ہوئے بیٹھے ہوں ۔اور حضرت عائشہ ؓ ہی سے روایت ہے کہ آپ ﷺ سے زیادہ اچھے اخلاق والا کوئی نہ تھا اور صحابہ ؓ (ساتھیوں) میں سے کسی نے بھی اگر آپ ﷺ کو بلایا تو آپ ﷺ نے اس پر لبیک فرمایا (کہ میں حاضر ہوں) اور آپ ﷺ گدھے پر (اکیلے) سوار ہوئے ہیں اور کسی دوسرے کو اپنا ردیف (پیچھے بیٹھنے والا) بھی بنایا ہے)

(۱/۳۱۶) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ وَسَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُومِيُّ وَ غَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتُطْرُوْنِىْ كَمَا اَطْرَتِ النَّصٰرٰى عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اِنَّمَا اَنَا عَبْدُ اللّٰهِ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰهِ وَ رَسُوْلُهٗ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن منیع ،سعید بن عبدالرحمٰن مخزومی اور بہت سے دوسرے

لوگوں نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان بن عینیہ نے زہری کے حوالہ سے خبر دی، انہوں نے عمر بن خطابؓ سے نقل کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میری ایسی تعریف مبالغہ آمیز حد سے فزوں نہ کرو، جیسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں مبالغہ کیا (کہ اللہ کا بیٹا بنا دیا) میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، اس لئے مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔

راویان حدیث (۵۹۷) سعید بن عبدالرحمٰن المخزومیؒ اور (۵۹۸) عبیداللہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مدح رسولؐ میں حد سے تجاوز ممنوع ہے :

لا تطرونی ...... اطراء کا معنیٰ کسی کی مدح میں حد سے تجاوز کرنا۔ **هو مجاوزة الحد فی المدح**۔ (اتحافات ص ۳۵۶) **وهو المبالغة فی المدح والغلو** (مناوی ج ۲ ص ۱۶۱) (علامہ مناویؒ اطراء کا معنیٰ یہ کرتے ہیں کہ کسی کی تعریف اور مدح میں مبالغہ اور غلو کرنا) یعنی میری مدح میں حد سے زیادہ تجاوز نہ کرو، جو خلافِ واقع ہو، ورنہ مطلق مدح تو جائز ہے، **فالمعنیٰ لا تجاوزوا الحد فی مدحی بغیر الواقع**۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۶۱)

کما اطرت النصاری عیسی بن مریم ...... جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کی مدح میں مبالغہ کیا۔ حد سے تجاوز کیا۔ یہاں تک کہ اسے اللہ کا بیٹا قرار دیا، کبھی عین اللہ کہا اور کبھی ثالث ثلاثہ بنا دیا **وکما حرفوا قوله تعالیٰ فی الانجیل عیسی نبیی وانا ولدته** (جمع ج ۲ ص ۱۶۱) (اور جیسے کہ نصاریٰ نے انجیل میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کہ ''عیسیٰ میرا نبی ہے اور میں نے اس کو جنا ہے'' میں تحریف (رد وبدل) کی ہے)

یہ کفریہ عقائد مدح میں غلو حدود سے تجاوز اور بے جا مبالغہ آرائی سے پیدا ہوئے اور اس نہی کا سبب بھی یہی ہے کہ بعض صحابہؓ نے آپ ﷺ کی بارگاہِ میں سجدہ **علی قصد التعظیم و ارادة التکریم** (بارادۂ تعظیم وتکریم) کی اجازت چاہی، تو آپ ﷺ نے اجازت نہ دی اور منع فرمایا۔

مقامِ عبدیت ورسالت :

انما انا عبد اللّٰہ فقولوا عبد اللّٰہ و رسوله : مجھے اللہ کا بندہ کہو اور اس کا رسول، میں مقام عبدیت میں ہوں، پھر کلمۂ شہادت میں اس کا اعلان کرایا گیا۔ واشهد ان محمدا عبده و رسوله (میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں) سورۃ کہف میں ارشاد ہے، اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِهِ الۡكِتٰبَ ۔ (کہف:۱) (سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندے (محمدؐ) پر کتاب (قرآن مجید) کو اتارا) سورۃ بنی اسرائیل میں بھی اللہ پاک نے آپ ﷺ کے لئے عبدیت کا مقام پسند فرمایا سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ لَیۡلًا ...... (بنی اسرائیل:۱) (پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو رات کے وقت لے گیا) عبدیت ورسالت انتہائی صفتِ کمال ہے۔ وهذا غاية الكمال فى مرتبة المخلوق فلا تقولوا فى حقى شيئًا ينافى هاتين الصفتين ولا تعتدوا فى شانى وصفاً غيرهما (جمع ج۲ص۱۶۱) (اور مرتبہ مخلوق میں عبدیت ورسالت انتہائی صفتِ کمال ہے اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ لوگ میرے حق میں کوئی ایسی نسبت نہ کیا کریں جو ان دو صفات کے منافی ہو اور میری شان میں ان دو اوصاف کے علاوہ کوئی تجاوز بھی نہ کریں)

والى هذه الزبدة اشار صاحب البردة بقوله ...... ؎

دع ما دعته النصارىٰ فى نبيهم
واحكم بما شئت مدحا فيه واحتكم

ترجمہ : تو اپنے حبیب کی صفت کرتا جا، اور ہر طرح کی صفت کر، جس طرح جی چاہے، مگر نصاریٰ کی طرح نہیں کہ جس طرح اُنہوں نے عیسیٰ ابن مریم کی صفت کی تھی۔

آپ ﷺ کی دو صفتوں کا ذکر آپ ﷺ کی دیگر متنوع صفاتِ کمال کی نفی نہیں۔

وما احسن قول ابن الفارض ...... ؎

ارى كل مدح فى النبى مقصرا	وان بالغ المثنى عليه و اكثرا
اذا اللّٰه اثنى بالذى هو اهله	عليه فما مقدار ما يمدح الورىٰ

و لقد احسن من قال مِن ارباب الحال .... ؎

ما ان مدحت محمدا بمدیحتی　　　بل قد مدحت مدیحتی بمحمد

(جمع ج۲ص۱۶۲)

(اور کتنا اچھا اور حسین ہے ابن فارضؒ کا قول۔ میں تو نبی کریم ﷺ کی شان میں ہر مدح میں فروگذاشتی کا خیال کرتا ہوں۔

اگر چہ ثناء و مدح کرنے والا اس کی مدح میں کثرت سے مبالغہ بھی کرے جب اللہ تعالیٰ نے اس کی ثناء و مدح ایسی ہی کی ہے۔

جس کے وہ لائق ہیں تو پھر مخلوق کی مدح کی مقدار کی کیا قدر و قیمت ہوگی اور کیا خوب کہا اربابِ حال میں سے جس نے یہ کہا کہ میں نے اپنے اس مدح کرنے میں محمد ﷺ کی تو کوئی تعریف و مدح نہیں کی بلکہ میں نے اپنی مدح ہی کی تعریف محمد ﷺ کے ذریعہ کر دی)

(۲/۳۱۷) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ اَخْبَرَنَا سُوَيْدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ امْرَأَةً جَآئَتْ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِنَّ لِيْ اِلَيْكَ حَاجَةً فَقَالَ اِجْلِسِيْ فِيْ اَيِّ طَرِيْقِ الْمَدِيْنَةِ شِئْتِ اَجْلِسْ اِلَيْكِ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سوید بن عبد العزیز نے حمید کے واسطہ سے خبر دی اور انہوں نے اسے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی عورت نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے کچھ تخلیہ میں عرض کرنا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کسی سڑک کے راستہ میں بیٹھ جا میں وہیں آ کر سُن لوں گا۔

راوی حدیث (۵۹۹) سوید بن عبد العزیزؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ایک بے وقوف خاتون کی حاجت برآری :

اِن امرأة جاء ت الی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ...... یہ خاتون کون تھیں، اورنام کیا تھا، لم یقف الشراح علی اسم المرأة ۔(اتحافات ۳۵۷)(شارحین حضراتؒ اس عورت کے نام سے واقف نہیں ہوئے) و فی بعض حواشی الشفا اسمها ام زفر ۔(مواہب ص ۲۳۸)(کتاب الشفاء کے بعض حواشی میں ہے کہ اس عورت کا نام ام زفر تھا) البتہ اس پر تصریح ہے کہ یہ عورت انصار سے تھیں ۔ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس کے ساتھ چھوٹا بچہ بھی تھا اور شارحین نے اس پر بھی تصریح کی ہے کہ اس کی عقل میں فتور تھا، یا وہ آزاد منش اور بازار میں گھومنے والی خاتون تھیں یوں بوجہ فتورِ عقل کے گلی کوچوں میں پھرتی رہتی ہوگی ۔اس لئے حضور اقدس ﷺ نے وہیں جا کر ان کی بات سننے کا ارشاد فرمایا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ بندہ کے نزدیک بعید نہیں کہ ایسی عورتوں کو زنانہ مکان پر بلانے میں مستورات کو دقتیں اور مشکلات پیش آیا کرتی ہیں، جیسا کہ بسا اوقات مشاہدہ ہوتا ہے۔اس لئے حضور اکرم ﷺ نے سڑک ہی پر بات سن لی۔

کمالِ تواضع کی انتہا :

ارشادفرمایا، اجلسی فی ایّ طریق المدینة شئتِ یعنی ایک طرف ہو کر بیٹھ جا اور میں وہاں بیٹھ کر تیری ہر بات سنوں گا۔علماءِ کرام فرماتے ہیں کہ یہ اس لئے فرمایا کہ کسی اجنبی خاتون کے ساتھ تنہائی نہ ہو تا کہ شریر طبیعت کے افراد کو کسی قسم کی شرارت کرنے کا موقع میسر نہ ہو۔ ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ ”حضور اقدس ﷺ کا ایک بے وقوف سی عورت کی ضرورت کے لئے سرِ راہ بیٹھ جانا یہ آپ ﷺ کی کمال تواضع ہے“۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں ”هذا (الحدیث) دلیل علی مزید تواضعه وبراء ته مِن جمیع انواع الکبر“ (جمع ج ۲ص ۱۶۳) (یہ حدیث تو حضور ﷺ کی مزید تواضع عاجزی کی دلیل اور تکبر وبڑائی کی سب اقسام سے براءت اور بیزاری کا اظہار ہے)

ایک خاتون جس کے لئے آپ ﷺ نے اپنی چادر بچھائی :

علامہ یوسف النبھانیؒ نقل کرتے ہیں کہ ابوالطفیل کہتے ہیں کہ میں چھوٹا سا تھا۔ میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اور وہ آپ ﷺ کے قریب آ گئی۔ آپ ﷺ نے اس کے لئے اپنی چادر بچھا دی۔ حضور اقدس ﷺ کی جانب سے اس عورت کا یہ اعزاز واکرام دیکھا تو میں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ عورت کون ہے، ساتھیوں نے کہا کہ یہ حضور اقدس ﷺ کی رضاعی ماں ہے۔

اخذِ مسائل :

اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کا کوئی خاص دربار نہیں ہوتا تھا' یہ بھی تواضع ہے' اور یہ معلوم ہوا کہ راستہ پر ضرورت کی وجہ سے بیٹھنا جائز ہے۔ تیسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ یہ خلوة بالاجنبية نہیں تھی، خلوت تب ہوتی، جب لوگوں کے سامنے بیٹھنا نہ ہوتا۔ فیہ تنبیہ علی ان الخلوة مع المرأة فی زقاق لیس من باب الخلوة فی بیت معها (حاشیہ مشکوٰۃ ص۵۱۹) (اس میں تنبیہ ہے کہ کسی عورت کے ساتھ گلی راستہ میں خلوت (علیحدگی) کرنا یہ اس خلوت کے حکم میں نہیں ہے جو کہ کسی عورت اجنبیہ کے ساتھ کمرے میں ہو)

(۳۱۸/۳) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ اَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ مُسْلِمِ الْاَعْوَرِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُ الْمَرِيْضَ وَيَشْهَدُ الْجَنَازَةَ وَيَرْكَبُ الْحِمَارَ وَيُجِيْبُ دَعْوَةَ الْعَبْدِ وَكَانَ يَوْمَ بَنِيْ قُرَيْظَةَ عَلٰى حِمَارٍ مَّخْطُوْمٍ بِحَبْلٍ مِّنْ لِيْفٍ عَلَيْهِ اِكَافٌ مِّنْ لِيْفٍ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن مسہر نے مسلم اعور کے حوالہ سے خبر دی، اور انہوں نے اسے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ مریضوں کی عیادت فرماتے تھے۔ جنازوں میں شرکت

فرماتے تھے، گدھے پر سوار ہو جاتے تھے، غلاموں کی دعوت قبول فرما لیتے تھے۔ آپ ﷺ بنو قریظہ کی لڑائی کے دن ایک گدھے پر سوار تھے، جس کی لگام کھجور کے پٹھوں کی تھی اور کاٹھی بھی اس کی تھی۔

راوی حدیث (۶۰۰) مسلم الاعورؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مریض کی عیادت :

یعود المریض ' یعنی بیماروں کی بیمار پرسی فرماتے تھے۔ ملا علی قاریؒ نے یہاں پر تفصیل لکھی ہے۔ ذیل میں اس کی تلخیص دی جا رہی ہے۔

حضور اقدس ﷺ بیمار کی عیادت کرنے میں کوئی فرق یا تمیز نہیں برتتے تھے۔ ہر ایک شخص کو چاہے وہ آزاد ہوتا یا غلام، جوان ہوتا یا بوڑھا، عورت ہوتی یا مرد، مسلمان ہوتا یا کافر، بیمار پُرسی فرماتے۔ مریض کے قریب بیٹھتے، اس کے سر سے اسے پیار فرماتے، پھر اس کا حال دریافت فرماتے۔ اس کو تسلی دیتے، نہایت مشفقانہ اور محبت سے بھری ہوئی گفتگو بیمار کے ساتھ کرتے۔ **و کان یقول للمریض کیف تجدک او کیف اصبحت او کیف امسیت ' اولاباس علیک ' طهور ان شاء الله او کفارة و طهور۔** (اتحافات ۳۵۸) (اور آپ ﷺ مریض سے فرماتے کہ تو اپنے آپ کو کیسے پاتا ہے (یعنی آپ کی طبیعت کیسے ہے) یا آپ نے صبح کس طرح کی یا فرماتے کہ آپ نے شام کس طرح کی یا اس کو فرماتے کوئی فکر نہ ہو تو (بیماری کے سبب) انشاء اللہ پاک ہو یا (یہ بیماری) کفارہ اور گناہوں سے پاکی کا ذریعہ ہے) جو جگہ اس کی دکھتی یا جس جگہ اسے درد ہوتا، وہاں اپنا مبارک ہاتھ پھیرتے، اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر دم ڈالتے۔ حضرت علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ''بیمار کی درد کی جگہ پر ہاتھ مبارک رکھ کر فرماتے **بسم الله ارقیک من کل داء یوذیک الله یشفیک** (اللہ کے نام سے میں ہر اس بیماری سے جو تجھے تکلیف دے دم کرتا ہوں اللہ تجھے شفاء دے) اور صحیحین یعنی بخاری شریف اور مسلم شریف میں ہے کہ جناب جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہو گیا۔ حضور اکرم ﷺ اور ابو بکر صدیقؓ میری بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے۔ ان دونوں گرامی قدر حضرات نے مجھے بے ہوش پایا، تو نبی کریم ﷺ نے وضو فرمایا اور وضو کا پانی مجھ پر چھڑکا۔ سو مجھے افاقہ ہو گیا، تو حضور پاک ﷺ کی زیارت سے

مشرف ہوا اور ابوداؤد میں ہے کہ **فنفخ في وجهي فافقت** میرے منہ پر دم کیا تو مجھے افاقہ ہو گیا اور اسی میں ہے کہ ارشاد فرمایا :

یاجابر لا اراک میتا من و جعک هذا اے جابر تو اس درد سے نہیں مرے گا۔ **یجب للمسلم علی المسلم ست** یعنی ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں"۔

جن میں سے ایک بیمار پرسی کا بھی ہے۔ بخاری شریف میں ہے۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ کسی مریض کو دیکھنے جاتے یا کوئی بیمار آپ کی خدمت میں حاضر کیا جاتا تو آپ ﷺ فرماتے **اذهب الباس ربّ الناس ، واشف انت الشافي ، لا شفاء الا شفائک شفاء لا یغادر سقما** (اتحافات ص۳۵۸) (اے لوگوں کے ربّ! اس (مریض) کے خوف و تکلیف کو دور فرما دے اور اس کو شفاء دے تیری ہی ذات شفاء دینے والی ہے تیری شفاء کے علاوہ تو کوئی شفاء ہے ہی نہیں اسے ایسی شفاء دے دے جو کسی بیماری کو نہ چھوڑے)

حضور ﷺ کا بیمار پرسی فرمانا علاوہ اور باتوں کے کمال تواضع بھی ہے۔ اس لئے کہ **لان التواضع خروج الانسان عن مقتضی جاهه و تنزله عن مرتبة امثاله** (جمع ج۲ ص۱۶۴) (تواضع کسی انسان کا اپنے جاہ و مرتبہ کے مقتضیٰ سے خروج اور اپنے ہم مرتبہ اشخاص سے تنزلی اختیار کرنا ہے)

ایک یہودی لڑکے کی عیادت اور دعوتِ اسلام :

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نقل فرماتے ہیں :

مریضوں کی عیادت جس درجہ کا بھی بیمار ہو شریف ہو یا کوئی معمولی آدمی ہو، حتیٰ کہ غیر مسلموں کی عیادت بھی فرمایا کرتے تھے۔ ایک یہودی لڑکا حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا، کوئی خدمت بھی کبھی کر دیتا تھا، وہ بیمار ہوا۔ حضور اکرم ﷺ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ اُس کا آخری وقت تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے شفقت کے طور پر اپنا حق ادا فرمایا اور اس کو اسلام کی تبلیغ فرمائی، اس نے اپنے یہودی باپ کی طرف دیکھا، اُس نے اجازت دیدی اور وہ مسلمان ہو گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے اللہ کا شکر ادا فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہٗ ہی حمد کا سزاوار ہے، جس نے میری وجہ سے

اس کو عذاب جہنم سے بچا دیا۔ یہی نہیں بلکہ رأس المنافقین عبداللہ بن ابی کی عیادت کے لئے بھی حضور اکرم ﷺ تشریف لے گئے، حالانکہ اس سے بہت سی اذیتیں پہنچی تھیں۔ (خصائل)

ترمذی میں ہے من عاد مریضا لم یحضر اجله فقال عنده " اسأل الله العظیم ' رب العرش العظیم ان یشفیک (سبعاً) فان الله تعالیٰ یشفیه ۔(اتحافات ص ۳۸۷) (جس نے ایسے مریض کی عیادت کی کہ ابھی تک اسے پیغام موت نہیں پہنچا تھا اس کے پاس یہ دعا سات دفعہ پڑھی کہ میں اللہ تعالیٰ سے جو بڑی عظمت والے اور عرشِ عظیم کے مالک ہیں یہ سوال کرتا ہوں کہ تجھے شفاء دے دے تو پھر اللہ تعالیٰ اسے شفاء دے دیتا ہے)

عیادت کے اوقات کی تعین نہیں :

آپ ﷺ نے بیمار پرسی کے لئے کسی خاص وقت کو مقرر نہیں فرمایا، بلکہ حسب فرصت و ضرورت رات دن میں کسی وقت یہ عمل فرمالیا کرتے۔ علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں ولم یکن من هدیه علیه الصلوٰة والسلام ان یخص یوما من الایام بعیادة المریض ولاوقتا من الاوقات بل شرع لامته عیادة المرضٰی لیلًا و نهارًا و فی سائر الاوقات و فی المسند عنه و اذا عاد الرجل اخاه المسلم مشی فی خرفة الجنة حتی یجلس فاذا جلس غمرته الرحمة فان کان غدوة صلی علیه سبعون الف ملک حتی یمسي و ان کان مساء صلی علیه سبعون الف ملک حتی یصبح ۔(زاد المعاد ج ۱ ص ۱۷۰) (نبی کریم ﷺ کا طریقہ اور عادت مبارک بیمار پرسی کے متعلق نہ کسی خاص دن اور نہ کسی خاص وقت کی تعیین تھی بلکہ اپنی امت کی سہولت کے لئے دن اور رات کے سارے اوقات میں حسبِ فرصت بلا تکلف عیادتِ مریض کو مشروع اور جائز فرمایا ہے اور حدیث مرفوع میں آپ ﷺ سے منقول ہے کہ جب ایک شخص اپنے مسلمان بھائی کی بیماری پرسی کرتا ہے تو گویا جنت کے باغ میں جا رہا ہے تا آنکہ (بیمار کے پاس) بیٹھ جاتا ہے اور جب اس کے پاس بیٹھتا ہے تو اس کو اللہ کی رحمت ڈھانپ لیتی ہے اگر وہ صبح کا وقت ہوتا ہے تو اس کے لئے شام تک ستر ہزار فرشتے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں اور اگر شام کا وقت ہوتا ہے تو پھر صبح تک اس کے لئے ستر ہزار فرشتے دعا کرتے

رہتے ہیں۔

جنازہ میں شرکت :

و یشهد الجنازة یعنی جنازہ پر تشریف لے جاتے۔اس پر نماز ادا فرماتے اور اس کی مغفرت و بخشش کے لئے اللہ پاک سے دعائیں فرماتے اور ایسے مبارک ارشادات فرماتے' جو بڑی عبرت و موعظت کا باعث بنتے۔ ای یحضرها لتشییعها والصلوٰة علیها سواء کانت لشریف أو وضیعٍ فیتأکد لأمته فعل ذلک اقتداء به صلی اللّٰہ علیه وسلم ۔(مواہب ص ۲۳۸)(آپ ﷺ ہر مسلمان کے جنازہ پر تشریف لے جاتے چاہے وہ معزز اور شریف ہوتا یا غیر شریف تو گویا امت کے لئے آپ ﷺ ایسے امور کے بطور اپنے اقتداء کے تاکید فرما رہے ہیں)

گدھے پر سوار ہونا :

و یرکب الحمار اونٹ' اونٹنی اور گھوڑے کی موجودگی میں بھی آپ ﷺ گدھے پر سواری کر لیا کرتے تھے اور بسا اوقات کسی کو اپنے ساتھ بھی بٹھا لیا کرتے تھے۔ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں ای مع قدرته علی الناقة والفرس والجمل و ربما کان یردف احد معه ۔(جمع ج ۲ ص ۱۶۴) جب حضور اقدس ﷺ مکۃ المکرمہ تشریف لائے۔بنی عبد المطلب کے بچوں نے آپ ﷺ کا استقبال کیا۔ آپ ﷺ نے ایک بچے کو آگے بٹھا لیا اور ایک کو اپنے پیچھے۔و جاء فی مختصر السیرة للمحب الطبری ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم رکب حمارا الی قباء ' و کان مع ابوهریرة فقال أحملک بهافقال ماشئت یارسول اللّٰہ! فوثب لیرکب' فلم یقدر! فاستمسک به صلی اللّٰہ علیه وسلم فوضعا جمیعاً و حاول ابوهریرة الرکوب مرة أخری فوضعا جمیعاً ۔ (اتحافات ص ۳۵۹) (محب الطبری کی ''مختصر السیرۃ''میں ہے کہ آپ ﷺ قباء جانے کے لئے گدھے پر سوار ہوئے ابو ھریرہؓ وہاں تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر آپ ﷺ کو بھی سوار کر کے لے جاؤں گا ابو ھریرہؓ نے فرمایا جیسے کہ آپ ﷺ کی مرضی ہو۔تو ابو ھریرہؓ نے سوار ہونے کے لئے چھلانگ لگائی لیکن چڑھ نہ سکے۔نبی کریم ﷺ نے گدھے کو روکا تو دونوں گر پڑے ابو ھریرہؓ نے پھر سوار ہونے کا ارادہ کیا تو پھر

گردونوں گئے)۔

عرب کے گدھوں میں ایک خاص قسم ہے جو جثہ میں ہمارے ہاں کے موٹے خچروں سے بھی بڑے ہوتے ہیں اور تیز رفتاوی میں معمولی ٹٹوؤں سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ وہ دو دو اور تین تین افراد کو بہ آسانی اُٹھالیتے ہیں اور ہمارے ہاں کے معمولی گھوڑوں سے طاقت وقوت اور رفتار میں بڑھ کر ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں بھی یہی ہوں۔ تاہم گھوڑوں کے مقابلہ میں یہ ادنیٰ درجہ کی سواری شمار ہوتی ہے۔ یہاں یہی مقصود ہے کہ آپ ﷺ کو باوجود اس عزت ورفعت اور عظمت ومقام کے جو دونوں جہاں کے سرداری سے حاصل تھا ، گدھے کی سواری سے استنکاف نہ تھا۔ **و تأسی به أكابر السلف فی ذلک فقد كان لسالم بن عبد الله بن عمر حمار هرم فنهاه بنوه عن ركوبه فأبى فجدعوا أذنه فركبه فجدعوا الاخرىٰ فركبه فقطعوا ذنبه فصار يركبه مجذوع الأذنين مقطوع الذنب** ۔(مواہب ص ۲۳۸)(اور آپ ﷺ کی اقتداء میں بہت سے اکابر واسلافِ امت نے گدھے کی سواری کو پسند فرمایا چنانچہ حضرت سالم ابن عبداللہ بن عمرؓ کا ایک بہت بوڑھا گدھا تھا اس کے بیٹوں نے اس پر سوار ہونے سے اس کو منع کیا لیکن حضرت سالمؒ نہ مانے تو انہوں نے گدھے کا ایک کان کاٹ دیا پھر بھی اس پر سواری کرتے رہے تو انہوں نے دوسرا کان بھی کاٹ دیا تو پھر بھی اس پر سوار ہوتے رہے تو حضرت سالمؒ کے بیٹوں نے گدھے کی دُم بھی کاٹ دی لیکن پھر حضرت سالمؒ کان اور دُم کٹے ہوئے گدھے پر سواری فرماتے تھے (اور اسے معیوب نہ جانتے تھے)

دعوت قبول فرمانا :

یجیب دعوة العبد آپ ﷺ غلاموں کی دعوت کو بھی قبول فرماتے۔ چاہے جس ضرورت وحاجت کے لئے آپ کو بلاتے۔ خواہ وہ قریب والے ہوتے یا دور والے ہوتے۔ جیسا کہ ایک روایت میں عبد کی جگہ **المملوک** کی تصریح بھی آئی ہے۔ **ای الی ایّ حاجة دعاه**۔ (جمع ج ۲ ص ۱۶۴) ممکن ہے کہ یہاں ''**العبد**'' سے مراد ''**عبد ماذون**'' ہو جو اپنے مالک کی اجازت سے دوسرے کی دعوت کر سکتا ہے۔ یا عبد سے مراد آزاد کردہ غلام ہو۔ **و سمی عبدا باعتبار ماكان فالمراد به المعتوق**

(جمع ج ۲ ص ۱۶۴) (اور اس کو غلام باعتبار گذشتہ زمانہ کے کہا تو اس سے مراد آزاد شدہ غلام ہیں) کہ عبدِ معتوق 'آزاد ہونے کے بعد مفلس ہوتا ہے اور اگر غلام ہی کی دعوت ہے تو دعوت سے مراد حاجت کے لئے بلانا ہے۔ تاکہ عدم ملک کا شبہ نہ ہو، جیسا کہ شروع میں عرض کیا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے غلام کو بھیج کر آپ ﷺ کو دعوت دیتا تھا تو قبول فرما لیتے اور استنکاف نہ فرماتے کہ دعوت دینے کے لئے صاحب خانہ یا اس کے خاندان کا فرد خود کیوں نہیں آئے۔ یہ صورت تب بنتی ہے' جب عبد سے مراد ''عبد رقیق'' ہو۔ جبکہ یہ وتیرہ متکبرین کا ہوتا ہے کہ وہ غلام کی دعوت یا غلام کے ذریعہ دعوت پر استنکاف کرتے ہیں' اسی بات کا تذکرہ ملا علی قاریؒ فرما رہے ہیں او کان یجیب دعوۃ العبد من عند سیدہ و لم یمتنع عن اجابتہ لعدم ما أتی سیدہ بنفسہ کما ھو شأن الأکابر الزمان ۔(جمع ج ۲ ص ۱۶۴)

الغرض آپ عام لوگوں' فقراء' غرباء' مساکین' غلاموں اور خبین کی دعوت قبول فرما لیا کرتے تھے۔ ان کے ہاں تشریف لے جاتے، ان کی دلجوئی فرماتے اور اس سے اُن کی عزت افزائی ہوتی تھی ۔ عن انس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقعد علی الارض و یأکل علی الاوض و یجیب دعوۃ المملوک ای علی خبز الشعیر و یقول لو دعیت الی ذراع لاجبت و لو اھدی الی کراع لقبلت و کان یعتقل شاتہ ۔(جمع ج ۲ ص ۱۶۴) (حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ زمین پر بیٹھے بھی تھے اور اس پر کھانا بھی کھاتے اور آپ ﷺ آزاد شدہ غلام کی دعوت یعنی جو کی روٹی بھی قبول فرمایا کرتے اور کہتے کہ اگر میں بلایا جاؤں بکری کے دست (چوڑی) کھانے کے لئے تو بھی یہ دعوت قبول کروں گا اور اگر مجھے ہدیہ میں (بکری، گائے کے) پائے اور کھرے بھی دیے جائیں تو بھی قبول کروں گا اور آپ ﷺ اپنے بکری کا دودھ نکالا (دوہا) کرتے)

بنو قریظہ !

و کان یوم بنی قریظۃ ...... جنگ احزاب جب ختم ہوئی تو حضورِ اقدس ﷺ نے ہتھیار اُتار دینا چاہے، مگر حضرت جبرئیل تشریف لائے اور فرمایا کہ ہتھیار اُتارنے سے پہلے مدینہ کے نواح میں یہودی آبادی بنو قریظہ کے متعلق فیصلہ کرلیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فتح احزاب کے بعد بنو قریظہ

کے لئے لشکر روانہ فرمایا۔ اب حالت یہ تھی کہ یہودیوں کے لئے ہمیشہ کا فیصلہ ہو رہا تھا۔ مسلمان غالب اور فاتحانہ انداز میں داخل ہو رہے تھے۔ اس روز بھی آپ ﷺ کے پاس نہ تو عمدہ سواری تھی اور نہ اس زمانے کے فاتحین اور سرداروں کی طرح کسی شان وشوکت کا اظہار تھا، نہ تو قیمتی اور شان وشوکت اور بنی ٹھنی لگام تھی، نہ کوئی عمدہ پالان کجاوہ یا مقعد تھا، جس کا پالان ''من لیف'' یعنی کھجور کے پتوں سے بنا ہوا تھا۔

وعلیه اکاف ' اکاف لکڑی اور کاٹھی کو کہتے ہیں، یعنی پالان گدھے کی جس طرح زین گھوڑے کی ہوتی ہے۔ هو کالسرج للفرس " من لیف " من بیانیة و رکوب الحمار مع هذا الانتصار ' خلق لایقدر علیه الاالسید المختار ۔(اتحافات ص۳۵۹) (اور گدھے پر سوار ہونا باوجود غلبہ اور کامیاب ہونے کے یہ ایسا بلند عالی خلق وخصلت ہے کہ حضور ﷺ کے علاوہ کسی میں بھی یہ قدرت نہیں کہ اس کو پسند واختیار کرے)

وقد نظم الحافظ العراقی معنیٰ هذ الخبر فاجاد حیث قال ......

یمشی مع المسکین والارملة	فی حاجة من غیر ما انفة
یردف خلفه علی الحمار	علی اکاف غیر ذی استکبار
یمشی بلا نعل و لا خف الی	عیادة المریض حوله الملا

(مناوی ج۲ص ۱۶۵)

(اور اسی کو بہتر انداز میں حافظ العراقیؒ نے منظوم کیا ہے کہ بغیر کسی استنکاف کے مسکینوں اور بے واؤں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے ان کے ساتھ چلا کرتے اور ردیف بنا کر اپنے پیچھے بھی کسی کو گدھے کی پالان پر بٹھلاتے نہ تکبر اور غرور کرتے ہوئے۔ آپ ﷺ بغیر جوتوں اور موزوں کے بھی بیمار پرسی کے لئے بڑی جماعت کے ہمراہ تشریف لے جاتے (یا یہ مطلب کہ آپ ﷺ بغیر جوتے اور موزوں کے بیمار پرسی کو تشریف لے جاتے اور بیمار کے پاس ایک بڑی جماعت موجود ہوتی تھی)

(۳۱۹/۴) حَدَّثَنَا وَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الْاَعْلٰى الْكُوْفِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُدْعٰى اِلٰى خُبْزِ الشَّعِيْرِ وَالْاِهَالَةِ السَّنِخَةِ فَيُجِيْبُ وَ لَقَدْ كَانَتْ لَهٗ دِرْعٌ عِنْدَ يَهُوْدِيٍّ فَمَا وَجَدَ مَا يَفُكُّهَا حَتّٰى مَاتَ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں واصل بن عبدالاعلی کوفی نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے محمد بن فضیل نے اعمش کے واسطہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جو کی روٹی اور کئی دن کی باسی پرانی چکنائی کی دعوت کیے جاتے تو آپ ﷺ (اُس کو بھی بے تکلف) قبول فرما لیتے۔ آپ ﷺ کی ایک زرہ ایک یہودی کے پاس رہن تھی۔ اخیر عمر تک حضور اکرم ﷺ کے پاس اس کے چھڑانے کے لائق دام نہیں ہوئے۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

یدعٰی الی خبز الشعیر...... شعیر جَو کو کہتے ہیں۔ الاہالہ ہر وہ روغن جو بطورِ سالن کے استعمال ہو، اور بعض کہتے ہیں کہ وہ تیل جو چربی یا الیہ (دنبے کی لاٹ) سے پگھلا کر نکالا گیا ہو اور بعض منجمد دسومة کو کہتے ہیں جیسے کہ ملا علی قاریؒ بھی لکھتے ہیں کہ وھو کل شیء من الادھان مما یؤتدم و قیل ما اذیب من الالیة و الشحم و قیل الدسم الجامد (جمع ج۲ص۱۶۵)

السنخة قال الزمحشری سنخ إذا تغیّر و فسد و أصله فی الأسنان یقال سنخت الأسنان اذا فسدت أسناخھا (علامہ زمخشریؒ سنخة کا معنیٰ یہ کرتے ہیں کہ جب کسی چیز اور کھانے میں تغیر تبدل اور فساد آجائے تو پھر کہا جاتا ہے کہ سنخ ای الشئی او الطعام۔ اور دراصل اس کا ماخذ دانتوں میں سے ہے۔ عرب محاورہ میں کہا جاتا ہے سنخت الاسنان جب دانتوں کی جڑ اور بنیاد میں خرابی آجائے)۔

شیخ الیجوریؒ تو اس سے یہ مسئلہ بھی نکالتے ہیں کہ و یؤخذ من ذلک جواز أکل المنتن من لحم وغیرہ حیث لاضرر (مواہب ص۲۳۹) (کہ جب کسی ضرر اور نقصان کا احتمال نہ ہو تو پھر بدبودار چیز کا کھانا (چاہے گوشت ہو یا کوئی اور چیز) جائز ہے) بعض لوگوں نے اس کے معنیٰ میں

بد بودار کا اضافہ کیا ہے، مگر یہ درست نہیں۔ پرانا ہونا، منجمد ہونا اور بات ہے اور بد بودار ہونا اور بات' آپ ﷺ نظیف تھے اور بد بودار چیز آپ ﷺ کو ناپسند تھی۔ اس لئے پیاز کھا کر مسجد جانے سے بھی منع فرمایا۔

سادگی اور فروتنی کی انتہاء :

ولقد كانت له درع' آپ ﷺ کی سادگی اور فروتنی کا یہ عالم تھا کہ زندگی کے آخری ایام میں بھی آپ کی زرہ (جس کا نام ذات الفضول تھا) کسی ضرورت کے پیش نظر ایک یہودی (جس کا نام ابوشحم تھا) کے پاس رہن پڑی ہوئی تھی' بعد میں اسے حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے آزاد کرا کے بیت المال میں جمع کرایا۔

فما وجدها یعنی وصال تک رقم مہیا نہ ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ اسے یہودی سے نہ چھڑا سکے، **لانه صلى الله عليه و سلم مات فقيرا و قد فكها من بعده ابوبكر' و قيل الامام علی، و هذه الحال مع ما كان عليه النبی صلی الله عليه و سلم من مال خيبر و ارض فدك و غنائم الجهاد**۔ (اتحافات ص۳۶۰) (اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فقیری کی حالت میں وصال فرمایا اور آپ ﷺ کے بعد ابوبکرؓ نے اسے چھڑا لیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے چھڑایا تھا اور آپ ﷺ نے زندگی اس فقیرانہ حال میں گزاری باوجودیکہ مالِ خیبر فدک والی زمین اور جہاد میں مالِ غنیمت وغیرہ کے اسباب موجود تھے)

اخذِ مسائل :

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غیر مسلم کے ساتھ خرید و فروخت' رہن اور قرض کا لینا دینا جائز ہے۔

وكان الرهن النبی صلی الله عليه وسلم عند اليهودی لبيان جواز ذلك (اتحافات ص۳۶۰)

بحالتِ قرض انتقال پر ایک شبہ اور جواب :

اگر شبہ ہو کہ آپ ﷺ تو اس شخص کا جنازہ نہیں پڑھتے تھے' جو اپنے اوپر دَین چھوڑ جاتے تھے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے اپنے ذمہ قرضہ چھوڑا۔ جواب یہ ہے کہ وہ جنازہ نہ پڑھنا اس لئے تھا کہ وہ لوگ باوجود قدرت کے قرض خواہ کو قرض ادا نہیں کرتے تھے۔ یا اس دَین کی ادائیگی کے لئے کچھ باقی نہیں چھوڑتے تھے۔ آپ ﷺ کو تو ادا کی قدرت نہ تھی۔ دوسرے وفاءِ دَین کے لئے زرہ یہودی کے پاس چھوڑ دی تھی جو اُس کے قرض سے زائد قیمت کی تھی۔ دوسرے صحابہ کرامؓ جیسی جانثار جماعت کے ہوتے ہوئے آپ ﷺ نے جو یہود عدو اللہ و عدو المسلمین کے پاس زرہ رہن رکھی۔ اس سے آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ معاملات اور معاوضہ مالی اجانب سے کرنا چاہئے تا کہ اپنے احباب اور اقارب سے معاملہ کر کے کبھی قطع تعلقات کی نوبت نہ آئے۔

اگر چہ صحابہ کرامؓ پر اور خود آنحضرت ﷺ پر فقر و فاقہ کا دور گزرا ہے، مگر آخر عمر میں نہ آپ ﷺ کی یہ حالت تھی اور نہ صحابہ کرامؓ کی تھی۔ قریباً سو (۱۰۰) کے قریب صحابہ کرامؓ متمول تھے، مگر پھر بھی آپ ﷺ نے زرہ کو یہودی کے پاس رہن رکھا۔ صحابہ کرامؓ میں سے کسی کو اشارہ تک نہیں کیا، ورنہ حضور ﷺ کے لئے تو جان حاضر تھی، یہ ادنیٰ رقم کون نہیں دے سکتا تھا۔ تو یہ غایت تواضع پر محمول ہے اور اُمت کو تعلیم دینا ہے کہ جس سے تعلقات تھے۔ اس سے معاملہ نہیں کیا کہ اوّلاً تو کوئی رہن نہیں رکھے گا، اگر کوئی رکھے گا تو تکلف کرے گا' تو آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو اطلاع کرنا بھی گوارا نہ کیا۔

(۵/۳۲۰) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوٗدَ الْحَفَرِيُّ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ الرَّبِيْعِ بْنِ صَبِيْحٍ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبَانٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ حَجَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رَحْلٍ رَثٍّ وَّ عَلَيْهِ قَطِيْفَةٌ لَا تُسَاوِيْ اَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا لَا رِيَآءَ فِيْهِ وَلَا سُمْعَةَ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابوداؤد حفری نے سفیان کے حوالے سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت ربیع بن صبیح سے اور انہوں نے یزید بن ابان سے نقل کی۔ انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک پرانے پالان پر حج کیا۔ اس پر ایک کپڑا پڑا ہوا تھا، جو چار

درہم کا بھی نہیں ہوگا اور حضور ﷺ یہ دعا مانگ رہے تھے کہ یا اللہ اس حج کو ایسا حج فرمائیو، جس میں ریا اور شہرت نہ ہو۔

راویان حدیث (۶۰۱) ابوداؤد الحفریؒ اور (۶۰۲) الربیع بن صبیحؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

رحل اونٹ کے پالان' رث بوسیدہ' پھٹے' پرانے اور '' قطیفة '' پرانی چادر کو کہتے ہیں، جس پر حاشیہ لگا ہوا ہو۔

تواضع وعبدیت کا اظہار :

مضمونِ حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں آ گیا ہے۔ یہ آپ ﷺ کی کمالِ تواضع' فروتنی اور عاجزی تھی، جس کا اظہار بارگاہِ قدس میں فرمایا، ورنہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہر قسم کی عنایتوں' بخششوں اور نعمتوں سے سرفراز فرمایا تھا، جس کا اظہار بھی آپ ﷺ نے اس موقع پر یوں کیا تھا کہ اسی حج مبارک میں قربانی کے وقت ایک سو اونٹ کی قربانی اللہ کے حضور میں پیش فرمائی اور صحابہ کرامؓ کو وہ کچھ عطا فرمایا، جس کا کوئی حساب ہی نہیں۔

ریا وشہرت سے حفاظت کی دعا :

اللھم اجعلہ حجاً ...... یعنی اے اللہ! اس حج کو ایسا حج بنا، جس میں نہ تو دکھاوا ہو اور نہ ہی سمعہ وشہرت' یعنی اللہ کریم کے حضور اپنی عاجزی' مسکینی اور تواضع وعبدیت کا اظہار بھی کمال درجے کا فرماتے۔ بہر حال یہ دعا حضور اقدس ﷺ کے تواضع وعبدیت کی اعلیٰ دلیل ہے، کیونکہ اس سے نہ تو ریاکاری پیدا ہوتی ہے، اور نہ سمعہ وشہرت کا شائبہ، پھر ظاہر ہے کہ حضور اقدس ﷺ نبیِ معصوم ہونے کی وجہ سے ان چیزوں سے پاک تھے۔ اس لئے علماء فرماتے ہیں کہ یہ دعا تعلیم اُمت کی غرض سے تھی۔

ہاں! ریاکاری اور شہرت وسمعہ تو ان لوگوں میں آ سکتا ہے، جو کہ نفیس سواریوں پر بیٹھیں اور اعلیٰ

وعمدہ قیمتی لباس پہن کر حج کریں۔ عیش وعشرت کے سامان واسباب کا اس کے پاس وفور ہو ان کے پاس گروہ در گروہ اونٹوں کی جماعتیں ہوں۔ یہ ساری باتیں ہمارے اس دور کے اہل علم کے لئے عبرت ہیں، اگرچہ حضور اقدس ﷺ نے اسی حج میں ایک سو اونٹ ذبح کیئے۔ اپنے صحابہ کرام کو تحفے دیئے اور سخاوت اس قدر کی کہ کسی شخص نے اس سے پہلے نہ سنی نہ دیکھی۔ ان اصحاب میں سے ایک مثال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہے کہ آپ کو ہدیہ کے طور پر بے شمار اونٹ عطا کئے۔ مزید براں تین سو دینار بھی ان کی طرف بھیجے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر عطاء دیکھ کر حیران رہ گئے اور قبول نہ کر سکے، **و منهم عمر اهدی فیما اهدی له بعیرا اعطی فیه ثلثمائة دینارا فابٰی قبولها۔** (مناوی ج۲ص ۱۶۸)

(۳۲۱/۶) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا عَفَّانُ اَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ حُمَیْدٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمْ یَکُنْ شَخْصٌ اَحَبَّ اِلَیْهِمْ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَکَانُوْآ اِذَا رَاَوْهُ لَمْ یَقُوْمُوْا لِمَا یَعْلَمُوْنَ مِنْ کَرَاهِیَّتِهٖ لِذٰلِکَ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عفان نے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حماد بن سلمۃ نے حمید کے واسطہ سے خبر دی اور انہوں نے اسے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابہؓ کے نزدیک حضور ﷺ سے زیادہ محبوب کوئی شخص دنیا میں نہیں تھا۔ اس کے باوجود پھر بھی وہ حضور اقدس ﷺ کو دیکھ کر اس لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ کو یہ پسند نہیں تھا۔

صحابہ کرامؓ اور محبت رسول ﷺ:

لم یکن شخص احب الیهم ...... یعنی صحابہ کرامؓ کے لئے حضور اقدس ﷺ سے زیادہ محبوب کوئی دوسرا شخص نہیں تھا اور کیسے کوئی دوسرا آدمی پیارا اور محبوب ہو سکتا ہے، جبکہ سرورِ عالم ﷺ نے ان کو دولتِ توحید سے نوازا۔ گمراہی کے عمیق گڑھوں سے نکال کر سعادت اور نیک عملی کی بلندیاں نصیب فرمائیں۔ جہنم کے عذاب سے بچا کر جنت کی نعمتیں مرحمت فرمادیں۔ جاہلی عرب کی انتہائی

بداخلاقیوں سے چھٹکارا دلا کر مکارمِ اخلاق پر فائز فرمایا۔

نیز آنحضور ﷺ ذاتِ ستودہ صفات کو محبوب رکھنا ہی تکمیل ایمان ہے۔ حضور ﷺ کی محبت کے بغیر تو مسلمان، مسلمان ہی نہیں ہوتا۔ **الا لا ایمان لمن لا محبة له** آگاہ رہو کہ جس شخص کو حضور ﷺ سے محبت نہیں، اس کا ایمان مکمل ہی نہیں۔

ایک بار سیدنا امیر المؤمنین عمر بن الخطابؓ نے عرض کیا "اے اللہ تعالیٰ کے رسولؐ! ہر ایک چیز سے آپ مجھے پیارے ہیں، سوائے اپنی جان کے"، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تیرا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں، جب تک کہ تجھے میں اپنی جان سے بھی پیارا نہ ہو جاؤں"۔

تو حضرت عمرؓ کچھ دیر خاموش رہے، پھر عرض کیا کہ "اب آپ ﷺ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں"، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا **الآن تم ایمانک یا عمر** اے عمر! اب تیرا ایمان پورا ہو گیا۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرامؓ اپنے باپ، بھائی، ماں اور ہر چیز سے زیادہ حضور ﷺ سے محبت فرماتے ہیں اور آنجناب ﷺ کے عشق میں مست والست تھے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو حضور اقدس ﷺ کی محبت کاملہ وصادقہ عطا فرمائے۔ (آمین)

حضور اقدس ﷺ اپنے لئے لوگوں کا کھڑا ہونا پسند نہیں فرماتے تھے :

لم یقوموا لما یعلمون ...... اگرچہ حضرات صحابہ کرامؓ کی قلبی محبت کا یہ تقاضا تھا کہ وہ آپ ﷺ کی آمد کے موقع پر آپ کے احترام میں کھڑے ہوں، مگر چونکہ آپ ﷺ اس قسم کی ظاہر داریوں کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ لہٰذا صحابہ کرامؓ کھڑے نہیں ہوتے تھے۔

علماءِ کرام نے اس کی ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ حضور اقدس ﷺ اکثر اوقات ضروریات کے لئے گھر آتے جاتے تھے اور ضروریات کے لئے بار بار اٹھنا اور آنا جانا پڑتا تھا، تو اس طرح ہر وقت صحابہ کرامؓ کا اٹھنا بیٹھنا آپ ﷺ کو ناگوار تھا۔ اسی میں کمالِ تواضع کا پہلو بھی نمایاں ہے۔

تعظیماً کھڑا ہونا مستحب ہے :

بعض علماء نے اس سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کسی کی تعظیم کے لئے کھڑا ہی نہیں ہونا چاہئے۔

حالانکہ خود حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے تعظیم کے لئے کھڑا ہونا ثابت ہے۔ آپ ﷺ کئی دفعہ تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ اور حضرت فاطمۃ الزہرأؓ کے واقعات سے قیامِ تعظیمی کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

ابوداؤد میں روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ مسجد میں ہمارے ساتھ باتیں کرتے تھے اور جب کھڑے ہوجاتے تو ہم بھی کھڑے ہوجاتے اور اس وقت تک کھڑے رہتے، جب تک کہ آپ ﷺ دولت خانہ میں تشریف نہ لے جاتے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں **كان النبي صلى الله عليه وسلم يحدثنا فاذا قام قمنا قياماً حتى نراه قد دخل** ۔(جمع ج۲ص۱۷۰)

اس لئے امام نوویؒ بھی فرماتے ہیں کہ اربابِ فضل وکمال اور ذی وجاہت وذی شرف لوگوں کے لئے کھڑا ہونا مستحب ہے۔ **و هذا القيام للقادم من اهل الفضل من علم او صلاح او شرف مستحب**۔(جمع ج۲ص۱۷۰)

حضور اکرم ﷺ نے بھی انصار صحابہ کرامؓ سے فرمایا **قوموا الٰی سیدکم** (تم اپنے سردار کے لئے اٹھ کھڑے ہو) محشی مشکوٰۃ شریف بحوالہ مرقات لکھتے ہیں، **قال البيهقي هذا القيام يكون على وجه البر والاكرام كما كان قيام الانصار لسعد و قيام طلحة لكعب بن مالك** (امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ یہ کھڑا ہونا اعزاز واکرام کے لئے تھا جیسے کہ قبیلہ انصار کا حضرت سعدؓ کے لئے کھڑا ہونا اور حضرت طلحہؓ کا کعب بن مالکؓ کے لئے کھڑا ہونا) اور اسی کے ساتھ یہ بھی ذکر ہے کہ **و في حديث سعد دلالة على ان قيام المرء بين يدى الرئيس الفاضل و الوالى العادل و قيام المتعلم للمعلم مستحب غير مكروه**۔(مشکوٰۃ ص۴۰۳) (اور حضرت سعدؓ کے واقعہ سے دلالۃً معلوم ہوتا ہے کہ عادل بادشاہ یا ایک معزز رئیس کے لئے کھڑا ہونا نیز شاگرد کا استاد کے لئے کھڑا ہونا مستحب ہے مکروہ نہیں ہے)۔

محققین کی رائے :

محققین کی رائے بھی یہی ہے کہ روایات میں تعارض نہیں ہے، بلکہ کھڑے ہونے کے اسباب

اور وجوہ مختلف ہیں۔اس وجہ سے احادیث میں بھی مختلف احکام ملتے ہیں۔

کھڑے ہونے کی چار قسمیں :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نقل فرماتے ہیں ''ابوالولید بن رشید کہتے ہیں کہ کسی شخص کے لئے کھڑا ہونا چار طرح ہوتا ہے۔

(۱) ناجائز! ایسے شخص کے واسطے کھڑا ہونا ہے، جو تکبر کی وجہ سے اس کو پسند کرتا ہو کہ جب وہ آئے لوگ کھڑے ہو جائیں۔(۲) مکروہ! ایسے شخص کے لئے کھڑا ہونا ہے جو متکبر تو نہیں ہے، لیکن اندیشہ ہے کہ اس کے ساتھ اگر ایسا معاملہ کیا جائے تو اس میں تکبر اور عجب پیدا ہو جائے۔(۳) جائز ہے! ایسے شخص کے لئے جہاں یہ اندیشہ نہ ہو۔(۴) مستحب ہے! اس شخص کے واسطے کھڑا ہونا جو سفر وغیرہ سے آیا ہو، اس کے آنے کی خوشی میں کھڑا ہو جائے۔(خصائل)

تعظیماً کھڑے ہونے کی ممانعت کی وجہ :

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ ممانعت اس قیام کی ہے کہ بڑا آدمی بیٹھا رہے اور لوگ اس کے سامنے اس کے بیٹھے رہنے تک کھڑے رہیں، ملا علی قاریؒ بھی یہی لکھتے ہیں **لیس ھذا مِن القیام المنھی عنه انما ذاک فیمن یقومون علیه و ھو جالس و یمکثون قیاما طول جلوسه** ۔(جمع ج ۲ ص ۱۷۱) ممانعت کی احادیث کی مراد یہ ہے کہ اس طرح نہیں کھڑا ہونا چاہئے، جس طرح کہ عجمی لوگ اپنے سرداروں کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تحقیق :

فقیہ النفس محدث کبیر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ فی حد ذاتہ کھڑا ہونا جائز ہے، جب تک کہ کوئی ایسا عارض پیش نہ آئے، جو اس کو ناجائز بنادے۔ مثلاً اس شخص کا فتنہ میں پڑ جانا، جس کے لئے قیام کیا ہے کہ اس میں تکبر وغیرہ پیدا ہو اور اس کے دین و ایمان کا نقصان ہو یا نفاق کے طور پر کھڑا ہو، مگر اس شخص کی عظمت و احترام دل میں نہ ہو یا ریا کاری ہو یہ صورتیں بہر حال ناجائز ہیں۔

انما کرهه تواضعاً و شفقة علیهم و خوفاً علیهم من الفتنة اذا أفرطوا فی تعظیمه (مواہب ص ۲۴۰)
(اور آپ ﷺ کا ان کے کھڑے ہونے کو ناپسند فرمانا بطور اپنی تواضع اور ان پر رحم وشفقت کرنے (کہ بار بار کھڑے ہونے سے تکلیف ہوگی) نیز اس خطرہ کے پیش نظر بھی کہ کہیں تعظیم میں حد سے تجاوز کرکے کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہوجاویں)

(۳۲۲/۷) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا جُمَيْعُ بْنُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعِجْلِيُّ حَدَّثَنِي رَجُلٌ مِّنْ بَنِيْ تَمِيمٍ مِنْ وُلْدِ اَبِيْ هَالَةَ زَوْجِ خَدِيْجَةَ يُكَنّٰى اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنٍ لِاَبِيْ هَالَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ سَاَلْتُ خَالِيْ هِنْدَ بْنَ اَبِيْ هَالَةَ وَ كَانَ وَصَّافًا عَنْ حِلْيَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَاَنَا اَشْتَهِيْ اَنْ يَّصِفَ لِيْ مِنْهَا شَيْئًا فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَخْمًا مُّفَخَّمًا يَتَلَأْلَؤُ وَجْهُهٗ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ بِطُوْلِهٖ قَالَ الْحَسَنُ فَكَتَمْتُهَا الْحُسَيْنَ زَمَانًا ثُمَّ حَدَّثْتُهٗ فَوَجَدْتُّهٗ قَدْ سَبَقَنِيْ اِلَيْهِ فَسَاَلَهٗ عَمَّا سَاَلْتُهٗ عَنْهُ وَ وَجَدْتُّهٗ قَدْ سَاَلَ اَبَاهُ عَنْ مَدْخَلِهٖ وَ عَنْ مَخْرَجِهٖ وَ شَكْلِهٖ فَلَمْ يَدَعْ مِنْهُ شَيْئًا قَالَ الْحُسَيْنُ فَسَاَلْتُ اَبِيْ عَنْ دُخُوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ اِذَا اٰوٰى اِلٰى مَنْزِلِهٖ جَزَّءَ دُخُوْلَهٗ ثَلَاثَةَ اَجْزَآءٍ جُزْءً لِّلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَجُزْءً لِاَهْلِهٖ وَ جُزْءً لِّنَفْسِهٖ ثُمَّ جَزَّءَ جُزْءَهٗ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ النَّاسِ فَيَرُدُّ ذٰلِكَ بِالْخَاصَّةِ عَلَى الْعَامَّةِ وَلَايَدَّخِرُ عَنْهُمْ شَيْئًا وَ كَانَ مِنْ سِيْرَتِهٖ فِيْ جُزْءِ الْاُمَّةِ اِيْثَارُ اَهْلِ الْفَضْلِ بِاِذْنِهٖ وَقَسْمُهٗ عَلٰى قَدْرِ فَضْلِهِمْ فِي الدِّيْنِ فَمِنْهُمْ ذُوالْحَاجَةِ وَ مِنْهُمْ ذُوالْحَاجَتَيْنِ وَ مِنْهُمْ ذُوالْحَوَائِجِ فَيَتَشَاغَلُ بِهِمْ وَ يَشْغَلُهُمْ فِيْمَا يُصْلِحُهُمْ وَالْاُمَّةَ مِنْ مَّسْاَلَتِهِمْ عَنْهُ وَاِخْبَارِهِمْ بِالَّذِيْ يَنْبَغِيْ لَهُمْ وَ يَقُوْلُ لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَآئِبَ وَاَبْلِغُوْنِيْ حَاجَةَ مَنْ لَا يَسْتَطِيْعُ اِبْلَاغَهَا فَاِنَّهٗ مَنْ اَبْلَغَ سُلْطَانًا حَاجَةَ مَنْ لَا يَسْتَطِيْعُ اِبْلَاغَهَا ثَبَّتَ اللّٰهُ قَدَمَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُذْكَرُ عِنْدَهٗ اِلَّا ذٰلِكَ وَلَا يَقْبَلُ مِنْ اَحَدٍ غَيْرَهٗ يَدْخُلُوْنَ رُوَّادًا وَلَايَفْتَرِقُوْنَ اِلَّا عَنْ ذَوَاقٍ وَ يَخْرُجُوْنَ اَدِلَّةً يَعْنِيْ عَلَى الْخَيْرِ قَالَ فَسَاَلْتُهٗ عَنْ مَخْرَجِهٖ كَيْفَ

كَانَ يَصْنَعُ فِيهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَخْزُنُ لِسَانَهٗ اِلَّا فِيمَا يَعْنِيهِ وَ يُؤَلِّفُهُمْ وَلَايُنَفِّرُهُمْ وَ يُكْرِمُ كَرِيْمَ كُلِّ قَوْمٍ وَيُوَلِّيْهِ عَلَيْهِمْ وَ يُحَذِّرُ النَّاسَ وَ يَحْتَرِسُ مِنْهُمْ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّطْوِىَ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْهُ بِشْرَهٗ وَ خُلُقَهٗ وَ يَتَفَقَّدُ اَصْحَابَهٗ وَ يَسْأَلُ النَّاسَ عَمَّا فِى النَّاسِ وَ يُحَسِّنُ الْحَسَنَ وَ يُقَوِّيْهِ وَ يُقَبِّحُ الْقَبِيْحَ وَيُوَهِّيْهِ مُعْتَدِلَ الْاَمْرِ غَيْرَ مُخْتَلِفٍ لَا يَغْفُلُ مَخَافَةَ اَنْ يَغْفُلُوْا اَوْ يَمَلُّوْا لِكُلِّ حَالٍ عِنْدَهٗ عَتَادٌ لَا يُقَصِّرُ عَنِ الْحَقِّ وَلَا يُجَاوِزُهُ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهٗ مِنَ النَّاسِ خِيَارُهُمْ اَفْضَلُهُمْ عِنْدَهٗ اَعَمُّهُمْ نَصِيْحَةً وَ اَعْظَمُهُمْ عِنْدَهٗ مَنْزِلَةً اَحْسَنُهُمْ مُوَاسَاةً وَّمُؤَازَرَةً قَالَ فَسَأَلْتُهٗ عَنْ مَجْلِسِهٖ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُوْمُ وَلَايَجْلِسُ اِلَّا عَلٰى ذِكْرٍ وَ اِذَا انْتَهٰى اِلٰى قَوْمٍ جَلَسَ حَيْثُ يَنْتَهِىْ بِهِ الْمَجْلِسُ وَ يَأْمُرُ بِذٰلِكَ يُعْطِىْ كُلَّ جُلَسَآئِهٖ بِنَصِيْبِهٖ لَايَحْسِبُ جَلِيْسُهٗ اَنَّ اَحَدًا اَكْرَمُ عَلَيْهِ مِنْهُ مَنْ جَالَسَهٗ اَوْ فَاوَضَهٗ فِىْ حَاجَةٍ صَابَرَهٗ حَتّٰى يَكُوْنَ هُوَ الْمُنْصَرِفُ عَنْهُ وَ مَنْ سَأَلَهٗ حَاجَتَهٗ لَمْ يَرُدَّهٗ اِلَّا بِهَا اَوْ بِمَيْسُوْرٍ مِّنَ الْقَوْلِ قَدْ وَسِعَ النَّاسَ بَسْطُهٗ وَ خُلُقُهٗ فَصَارَ لَهُمْ اَبًا وَ صَارُوْا عِنْدَهٗ فِى الْحَقِّ سَوَآءً مَجْلِسُهٗ مَجْلِسُ عِلْمٍ وَّحَيَاءٍ وَّ صَبْرٍ وَّ اَمَانَةٍ لَا تُرْفَعُ فِيْهِ الْاَصْوَاتُ وَلَاتُؤْبَنُ فِيْهِ الْحُرَمُ وَلَا تُنْثٰى فَلَتَاتُهٗ مُتَعَادِلِيْنَ يَتَفَاضَلُوْنَ فِيْهِ بِالتَّقْوٰى مُتَوَاضِعِيْنَ يُوَقِّرُوْنَ فِيْهِ الْكَبِيْرَ وَ يَرْحَمُوْنَ فِيْهِ الصَّغِيْرَ وَ يُؤْثِرُوْنَ ذَالْحَاجَةِ وَ يَحْفَظُوْنَ الْغَرِيْبَ ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان بن وکیع نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے جمیع بن عمر بن عبدالرحمٰن عجلی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے بیان کیا، بنی تمیم کے ایک شخص نے جو ابو ہالہ زوج حضرت خدیجہؓ کی اولاد میں سے تھا اور جس کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ انہوں نے یہ روایت ابو ہالہ سے اور انہوں نے حضرت حسن بن علیؓ سے نقل کی۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے پوچھا' وہ حضور اکرم ﷺ کے حالات اکثر بیان کرتے تھے اور مجھے ان کے سننے کا اشتیاق تھا، تو انہوں نے میرے پوچھنے پر حضور اکرم ﷺ کے حلیہ شریف کا ذکر فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ بلند پایہ بلند مرتبہ تھے۔ آپ ﷺ کا چہرۂ انور بدر کی طرح چمکتا تھا اور پورا

حلیہ شریف (جیسا کہ شروع کتاب میں پہلے باب کی ساتویں حدیث میں مفصل گزر چکا ہے) بیان فرمایا ، امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے (بعض وجوہ سے) اس حدیث کا امام حسین رضی اللہ عنہ سے ایک عرصہ تک ذکر نہیں کیا۔ ایک عرصہ کے بعد ذکر کیا تو معلوم ہوا کہ وہ مجھ سے پہلے اس حدیث کو سُن چکے تھے اور صرف یہی نہیں کہ ماموں جان سے یہ حدیث سُن لی ہو، بلکہ والد صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم ﷺ کے مکان پر تشریف لے جانے اور باہر تشریف لانے اور حضور اکرم ﷺ کا طرز و طریقہ بھی معلوم کر چکے تھے۔ چنانچہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم ﷺ کے مکان تشریف لے جانے کے حالات دریافت کئے، تو آپ نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ مکان میں تشریف رکھنے کے وقت کو تین حصوں پر منقسم فرماتے تھے۔ ایک حصہ حق تعالیٰ شانہٗ کی عبادت میں خرچ فرماتے تھے، یعنی نماز وغیرہ پڑھتے تھے ۔ دوسرا حصہ گھر والوں کے ادائے حقوق میں خرچ فرماتے تھے۔ مثلاً ان سے ہنسنا بولنا بات کرنا، ان کے حالات کی تحقیق کرنا۔ تیسرا حصہ خاص اپنی ضروریات راحت آرام کے لئے رکھتے تھے، پھر اپنے والے حصہ کو بھی دو حصوں پر اپنے اور لوگوں کے درمیان تقسیم فرما دیتے' اس طرح پر کہ خصوصی حضرات صحابہ کرامؓ اُس وقت میں داخل ہوتے، اُن خواص کے ذریعہ سے مضامین عوام تک پہنچتے۔ ان لوگوں سے کسی چیز کو اُٹھا کر نہ رکھتے تھے (یعنی دین کے اُمور میں نہ دنیوی منافع میں۔ غرض ہر قسم کا نفع بلا دریغ پہنچاتے تھے) اُمت کے اس حصہ میں آپ ﷺ کا یہ طرز تھا کہ ان آنے والوں میں اہل فضل یعنی اہل علم و عمل کو حاضری کی اجازت میں ترجیح دیتے تھے۔ اُس وقت کو ان کے فضلِ دینی کے لحاظ سے ان پر تقسیم فرماتے تھے۔ بعض آنے والے ایک حاجت لے کر آتے اور بعض حضرات دو دو حاجتیں لے کر حاضرِ خدمت ہوتے اور بعض حضرات کئی کئی حاجتیں لے کر حاضر ہوتے۔ حضور اکرم ﷺ ان کی تمام حاجتیں پوری فرمایا کرتے تھے اور ان کو ایسے اُمور میں مشغول فرماتے، جو خود ان کی اور تمام اُمت کی اصلاح کے لئے مفید اور کارآمد ہوں۔ مثلاً ان کا دینی اُمور کے بارے میں حضور اکرم ﷺ سے سوالات کرنا اور ان علوم و معارف کے بعد حضور ﷺ یہ بھی فرما دیا کرتے تھے کہ جو لوگ یہاں موجود

ہیں، وہ ان مفید اور ضروری اصلاحی اُمور کو غائبین تک بھی پہنچا دیں اور نیز ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ کسی عذر (پردہ یا دوری یا شرم یا رعب) کی وجہ سے مجھ سے اپنی ضرورتوں کا اظہار نہیں کر سکتے، تم لوگ اُن کی ضرورتیں مجھ تک پہنچایا کرو۔ اس لئے کہ جو شخص بادشاہ تک کسی ایسے شخص کی حاجت پہنچائے جو خود نہیں پہنچا سکتا تو حق تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن اُس شخص کو ثابت قدم رکھیں گے۔ تم لوگ اس میں ضرور کوشش کیا کرو۔ حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں ضروری اور مفید باتوں کا تذکرہ ہوتا تھا اور ایسے ہی اُمور کو حضور اقدس ﷺ صحابہؓ سے خوشی سے سنتے تھے، اس کے علاوہ لایعنی اور فضول باتیں حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں نہ ہوتی تھیں۔ صحابہؓ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں دینی اُمور کے طالب بن کر حاضر ہوتے تھے اور بلا کچھ چکھے وہاں سے نہیں آتے تھے۔ صحابہ کرامؓ حضور اقدس ﷺ کی مجلس سے ہدایت اور خیر کے لئے مشعل اور راہنما بن کر نکلتے تھے کہ وہ ان علوم کو حسبِ ارشاد دوسروں تک پہنچاتے رہتے تھے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے باہر تشریف آوری کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ حضور ﷺ ضروری اُمور کے علاوہ اپنی زبان کو محفوظ رکھتے تھے۔ فضول تذکروں میں وقت ضائع نہیں فرماتے تھے۔ آنے والوں کی تالیفِ قلوب فرماتے، ان کو مانوس فرماتے، متوحش نہیں فرماتے تھے۔ ہر قوم کے کریم اور معزز کا اکرام و اعزاز فرماتے اور اس کو خود اپنی طرف سے بھی اسی قوم پر متولّی اور سردار مقرر فرما دیتے۔ لوگوں کو عذابِ الٰہی سے ڈراتے اور خود اپنی بھی لوگوں کے تکلیف پہنچانے یا نقصان پہنچانے سے حفاظت فرماتے۔ لیکن باوجود احتیاط رکھنے اور احتیاط کی تاکید سے کسی سے اپنی خندہ پیشانی اور خوش خلقی کو نہیں ہٹاتے تھے۔ اپنے دوستوں کی خبر گیری فرماتے۔ لوگوں کے حالات، آپس کے معاملات تحقیق فرما کر ان کی اصلاح فرماتے۔ اچھی بات کی تحسین فرما کر اس کی تقویت فرماتے اور بُری بات کی برائی بتا کر اس کو زائل فرماتے اور روک دیتے۔ حضور اکرم ﷺ ہر امر میں اعتدال اور میانہ روی اختیار فرماتے تھے نہ کہ تلوّن اور گڑبڑ کہ کبھی کچھ فرما دیا، کبھی کچھ۔ لوگوں کی اصلاح سے غفلت نہ فرماتے تھے کہ مبادا وہ دین سے غافل ہو جائیں یا کسی امر میں حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے دین سے اُکتا جائیں۔ ہر کام کے لئے آپ ﷺ کے یہاں ایک خاص انتظام تھا۔ امر حق میں نہ کبھی کوتاہی

فرماتے تھے، نہ حد سے تجاوز فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے والے خلقت کے بہترین افراد ہوتے تھے۔ آپ ﷺ کے نزدیک افضل وہی ہوتا تھا، جس کی خیر خواہی عام ہو یعنی ہر شخص کی بھلائی چاہتا ہو۔ آپ ﷺ کے نزدیک بڑے رتبہ والا وہی ہوتا تھا، جو مخلوق کی غم گساری اور مدد میں زیادہ حصہ لے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کی مجلس کے حالات دریافت کئے تو انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی نشست و برخاست سب اللہ کے ذکر کے ساتھ ہوتی تھی اور جب کسی جگہ آپ ﷺ تشریف لے جاتے تو جہاں جگہ ملتی وہیں تشریف رکھتے اور اسی کا لوگوں کو حکم فرماتے کہ جہاں جگہ خالی مل جائے بیٹھ جایا کریں، لوگوں کے سروں کو پھلاند کر نہ جایا کریں۔ یہ امر جداگانہ ہے کہ جس جگہ حضور ﷺ تشریف رکھتے وہی جگہ پھر صدرِ مجلس بن جاتی۔ آپ ﷺ حاضرینِ مجلس میں سے ہر ایک کا حق ادا فرماتے یعنی بشاشت اور بات چیت میں جتنا استحقاق ہوتا، اس کو پورا فرماتے کہ آپ ﷺ کے پاس ہر بیٹھنے والا یہ سمجھتا تھا کہ حضور اکرم ﷺ میرا سب سے زیادہ اکرام فرما رہے ہیں، جو آپ ﷺ کے پاس بیٹھتا یا کسی امر میں آپ ﷺ کی طرف مراجعت کرتا تو حضور اکرم ﷺ اس کے پاس بیٹھے رہتے، یہاں تک کہ وہی خود اُٹھنے کی ابتدا کرے، جو آپ ﷺ سے کوئی چیز مانگتا، آپ ﷺ اس کو مرحمت فرماتے یا (اگر نہ ہوتی) تو نرمی سے جواب فرماتے، آپ ﷺ کی خندہ پیشانی اور خوش خُلقی تمام لوگوں کے لئے عام تھی۔

آپ ﷺ تمام خلقت کے شفقت میں باپ تھے اور تمام خلقت حقوق میں آپ ﷺ کے نزدیک برابر تھی۔ آپ ﷺ کی مجلس مجلسِ علم و حیاء اور صبر و امانت تھی' نہ اس میں شور و شغب ہوتا تھا نہ کسی کی عزت و آبرو اُتاری جاتی تھی۔ اُس مجلس میں اگر کسی سے کوئی لغزش ہو جاتی تھی تو اس کو شہرت نہیں دی جاتی تھی۔ آپس میں سب برابر شمار کیے جاتے تھے (حسب نسب کی بڑائی نہ سمجھتے تھے البتہ) ایک دوسرے پر فضیلت تقویٰ سے ہوتی تھی، ہر شخص دوسرے کے ساتھ تواضع سے پیش آتا تھا، بڑوں کی تعظیم کرتے تھے، چھوٹوں پر شفقت کرتے تھے، اہلِ حاجت کو ترجیح دیتے تھے، اجنبی مسافر آدمی کی خبر گیری کرتے تھے۔

حدیث باب اور محدثین کا وتیرہ :

قال الحسن ...... یہ وہی طویل حدیث ہے، جس امام ترمذیؒ نے بھی عام محدثین کی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر کے ترجمۃ الباب کی مناسبت سے مختلف ابواب میں نقل کیا ہے۔ شمائل کے آغاز میں باب اوّل کی ساتویں حدیث میں اس کا ابتدائی حصہ نقل ہوا ہے اور وہاں تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ اس باب میں بھی امام ترمذیؒ نے وہی حصہ نقل کیا ہے، جو تواضع سے متعلق ہے۔ مضمونِ حدیث تو ترجمۃ الباب میں واضح کر دیا ہے۔

تحصیلِ علم میں فضل وتفوق کی مساعی محمود ہیں :

اب سوال یہ ہے کہ حضرت حسنؓ نے اپنے چھوٹے بھائی حضرت حسینؓ سے طویل عرصہ تک اس حدیث کو کیوں چھپائے رکھا۔ شارحینِ حدیث کہتے ہیں کہ یہ زمانہ طالب علمی کا تھا۔ غرض علمی تفوق اور علمی برتری تھی۔ و ذلک محمود (اور یہ سراہا جاتا ہے) ور یہ ایک مسلّم قاعدہ ہے کہ من حفظ فھو حجة علی من لم یحفظ . (کہ جس نے یاد کیا وہ غالب ہو جاتا اس پر جس نے یاد نہیں کیا) زماناً ! فیه احتمال أن ھذا لکتمان کان قصداً کما یحتمل أن یکون اتفاقاً . (اتحافات ص۳۶۴) (میں نے اس سے ایک زمانہ تک چھپائے رکھا اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ امام حسنؓ کا چھپانا قصداً اور ارادہ سے ہوا اور یہ بھی محتمل ہے کہ اس سے یہ اتفاقیہ طور پر ہو گیا ہو) مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور تھا کہ حضرت حسینؓ پہلے سے سب کچھ یاد کر چکے تھے۔ شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں، لیختبر اجتھادہ فی تحصیل العلم بحلیة جدہ أو لینتظر سؤاله عنھا فإن التعلیم بعد الطلب أثبت و أرسخ فی الذھن (مواہب ص۲۴۲) (امام حسنؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس لئے چھپایا کہ مجھے اس سے یا تو اپنے نانا جان کے شکل وصورت کے معلوم کرنے کے متعلق اس کی کوشش کا امتحان اور جانچنا مقصود تھا اور یا اس لئے کہ (امام حسینؓ) کا آپ ﷺ کے حلیہ کے متعلق خود پوچھ لینے کا انتظار تھا اس لئے کہ کسی دوسرے کو طلب کے بعد بتلانا اور تعلیم دینا اس کے ذہن میں زیادہ راسخ ہو جانے میں کارگر ثابت ہوتی ہے)

ظاہری جمال کے ساتھ عظمت وجلال :

فخما مفخما ای عظیماً فی نفسه و معظماً عند الخلق أو کونه عظیماً عند الله معظماً عند الناس ۔ (مواہب ص۲۴۱) یعنی حضور اقدس ﷺ خود بھی شان وعظمت والے اور دوسروں کی نظر میں بھی صاحبِ قدر تھے، بڑے مرتبہ والے، وجاہت والے اور پُر وقار تھے۔ اسی طرح لوگوں کی نگاہ میں بھی عظمت وشان اور ہیبت ورعب والے معلوم ہوتے تھے۔ آپ ﷺ کی عظمت، رعب ودبدبہ دلوں میں گھر کرتا تھا، گوکہ بظاہر جسامت وقدامت معتدل تھی، مگر اللہ کی طرف سے دی ہوئی ایک ہیبت وعظمت تھی، جو آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر ظاہری حسن وجمال کے ساتھ ساتھ بدرجہ کمال جلوہ گر تھی۔

شکله ! والمراد بالشکل هنا أی طریقته فی أصحابه جاء فی کتب اللغة أن الشاکلة والشکل، الطریقة والمنهب ولیس المراد هنا الصفة والصورة۔ (اتحافات ص۳۶۳) ای هیئته و طریقته الشامل لمجلسه فدخل فی السوال عن الشکل السوال عن مجلسه الاٰتی . (مواہب ص۲۴۲) (اور یہاں شکل سے مراد آپ ﷺ کا طور طریقہ اپنے صحابہ ؓ کے بارے میں۔) کتب لغت میں ذکر ہے کہ لفظ شاکلة اور شکل سے مراد طریقہ اور مذہب ہے اور یہاں ان سے صفت اور صورت مراد نہیں ہے۔ یعنی آپ ؐ کا طور طریقہ (برتاؤ) جو آپ ﷺ کی محفل ومجلس کو بھی شامل ہے اس لئے کہ شکل سے سوال کرنے میں تو اس کی آئندہ مجلس سے سوال واستفسار بھی داخل ہوا)

تقسیم اوقات کا اہتمام :

جزأ دخوله ثلثه اجزاء ...... یعنی اپنے دخولِ دار کے زمانہ کو تین حصوں میں تقسیم فرمادیتے جزءً لله ای للعبادة والتهجد (اتحافات ص۳۶۳) و التفکر فی مصنوعاته (مواہب ص۲۴۲) یعنی ایک حصہ نماز، ذکر الٰہی، تسبیح وتہلیل، عبادت وتہجد کے لئے مقرر فرماتے اور اس حصہ میں اپنے اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے۔ و جزءً لاهله یعنی ضروریاتِ اہل خانہ، حسنِ معاشرت اور اُن کے ساتھ اختلاط کے لئے مخصوص فرماتے ...... ای لموانستهن و عشرتهن و مراعاة حقوقهن فقد کان خیر

الناس لاهله ۔(اتحافات ص۳۶۳)(اس لئے کہ آپؐ سب لوگوں میں سے اپنے اہل خانہ کے ساتھ حسن معاشرت میں بے نظیر تھے)

اُمت کے لئے ایثارِ وقت کی ایک نادر مثال :

و جزءً لنفسہ : یعنی ایک حصہ اپنے ذاتی حوائج کے لئے یعنی وضو، غسل، دیگر حوائج ضروریہ بشری وفطری تقاضوں اور آرام وغیرہ کے لئے مختص فرماتے، پھر وقت کا یہ حصہ جو اپنے لئے مختص فرمایا ہوتا، اسے بھی دو حصوں میں بانٹ دیا کرتے۔ ایک حصہ اپنے لئے اور ایک حصہ اُمت کی فلاح واصلاح کے لئے۔ صرف موجود وحاضرین ہی کی فکر نہ فرماتے، بلکہ قیامت تک آنے والے اپنے امتیوں کے لئے بھی حصہ وافر نکالتے۔ شیخ ابراہیم البیجوریؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ ثم قسم جزأہ الذی جعله لنفسه بينه و بين جميع الناس سواء من كان موجوداً و من سيوجد بعدهم إلى يوم القيامة بواسطة التبليغ عنه (مواہب ص۲۴۲)(پھر وہ حصہ جو اپنی ذات کے لئے مختص ہوتا اس کو اپنے اور سب لوگوں کے درمیان تقسیم فرمادیتے چاہے وہ لوگ جو اس وقت موجود تھے یا جو قیامت کے دن تک موجود ہونے والے تھے بصورت آپ ﷺ کی طرف سے ان تک پہنچانے کے) یہ اُمت کے لئے قربانی اور ایثارِ وقت کی ایک نادر مثال ہے۔

خاص وقت بھی خواص کے لئے وقف کردیا تھا :

فيرد ذالک بالخاصة على العامة 'پھر جو وقت لوگوں کے لئے مخصوص ہوتا، اس دوران میں آپ ﷺ خاص لوگوں کے ذریعہ عوام کو فائدہ پہنچاتے تھے۔ خواص سے مراد اکابر صحابہؓ اور خلفائے راشدینؓ ہیں۔ جیسے صاحبِ اتحافات لکھتے ہیں کہ و المراد بالخصوص ' الخلفاء الاربعة و كبار الصحابةؓ ۔(اتحافات ص۳۶۳) یعنی خصوصی صحابہ کرامؓ اس وقتِ خاص میں داخل ہوتے، پھر ان خواص کے ذریعہ سے دینی مضامین' علوم ومعارف اور مسائل واحکام عوام تک پہنچتے۔ ای ان هـؤلاء الخواص يبلغون عنه مايسمعون منه ۔(اتحافات ص۳۶۳)(کہ یہ خواص حضرات جو کچھ بھی حضور ﷺ سے سن لیتے تو عوام تک اس کو پہنچادیتے) یہ آپ ﷺ کی عظیم قربانی ہے کہ اپنے آرام کا حصہ

بھی علمی افادوں کے لئے وقف فرما دیا تھا۔

نبوی تربیت کے اہداف :

اس وقتِ خاص میں صحابہ کرامؓ علم وحکمت' اسرار و معارف' اصلاحِ احوال' اور تزکیہ نفس حاصل کرنے کے لئے حاضر خدمت ہوتے۔ یا تبلیغ کے امور سیکھنے کے لئے آتے، ان کے لئے خاص وقت مقرر فرما کرانہیں علم وحکمت سے بہرہ ور فرماتے، اسرار و معارف سے ان کے سینوں کو منور فرماتے، تزکیۂ باطن سے ان کے قلوب کو تجلیات الٰہی کا مرکز بنا دیتے۔ اصلاحِ احوال فرما کر اخلاقِ حسنہ سے آراستہ فرماتے۔ اُمور تبلیغ سکھا کر ان کو توحید ورسالت کا داعی اور مبلغ بناتے۔

نصیحت وہدایت میں سخاوت :

ولا یدخر...... تقسیم علوم ومعارف میں بخل نہ فرماتے اور عوام وخواص سے علوم ومعارف نہ چھپاتے' عنهم : ای عن العامة او عن الخاصة ثم تصل الى العامة او عنهما او عن الناس ' شیئاً : ای مما یتعلق بهم و فیه نفع لخصوصهم او عمومهم۔(جمع ج۲ص۱۷۳)(حدیث کے جملہ ولا یدخر عنهم میں هم ضمیر کے مراجع کے متعلق ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ یا تو اس کا مرجع صرف العامة ہے یا پھر صرف الخاصة یا پھر دونوں ہیں اور یا پھر لفظ الناس ہے یعنی آپ ﷺ چھپائے نہ رکھتے عام لوگوں سے یا خاصہ سے پھر ان کے ذریعہ سے عام لوگوں تک پہنچ جاتی یا پھر دونوں (عامہ اور خاصہ) نہیں چھپاتے تھے یا یہ کہ آپ ﷺ لوگوں سے نہیں چھپاتے کوئی ایسی چیز جو ان سے متعلق ہوتی تھی اور ان میں یا تو خاص لوگوں یا پھر عام لوگوں کا نفع اور فائدہ ہوتا تھا) یعنی اُمت کی نصح وخیر خواہی کی ہر بات ان پر واضح فرماتے' ای لا یخفی عنهم شیئاً مِن تعلقات النصح والهدایة ۔(مواہب ص۲۴۲)

خواص کے خدام اور ہمراز کا مقام :

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اساتذہ ومشائخ اپنے خواص' خدام اور ہمراز تلامذہ ومستفیدین سے علوم ومعارف' حکم ومصالح اور اسرار نہ چھپائیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مربین واساتذہ اپنے بعض

متوسلین اور تلامذہ میں سے حسبِ لیاقت وحسب طبعی مناسبت ان کو خصوصیت وامتیاز کا حق دے سکتے ہیں اور اُن کو اپنی خصوصی توجہ وعنایت اور تربیت کے لئے منتخب کر سکتے ہیں۔ اس میں مساوات ضروری نہیں ہے، وجہ ظاہر ہے کہ طبیعت کا میلان اور رجحان بعض کی طرف ہوتا ہے اور بعض کی طرف نہیں ہوتا۔ دینی مصالح کے پیش نظر لامحالہ ان فطری اُمور کو بھی ملحوظِ خاطر رکھنا چاہئے۔

اس میں اپنا اپنا طبعی ذوق اور فطری مناسبت ہوتی ہے تو حضور اقدس ﷺ بھی ان حضرات کو ترجیح دیتے، جو صاحبِ علم وفضل اور مشرف بتقویٰ ہوتے، ایثار اهل الفضل باذنه کی مراد بھی یہی ہے، باذنه کا تعلق ایثار سے ہے کہ اجازت دینے میں اہل فضل کو ترجیح دیتے تھے' جبکہ بعض روایات اُذنه (بضم الاوّل) آیا ہے، بمعنیٰ سننے میں ارباب فضل وکمال کو ترجیح دیتے تھے۔

فرقِ مراتب :

حقوق عامہ کی ادائیگی میں تو مساوات ہوتی تھی۔ اس میں کسی کو ترجیح نہیں دی جاتی تھی۔ ارشاد ہے، المنی مناخ من سبق' (جس نے سبقت کی یعنی (پہلے گیا) منیٰ اس کا مناخ ہے (یعنی اونٹوں کی بٹھلانے اور خیمے لگانے کی جگہ ہے) اس نوعیت کے حقوق مشترکہ اور حدود مشترکہ میں عوام وخواص' حکمران ومحکوم' اور آقا وغلام سب برابر ہوتے تھے۔ البتہ ان کے فضل وعلم' صلاح وتقویٰ اور رتبہ ودرجہ میں مساوات قرینِ قیاس نہیں، بلکہ حماقت ہے۔ گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی معیار ترجیح میں تین اُمور کی تعیین فرمائی تھی۔ (۱) فضل وتقدیم (۲) احتیاج وحاجتمندی (۳) کارکردگی جیسا کہ ابوداؤد کی کتاب المغازی میں منقول ہے۔ اس لئے ارشاد فرمایا،

و قسمه على قدر فضلهم فى الدين : يعنى على قدر مراتبهم فى الدين من جهة الصلاح والتقوىٰ لامنِ جهة الاحساب والانساب أو المراد على قدر حاجاتهم فى الدين ويلائمه قوله فمنهم ذوالحاجة ...... (مواہب ص ۲۴۳) (پھر اصحابِ علم وفضل میں بھی ان کے صرف دینی مراتب (صلاح وتقویٰ) کو ملحوظ رکھتے ہوئے حسبِ درجات ان کی ترجیح وتقدیم فرمایا کرتے نہ کہ

بلحاظ حسب ونسب کے یا پھر یہ تقسیم وترجیح ان کی حاجات وضروریات دینیہ کوملحوظ رکھتے ہوئے فرماتے اور اسی کے ساتھ ملائم ومناسب ہے اس کا یہ قول کہ فمنهم ذو الحاجة الخ (کہ بعض ان میں ایک حاجت والا ہوتا اور بعض کی دو حاجتیں اور بعض کی کئی حاجتیں ہوتی تھیں)

یہ ترجیح وتفصیل کا معاملہ حسب ونسب کی وجہ سے نہیں صلاح وتقویٰ کی بنیاد پر تھا اور قرآن نے بھی یہی اُصول مقرر فرمایا ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاکُمْ۔ (الحجرات:۱۳) (اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے)

جماعتِ صحابہؓ کی تربیت کا خاص اہتمام:

بہر حال حضور اقدس ﷺ اس خاص وقت میں اپنے گھر میں استفادہ کرنے کے لئے مذکورہ صفات کے حامل خواص کو عوام پر ترجیح دیتے، جو آپ ﷺ کی صحبت بابرکت اور استفادہ سے زیادہ سے زیادہ فیوض وبرکات حاصل کرتے۔ علوم ومعارف سے خوب حصہ وافر پاتے اور صاحب صلاح وتقویٰ کے مقام پر فائز ہو جاتے۔ اُن کی اس محنت، طلب، ذوق علم اور شوقِ تبلیغ کو دیکھ کر آپ ﷺ ان سے کچھ بھی پوشیدہ نہ فرماتے اور تمام اسرار ورموز سے آگاہ فرماتے، جو کچھ بھی دریافت فرماتے، آپ ﷺ ان کو جوابات مرحمت فرما کر مطمئن کر دیتے۔ یہ حضرات جب مکمل طور پر اسوۂ حسنہ کا پیکر بن جاتے، تو ان کو تدریس وتعلیم اور دعوت وتبلیغ پر مامور فرما دیتے تاکہ وہ عام لوگ جو آپ ﷺ کی صحبت میں نہیں پہنچ سکے، انہیں وہ علوم ومعارف اور پیغام واحکام پہنچا دیں اور جس احسن ومناسب اور اکمل طریقہ سے ان خواص کی تربیت کی گئی ہے، یہ بھی اسی طریقہ ومنہج پر دوسروں کی اصلاح وتربیت کریں۔

مراتب استحقاق میں تفاوت:

فیتشاغل بهم ...... کلمہ "فا" تفصیل کے لئے ہے اور یہ مراتب استحقاق میں تفاوت کا بیان ہے۔ حوائج سے مراد وہ مسائل ہیں جو دین سے متعلق ہوں، یعنی بعض اہل علم وفضل کو ایک حاجت درپیش ہوتی، بعض کو دو، بعض کو زیادہ، ملا علی قاریؒ مسائل کے عموم کے قائل ہیں، فرماتے ہیں، والحاجات اعم من الدنيوية والاخروية۔ (جمع ج۲ ص۱۷۴) اور عام حاجتیں عام ہیں چاہے دنیاوی

ہو یا اخروی)

پس حضور اقدس ﷺ ان کے ساتھ حسب حاجت و ضرورت اور حسبِ مراتب مشغول رہتے' ان کی بات سنتے اور پھر سمجھاتے۔ شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں ...... **ای بذی الحاجة و من بعدهم فیشتغل بهم و یشتغلون به علی قدر حاجتهم**۔ (مناوی ج۲ ص۱۷۴)

علمی بحث و مذاکرہ کی ترغیب :

ویشغلهم ...... یعنی آپ ﷺ حاضرین و مستفیدین کو بھی ایسے معاملات' علمی تحقیق' بحث و مذاکرہ میں مشغول رکھتے، جو خود ان کے لئے پوری اُمت کے لئے اصلاح و فلاح دینی، دنیوی، اخروی اور ترقی و کمال کا باعث ہوتے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں **ای یشغلهم بالامر الذی یصلحهم فی دینهم و دنیاهم واخراهم** ۔(جمع ج۲ ص۱۷۴) **والامة** : یہ **عطفِ العام علی الخاص** کے قبیل سے ہے، **سواء کانت الامة امة الدعوة والاجابة او الاعم منهما** ۔(جمع ج۲ ص۱۷۴)(چاہے امتِ اجابت ہو یا امتِ دعوت اور چاہے ان دونوں سے بھی عام ہو) **ای یصلح الامة فلا یدعهم یشتغلون بما لا یعنیهم** (مواہب ص۲۴۳) **بل یشغلهم بما یصلحهم والامة** (مناوی ج۲ ص۱۷۴) (امت کی اصلاح فرمایا کرتے یعنی ان کو لایعنی اور فضول باتوں میں مشغول رہنے کے لئے نہیں چھوڑتے بلکہ ان کو ایسے امور میں مشغول رکھتے جن سے ان کی اور ساری امت کی اصلاح ہو جائے)

من مسئلتهم عنه ' یعنی وہ لوگ آپ ﷺ سے مسائل دریافت کرتے اور آپ ﷺ ان کو ان کے مناسبِ حال جواب مرحمت فرماتے، یعنی آپ ﷺ ان کو وہ احکام تلقین فرماتے' جن کی اُن کو اس وقت ضرورت ہوتی تھی اور جو ان کے احوال' زمان' مکان و مقام کے مناسب ہوتے تھے اور ان کو ایسے معارف سے بہرہ ور فرماتے جو ان کی سمجھ کے مطابق ہوتے۔ سائلین کے اختلافِ احوال کی وجہ سے آپ ﷺ کی وصایا و ہدایات اور تعلیمات بھی مختلف نقل ہوئی ہیں۔ ایک شخص نے عرض کیا حضرت! مجھے وصیت فرمادیں۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا، **استحِی من اللّٰہ کما تستحی من رجل صالح من قومک** ' جس طرح اپنی قوم کے ایک صالح مرد سے حیا کرتے ہو، اللہ سے بھی

اسی طرح حیا کرو۔ دوسرے نے یہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا '' **لا تغضب** '' یعنی غصہ نہ کیا کرو اس طرح کے متعدد نظائر کتب حدیث میں منقول ہیں۔ (ملخصاً از مواہب ص ۲۴۳)

غائبین کی فکر :

ویقول لیبلغ الشاهد ...... ارشاد فرمایا، جو لوگ یہاں تحصیل علم کے لئے اور حاجات بیان کرنے کے لئے حاضر نہیں ہو سکے، حاضرین یہ علوم و معارف دوسروں تک پہنچا دیں تا کہ وہ بھی محروم نہ رہیں۔ **فالشاهد الصحابی الاکبر و الغائب الاصغر أو الشاهد الصحابی و الغائب التابعی أو الشاهد العالم و الغائب الجاهل او الشاهد الحضری و الغائب البدوی او الشاهد السامع و الغائب من لم یسمع وهذا افید و انفع ثم هذا بیان لجعلهم مشغولین بما یصلح الأمة فإنه لما أجابهم بما ینبغی لهم شغلهم بما یصلحهم ولما اوصی بالتبلیغ شغلهم بما یصلح الامة۔** (مناوی ج۲ ص ۱۷۵) (علامہ مناویؒ حدیث میں مذکور جملہ **ویقول لیبلغ الشاهد منکم الغائب** (کہ تم میں سے شاہد غائب کو پہنچادے) میں لفظِ شاہد اور غائب کی ممکنہ توجیہات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شاہد سے مراد بڑا صحابی اور غائب سے مراد چھوٹا صحابی یا شاہد سے مراد صحابی اور غائب سے مراد تابعی۔ یا پھر شاہد سے مراد عالم اور غائب سے مراد جاہل۔ یا شاہد سے مراد شہری اور غائب سے مراد دیہاتی اور جنگلی۔ یا شاہد سے مراد سننے والا اور غائب سے مراد جس نے نہیں سنا۔ اور یہ تعمیم زیادہ نافع اور مفید ہے۔ پھر یہ سب کچھ بیان ہے ان کو ایسے کاموں میں مشغول رکھنے کا جس سے پوری امت کی اصلاح ہو۔ کیونکہ جب آپ ﷺ نے ان کو ایسے امور بتلائے جو ان کے لئے مناسب اور ضروری ہیں تو ان کو ایسے کاموں میں مشغول کر دیا جن سے ان کی اصلاح ہو جائے گی اور جب ان کو دوسروں تک پہنچانے کی وصیت اور تاکید بھی کر دی تو ان کو گویا ایسے کاموں میں مشغول فرما دیا جس سے پوری امت کی اصلاح ہو جائے گی)

خدمت علم وخلق کا اجر وثواب :

و ابلغونی ...... بوجہ بیماری یا بسبب دوسری مسافت یا کسی اور عذر یا کسی وجہ سے جو مستحقین، کمزور، غرباء، بیوائیں، ضعفاء، خواتین، یتامی اور حاجتمند مجھ تک نہیں پہنچ سکتے اور جائز ضروریات پیش

کرنے کے لئے حکام وقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے، تو مجھ سے قریب اور خاص تربیت حاصل کرنے والوں کا فرض ہے کہ وہ ان کے دینی اور دنیوی حاجات مجھ تک پہنچائیں۔ مجھے ان کی تکالیف سے خبردار کریں تاکہ میں انہیں حل کروں اور ان کی تکالیف دور کرسکوں اور تمہیں اس پر اللہ پاک اجر دے گا کہ قیامت کے روز تم ثابت قدم رہو گے۔ ثبت اللہ قلمیه علی الصراط یوم القیامة یوم تزل الأقدام دینیة کانت الحاجة او دنیویة۔(مواہب ص۲۴۳) (اللہ تعالیٰ تمہارے قدموں کو قیامت کے دن پل صراط پر ثابت قدمی عنایت فرمادیں گے جس دن قدم پھسلیں اور ڈگمگائیں گے۔ وہ حاجت اور ضرورت چاہے دینی ہو یا دنیوی)

دربارِ نبوت، علم وخدمت کا مرکز :

ولایذکر عنده الّا ذلک یعنی بارگاہِ نبوت میں انہی اور ایسی ہی باتوں کا تذکرہ ہوتا تھا۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے خدام علوم ومعارف اور خدمت خلق میں مصروف رہتے تھے۔ ولا یقبل من احد غیرہ تہذیب اخلاق، تزکیۂ نفس، علم ومعرفت الٰہی کی گفتگو کے سوا اور کوئی فضول اور بے فائدہ باتیں قطعاً نہیں ہوتی تھیں یا تو صاحبانِ حوائج اپنی یا دوسروں کی ضروریات عرض کرتے، ای ولایقبل من أحد غیر المحتاج الیه فهو توکید للکلام الذی قبله .(مواہب ص۲۴۳)

یدخلون روّاداً : بتشدید الواو: جمع رائد، وهو فی الأصل من: یتقدم القوم، والروّاد هنا أکابر الصحبة "۔(اتحافات ص۲۶۴) (روّاد کا لفظ واؤ کی تشدید کے ساتھ رائد کی جمع ہے اور رائد کا اصلی اور لغوی معنیٰ قوم کا بڑا، سردار اور قائد۔ یہاں رواد سے مراد اکابر صحابہؓ ہیں۔ یہاں روّاد سے مراد اکابر صحابہؓ ہیں) رائد اس رہنما کو کہتے ہیں جو قوم سے آگے آگے جائے، لینظر لهم الکلاء و مساقط الغیث۔(جمع ج۲ص۱۷۵) (تاکہ ان کے لئے گھاس چارہ اور پانی وغیرہ کی دیکھ بھال کا اہتمام کرے) یہاں خواص صحابہ کرامؓ کے لئے مستعار لیا گیا جو جمیع اُمت کے لئے بمنزلہ روّاد کے تھے۔

اکرام ضیف کا اہتمام :

ولایفترقون ...... یعنی وہ اس وقت تک آپ ﷺ کی بارگاہِ علم وسخا سے جدا نہیں ہوتے تھے،

جب تک تحصیلِ علم وحاجت کی تکمیل نہ ہوجاتی، ذواق میں چکھنا ہے، جو علمی ودینی بھی ہوسکتا ہے اور دنیوی وحسّی بھی ہوسکتا ہے، یعنی افادۂ علمی بھی اور دعوتِ حسّی بھی، جو بھی ہو اخلاقِ کریمانہ کا مظہر اتم ہے۔

ذواق : ای فعال بمعنی مفعول ای ذوق طعام حسی غالباً و روحانی من العلوم و المعارف دائما فهو لارواحهم بمنزلة الادام لاجسادهم فعلی الاوّل التنکیر للتقلیل لما عرف مما کانوا علیه من قلة العیش و علی الثانی للتعظیم و عن بمعنیٰ بعد نظیره لترکبن طبقًا عن طبق۔ (مناوی ج۲ص۱۷۵) (علامہ مناویؒ ذواق کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ذواق بروزن فعال کے بمعنیٰ مفعول کے ہے یعنی ظاہری اور حسی کھانے کا چکھنا غالبًا یا پھر روحانی غذا یعنی علوم ومعارف دائمی کی تقسیم کرنا۔ پس یہ علوم وغیرہ ان کے ارواح کے لئے ایسے ہوئے جیسے کہ ان کے اجساد کے لئے سالن۔ پس پہلی صورت (طعام حسی) پر ذواق کی تنکیر تقلیل کے لئے ہوئی جیسے کہ صحابہؓ کی تنگی عیش مشہور ومعروف ہے اور دوسری صورت (روحانی طعام) تو پھر ذواق کی تنکیر تعظیم کے لئے ہوگی۔ اور لفظ عن بمعنیٰ بعد کے ہوگا جیسے کہ (قرآن مجید کی آیت) **لترکبنّ طبقاً عن طبق** میں بھی عن بمعنیٰ بعد کے ہے)

درسگاہِ نبوی کے فضلاء :

ویخرجون من عنده أدلة : جمع دلیل ای علماء یدلون الناس علی ما علموا من الخیر (لفظ ادلة دلیل کی جمع ہے یعنی وہ حضور ﷺ کے پاس سے ایسے علماء بن کر نکلتے ہیں کہ جو کچھ انہوں نے علم سیکھا ہے لوگوں کو اس کی رہنمائی کرتے ہیں) **الخیر** سے مراد علم، عمل ارادۂ خیر اور زہد وتقویٰ ہے۔ یعنی حضرات صحابہ کرامؓ جب آپ ﷺ کی توجہات عالیہ کی برکات سے بہرہ ور ہوکر باہر آتے تو لوگوں کے لئے شمع ہدایت ہوتے۔ علم وعمل سے آراستہ ہوتے۔ سنت نبویہ کا نمونہ ہوتے۔ لوگ ان بابرکت ہستیوں سے تہذیب نفس، تزکیۂ باطن، اخلاقِ حسنہ اور علم ومعرفت الٰہی حاصل کرتے۔ حضور اقدس ﷺ کو بھی ان کی سچی طلب اور اپنی تربیت پر اعتماد تھا۔ اس لئے ارشاد فرمایا **اصحابی کالنجوم بایّهم اقتدیتم اهتدیتم**۔ (جمع ج۲ص۱۷۶) (میرے صحابہؓ ستاروں کے مانند ہیں ان میں سے جس کی

بھی تم اقتداء وتابعداری کرو گے ہدایت پر ہو جاؤ گے۔

بعض روایات میں أذلۃ نقل ہوا ہے..... والمعنی علیه یخرجون من عندہ حال کو نھم متذللین متواضعین ۔(مواہب ص۲۴۴) (اوراس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ حضور ﷺ کے پاس سے متواضع اور عاجز ہو کر نکلتے ہیں (ان میں غرور وتکبر بالکل نہیں ہوتا))

زبان مبارک کی حفاظت کا اہتمام :

قال فسألته عن مخرجه ...... حضرت حسینؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ حضور اقدس ﷺ کے بیرونِ گھر کے مشاغل کیا ہوتے تھے، کیف کان یصنع فیه یعنی بیرون دار آپ ﷺ کی سیرت، طرزِ زندگی اور اعمال رویہ کیسے ہوا کرتا تھا۔

یخزن لسانه الا فیما یعنیه : یخزن ' نصر کے باب سے ہے، بمعنی جمع کرنے کے محفوظ کرنے کے ای یحبسه و یضبطه (مواہب ص۲۴۴) فیما یعنیه یعنی اہم، مقصد کی بات اور ضروری بات کرتے تھے۔ خاموش رہتے لایعنی اور فضول باتوں سے اپنی زبان کو محفوظ رکھتے تھے، بغیر نفع مخلوق اور انسانیت کے فائدے کی بات کے دوسری گفتگو نہ فرماتے، جیسا کہ آپ ﷺ کی تعلیم بھی یہی ہے من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلیقل خیرا أو لیصمت (مواہب ص۲۴) (جو شخص اللہ اور یوم آخرت کا یقین رکھتا ہو تو چاہیے کہ بھلائی اور خیر کی بات کہے یا پھر خاموش رہے)

دعوتِ محبت وتالیف قلوب :

و یؤلفھم ولا ینفرھم یعنی حضور اقدس ﷺ ان کی تالیف قلوب فرماتے اور انہیں اپنے سے مانوس فرماتے۔ ایسی روش، ایسے اخلاق، ایسے شفقت اور اس طرح کمال محبت اختیار فرماتے کہ لوگوں میں آپ ﷺ سے نفرت کے جذبات پیدا ہی نہ ہو سکیں اور ایسا طریقہ اختیار نہ کرتے کہ لوگ آپ ﷺ سے متوحش اور متنفر ہو جاتے۔ یہ آپ ﷺ کا کمال حلم اور کمالِ تواضع تھا اور قرآن کی اسی آیت کا مصداق اتم تھے وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ. (آل عمران:۱۵۹) (اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے) اور حدیث میں آیا ہے،

بشرّوا ولا تنفروا یسروا ولا تعسروا (جمع ج ۲ ص ۱۷۶) ((امراء کو حکم ہے) کہ لوگوں کو خوشخبری سناؤ اوران کو نفرت نہ دلاؤ ان پر آسانی اور نرمی کیا کرو اوران کے لئے امور واحکام کو مشکل نہ بناؤ)

شرفاءِ قوم کا اکرام :

ویکرم کریم کل قوم یولیه علیهم 'ہر قوم کے شرفاء اور رؤساء کی تکریم وتعظیم فرماتے ہو اس کے شایانِ شان جو اکرام مناسب ہوتا کر گذرتے، پھر اُمت کو بھی یہی تعلیم اور یہی ہدایات فرمائیں کہ اذا اتاکم کریم قوم فاکرموه و هو افضلهم دینا و نسباً وحسباً۔(له طرق کثیرة کاد ان یکون متواترا)۔(جمع ج ۲ ص ۱۷۶) (جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز اور شریف شخص تشریف لائے توتم ان کی عزت وتکریم کیا کرو۔ کیونکہ وہ ان میں سے دین اور حسب ونسب کے لحاظ سے افضل ہوتا ہے (اس حدیث کے مختلف اسناد ہے جو تواتر کے قریب ہے))

و یولیه علیهم ای یجعله والیاً ای حاکماً علیهم وهذا من تمام حسن نظره و عظیم تدبیره اذا لقوم اطوع لکبیرهم واخوف منه مع ما فیه من الکرم الموجب للرفق بهم ولاعتدال امره معهم۔(مناوی ج ۲ ص ۱۷۷) (اور آپ ﷺ اس معزز شخص کو اپنی طرف سے ان پر حاکم اور متولی بنادیتے تھے۔ اور یہ بات آپ ﷺ کے حسن تدبیر اور گہری نظر اور سوچ کا نتیجہ ہی ہوتا تھا اس لئے کہ قوم اپنے بڑے اور سردار کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اس سے خوف میں بھی رہتی ہے باوجو یکہ اس میں بخشش وفیاضی کی صفت بھی ہے جو کہ نرم دلی اور اعتدال فی الامور کا سبب ہوگا)

یحذر الناس کا معنیٰ :

ویحذر الناس علامہ مناویؒ نے اس کے متعدد معانی کئے ہیں، (۱) لوگوں کو عذابِ الٰہی سے ڈراتے' اور اس کی اطاعت پر ابھارتے ای یخوفهم من عذاب الله و الیمِ عقابه و یحثهم علی طاعته ۔(مناوی ج ۲ ص ۱۷۷) (۲) ویحذر الناس الفتن (جمع ج ۲ ص ۱۷۷) لوگوں کو فتنہ' فساد' افتراق وانتشار سے بچنے کی تاکید فرماتے (۳) یا معنیٰ یہ ہے کہ لوگوں کو ایک دوسرے کے شر سے بچنے اور کام و کاروبار میں لوگوں سے حزم واحتیاط کی تاکید فرماتے تھے' ای یحذر بعض الناس من بعض یأمرهم

بالحزم. (مناوی ج۲ص۱۷۷)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی توجیہہ :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں :

اس لفظ کے مختلف ترجمے کئے گئے ہیں۔ بندہ کے نزدیک اقرب یہی ہے دوسرے جملہ کے مناسب بھی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ حضور ﷺ خود بھی اپنی حفاظت اور احتیاط فرماتے اور دوسروں کو بھی لوگوں سے احتیاط کی تعلیم دیتے تھے، جس کی توضیح یہ ہے کہ بلاوجہ کسی شخص پر بدگمانی کرنا ناجائز ہے، لیکن بغیر بدگمانی کے اپنی حفاظت کرنا اور احتیاط رکھنا بہتر ہے۔ احادیث میں مختلف عنوانات سے حزم اور احتیاط کی تعلیم بکثرت وارد ہے۔ ابوداؤد شریف میں ایک قصہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ تقسیم کے لئے کچھ مال بھیجنے کا ارادہ کیا اور ایک صحابی ابن الفغواءؓ کو مال لے جانے کے لئے تجویز فرما کر کہدیا کہ کوئی ساتھی اپنے ساتھ لے جانے کے لئے تلاش کرلیں، وہ تلاش میں تھے کہ عمرو نامی ایک شخص ان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تم مکہ جانے کے لئے کسی ساتھی کو تلاش کررہے ہو، میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔

ابن الفغواءؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے ساتھی مل گیا۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کون ہے، انہوں نے پتہ بتادیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اس کی قوم کی آبادیوں کے قریب پہنچو تو اس سے محتاط رہنا، اس لئے کہ ایک ضرب المثل ہے کہ اپنے بکری بھائی سے (جو ایک قبیلہ کا نام ہے) محتاط رہنا۔ ابن الفغواءؓ کہتے ہیں کہ ہم دونوں چل دیے، جب میرے ساتھی کی قومی آبادیاں آئیں، تو وہ مجھ سے کہنے لگے کہ میں ان لوگوں سے مل آؤں، تم میرا انتظار کرنا، میں نے کہا کیا مضائقہ ہے۔ اس کے جانے کے بعد مجھے حضور ﷺ کا ارشاد یاد آیا، میں جلدی سے اپنا اونٹ تیار کرکے چل دیا۔ تھوڑی دیر میں میں نے دیکھا کہ وہ چند لوگوں کے ساتھ آرہا ہے، مگر میں احتیاط کی وجہ سے جلدی چلا گیا۔ اس میں کئی نوع سے احتیاط کا مضمون وارد ہے، اس کے علاوہ متعدد روایات میں حضور اکرم ﷺ سے لوگوں کو احتیاط کی تعلیم منقول ہے، اسی لئے یہی معنی

بہتر ہیں۔(خصائل:۲۹۲)

طبعی رجحان یکسوئی کا تھا :

ویحترس منھم ...... یعنی آپ ﷺ خودکولوگوں سے یکسور کھتے تھے،مگر باوجود اس یکسوئی کے ہر ایک کے ساتھ خندہ روئی' اور خوش خلقی میں کمی نہیں آنے دیتے تھے۔

لوگوں سے بے تکلفی میں حزم واحتیاط :

ای یحفظ نفسه من اذاھم او من نفورھم (جمع ج۲ص۱۷۷) (یعنی اپنے نفس کوان کی تکالیف اور نفرتوں سے محفوظ رکھا کرتے)۔

شیخ عبدالرؤف ؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں سے کثرتِ مخالطت ومخاطبت' تعلیم وتربیت اور توجہ و عنایات کے باوجود بھی انتہائی بے تکلف نہیں ہو پاتے تھے۔ بلکہ اپنے تحفظ کو برقرار رکھتے ہوئے محتاط رہا کرتے ای یتحفظ من کثرة مخاطبھم المودیّة الی سقوط ھیبته و جلالته من قلوبھم لکن لایفرط فی ذلک بل یتحرس ۔(مناوی ج۲ص۱۷۷)

بارگاہِ نبوت میں مخالفین بھی حاضر ہوتے اور منافقین بھی' مگر آپ ﷺ بڑے باوقار اور عزت وتمکین سے پیش آتے۔ اُن کی شرارتوں' اور سازشوں کے باوجود آپ ﷺ اپنی عالی ظرفی اور بلند اخلاقی کا اظہار فرماتے' کبھی بھی بدخوئی اور گلہ شکوہ نہ فرماتے۔ یطوی بمعنیٰ یمنع ہے،شدة سے مراد چہرے کی طلاقت وبشاشت مراد ہے۔

یحترس سے یہ وہم ہوسکتا تھا کہ شاید اخلاقی لحاظ سے یہ کسی کمزوری کا اظہار ہو، ولذا اکدہ بقوله ولاخلقه (جمع ج۲ص۱۷۷) (اس لئے اس کی تاکید ولاخلقه سے کردی (یعنی یہ مطلب کہ باوجود محتاط رہنے کے کسی سے اپنی خندہ پیشانی اور خوش خلقی کو نہیں ہٹاتے تھے)

احباب کی خبر گیری کا اہتمام :

ویتفقد اصحابه یعنی اپنے احباب کی خبر گیری فرماتے یعنی وہ احباب جو حاضر باش ہوتے'

ہمیشہ تحصیل علم' وطلب حاجت کے لئے آتے یا مسجد میں نماز پڑھنے آتے یا قریبی احباب و اہل محلّہ ہوتے' تو ان کی غیبوبت کی صورت میں ان کا حال احوال دریافت فرماتے' پھر اگر کوئی بیمار ہوتا تو عیادت فرماتے' مسافر ہوتا تو اس کے لئے دعا فرماتے یا انتقال کر چکا ہوتا تو دعائے مغفرت کا اہتمام فرماتے'

علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں فان کان احد منهم مریضاً عاده أو مسافرا دعاله او میتاً استغفر له۔(مواہب ص ۲۴۴)

عام لوگوں کی خبر گیری :

ویسأل الناس ...... یعنی حضور اقدس ﷺ لوگوں کے آپس کے معاملات' ان کے حالات و اخبار کی تحقیق فرماتے، اگر رنجشیں ہوتیں' مشکلات وحاجات ہوتے' تو ان کی اصلاح فرماتے' اچھی باتوں' عمدہ حالات اور اخلاقِ حسنہ کی تحسین اور تقویت فرماتے اور انہیں برقرار رکھتے اور اگر کوئی برا واقعہ' معاملہ یا قصہ ہوتا تو اسے برائی اور مضرت سے آگاہ فرما کر اسے زائل کر دیتے اور اس سے صحابہ کرامؓ کو روک دیتے تھے۔ اور اس سے آپ ﷺ کا مقصد اور غرض ان کے عیوب وذنوب کی تفتیش وتجسس ہرگز مطلوب نہیں ہوتا تھا) شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں' ای یسأل خاصة اصحابه عما وقع فی الناس لیدفع ظلم الظالم و ینتصر للمظلوم ویقوی جانب الضعیف و لیس المراد أنه یتجسس عن عیوبهم و یتفحص عن ذنوبهم۔(مواہب ص ۲۴۴)

علماء اس سے یہ استنباط بھی کرتے ہیں کہ اکابرینِ اُمت' حکمران' علماء' صلحاء' اور قائدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس طریقہ پر لوگوں کی اصلاح کریں۔ ان کے حالات واخبار معلوم کریں، نیکی کو پھیلائیں اور بدی کو بروقت زائل کریں۔ علامہ مناویؒ یہ لکھتے ہیں کہ وهذا ارشاد للحکام الی ان یکشفوا و یتفحصوا بل و لغیرهم ممن کثر اتباعه کالفقهاء والصلحاء والاکابر فلا یغفلن عن ذلک لئلا یترتب علیه ماهو معروف من الضرر الذی قد لایمکن تدارک رفعه۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۷۷)

اعتدال ومیانہ روی :

معتدل الامر غیر مختلف تمام معاملات میں آپ اعتدال اور میانہ روی اختیار فرماتے تھے

آپ کا کوئی کام بھی اختلاف والا نہیں ہوتا تھا۔ اعمال کی طرح اقوال میں بھی اعتدال ہوتا تھا، تلون مزاجی سے نفرت تھی، صلح کی بات ہو یا جنگ کی، معاملات ہوں یا عبادات، ادائیگی حقوق کا مسئلہ ہو یا طلب حق، میانہ روی اور اعتدال ملحوظ ہوتا تھا۔ **غیر مختلف** معتدل الامر کی تاکید ہے یا مستقل جملہ ہے ایسا نہ ہوتا کہ ایک کام لیا اور پھر اس کے پیچھے مستقل پڑ جاتے تھے، بلکہ تمام معاملات میں جمیع جوانب کا لحاظ کرتے تھے۔ **وحاصل المعنیٰ ان سائر افعاله و اقواله علی سمت الاستواء والاعتدال** (مناوی ج ۲ ص ۱۷۸) (اس کا حاصل یہی ہوا کہ آپ ﷺ کے جمیع اقوال وافعال ٹھیک اور معتدل طریقہ پر ہوا کرتے تھے)

ولا یغفل ...... حضور اقدس ﷺ تبلیغ وارشاد، تعلیم وتربیت، تنظیم وجماعت اور اُمورِ دعوت میں مصروف رہتے، تا کہ حضرات صحابہ کرامؓ دنیاوی اُمور میں الجھ کر عبادت الٰہی اور اصلاحِ احوال سے سستی اور کاہلی برتنا نہ شروع کر دیں۔ آپ ﷺ اس کیفیت اور اس حال سے کسی بھی وقت بے پروائی نہیں برتتے تھے **والمعنیٰ لایغفل عن مصالحهم من تذکیرهم و ارشادهم و نصیحتم و تعلیمهم و امدادهم**۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۷۸) **مخافة ان یغفلوا ای عنها بناءً علی مراعاة المتابعة** ۔ (جمع ج ۲ ص ۱۷۸) غرض یہ ہے کہ آپ ﷺ کی متابعت وتابعداری میں غافل نہ ہو جائیں۔ اصول بھی یہی ہے کہ لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر چلتے ہیں، **الناس علی دین ملوکهم**۔ مریدین اپنے شیوخ کے طریقوں کو اپناتے ہیں اور تلامذہ اپنے اساتذہ کی پیروی کرتے ہیں، اسی طرح اُمت کو بھی اپنے نبی کی غلامی کرنی چاہئے۔

(۲) **اوخشیة ان یغفلوا عن الاستفاده فیقعوا فی عدم الاستقامة**، یعنی اس بات کا بھی اندیشہ رہتا تھا کہ استفادہ سے غفلت ہوئی تو یہ عدم استقامت پر منتج ہوگی...... **اَو یمیلوا الی الدعة والرفاهیة أو یمیلوا الی الملل او یمیلوا عنه و ینفروا**، **مخافة ! مفعول مِن اجله ای مِن اجل خوف غفلتهم**۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۷۸) (یا ان کا میلان عیش پرستی کی طرف ہو جائے گا اور یا ان کا میلان ورجحان مختلف ادیان ومذاہب کی طرف ہو جائے گا اور یا وہ آپ ﷺ سے یا اس کے دین سے

روگردانی اور نفرت کرلیں گے۔لفظ مخافة ترکیب میں مفعول لہ ہے (یعنی آپ ﷺ ان کی نصیحت سے اس لئے غافل نہ ہوا کرتے تا کہ وہ لوگ کہیں غفلت میں مبتلا نہ ہوجاویں)

ہر چیلنج کے مقابلہ کے لئے پہلے سے تیاری کر لیتے تھے :

لکل حال عنده عتاد ، ہر کام ہر حالت اور ہر قسم کے چیلنج، صلح، جنگ، عسرت، یُسرت، خوف وامن اور ہر قسم کے انقلابات کے لئے آپ ﷺ کے پاس خاص انتظام تھا۔عتاد کا معنیٰ سامان، اسباب، انتظام اور تیار رہنا ہے ، ای کان یعد لکل أمر ماینا سبه۔(اتحافات ص۳۶۴)

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں، بفتح اوله و هو العدة والتأهب مما یصلح لکل ما یقع و الاظهر انه علیه السلام اعد لکل امر من الامور حکما مِن الاحکام و دلیلاً مِن ادلة الاسلام او المعنی انه علیه الصلوٰة والسلام کان مستعد الجمیع العبادات من الجهاد وغیره۔(جمع ج۲ ص۱۷۸)اور ایک معنیٰ یہ بھی کیا گیا ہے کہ...... ما اعده الرجل من السلاح والدّواب و آلة الحرب خلاصہ یہ کہ حضور اقدس ﷺ جہاد ہو یا دیگر اُمور دینی ہر وقت اور ہر معاملہ کے مناسب حال پہلے سے تیار رہتے۔اسلحہ، جانور اور دیگر ضروریاتِ جنگ تیار رکھتے ،صاحب لغات الحدیث (ج۲ص ۱۵) میں رقمطراز ہیں کہ ہر واقعہ کی تدبیر پیش از وقوع کر لیتے جو کمال دانشمندی اور انجام بینی کی دلیل ہے

حق کی ادائیگی اور وصول کا معمول :

کان لا یقصر عن الحق ، یعنی حق کے بیان، ادائیگی اور اس کے حصول میں کوتاہی نہیں کرتے تھے۔ ای ببیانه واستیفائه ۔(اتحافات ص۳۶۴) ولا یجاوزه یعنی حق اور شرعی حد سے تجاوز نہ فرماتے تھے ولا یتجاوزه فلا یأخذ أكثر منه۔(مواہب ص۲۴۵) ہر معاملہ میں افراط اور تفریط سے گریز فرماتے تھے۔فیصلوں میں انصاف اور حق کی پاسداری آپ ﷺ کا معمول تھا۔

آپ ﷺ کے خواص، بہترین جماعت تھے :

الذین یلونه من الناس خیارهم ، جولوگ آپ ﷺ کے قریب تھے، وہ لوگوں میں

بہترین تھے۔ اقوال' افعال' تقویٰ' دیانت اور معاملات کی صفائی' عزت و وجاہت اور مرتبہ و مقام میں گویا وہ لوگ عوام میں سے منتخب اور برگزیدہ لوگ تھے۔ اُمہات المؤمنین' بنات مطہرات' اہل بیت' خلفاءِ راشدین' عشرہ مبشرہ اور اکابر صحابہؓ اس کا مصداق ہو سکتے ہیں۔ یہ لوگ اکتساب علم و تحصیل فوائد میں بھی طلبِ صادق اور پھر افادۂ علم میں بھی مخلص تھے۔ بوجہ خیار الناس ہونے کے لوگوں میں درس و تدریس اور دعوت و تبلیغ کے کام کے لئے بھی موزون تھے۔ اسی لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا'' **لیلینی منکم أولو الأحلام والنهى ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم**" (مواہب ص ۲۴۵) مگر یاد رہے کہ ان کی یہ بہتری' افضلیت اور مقام و رتبہ بھی حضور اقدس ﷺ کی صحبت با برکت کا ثمرہ تھا۔ آپ ﷺ کی توجہات' عنایات اور آپ ﷺ کی خدمت عالیہ میں مسلسل حاضر رہنے کی وجہ سے وہ لوگوں میں بہترین افراد ہونے کا اعزاز پاتے تھے' جو بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا، اِنسانیتِ کامل کی معراج کو پا لیتا تھا۔

اخذِ مسائل :

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں' **فينبغي للعالم في درسه ان يجعل الذين يقربون منه خيار طلبته لانهم هم الذين يوثق بهم علماً و فهما**۔ (مواہب ص ۲۴۵) (تو استاذ اور مدرس کو چاہئے کہ اپنے قریب ان طلبہ کو بٹھلائے جو علم و اکتساب و ذہانت میں لائق ترین ہوں کیونکہ یہ وہ اشخاص ہیں جن کے علم و فہم پر اعتماد کیا جا سکتا ہے)

بارگاہِ نبوت میں فضل و تقدم جنہیں حاصل تھا :

افضلهم عنده ...... یعنی بارگاہِ نبوت میں فضل و تقدم اور زیادہ قبولیت و افضلیت انہیں حاصل ہوتی، جو عامۃ المسلمین کے دین و دنیا کی خیر خواہی میں لگے رہتے تھے اور یہی ان کا مشن ہوا کرتا تھا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے ''**الدين النصيحة** '' (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۳، مواہب ص ۲۴۵) یعنی دین تو خیر خواہی ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ **خير الناس من ينفع الناس** بہترین آدمی وہ ہے جو لوگوں کو زیادہ فائدہ پہنچانے والا ہو۔

بارگاہِ نبوت کے معظم ترین لوگ :

واعظمھم عندہ ...... مواساۃ وسی یسیٔ و سیا سے ہے بمعنی مدد کرنا، تسلی دینا ہمدردی کرنا تاج بیہقی میں ہے، المواساۃ یعنی کسے را در چیز ہم چو خویش دانستن' (یعنی کسی کو کسی چیز میں خود اپنے جیسا جاننا) موازرۃ : وزر یزرُ وزراً سے ہے بمعنی ہاتھ بٹانا' تقویت دینا اور اعانت کرنا تاج بیہقی میں ہے، موازرۃ بمعنی مددگاری کردن۔ یعنی حضور اقدس ﷺ ان لوگوں کی بڑی قدر' احترام اور تعظیم فرماتے تھے، جو اپنے فقر و احتیاج کے باوصف دیگر محتاجین و مستحقین کی مدد کو ترجیح دیتے تھے، وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر: ۹) (اور خود اپنے او پر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو) اور اپنے بھائیوں کے ساتھ مہماتِ اُمور میں' نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرتے تھے۔ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى (المائدۃ:۲) (نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو) اور حدیث میں ہے فاللّٰہ فی عون العبد مادام العبد فی عون أخیہ المسلم . (مسلم) (اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں ہوتے ہیں جتنے تک بندہ کسی مسلمان کی مدد کرنے میں لگا رہتا ہے) ایک دوسری حدیث میں ہے ، ومن کان فی حاجۃ اخیہ کان اللّٰہ فی حاجتہ و من فرج عن مسلم کربۃ فرج اللّٰہ عنہ کربۃ من کربات یوم القیامۃ ۔(مشکوٰۃ ص۴۲۲) (جو کوئی مسلمان بھائی کی خدمت میں مصروف رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات اور حاجات پوری کرتا رہتا ہے اور جس نے کسی مسلمان کی پریشانی کو دور کیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پریشانیاں دور فرمادے گا) یہ وہ لوگ تھے، جو خدمت اور غمگساریٔ خلق میں حصہ لیتے تھے' تو آپ ﷺ کی نظروں میں بزرگ ترین ہونے کا مقام پاتے تھے۔

آپ ﷺ کی بارگاہ میں وہی شخص مکرم' محترم اور بزرگ تر ہے، جس کے دل میں مخلوق خدا کی ہمدردی کے جذبات ہوں، جو غمگین لوگوں کے کام آئے دکھیاروں کی دوا ہو' صاحبانِ حوائج کی حاجت براری کرے، مصیبت زدوں کے بوجھ اُٹھا کر ان کی مصیبتوں کو دور کرے اور ہر ایک اِنسان کو اس کی ضرورت کے وقت کام آئے۔

حضور اقدس ﷺ کی مجالس ذکر اللہ سے معمور ہوا کرتی تھی :

قال فسئلت عن مجلسه ...... حسین بن علیؓ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے اپنے والد سے آپ ﷺ کی مجلس سے متعلق سوال کیا، تو انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا، **فقال** ...... اٹھتے بیٹھتے اور مجالس کے آغاز و اختتام پر ذکر الٰہی ہوتا، جو کنایہ ہے ہمہ وقتی ذکر سے' جن مجالس میں اللہ کا ذکر نہ ہو، قیامت کے روز ان پر حسرت وافسوس ہوگا۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے' **ما من قوم يقومون من مجلس لايذكرون الله فيه الا قاموا عن مثل جيفة حمار و كان عليهم حسرة (رواه احمد و ابوداؤد)** نہیں اُٹھی کوئی قوم کسی مجلس سے کہ اس میں ذکر اللہ نہ کیا ہو، مگر اٹھے مردار گدھے کی طرح اور ان پر حسرت وافسوس ہے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں : " **ما عمل العبد عمله انجى له من عذاب الله من ذكر الله**" (**رواه مالک والترمذی وابن ماجة**) یعنی بندے کا کوئی عمل ایسا نہیں جو اسے عذابِ الٰہی سے سب سے زیادہ نجات کا باعث ہو بغیر ذکر اللہ کے۔

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں، **وهذه الآية اصل في ذلك اعنى الذكر عند القعود و القيام** اور یہ آیت اسی مسئلہ میں یعنی بیٹھے اور کھڑے ذکر الٰہی کرنے میں اساسی حکم رکھتی ہے۔

مزید فرماتے ہیں **و فيه ندب الذكر عند القعود والقيام و هو من اعظم العبادات لقوله تعالىٰ ولذكر الله اكبر الذين يذكرون الله قياما و قعودا و على جنوبهم** (مناوی ج۲ ص۱۷۹) یعنی اس میں ثابت ہو رہا ہے کہ بیٹھے اور کھڑے ذکر الٰہی کرنا فضائل کی طرف سبقت کرنا ہے اور یہ بزرگ ترین عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ذکر اللہ بہت بڑی عبادت ہے اور دوسری آیت میں ہے کہ وہ لوگ (جو صاحبانِ عقل وفراست ہیں) کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں کے بل اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ آپ ﷺ کی مجالس کی ابتداء بھی اور انتہاء بھی ذکر اللہ پر ہوا کرتی تھی۔ **اى ان الذكر هو مبدأ جلوسه و منتهاه**۔ (اتحافات ص۳۶۵)

آدابِ مجلس :

و اذا انتهى .... مفہومِ حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے، یعنی حضور اقدس ﷺ کو

بالانشینی پسند نہ تھی۔ و یأمر بذالک اوراسی طرح بے تکلف مجلس میں بیٹھنے کا اپنے صحابہ ؓ کو بھی ارشاد فرماتے، یہ آپ ﷺ کی اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ کمال درجے کی تواضع کا مظاہرہ تھا اوران کو تعلیم و تربیت اور اخلاقِ حسنہ کی ترغیب دینا تھا اورقولاً وعملاً ادھر توجہ دلانا مقصود تھی کہ مجالس میں اُٹھتے بیٹھتے دھکے نہ دیے جائیں، کندھوں پر چھلانگیں نہ لگائی جائیں اور ہوسِ بالانشینی میں ایذاءِ مسلم سے بچا جائے' سٹیج پر پہنچنا اور بالانشینی کی حرص اور شوق تکبر ونخوت کی علامت ہے، جواللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، وھذا خلق لایطیقه الا نبینا محمد صلی الله علیه وسلم ۔(اتحافات ص۳۶۵)(اور یہ ایسی بہترین عادت وخصلت ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسے بھی بجالانے کی قدرت وطاقت نہیں ہوسکتی)

تمام حاضرین مجلس حصہ وافر پاتے تھے :

یعطی کل جلسائه ...... یعنی آپ ﷺ علوم ومعارف' ہدایات اور کھانے پینے کی اشیاء' تحائف اور ہدایا میں سب کو برابر کا حصہ عنایت فرماتے تھے۔ روحانی و مادی فیوض و برکات سے سب برابر مالا مال اور سیراب ہوتے تھے۔کوئی بھی حاضر مجلس آپ ﷺ کی توجہ وعنایات سے نامراد نہ لوٹتا بلکہ سیر ہوکر بامراد اٹھتا۔

حاضرینِ مجلس کا تأثر :

لایحسب جلیسه ...... آپ ﷺ کی صحبت میں بیٹھنے والوں میں ہرایک یہی سمجھتا تھا کہ وہ آپ ﷺ کے سب سے زیادہ قریب وعزیز ہے۔آپ ﷺ امت پر شفیق اور مومنوں پر رؤف و رحیم تھے۔آپ ﷺ کے پاس بیٹھنے والے ہرایک کو یہ یقین ہوتا تھا کہ آپ ﷺ کے نزدیک دوسروں سے زیادہ میں ہی عزیز ہوں۔سب خدام اور رفقاء کار اپنے آپ کو آپ ﷺ کے معزز و مقرب ترین ساتھی سمجھتے تھے۔ **دفعاً لتحاسد و رفعاً للتباغض والتقاطع المنهی عنه** ۔(مناوی ج۲ ص۱۸۰)((حضور ﷺ کا یہ حسین برتاؤ)ان کے آپس میں بغض وحسد اور بائیکاٹ کے دفع کرنے کے لئے تھا)

طویل کلام اور طولِ نشست پر ناگواری ظاہر نہ فرماتے :

من جالسه ...... یعنی حضور اقدس ﷺ اپنے حاضرینِ مجلس' ملاقاتیوں اور زائرین و حاجتمندوں کو فارغ کرنے میں جلدی نہیں کرتے تھے۔ صابره ای غالبه فی الصبر علی المجالس والمکالمة ولا یبادر بالقیام عنه و لایقطع کلامه و لایظهر الملال والسآمة بل یستمر معه (مناوی ج ۲ ص ۱۸۰) یعنی اپنے ملاقاتی کی بات غور سے سنتے جب تک وہ بیٹھے رہتے یا بات کرتے، آپ ﷺ متوجہ رہتے۔ اس کے قطع کلام یا مجلس کے برخاست کرنے میں پہل نہ فرماتے، نہ چہرے پر پریشانی اور ناگواری کے اثرات ظاہر ہوتے، جو آپ ﷺ کے کریمانہ اخلاق' کمالِ تواضع اور عبدیت وانکساری کی اعلیٰ مثال ہے۔

سائلین کے ضروریات کی تکمیل فرماتے :

و من سأله حاجة ...... سائلین کی ضرورت پوری فرماتے اور اگر کسی وقت سائلین کی مطلوبہ ضرورت کی تکمیل کے وسائل نہ ہوتے تو بہت ہی نرمی' محبت' شفقت اور معقول عذر سے ان کی تسلی اور تشفی فرماتے۔ وهذه من کمال سخائه و مروته و حیائه ۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۸۱) (اور یہی باتیں حضور ﷺ کی سخاوت مروت اور باحیا ہونے میں باکمال ہونے کی دلیل ہے)

وسعتِ اخلاق وسخاوت :

قد وسع الناس ...... یعنی آپ ﷺ کی خندہ روئی' سخاوت' اور کریمانہ اخلاق کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ آپ ﷺ کشادہ رو' خندہ جبین اور حد درجہ خوش اخلاق تھے، جو بھی ایک مرتبہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ وہ آپ ﷺ کی ذات ستودہ صفات کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔

قد وسع الناس ای اجمعین حتی المنافقین لکونه رحمة للعالمین"۔ (جمع ج ۲ ص ۱۸۱) (حضور ﷺ کی یہ وسعتِ اخلاق وسخاوت سب لوگوں کے لئے حتیٰ کہ منافقین کے لئے بھی تھی کیونکہ آپ ﷺ کی ذات تو رحمۃ للعالمین ہی ہے) بسطه ای جوده و کرمه و انبساطه و خلقه ای و حسن

خلقه فالمراد امداداته الظاهرة و الباطنة (جمع ج۲ص۱۸۱)(یعنی بسطہ سے مراد آپ ﷺ کا جود وکرم اور حسنِ اخلاق ہیں تو گویا مراد مدد ظاہری اور باطنی ہے)

اُمت پر رحمت وشفقت کی انتہاء :

فصار لهم ابا ...... آپ ﷺ تمام مخلوق کے لئے شفقت، محبت، ہمدردی، غمخواری میں گویا باپ کی طرح تھے، جس طرح والد شفقت، محبت، مودت، اصلاح، خبر گیری، حاجت برآری، حلِ مشکلات میں اپنی اولاد کا سہارا ہوتا ہے۔ آپ ﷺ بھی مخلوقِ خدا کا گویا ایک شفیق والد کی طرح عظیم سہارا تھے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر واعظم من اب اذ غاية الاب ان يسعى فى صلاح الظاهر وهو يسعى فى صلاح الظاهر و الباطن۔ (مناوی ج۲ص۱۸۱) (کیونکہ والد تو اپنی اولاد کی ظاہری طور پر اصلاح کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور آپ ﷺ تو امت کے ظاہری اور باطنی اصلاحات میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے) اور قرآن مجید میں تصریح ہے۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ۔(احزاب:۶)

اس کا ایک معنیٰ یہ بھی کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ مؤمنین پر ان کی جانوں سے زیادہ ان پر رأفت ورحمت اور لطف وکرم فرماتے ہیں اور نافع تر ہیں۔ آپ ﷺ کا اپنی اُمت پر شفقت ورأفت کا کیا عالم تھا۔ شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں ومن ثم اشفق على ذوى الكبائر من امته و امرهم بالستر و اتى برجل بعد تحريم الخمر و هو سكران و تكرر ذلک فلعنوه فقال لاتلعنوه فانه يحب الله و رسوله (مناوی ج۲ص۱۸۱) (اور اس لئے تو آپ ﷺ اپنی امت کے کبیرہ گناہ کے مرتکبین پر خوف کیا کرتے اور ان پر پردہ پوشی دینے کا حکم فرمایا۔ اور حضور ﷺ کے پاس شراب کی حرمت کے بعد ایک شخص نشہ کی حالت میں لایا گیا اور وہ بار بار یہ فعل کرتا تھا۔ تو صحابیؓ نے اس پر جب لعن وتشنیع کرنا شروع کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر لعنت نہ کرو۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتے ہیں)

آپ ﷺ کی مجالس کا ایک منظر :

و مجلسه ...... یعنی آپ ﷺ کی مجالس میں علوم ومعارف کا افادہ واستفادہ ہوتا تھا۔ حیاو

شرم کی تعلیم وتربیت ہوتی تھی ۔ خواہشات کی پامالی آپ ﷺ کی صحبتوں کا ثمر اور نتیجۂ صبر تھا۔ مجالسِ امانت کا مطلب یہ ہے کہ جو احکام وہدایات اور تعلیمات دی جاتی تھیں انہیں محفوظ کر کے بے کم وکاست دوسروں تک پہنچانے کا اہتمام ہوتا تھا، جو اسرار ہوتے ، وہ سینوں کے دفینے بن جاتے ۔ یہ چاروں باتیں یعنی علم، حیا، صبر اور امانت آپ ﷺ کی مبارک مجالس میں بدرجۂ اتم موجود تھیں ۔ مجالس میں ادب واحترام، انکسار وتواضع کا یہ عالم ہوتا کہ کسی کو آواز بلند کرنے کی ہمت نہ ہوتی اور نہ کسی قسم کے شور وشغب کو راہ ملتی، بلکہ حکمِ خداوندی '' لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی '' (کہ تم اپنی آوازیں حضور ﷺ کی آواز پر بلند نہ کریں) پر ہمہ تن عمل پیرا رہتے ۔ صاحب اتحافات فرماتے ہیں ان مجلسه كان كله صلحاً و علماً و صبراً و أدباً و أمانةً و تلم رفع للاصوات و صفاء و سرور " ۔ (اتحافات ص ۳۶۵) (کہ آپ ﷺ کی مجلس ومحفل سب اصلاحی، علمی، صبر، ادب وامانت پر مشتمل اور اخلاص وخوشی کے ساتھ جس میں کسی قسم کا شور وشغب نہ ہوتا تھا)

مجالس کی پاکیزگی :

ولا تؤبن ...... مجالس کی پاکیزگی کا یہ عالم تھا کہ اس میں کسی کی عزت وناموس پر عیب نہیں لگایا جاتا تھا۔ من الابن وهى العقد فى القصبات ۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۸۱) (اُبن کا معنیٰ بانسوں میں گرہیں ہونا) وهو العيب اوالتهمة اى لاتقذف ولاتعاب كذا فى الفائق اى لاتعرف ولا تذكر بقبيح ۔ (جمع ج ۲ ص ۱۸۱) (ملا علی قاریؒ الاُبن کا معنیٰ عیب اور تہمت سے کرتے ہیں تو لا تؤبن کا معنیٰ تہمت اور عیب نہیں لگایا جاتا تھا۔ اسی طرح فائق میں ہے یعنی نہ کسی کی غلطی کو شہرت دی جاتی اور نہ کسی کا تذکرہ برائی کے ساتھ کیا جاتا تھا) ولاتثنیٰ ...... اور نہ مجالس میں لوگوں کے عیوب وزلات کو اُچھالا جاتا تھا بلکہ آپ ﷺ کی مجالس ہفوات ولغویات سے پاک ہوتی تھیں ۔ علامہ مناویؒ لکھتے ہیں اى لا تشاع و لاتذاع فلتاته اى زلاته وهفواته واحده فلتة وهو الهفوة ۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۸۲)

صفاتِ صحابۂ کرامؓ :

متعادلین ...... یعنی سب صحابہ کرامؓ اپنے آپ کو دوسروں کے برابر سمجھتے تھے ۔ کبر وغرور سے

نفرت تھی۔ ای متساوین لایتکبر بعضهم علی بعض بالحسب والنسب بل کانوا کما قال یتفاضلون بالتقویٰ (جمع ج۲ص۱۸۲)

یعنی آپ کی مجالس میں بعض کو بعض پر تقویٰ کی وجہ سے فضیلت حاصل تھی اور یہ آپ ﷺ ہی کی تربیت وصحبت کی برکت تھی کہ صحابہ کرامؓ بڑوں کی عزت کرتے، چھوٹوں پر رحم کھاتے، حاجتمندوں کو ترجیح دیتے اور مسافروں کا اکرام واحترام اور ان کی حفاظت فرماتے وهذا الحدیث من الجوامع الدالة علی کمال أوصافه صلی الله علیه وسلم (اتحافات ص۳۶۵) (اور یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے جو حضور ﷺ کے اوصاف کاملہ پر دلالت کرتی ہے)

(۳۲۳/۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بَزِيْعٍ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اُهْدِیَ اِلَیَّ کُرَاعٌ لَقَبِلْتُ وَلَوْ دُعِيْتُ عَلَيْهِ لَاَجَبْتُ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں محمد بن عبداللہ بن بزیع نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے بشر بن مفضل نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت سعید نے قتادۃ کے حوالہ سے بیان کی اور انہوں نے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر مجھے بکری کا ایک پیر بھی دیا جائے تو میں قبول کروں اور اگر اس کی دعوت دی جائے تو میں ضرور جاؤں۔

راوی حدیث (۶۰۳) محمد بن عبداللہ بن بزیعؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

الکُراع کا لغوی معنیٰ :

الکُراع بکری یا گائے کے پائے کو کہتے ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ٹخنوں سے نیچے والے حصے کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع اکرع اور اکارع آتی ہے، ملا علی قاریؒ نے بھی کراع کے یہی معنیٰ

نقل کیے ہیں وهو مادون الركبة من الساق و مادون الكعب من الدواب۔(جمع ج۲ص۱۸۳)

تحفہ ودعوت کی قبولیت سنت ہے :

بکری کے پائے کے ذکر سے مراد تحفہ اور ہدیہ کی کمی اس کا تھوڑا اور ادنیٰ ہونا ہے۔یعنی تحفہ کم سے کم ہو اور تھوڑے سے تھوڑا ہو، قبول کرلوں گا کہ تحفہ قبول کرنے میں حظ نفس نہیں ہوتا، بلکہ بھیجنے والے کی دلجوئی مقصود ہوتی ہے۔اسی طرح دعوت پر بلاوے کی منظوری میں بھی مقصود کھانا نہیں، بلکہ داعی کی تسکینِ خاطر ہے، جو آپ ﷺ کے حسنِ اخلاق اور کمالِ تواضع کی روشن دلیل ہے۔شیخ عبدالروؑف لکھتے ہیں،وفيه ندب قبول الهدية و اجابة الدعوة و لولشئی قليل و كمال تواضعه و حسن خلقه و جلبه للقلوب۔(مناوی ج۲ص۱۸۳)

یعنی اگرچہ تھوڑی سی چیز کا تحفہ کیوں نہ ہو یا تھوڑی شئی پر دعوت کیوں نہ دی گئی ہو، اسے قبول کرنا اور دعوت پر جانا اس حدیث کی رو سے مندوب ہے اور اسی حدیث سے آپ ﷺ کا کمالِ تواضع، حسنِ اخلاق اور دلوں کو موہ لینا ثابت ہے۔

(۳۲۲/۹) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ جَآءَ نِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِرَاكِبِ بَغْلٍ وَّلَا بِرْذَوْنٍ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبد الرحمٰن نے بیان کیا۔ان کو یہ روایت سفیان نے محمد بن منکدر کے حوالے سے بیان کی اور انہوں نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (میری عیادت کے لئے) تشریف لائے نہ خچر پر سوار تھے نہ ترکی گھوڑے پر (یعنی نہ گھٹیا سواری پر سوار تھے نہ بڑھیا پر بلکہ پاپیادہ تشریف لائے۔

حضور ﷺ اپنے صحابہؓ کی پیدل چل کر عیادت فرماتے :

قال جاء نی ...... حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ ہمارے پاس (عیادت کے

لئے) تشریف لاتے ' تو خچر یا ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوتے تھے۔ البرذون ' الفرس العجمی۔ (اتحافات ص۳۶۶) و فی المغرب هو الترکی من الخیل و لعله اراد مایتناول البرذونة تغلیباً۔ (مواہب ص۲۴۸) (برذون کا معنیٰ کسی نزدیک عجمی گھوڑے کے ہیں اور کوئی اس کا معنیٰ ترکی گھوڑے سے کرتے ہیں نیز برذون اگر چہ مذکر ذکر کیا گیا لیکن تغلیباً برذونۃ (گھوڑی مادہ) کو بھی شامل ہے) یعنی نہ تو آپ ﷺ کے پاس گھٹیا سواری تھی نہ بڑھیا' بلکہ پا پیادہ تھے۔ علامہ البیجوریؒ فرماتے ہیں ' فکان صلی اللہ علیه وسلم لتواضعه یدور علی اصحابه ماشیا۔ (مواہب ص۲۴۸)

یعنی حضور اقدس ﷺ اپنے صحابہؓ کے ہاں اکثر اوقات میں تواضعاً پیادہ تشریف لے جایا کرتے۔ بخاری شریف میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ کہتے ہیں کہ میں بیمار ہوا تو حضور اقدس ﷺ اور ابوبکر صدیقؓ دونوں پیادہ پا میری بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے اور مجھے بے ہوشی کے عالم میں پایا۔ حضور ﷺ نے وضو بنایا، پھر اس وضو کا پانی مجھ پر چھڑکا تو مجھے ہوش آ گیا، آرام ہو گیا۔

حضرت جابرؓ سے ایک دوسری روایت میں بھی آپ ﷺ کی شفقت' فروتنی' انکساری اور تواضع کا بیان ہے۔ فرماتے ہیں کہ "ہمارے پاس نبی کریم ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ نہ تو کسی عمدہ گھوڑے پر سوار تھے اور نہ کسی خچر پر' آپ ﷺ جب سواری پر سوار ہوتے تو اپنے پیچھے کسی غلام کو بٹھا لیتے اور کبھی کسی عام آدمی کو' کبھی ایسا ہوتا کہ آپ ﷺ خود درمیان میں ہو جاتے اور ایک عام آدمی کو پیچھے بٹھا لیتے اور ایک آدمی کو آگے۔ جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو بنی عبدالمطلب کے بچوں نے آپ ﷺ کا استقبال کیا۔ آپ ﷺ نے ایک بچے کو آگے بٹھا لیا اور ایک کو پیچھے بٹھایا۔

حدیثِ باب سے استدلال کرتے ہوئے شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں ..... و هذا الحدیث یفید أن رسول الله صلی الله علیه و سلم یزور أصحابه و یعودهم ماشیا ' لما فی ذلک من کثرة الثواب و عظیم التواضع۔ (اتحافات ص۳۶۶) (حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہؓ کی زیارت وملاقات اور بیمار پرسی پیدل چل کر فرمایا کرتے تھے کیونکہ اس میں تواضع کے ساتھ ساتھ بہت ثواب و درجات کا حصول بھی ہے)

(۱۰/۳۲۵) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا اَبُوْنُعَيْمٍ حَدَّثَنَا يَحْيٰى بْنُ اَبِى الْهَيْثَمِ الْعَطَّارُ قَالَ سَمِعْتُ يُوْسُفَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ سَمَّانِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْسُفَ وَاَقْعَدَنِىْ فِىْ حَجْرِهٖ وَ مَسَحَ عَلٰى رَاْسِىْ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابونعیم نے خبر دی۔ انہیں یہ روایت یحییٰ بن ابی ہیثم عطار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں میں نے یوسف بن عبداللہ بن سلام کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ کہ حضور اقدس ﷺ نے میرا نام ''یوسف'' تجویز فرمایا تھا اور مجھے اپنی گود میں بٹھلایا تھا اور میرے سر پر دست شفقت پھیرا تھا۔

راویان حدیث (۶۰۴) یحییٰ بن ابی الھیثمؒ اور (۶۰۵) یوسف بن عبداللہ بن سلامؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بچوں سے محبت اور شفقت :

سمانی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یوسف واقعدنی فی حجرہ...... الخ ' الحجر ! الثوب و ھو طرفہ المقدم منہ لان الصغیر یوضع فیہ عادۃ و یطلق علی المنع من التصرف و علی الانثی من الخیل و حجر ثمود و حجر اسماعیل و غیر ذلک مما فی قول بعضھم .... ؎

رکبت حجرا وطفت البیت خلف الحجر

و حزت حجرا عظیما ما دخلت الحجر

للّٰہ حجر منعنی من دخول الحجر

ما قلت حجرا ولو أعطیت مل الحجر

(مواھب ص ۲۴۸)

(حضور ﷺ نے میرا نام یوسف رکھا اور مجھے اپنی گود میں بٹھلایا۔ لفظ حجر (حاء پر تینوں حرکات کے ساتھ مختلف معانی میں مستعمل ہوتا ہے) علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں کہ یہاں مراد کپڑے (قمیص وغیرہ)

کا سامنے کا حصہ اور کنارہ (یعنی دامن، گود) اس لئے کہ چھوٹے لڑکے کو عادتاً اس میں رکھا جاتا ہے۔ اور اس کا اطلاق ممانعت، گھوڑی، حجر ثمود، حجر اسماعیل علیہ السلام وغیرہ پر (یعنی عقل، پتھر، حرام، آنکھ کا خانہ) ہوتا ہے جیسے بعض شعراء کے اس قول میں کہ میں نے گھوڑی پر سوار ہو کر حجر اسود کے پیچھے بیت اللہ کا طواف کیا۔ اور میں نے ایک عظیم الشان پتھر (حجر اسود) کو پناہ کے لئے مخصوص کیا۔ میں کسی معمولی پناہ گاہ میں داخل نہیں ہوا قسم بخدا یہ ایسا متبرک عالی شان پتھر ہے کہ اس نے مجھے حجر ثمود وغیرہ کے داخل ہونے سے روک دیا میں نے کبھی کوئی ممنوع (حرام) کام کا حکم نہیں کیا اگر چہ اس کے لئے مجھے بھری دامن (سونا چاندی) کی پیش کش بھی ہوئی ہو)

ھو بالکسر ما بین یدیک من بدنک و بالفتح فرج الرجل والمرأۃ ۔(مناوی ج ۲ ص ۱۸۴) جس طرح یوسف بن عبداللہ بن سلام نے آپ ﷺ کی شفقت' محبت اور پیار کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح تمام صحابہ کرامؓ کے بچوں کے ساتھ آپ ﷺ پیار اور محبت فرماتے تھے۔ علامہ یوسف النبھانیؒ فرماتے ہیں "جب کہیں راستے میں بچے ملتے، تو ان کو سلام کرتے' خندہ پیشانی کے ساتھ ان کے ساتھ گفتگو فرماتے، جب باہر سفر سے تشریف لاتے، تو سب سے پہلے گھر کے بچوں سے ملتے، بچوں اور گھر والوں سے حد سے زیادہ شفقت و محبت فرماتے، جب کوئی شخص کسی بچہ کو آپ ﷺ کی خدمت میں لاتا تو آپ ﷺ کوئی کھانے کی چیز اپنے دہن مبارک میں چبا کر اس بچے کے منہ میں ڈال دیتے۔ اس کے لئے خیر و برکت کی دعا کرتے۔ انصار کے گھروں میں تشریف لے جاتے تو ان کو سلام کرتے اور پیار سے اُن کے سروں پر ہاتھ پھیرتے۔ (وسائل الوصول)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حضور ﷺ کی کمال شفقت اور بچوں پر کمال رحمت معلوم ہوتی ہے۔ نیز تواضع کا کمال یہی ہے کہ ایسے کم عمر بچوں کو گود میں لینے سے اعراض واستنکاف نہ فرماتے تھے اور یہ بھی کہ بچوں کا بزرگوں کی خدمت میں لے جانا' ان سے نام تجویز فرمانا ثابت ہوتا ہے۔ (خصائل) **وفیہ انہ یسنّ لمن یقتدی بہ ویتبرک بہ تسمیۃ اولاد اصحابہ وتحسین اسماءھم و ان اسماء الانبیاء من اسماءھم الحسنۃ و وضعہ فی**

الحجر (مناوی ج۲ص۱۸۴) (علامہ مناویؒ لکھتے ہیں حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص حضور ﷺ کی تابعداری کرنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ اپنے احباب و متعلقین کی اولاد کے لئے اچھے نام تجویز فرمائے خصوصاً انبیاء کرام علیہم السلام کے مبارک اسماء وغیرہ سے انتخاب فرمائے۔ نیز چھوٹے بچوں کو گود میں لینے کے عمل کی سنیت بھی معلوم ہو رہی ہے)

مسح علی رأسی ! زاد الطبرانی و دعا لی بالبرکة و فی فعله لهذین من کمال رحمته و محاسن اخلاقه و تواضعه مالا یخفی۔ (مناوی ج۲ص۱۸۴)

(اور آپ ﷺ نے پیار سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔ طبرانیؒ نے یہ زیادتی نقل فرمائی کہ میرے لئے برکت کی دعا بھی فرمائی اور حضور ﷺ کے ان دو افعال کے عمل سے آپ ﷺ کی تواضع، حسنِ خلق اور کمالِ شفقت پوری طرح واضح ہو رہی ہے)

(۱۱/۳۲۶) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوٗدَ اَنْبَانَا الرَّبِيْعُ وَهُوَ ابْنُ صَبِيْحٍ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ الرَّقَاشِيُّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ حَجَّ عَلٰى رَحْلٍ رَثٍّ وَ قَطِيْفَةٍ كُنَّا نَرٰى ثَمَنَهَا اَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ فَلَمَّا اسْتَوَتْ بِهٖ رَاحِلَتُهٗ قَالَ لَبَّيْكَ بِحَجَّةٍ لَا سُمْعَةَ فِيْهَا وَلَا رِيَاءَ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن منصور نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابوداؤد (طیالسی) نے بیان کیا۔ ان کو ربیع بن صبیح نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے یزید رقاشی نے بیان کیا اور انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک کجاوہ پر حج کیا، جس پر کپڑا تھا، جس کی قیمت ہمارے خیال میں چار درہم ہوگی۔ حضور ﷺ یہ دعا کرتے تھے کہ خدایا اس حج کو ریا اور شہرت سے مبرا فرمائیو۔

مضمونِ حدیث تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے' تشریح اسی باب کی حدیث نمبر ۵ میں گذر چکی۔

(۱۲/۳۲۷) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ ثَابِتِ الْبُنَانِيِّ وَ

عَاصِمِ الْاَحْوَلِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَجُلًا خَيَّاطًا دَعَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَّبَ لَهُ ثَرِيْدًا عَلَيْهِ دُبَّاءٌ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ الدُّبَّاءَ وَ كَانَ يُحِبُّ الدُّبَّاءَ قَالَ ثَابِتٌ فَسَمِعْتُ اَنَسًا يَقُوْلُ فَمَا صُنِعَ لِيْ طَعَامٌ اَقْدِرُ عَلٰى اَنْ يُّصْنَعَ فِيْهِ دُبَّاءٌ اِلَّا صُنِعَ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن منصور نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالرزاق نے بیان کیا۔ ان کو یہ روایت معمر نے ثابت بنانی اور عاصم احول کے حوالے سے بیان کی اور انہوں نے اسے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک درزی نے حضور اقدس ﷺ کی دعوت کی۔ کھانے میں ثرید تھا اور اس پر کدو پڑا ہوا تھا۔ حضور اکرم ﷺ کو کدو چونکہ مرغوب تھا، اس لئے حضور اکرم ﷺ اس پر سے کدو نوش فرمانے لگے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے میرے لئے کوئی کھانا تیار نہیں کیا گیا، جس میں مجھے کدو ڈلوانے کی قدرت ہو اور کدو اس میں نہ ڈالا گیا ہو۔

یہ حدیث اس سے قبل **باب ماجاء فی اِدام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** میں گذر چکی ہے۔ یہاں بقول علامہ الیجوریؒ کہ "**لدلالته علی تواضعه**" (مواہب ص۲۴۹) (آپ ﷺ کے تواضع پر دال ہونے کے پیش نظر اسے دوبارہ نقل کر دیا گیا ہے۔ وہاں بجائے ثرید کے شوربے روٹی کا ذکر تھا۔ یہاں ثرید کی تصریح ہے۔ ثرید شوربے میں بھیگی ہوئی روٹی کو کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ دونوں چیزیں ہوں۔ شوربا روٹی بھی ہو اور ثرید بھی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ ثرید اس کو مجازاً کہدیا ہو یا اُس حدیث میں شوربا روٹی اجزاء کے لحاظ سے کہدیا ہو کہ ثرید بھی شوربا روٹی ہی ہوتی ہے۔

(۱۳/۳۲۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنِيْ مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ عَمْرَةَ قَالَتْ قِيْلَ لِعَائِشَةَ مَاذَا كَانَ يَعْمَلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِهٖ قَالَتْ كَانَ بَشَرًا مِّنَ الْبَشَرِ يَفْلِيْ ثَوْبَهٗ وَ يَحْلِبُ شَاتَهٗ وَ يَخْدِمُ نَفْسَهٗ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن اسمٰعیل نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اسے عبد

اللہ بن صالح نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت معاویہ بن صالح نے یحییٰ بن سعید کے واسطہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عمرۃؒ سے نقل کی۔ عمرۃؒ کہتی ہیں کہ کسی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور اقدس ﷺ دولت کدہ میں کیا کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ آدمیوں میں سے ایک آدمی تھے۔ اپنے کپڑے میں خود ہی جوں تلاش کر لیتے تھے اور خود ہی بکری کا دودھ نکال لیتے تھے اور اپنے کام خود ہی کر لیتے تھے۔

راوی حدیث (۶۰۶) عمرۃؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

یفلی ' اس کا مصدر فلیاً اور تفلیۃ آتا ہے' جب یہ الامر کے ساتھ آئے تو کسی معاملہ کے اسباب و وجوہ پر غور کرنا مراد ہوتا ہے جب السیف کے ساتھ آئے تو تلوار کے ساتھ مارنا مراد ہوتا ہے، جب عقل کے ساتھ آئے تو آزمائش کرنا مراد ہوتا ہے اور جب رأس یا ثوب کے ساتھ آئے تو سر یا کپڑے سے جوئیں ڈھونڈنا اور تلاش کرنا مراد ہوتا ہے اور یہاں یہی معنیٰ مراد ہے۔ فلی رأسہ بحثہ عن القمل کفلاہ ای یفتش (جمع ج۲ص۱۸۵) یحلب ' حلبٌ یا حلابٌ سے ہے بمعنیٰ دودھ دوہنے کے۔

سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم :

کان بشرا من البشر...... یعنی آپ ﷺ بھی بشری تقاضے لے کر پیدا ہوئے تھے۔ اسی لئے تو اُمت کے لئے اسوۂ حسنہ ہیں۔ گھر کا کام کاج کرنا، گھر میں خوش اسلوبی کے ساتھ زندگی گذارنا' اپنے کام خود انجام دینا' معمولی اور چھوٹے چھوٹے کام اپنے ہاتھوں سے انجام دینا، آپ ﷺ کا بھی معمول تھا اور اس میں کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے۔ للتواضع و ترک الترفع لکنہ مشرف بالوحی والنبوۃ و مکرم بالمعجزات والرسالۃ (مناوی ج۲ص۱۸۵) (آپ ﷺ کا مذکورہ امور کو سرانجام دینا تو صرف تواضع اور ترک تکبر کے لئے تھا ورنہ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس تو وحی خداوندی، نبوت، رسالت اور معجزات سے مشرف و معزز بنائی گئی تھی جیسے کہ آیت انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ . الآیہ میں

یہی اشارہ مقصود ہے (کہ میں تو تم جیسا انسان ہی ہوں (البتہ) میری طرف وحی کی گئی ہے) کما فی قوله تعالیٰ انما انا بشر مثلکم یوحٰی الیّ الایة۔

کمالِ عزت وتکریم :

یفلی ثوبه ...... حاشیۂ شمائل میں ہے۔ لم یقع علیه ذباب قط و لم یکن القمل یوذیه تعظیماً و تکریماً لجاهه، یعنی آنحضرت ﷺ کے وجودِ اطہر پر مکھی ہرگز نہیں بیٹھتی تھی اور نہ ہی جوں آپ ﷺ کے وجود اطہر میں ایذاء پہنچانے کے لئے پیدا ہوئی۔ یہ آپ ﷺ کی کمال عزت وتکریم ہے۔

علماء کی تحقیق :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں :

اور علماء کی تحقیق یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے بدن یا کپڑوں میں جُوں نہیں پڑتی تھی۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جُوں بدن کے میل سے پیدا ہوتی ہے اور پسینہ سے بڑھتی ہے اور حضور اقدس ﷺ سراسر نور تھے۔ وہاں میل کچیل کہاں تھا۔ اسی طرح آپ ﷺ کا پسینہ سراسر گلاب تھا، جو خوشبو میں استعمال کیا جاتا تھا۔ بھلا عرقِ گلاب میں جُوں کا کہاں گزر ہوسکتا ہے۔ اس لئے تلاش کرنے کا یہ مطلب ہے کہ اس احتمال سے کہ شاید کسی دوسرے کی جُوں چڑھ گئی ہو تلاش فرماتے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ تلاش کرنا بھی دوسروں کی تعلیم کے لئے تھا کہ جب وہ حضور اکرم ﷺ کو اس کا اہتمام کرتے دیکھیں گے تو زیادہ اہتمام کریں گے۔ (خصائل)

==============================

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

باب ! حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات کے بیان میں

لفظِ خُلُق کی تشریح :

خُلُقٌ ' عادت طبیعت اور خصلت کو کہتے ہیں۔اس کی جمع اخلاق ہے۔وہ قوت جس سے بن سوچے اور بغیر فکر کئے افعال بہ سہولت صادر ہوں۔ الخلق بضم الخاء واللام ھو الطبع والسجیة وھو من الأوصاف الباطنیة قال الامام الغزالی ، الخلق ، ھیئة للنفس تصدر عنھا الافعال بسھولة فان کانت الھیئة جمیلة 'سمیت خلقا حسنا ' والاسمیت خلقا سیئًا ۔(اتحافات ص۳۶۹) (الخلق (خاء اورلام کے ضمہ کے ساتھ) اوصاف باطنیہ میں سے ایک وصف ہے اور بمعنیٰ طبیعت اور خصلت کے ہے امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ خلق نفس کی ایک کیفیت اور حالت جس سے افعال کا صدور سہولت اور آسانی سے ہو اگر (افعال) کیفیت جمیلہ سے موصوف ہوں تو انہیں اخلاق حسنہ کا نام دیا جاتا ہے ورنہ پھر اخلاق سیئہ کہلاتے ہیں) و عن العسقلانی حسن الخلق تحصیل الفضائل و ترک الرذائل (جمع ج۲ص۱۸۶) (امام عسقلانیؒ سے منقول ہے کہ حسن خلق یہ کہ اخلاق رذیلہ کو چھوڑ کر فضائل (بلند مرتبہ اخلاق) اختیار کرلینا)

حُسنِ اخلاق :

حضوراقدس ﷺ کے اخلاق بے مثال ہیں اور پورے عالم کے لئے اسوۂ حسنہ ہیں۔آپ ﷺ کے اخلاق جمیلہ اور عادات شریفہ پوری دنیا میں ضرب المثل ہیں۔قرآن پاک نے آپ ﷺ کے بلندیٔ اخلاق کی گواہی دی ہے۔ وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (القلم:۴) (اور بے شک آپ بہت بڑے (عمدہ) اخلاق پر ہیں) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ماکان احد احسن خلقا من رسول اللہ

صلی اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم مادعاہ احد من اصحابہ و لامن اھل بیتہ الّا قال لبیک۔ (مناوی ج۲ص۱۸۵) (نبی کریم ﷺ سے زیادہ حسین اور اچھے اخلاق والا کوئی بھی نہیں تھا چنانچہ صحابہؓ یا اہل بیت (گھرانے کے افراد) میں سے کسی نے بھی آپ ﷺ کو اگر کبھی بلایا تو آپ ﷺ اس پر لبیک کہہ کر حاضر ہوئے) آپ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کا احاطہ اور احصاء دشوار ہے۔ علامہ البیجوریؒ فرماتے ہیں' وعرفوا حسن الخلق بانّہ مخالطۃ الناس بالجمیل و البشر و اللطافۃ و تحمل الاذی و الاشفاق علیھم و الحلم و الصبر و ترک الترفع و الاستطالۃ علیھم وتجنب الغلظۃ و الغضب و المواخذۃ ۔(مواہب ص۲۵۳) یعنی اختلاط باہمی کے دلکشا مظاہر وآداب کے ہمرکاب خندہ پیشانی اور بے پایاں لطف ومہربانی کے جلو میں دوسروں کی تکالیف برداشت کرنے' نیز ان کے مصائب کی گرہ کشائی بردباری صبر وتحمل' پے درپے برتری کی نمو کا ترک، مروت واحسان کے مواقع پر درشتی اور سختی کی روش سے پہلوتہی' بدلہ لینے کا محاسبہ اور غصے سے اجتناب آپ ﷺ کے کردار اور اخلاقِ حسنہ کے ممتاز اور نمایاں جواہر ہیں۔ شمائل سارے آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ ہیں۔ سیرت آپ کے اخلاقِ حسنہ ہیں۔

باب ھذا میں مصنفؒ بطورِ نمونہ کے پندرہ حدیثیں نقل کر کے محمدی اخلاق کی ایک جھلک دکھا رہے ہیں۔ و ھذہ الترجمۃ لبعض أخلاق النبی و بعض سجایاہ ' لالجمیعھا بدلیل أن التواضع مثلاً من اخلاق النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ' ومع ذلک فقد ذکر قبل (اتحافات ص۳۶۹) (جیسا کہ صاحب اتحافات بھی یہی کچھ لکھتے ہیں کہ یہ عنوان تو نبی علیہ السلام کے سب اخلاق کے تذکرے کے لئے نہیں بلکہ اس میں حضور ﷺ کے بعض اخلاق اور خصائل کا ذکر ہے مثلاً تواضع بھی آپ ﷺ کے اخلاق ہی کا جز ہے حالانکہ اس کا تذکرہ اس سے پہلے ہو چکا ہے)

(۳۲۹/۱) حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدِ الدَّوْرِیُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ یَزِیْدَ الْمُقْرِیُّ حَدَّثَنَا لَیْثُ بْنُ سَعْدٍ حَدَّثَنِیْ اَبُوْعُثْمَانَ الْوَلِیْدُ بْنُ اَبِی الْوَلِیْدِ عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ خَارِجَۃَ عَنْ خَارِجَۃَ بْنِ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ

دَخَلَ نَفَرٌ عَلٰی زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ فَقَالُوْا لَهٗ حَدِّثْنَا اَحَادِیْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَاذَا اُحَدِّثُکُمْ کُنْتُ جَارَهٗ فَکَانَ اِذَا نَزَلَ عَلَیْهِ الْوَحْیُ بَعَثَ اِلَیَّ فَکَتَبْتُهٗ لَهٗ فَکُنَّا اِذَا ذَکَرْنَا الدُّنْیَا ذَکَرَهَا مَعَنَا وَ اِذَا ذَکَرْنَا الْاٰخِرَةَ ذَکَرَهَا مَعَنَا وَاِذَا ذَکَرْنَا الطَّعَامَ ذَکَرَهٗ مَعَنَا فَکُلُّ هٰذَا اُحَدِّثُکُمْ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عباس بن محمد دوری نے یہ حدیث بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبداللہ بن یزید مقری نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت لیث بن سعد نے بیان کی ۔ ان کے ہاں یہ حدیث ابوعثمان ولید بن ابی ولید نے سلیمان بن خارجہ کے حوالہ سے بیان کی ۔ انہوں نے اسے خارجہ بن زید بن ثابت انصاریؓ سے نقل کیا ۔ خارجہ کہتے ہیں کہ ایک جماعت زید بن ثابتؓ کے پاس حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ حضور اکرم ﷺ کے کچھ حالات سنائیں ۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کے کیا حالات سناؤں (وہ احاطۂ بیان سے باہر ہیں) میں حضور اکرم ﷺ کا ہمسایہ تھا ۔ جب حضور اکرم ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ مجھے بلا لیتے میں حاضر ہو کر اس کو لکھ لیتا تھا جس قسم کا تذکرہ ہم کرتے تھے حضور اکرم ﷺ بھی اس قسم کا تذکرہ فرماتے اور جس وقت ہم آخرت کی طرف متوجہ ہوتے ، تو حضور اکرم ﷺ بھی آخرت کے تذکرے فرماتے ۔ یعنی جب آخرت کا کوئی تذکرہ شروع ہو جاتا تو اسی کے حالات اور تفصیلات حضور اکرم ﷺ بیان فرماتے اور جب کچھ کھانے پینے کا ذکر ہوتا تو حضور اکرم ﷺ بھی ویسا ہی تذکرہ فرماتے ۔ یہ سب کچھ آپ ﷺ ہی کے حالات کا تذکرہ کر رہا ہوں ۔

راویان حدیث (۶۰۷) عبداللہ بن یزید المقریؒ (۶۰۸) لیث بن سعدؒ اور (۶۰۹) خارجہ بن زیدؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں ۔

بیان شمائل کے لئے صحابہ کرامؓ کا سوال :

فقال ماذا احدثکم ...... حضور اقدس ﷺ کے تمام عادات و روایات اور اخلاق و شمائل کا احاطہ ممکن نہیں اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے ، کیونکہ وہ تو احاطۂ بیان سے باہر ہیں ۔ حضرات صحابہؓ کے استفسار

حدثنا سے یہ اندازہ بھی ہو جاتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کس قدر آپ ﷺ کے علوم و معارف اور اخلاق و شمائل سننے کے لئے بے تاب و منتظر رہتے ہیں۔

کاتبینِ وحی :

کنت جاره، میں تو حضور اقدس ﷺ کا پڑوسی تھا۔ بسبب قربت کے آپ ﷺ کے اخلاق، حالات، احوال، اعمال، ارشادات اور آپ ﷺ کے شب و روز مجھ پر سب سے زیادہ واضح تھے۔ یہاں تک کہ فکان اذا نزل علیه الوحی بعث الیّ فکتبته له یعنی جب وحی اترتی تو مجھے طلب فرماتے اور میں آپ ﷺ کے لئے لکھ لیتا تھا۔ حضرت زیدؓ کا وحی کی کتابت اکثر الاوقات کے اعتبار سے تھا کہ پڑوس میں قریب رہتے تھے۔ ورنہ اُن کے علاوہ بھی کاتبین وحی کا تذکرہ سیرت کی کتب میں منقول ہے۔ و کتّاب الوحی هم زید و عثمان و علی و أبیّ ومعاویة و خالد بن سعید و حنظلة بن الربیع والعلاء بن الحضرمی و أبان بن سعید ۔(اتحافات ص۳۶۹)(اور کاتبین وحی حضرت زیدؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابیؓ، حضرت امیر معاویہؓ، حضرت خالد بن سعیدؓ، حضرت حنظلہ بن ربیعؓ، حضرت علاء بن الحضرمیؓ اور حضرت ابان بن سعیدؓ ہیں) حضرت امیر معاویہؓ کا ذکر بھی کاتبینِ وحی میں ہوا ہے۔

بعض نے کہا کہ حضرت امیر معاویہؓ صرف مراسلت لکھا کرتے تھے۔ صاحب الکمال فی اسماء الرجال تحریر فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے کاتبینِ وحی میں حضرت معاویہؓ بھی شامل ہیں۔

صحابہ کرمؓ کی دلداری و خاطر داری :

فکنا اذا ذکرنا الدنیا ...... یعنی حضور اقدس ﷺ شفیقِ اُمت تھے۔ انہیں اپنے صحابہؓ سے غایت تعلق، محبت دلداری اور بے تکلفی تھی۔ صرف آخرت ہی آخرت کے تذکرے سنا سنا کر وہ انہیں صرف راہب نہیں بنانا چاہتے تھے، جو شخص بھی جس قسم کے مشورہ کے لئے آنا چاہتے، خواہ وہ دنیوی اُمور کا ہوتا یا اخروی اُمور کا، حتی کہ کھانے پینے کا تو آپ ﷺ ان کو اپنے نیک اور مبارک مشوروں سے سرفراز فرماتے۔

حضرت زیدؓ فرماتے ہیں، اگر ہم اپنی مجالس میں دنیا کی زندگی' اس کے لوازمات' بے ثباتی اور اسی کی تنگی وخوشحالی کا تذکرہ کرتے' تو آپ ﷺ بھی اسی موضوع میں شریک ہو کر اپنے گرانقدر آراء اور مشوروں سے نوازتے اور جب آخرت' دوامِ حیات' وہاں کے انعامات اور سزاؤں کا ذکر کرتے تو اس موضوع میں بھی شریکِ گفتگو ہو جاتے اور اگر مجلس میں خورد ونوش کی اشیاء کا ذکر ہوتا تو اسی گفتگو میں بھی شریک ہو کر متعلقہ موضوع سے متعلق رہنمائی اور ہدایات سے سرفراز فرماتے۔

آخری جملہ کا مفہوم :

فکل ھذا احدثکم .. شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ اس اخیر جملہ کا ترجمہ مشائخ درس کے نزدیک یہی ہے' جو لکھا گیا ہے، لیکن بندۂ ناچیز کے نزدیک شروع حدیث میں (حضور اقدس ﷺ کے کیا حالات سناؤں) کے ساتھ مرتبط ہے اور ترجمہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے ہر نوع کے حالات سنا سکتا ہوں۔ اس لئے جس قسم کے تذکرہ کی درخواست کرو، وہ سناؤں کہ میں پڑوسی بھی تھا اور کاتبِ وحی بھی اور حضور اقدس ﷺ کے معمولات میں دین اور دنیا کھانا پینا' غرض ہر قسم کے تذکرے شامل تھے۔ اس لئے کیا سناؤں اور کونسا تذکرہ کروں کہ ہر تذکرہ عجیب تھا اور ہر سماں لطیف و لذیذ۔

شیخ عبدالرؤفؒ اخیر جملہ **فکل احدثکم** کے متعلق تشریحاً لکھتے ہیں۔ **لتتفقھوا فی الدین فترفعوا الی درجات المقربین.فاعادہ لیؤکد بہ الحدیث و یظھر اھتمامہ بہ و فیہ جواز تحدیث الکبیر مع صحبہ فی المباحات و بیان جواز امثال ذلک واجب علی المصطفٰی فلیس ذکر الدنیا والطعام فی ھذا المقام خالیا عن فائدۃ علمیۃ و ادبیۃ** ۔ (مناوی ج۲ ص۱۸۸) (یعنی یہ سب کچھ آپ ﷺ کے حالات اس لئے بیان کر رہا ہوں تا کہ تم لوگ دین کی تفقہ (سمجھ بوجھ) حاصل کریں تو پھر تم بھی مقربین بارگاہ الٰہی کے بلند مراتب ودرجات کو پہنچ جاؤ گے۔ حضرت زیدؓ نے سابقہ جملہ کو حدیث کی تاکید اور اس کے اہتمام کے اظہار کے لئے ہی دہرایا۔ نیز حدیث سے بزرگ ترین شخصیت کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ مباح امور میں گفتگو کرنے کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے اور ان جیسے امور

کے جواز کا بیان آپ ﷺ کے لئے ایک حد تک ضروری بھی تھا تو گویا اس مقام میں دنیا اور کھانے پینے کے تذکرے علمی اور ادبی فوائد سے ہرگز خالی نہیں)

(۲/۳۳۰) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسٰی حَدَّثَنَا یُوْنُسُ بْنُ بُکَیْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ عَنْ زِیَادِ بْنِ اَبِیْ زِیَادٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ کَعْبِ الْقُرَظِیِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُقْبِلُ بِوَجْهِهٖ وَحَدِیْثِهٖ عَلٰی اَشَرِّ الْقَوْمِ یَتَاَلَّفُهُمْ بِذٰلِکَ فَکَانَ یُقْبِلُ بِوَجْهِهٖ وَحَدِیْثِهٖ عَلَیَّ حَتّٰی ظَنَنْتُ اَنِّیْ خَیْرُ الْقَوْمِ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَا خَیْرٌ اَوْ اَبُوْبَکْرٍ قَالَ اَبُوْبَکْرٍ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَا خَیْرٌ اَمْ عُمَرُ فَقَالَ عُمَرُ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَا خَیْرٌ اَمْ عُثْمَانُ فَقَالَ عُثْمَانُ فَلَمَّا سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَصَدَقَنِیْ فَلَوَدِدْتُ اَنِّیْ لَمْ اَکُنْ سَاَلْتُهٗ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن موسٰی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے یونس بن بکیر نے محمد بن اسحٰق کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت زیاد بن ابی زیاد سے اور انہوں نے محمد بن کعب قرظی سے نقل کی اور انہوں نے اسے عمرو بن العاصؓ سے روایت کیا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قوم کے بدترین شخص کی طرف بھی حضور اقدس ﷺ تالیفِ قلوب کے خیال سے اپنی توجہ اور اپنی خصوصی گفتگو مبذول فرماتے تھے۔ چنانچہ خود میری طرف بھی حضور اکرمؐ کی توجہات اور کلام کا رُخ بہت زیادہ رہتا تھا۔ حتی کہ میں یہ سمجھنے لگا کہ میں قوم کا بہترین شخص ہوں اسی وجہ سے کہ حضور اکرم ﷺ سب سے زیادہ توجہ فرماتے ہیں۔ میں نے اسی خیال پر ایک دن دریافت فرمایا کہ حضور ﷺ! میں افضل ہوں یا ابوبکرؓ، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکرؓ پھر میں نے پوچھا کہ میں افضل ہوں یا عمرؓ، حضور ﷺ نے فرمایا کہ عمرؓ، پھر میں نے پوچھا کہ میں افضل ہوں یا عثمانؓ، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عثمانؓ۔ جب میں نے حضور اکرم ﷺ سے تصریحاً پوچھا تو حضور ﷺ نے بلا رعایت صحیح صحیح فرما دیا اور مجھے یہ خیال ہوا کہ مجھے ایسی بات ہرگز نہیں پوچھنی چاہئے تھی۔

راویان حدیث (۶۱۰) زیاد بن ابی زیادؒ (۶۱۱) محمد بن کعب القرظیؒ اور (۶۱۲) عمرو بن العاصؓ کے

حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

کریمانہ اخلاق کی انتہاء :

یقبل بوجهه ...... حضور اقدس ﷺ بداخلاق، درشت خو اور معاشرے کے بدترین افراد سے بھی حد درجہ خندہ پیشانی، کشادہ روئی سے پیش آئے اور دورانِ گفتگو اپنا رُخ اُن کی طرف پھیر کر بھر پور توجہ سے گفتگو فرماتے اور رحمت و رأفت اور شفقت و محبت سے ان کے حال پر کرم فرماتے، توجہ فرماتے، محبت کرتے تاکہ ان کا دل نرم ہو اور حق قبول کرنے کی طرف مائل ہو۔ حضور اقدس ﷺ ایسے لوگوں کے ساتھ بھی تکبر، رعونت، استکبار اور بے اعتنائی روا نہیں رکھتے تھے، جب غیروں کے ساتھ آپ ﷺ کا یہ حلم تھا، یہ بردباری تھی اور اس قدر شفقت کریمانہ تھی، تو اپنوں کا تو کیا کہنا۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں، حتی ظننت انی خیر القوم ای من کثرة التفاته۔ (جمع ج۲ ص۱۸۹) یعنی وہ سمجھنے لگے کہ میرا مقام و مرتبہ گویا اب حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، سے بھی بڑھ گیا ہے۔

عمرو بن العاصؓ کے سوال کا حقیقت پر مبنی جواب :

اس لئے سوال کر ڈالے جب حضور اقدس ﷺ نے انہیں جواب میں اُن حضرات کی افضلیت کا بتا دیا اور یہ کہ یہ تینوں حضرات علی الترتیب مقام فضل و عظمت پر فائز تھے، جو خود سائل کو بھی معلوم تھے، جیسا کہ ان کے سوال سے مترشح ہوتا ہے اور جمہور صحابہؓ کو بھی معلوم تھے۔ چنانچہ احادیث میں اس کی تصریح آتی ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں صحابہ کرامؓ سب سے زیادہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو پھر حضرت عمرؓ کو، افضل سمجھتے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے۔ ان کے بعد سب سے افضل حضرت عمرؓ کو، ان کے بعد حضرت عثمانؓ کو، پھر ان کے بعد اور صحابہ میں کچھ ترجیح نہ دیتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ان تینوں حضرات کی اس ترتیب سے ترجیح اور افضلیت ایسی عیاں تھی کہ حضور اکرم ﷺ کی حیات ہی میں ہم صحابہ کی جماعت اس کو مانتے تھے۔ حضرت علیؓ کے صاحبزادے محمد نے اپنے والد یعنی حضرت علیؓ سے پوچھا کہ حضور اکرمؐ کے بعد سب سے افضل شخص کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابو بکرؓ۔ میں نے

پوچھا ان کے بعد، انہوں نے فرمایا عمرؓ، اسی طرح سے اور بہت سی روایات ہیں، جن سے حضور اکرمؐ کے زمانے ہی سے یہ ترتیب معلوم ہوتی ہے۔ اسی لئے انہوں نے اپنے سے مقابلہ کے لئے اسی ترتیب سے سوال کیا کہ اوّل ان سے مقابلہ کیا، جو سب سے افضل شمار ہوتے تھے، پھر نمبر۲ پھر نمبر۳ سے کہ میں اگرچہ افضل ترین شخص سے نہیں بڑھ سکا تو شاید نمبر۲ نمبر۳ ہی سے بڑھ جاؤں۔ (خصائل)

عمرو بن العاص کی اپنے سوال پر ندامت :

فصدقنی ...... آپ ﷺ نے بلا رعایت اور میری مدارت کا لحاظ کئے بغیر صحیح جواب مرحمت فرمایا۔ **أی اجابنی بالصدق من غیر مراعاۃ و مدارۃ** ۔ (مواہب ص۲۵۲) جو حقیقت تھی، وہ صحیح صحیح بیان فرمادی۔ بس پھر کیا تھا' خود حضرت عمرو بن العاصؓ نادم ہوئے۔

فلودت انی لم یکن سئلته ' کاش میں نے آپ ﷺ سے یہ بات نہ پوچھی ہوتی۔ شمائل کے حاشیہ میں ہے۔ **ھذہ الندامة من السوال استحیاء من الخطاء الفاحش** یعنی اظہارِ ندامت کا یہ کردار اس شرمندگی کی بنا پر ہوا کہ وہ یہ سوال کر کے صریح غلطی کے مرتکب ہوئے۔

علامہ حافظ زین العراقی نے حدیثِ مذکور کا خلاصہ نظم میں اسی طرح ذکر فرمایا :

یجالس الفقیر و المسکینا و یکرم الکرام اذ یأتونا

لیس مواجھا بشئی یکرھه جلیسه بل بالرضاء یشافھه

(آپ ﷺ کی ہم نشینی (بیٹھنا اٹھنا) فقیروں، مسکینوں سے ہوا کرتی اور جب معزز لوگ آپ ﷺ کے پاس آتے تو ان کی بھی عزت وتکریم فرماتے تھے آپ ﷺ کی ملاقات کا انداز ایسا نہ ہوتا کہ اسے صاحبِ محفل ناپسند کرے بلکہ خوشی رضا آپ ﷺ کا اس سے ملنا جلنا ہوتا)

(۳/۳۳۱) حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَیْمَانَ الضُّبَعِیُّ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ خَدَمْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ عَشْرَ سِنِیْنَ فَمَا قَالَ لِیْ اُفٍّ قَطُّ وَ مَا قَالَ لِیْ لِشَیْءٍ صَنَعْتُهُ لِمَا صَنَعْتَهُ وَلَا لِشَیْءٍ تَرَکْتُهُ لِمَ تَرَکْتَهُ وَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ

مِنْ اَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا وَلَامَسِسْتُ خَزًّا قَطُّ وَلَاحَرِيْرًا قَطُّ وَلَاشَيْئًا كَانَ اَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَلَاشَمِمْتُ مِسْكًا قَطُّ وَلَاعِطْرًا كَانَ اَطْيَبَ مِنْ عَرَقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبۃ بن سعید نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو جعفر بن سلیمان ضبعی نے ثابت کے حوالہ سے بیان کیا اور انہوں نے یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دس برس حضور اقدس ﷺ کی خدمت کی ہے مجھے کبھی کسی بات پر حضور اکرم ﷺ نے اُف تک بھی نہیں فرمایا، نہ کسی کام کے کرنے میں یہ فرمایا کہ کیوں کیا اور اسی طرح نہ کبھی کام کے نہ کرنے پر یہ فرمایا کہ کیوں نہیں کیا۔ حضور اقدس ﷺ اخلاق میں تمام دنیا سے بہتر تھے (ایسے ہی خلقت کے اعتبار سے بھی حتی کہ) میں نے کبھی کوئی ریشمی کپڑا یا خالص ریشم یا کوئی اور نرم چیز ایسی نہیں چھوئی جو حضور اقدس ﷺ کی بابرکت ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور میں نے کبھی کس قسم کا مشک یا کوئی عطر حضور اکرم ﷺ کے پسینہ کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار نہیں سونگھا

حضرتِ انسؓ خدمتِ نبوی میں :

قال خدمت رسول اللہ صلی اللہ ...... حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مجھے حضور اقدس ﷺ کی خدمت کا شرف دس سال تک حاصل رہا۔ عشر سنین کی تصریح ہے۔ بعض روایات میں تسع سنین' کی تصریح ہے تو یہ کسر کے حذف اور شمار پر محمول ہوگا، جن روایات میں کسر کا حذف ہے۔ وہاں نو سال کی تصریح ہے اور جن میں کسر کو شمار کیا گیا ہے، وہاں دس سال کا ذکر آ گیا ہے۔ اس قسم کے اطلاقات مجازی ہوتے ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت طلحہؓ سے فرمایا کہ کام کاج کے لئے کوئی لڑکا تلاش کر کے لاؤ۔ یہ کام حضرت طلحہؓ کے حوالے کیا گیا، جبکہ بعض دوسری روایات میں ہے کہ حضرت انسؓ کو خود اُن کی والدہ لے آئیں اور بارگاہِ نبوت میں پیش فرمایا، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں روایات درست ہیں اور ان میں کوئی منافاۃ نہیں ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے حضرت طلحہؓ سے کہا کہ وہ لڑکا تلاش

کر کے لائیں، وہ تلاش میں ہوں کہ اس دوران حضرت انسؓ کی والدہ خود انہیں لا کر حاضر خدمت ہوئی ہوں یا کسی سے سنا ہو کہ آپ ﷺ کو خادم کی ضرورت ہے اور تلاش جاری ہے۔ تب لائی ہوں کہ اس سے بڑھ کر موقع سعادت اور کیا ہو سکتا ہے۔

ناگوار اُمور پر اُف تک نہ کہا:

فما قال لی اُف قط ' حضرت انسؓ بارگاہِ نبوت میں اپنی خدمت وصحبت کا دس سالہ مشاہدہ بیان فرماتے ہیں کہ گھر کے خادم ہونے کے ناطے دانستہ یا نادانستہ مجھ سے فروگذاشتیں بھی ہوتی ہوں گی، کوتاہیاں تو لازمۂ بشریت ہیں، مگر آپ ﷺ کبھی ناراض نہ ہوئے اور کسی بھی ناگوار امر پر ہلکی سے ہلکی تنبیہ کرتے ہوئے اُف تک بھی نہیں کہا اور نہ کبھی یہ کہا یہ کام کیوں کیا اور نہ کبھی یہ کہا کہ یہ کام کیوں چھوڑا۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ 'اتباعِ سنت کا کامل نمونہ:

اس موقع پر مجھے اپنے شیخ و مربی 'اپنے اُستاذ امیر المؤمنین فی الحدیث محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہ بے اختیار یاد آنے لگے۔ وہ ایک سچے عاشقِ رسول ﷺ تھے۔ اتباعِ سنت میں کامل تھے۔ مجھے دس سال کی خدمت، صحبت، قربت، سفر وحضر کی رفاقت کا موقع میسر آیا۔ حضرت کے ساتھ علمی و دینی کام کئے۔ تدریسی کام، انتظامی اُمور، حضرت کے شب و روز کے کاموں میں معاونت کے علاوہ سیاسی رفاقتیں بھی رہیں۔ حضرت کے حینِ حیات اُن کے حکم بلکہ ان کی موجودگی میں جمعہ، عیدین، تبلیغی و اصلاحی اجتماعات اور حضرت ہی کی جانب سے بعض بڑے بڑے سیاسی جلسوں میں تقریر و بیانات اور خطاب کے مواقع ملتے رہے، مگر قربان جاؤں حضرت شیخ کی ادا و اندازِ تربیت پر، اس طویل عرصۂ خدمت و رفاقت میں حضرتؒ نے مجھے کبھی اُف تک نہ کہا، بلکہ تحریر و تقریر بیان و خطاب میں بھی نہ کبھی موضوع دیا، نہ عنوان، نہ مشورہ، نہ نقد و جرح، نہ اعتراض بلکہ ہر موقع پر مسرت و خوشی کا اظہار فرماتے اور ڈھیروں دعاؤں سے نوازتے اور یہ کیوں نہ ہوتا کہ آپ ﷺ سے محبت تھی۔ سنت پر عمل ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔

ابونعیم کی روایت :

بہر حال یہاں تو اسی قدر نقل ہے۔ وھذا الحدیث رواہ ابو نعیم عن انس ایضاً بلفظ خدمت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عشر سنین فما سبنی قط و ماضر بنی ضربۃ ولا انتھرنی ولاعبس فی وجھی ولاامرنی بامر فتوانیت فیہ فعاتبنی علیہ فان عاتبنی احد قال دعوہ و لو قدر شئی کان ۔(مواہب ص۲۵۲) (اور یہی حدیث ابونعیم نے حضرت انسؓ سے ان الفاظ میں ذکر کی ہے کہ میں نے حضور ﷺ کی دس سال تک خدمت کی نہ تو کبھی مجھے آپ ﷺ نے برا بھلا کہا اور نہ کبھی مجھے معمولی طور پر مارا اور نہ مجھے ڈانٹا اور نہ میرے سامنے کوئی تیوری چڑھائی اور نہ مجھے کسی کام میں سستی کرنے پر جھڑکا۔ بلکہ اگر کوئی مجھے عتاب کرتا اور جھڑکتا تو فرماتے بھائی! اس کو جانے دو، کچھ نہ کہو جو مقدر تھا وہ ہو کر رہتا ہے)

رضا بالقضاء :

حضرت انسؓ ہوں یا آپ ﷺ کے دیگر خدام ومحبین اور صحابہ کرامؓ، آپ ﷺ کا ان کو اُف تک نہ کہنا یہ کمالِ اخلاص اور غایت تواضع کی بنا پر تھا۔ خدام کے افعال کوتاہیوں اور افراط وتفریط کو ان کا اپنا فعل نہ سمجھتے، بلکہ سب کچھ من جانب اللہ تصور کرتے تھے اور اسی پر راضی ہوتے تھے۔ فکان یشھد أن الفعل مِن اللّٰہ ولا فعل لأنس فی الحقیقۃ فلا فاعل الا اللّٰہ و الخلق الآن و سائط فالغضب علی المخلوق فی شئی فعلہ او ترکہ ینافی کمال التوحید کما ھو مقرر فی علمہ مِن وحدۃ الافعال ۔(مواہب ص۲۵۲) (پس آپ ﷺ کی یہ شہادت ہوئی کہ یہ دراصل حضرت انسؓ کا فعل نہیں ہوا کرتا بلکہ اللہ ہی کی ذات سب کچھ کرتی ہے تو درحقیقت ہر چیز کے فاعل (کرنے والے) اللہ ہی ہیں اور ساری مخلوق صرف وسائط اور ذرائع کے درجہ میں ہے پس مخلوق پر غیظ وغضب کسی ایسے امور میں کہ اس نے ہی اسے کیا ہے یا چھوڑا ہے یہ کمال توحید کے منافی ہوا جیسا کہ علم خداوندی میں افعال کی وحدت مقرر اور ثابت شدہ ہے) جیسا کہ اوپر ابونعیم کی روایت میں تصریح ہے۔ ولو قدر شئی کان کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے مقدر میں ہوتا تو ہو جاتا۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے یہاں پر رضا بالقضاء کا دلچسپ مضمون لکھا ہے :

یہ محبوب کے فعل کے ساتھ غایتِ لذت ہے، اور صوفیہ کی اصطلاح میں رضا بر قضا کی اصل اور سند ہے۔ رابعہ بصریہؒ کا مشہور مقولہ ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے اللہ ! اگر تو میرے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر ڈالے تو میری محبت میں اس سے کچھ اضافہ ہی ہوگا اور کاملینِ صوفیہ کے تمام ہی حالات حضور اقدس ﷺ ہی کے مختلف احوال سے اخذ کیے گئے ہیں، لیکن نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس جامعیت کے کمال پر تھی۔ بعد میں جامعیت کا یہ درجہ نہیں رہ سکا۔ اس لئے حضراتِ صوفیہ کرام میں کسی جگہ حضور ﷺ کی کسی عادت کا ظہور ہوا اور کسی جگہ کسی دوسری حالت کا شیوع ہوا۔ یہاں یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا یہ معاملہ اپنی ذات کے متعلق تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنی ذات کے لئے کبھی بھی انتقام نہیں لیا۔ البتہ اللہ جل شانہٗ کی کسی حرمت کی ہتک کی جائے (مثلاً کسی حرام چیز کا ارتکاب کیا جائے) تو اس کا بدلہ ضرور لیتے تھے۔ (خصائل ص:۳۰۴)

و ذكر الشيخ ابراهيم البيجوريؒ ما قال لی لشئی صنعته لم صنعته ولاشئی تركته لم تركته أی لشدة وثوقه و يقينه بالقضاء و القدر و لذلک زاد فی رواية و لكن يقول قدر الله وماشاء فعل ولو قدر الله كان ولو قضى لكان۔ (مواہب ص۲۵۲) (شیخ ابراہیم البیجوریؒ نے ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ کے خادم حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جب کبھی کوئی کام کیا ہے تو آپؐ نے مجھے یہ نہیں کہا کہ یہ کیوں کیا ہے اور نہ جب میں نے کوئی کام چھوڑ دیا ہو اور آپ ﷺ نے فرمایا ہو کہ یہ کیوں چھوڑ دیا (یہ اس لئے) کہ آپ ﷺ قضا و قدر پر پورا یقین اور مکمل اعتماد رکھتے تھے۔ اسی لئے تو ایک روایت میں یہ زیادتی ہے کہ آپ ﷺ یہ فرمایا کرتے کہ جو اللہ نے مقدر کیا اور وہ جو بھی چاہتا ہے کرتا ہے (یا یہ فرماتے) کہ جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، جو قضا و قدر میں مقدر ہو ویسے ہی ہو جاتا ہے)

سیرت وسوانح کا ایک عظیم باب :

حضرت انسؓ کے چند جملے حضور اقدس ﷺ کی سیرت وسوانح کا ایک عظیم باب ہیں۔ آپ

کے کریمانہ اخلاق، صبر، حسنِ معاشرت، حلم و علم، تحمل و بردباری، عفو، چشم پوشی و تسامح، زبان کی عفت و عصمت، خدام پر شفقت و تالیفِ قلوب اور وسعتِ رحمت و عنایت کی ایک خوبصورت منظر کشی ہے۔

علامہ بیجوریؒ اسی بات کا اپنے الفاظ میں تذکرہ کر رہے ہیں۔

و فی ذلک بیان کمال خلقه و صبره و حسن عشرته و عظیم حلمه و صفحه و ترک العقاب علی مافات و صون اللسان عن الزجر والذم للمخلوقات و تألیف خاطر الخادم بترک معاتبته علی کلا الحالات وهذا کله فی الأمور المتعلقة بحظ الانسان ۔(مواہب ص ۲۵۲)

حضرت انسؓ کی عظمت و مقام :

نیز اس سے حضرت انسؓ کی فضیلت و عظمت، خدمت و اطاعت اور کمال محبت کا بھی اندازہ لگ جاتا ہے کہ وہ مکمل دس سال تک آپ ﷺ کی خدمت میں رہ کر کسی بھی خلافِ شرع امر کے مرتکب نہیں ہوئے، کیونکہ خلافِ شرع کام پر آپ ﷺ کا سکوت ممکن ہی نہ تھا۔ اس لئے کہ آپ ﷺ غیر شرعی امور کے ارتکاب میں تسامح نہیں فرماتے بلکہ (آپ ﷺ کی عادت مستمرہ تھی) کہ جب کبھی اللہ تعالیٰ کے محارم (ممنوعات) کی بے حرمتی کی جاتی تو آپ ﷺ کا غیظ و غضب بڑھ جاتا تھا۔ چنانچہ علامہ بیجوریؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ فلایتسامح فیه لأنه اذا انتهک شی مِن محارم اللّٰه اشتد غضبه و هذا یقتضی ان أنساً لم ینتهک شیئاً مِن محارم اللّٰه و لم یرتکب ما یوجب المؤاخذة شرعاً فی مدة خدمته له صلی اللّٰه علیه وسلم ففی ذلک منقبة عظیمة له و فضیلة تامة۔ (مواہب ص ۲۵۳)

اخلاقِ حمیدہ :

وکان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم مِن احسن الناس خلقاً۔ حضور اقدس ﷺ اخلاق کے لحاظ سے تمام لوگوں سے احسن و افضل تھے۔ اس سے قبل آپ ﷺ کے ایسے اخلاقِ حمیدہ کا بیان تھا، جو حضرت انسؓ سے متعلق تھا۔ یہاں آپ ﷺ کے ان اخلاقِ حسنہ کا بیان ہے، جو عام لوگوں کے ساتھ تھے۔ گویا یہ تعمیم بعد تخصیص ہے۔ هذا شأنه مع عموم الناس لامع خصوص أنس قال

تعالٰی و انک لعلی خلق عظیم و قال ! لو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا مِن حولک ۔ (مواہب ص ۲۵۳) (حضور ﷺ کے ایسے حسن اخلاق کا یہ برتاؤ صرف حضرت انس ؓ کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ آپ ﷺ تو عام لوگوں کے ساتھ برتاؤ میں حسن اخلاق کے پیکر تھے اللہ تعالیٰ نے وانک لعلیٰ خلقٍ عظیم (اور تمہارے اخلاق بڑے (عالی) ہیں) میں عالی اخلاق پر ہونے کی سند عطا فرمائی اور فرمایا کہ "اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے)

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

مبارک ہاتھوں کی ملائمت :

ولا مسست خزا ...... یعنی حضور اقدس ﷺ بلندیٔ اخلاق اور عظمتِ خلق کی طرح اپنی خِلقت میں بھی انتہائی لطیف اور حسین وجود رکھتے تھے۔ یہ الفاظ اس سے ماقبل بیان کردہ روایت انه شن الکف (ای غلظهما) کے منافی نہیں ہے۔ لان المراد انه کان ناعما غلیظ اللحم والعظم فاجتمع له نعومة البدن و قوته ۔ (مناوی ج۲ ص ۱۹۲) (اس لئے کہ ان (دونوں روایات کا حاصل) اور مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کا بدن مبارک نرم وملائم ہونے کے ساتھ (ہڈی اور جوڑوں کی حیثیت سے) انتہائی مضبوط اور طاقتور تھا۔ تو گویا آپ ﷺ میں بدن اور اعضاء کی قوت کے ساتھ ان کے ملائم ہونے کی کیفیت مجتمع تھی)

حدیث مسلسل بالمصافحہ :

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ تحریر فرماتے ہیں :

اس حدیث کے اخیر جزء کے متعلق ایک عجیب قصہ ہے، جس سے حضراتِ صحابہ کرامؓ اور محدثین رضی اللہ عنہم اجمعین کی حضور اکرم ﷺ کے ساتھ غایتِ محبت اور عشق کا پتہ چلتا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت انسؓ ایک مرتبہ غایتِ فرحت ولذت کے ساتھ کہنے لگے کہ میں نے اپنے اِن ہاتھوں سے

حضورِ اکرم ﷺ کے ساتھ مصافحہ کیا۔ میں نے کبھی کسی قسم کا حریر یا ریشم حضورِ اکرم ﷺ کے ہاتھوں سے زیادہ نرم نہیں دیکھا۔ شاگرد نے جس کے سامنے یہ حدیث بیان کی، اسی شوق سے عرض کیا کہ میں بھی ان ہاتھوں سے مصافحہ کرنا چاہتا ہوں، جن ہاتھوں نے حضور ﷺ سے مصافحہ کیا۔ اُس کے بعد سے یہ سلسلہ ایسا جاری ہوا کہ آج ساڑھے تیرہ سو برس سے زیادہ تک یہ سلسلہ جاری ہے اور مصافحہ کی حدیث سے یہ مشہور ہے کہ اس حدیث میں مسلسل مصافحہ ہوتا آیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنے رسالہ مسلسلات میں بھی اس کو ذکر کیا ہے، جس کے ذریعہ سے میرے اُستاذ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ تک بھی اسی طرح پہنچی۔ (خصائل ص ۳۰۵)

وجودِ مسعود کی مبارک خوشبو :

و لا شممت مسکاً قط ...... یعنی یہ خوشبو آپ ﷺ کے وجودِ مبارک کی اپنی خوشبو تھی، کسی عطر یا مشک وغیرہ کی خوشبو نہیں تھے۔ اسحٰق بن راہویہ فرماتے ہیں "اِنَّ تِلْکَ کَانَتْ رَآئِحَتُہٗ بِلَاطِیْبٍ" کہ یہ خوشبو بدون خوشبو لگائے ہوئے کے تھی۔ گویا خود آپ ﷺ کے وجودِ اقدس و مطہر ہی کی تھی، نہ کہ اس پر لگائی ہوئی۔ **ریحہ الذاتیۃ لا المکتسبۃ** (مناوی ج۲ ص۱۹۲) آنحضور ﷺ کا وجودِ مبارک طیّب و مطیب تھا، جس راستے سے آپ ﷺ گذرتے تھے، صحابہ کرامؓ آنجناب ﷺ کی خوشبو پا کر اسی راستے پر جاتے اور آپ ﷺ کو پالیتے۔ رئیس المحدثین امام بخاریؒ تاریخ کبیر میں حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جس راستے پر سے گذرتے اور کوئی شخص آنجناب ﷺ کو تلاش کرتا تو وہ خوشبو سے پہچان لیتا کہ آپ ﷺ اس راستہ سے تشریف لے گئے ہیں۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں : **کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذامرّ فی طریق من طرق المدینۃ و جدوا منہ رائحۃ الطیب و قالوا مر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ھذا الطریق** (اخرج البزار و ابویعلیٰ) حضور سیدِ دو عالم ﷺ جب مدینہ منورہ کے بازاروں میں سے کسی بازار میں تشریف لے جاتے، تو صحابہؓ آپ ﷺ کی خوشبو پا کر اسی راستے سے آپ ﷺ کو پالیتے اور کہتے کہ حضور ﷺ اسی راستے سے گذرے ہیں

ایک بار حضور اقدس ﷺ حضرت انسؓ کے گھر آرام فرما رہے تھے کہ حضور ﷺ کو پسینہ آیا'
فجاء ت امه بقارورة تجمع فيهاعرقه فسألها رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذالك فقالت نجعله فی طيبنا و هو اطيب الطيب۔ تو حضرت انسؓ کی والدہ ماجدہ ایک شیشی لائیں اور اس میں حضور ﷺ کا پسینہ مبارک جمع کرنے لگ گئیں ۔ آنحضور ﷺ نے اس پسینہ کے جمع کرنے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب میں عرض کیا ہم اس کو اپنی خوشبو میں ملا دیں گے اور یہ پسینہ مبارک اعلیٰ درجے کی خوشبو ہے ۔

اور ایک روایت میں یہ بھی ہے۔ قالت يا رسول الله نرجو بركته لصبياننا قال اصبت وروى البخاری نحوه کہ ام سلیمؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم قوی اُمید رکھتے ہیں کہ ہمارے بچے اس سے بابرکت ہو جائیں گے ۔ شفیقِ اُمت مومنوں پر رؤف و رحیم پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا اے اُم سلیم! تو نے سچ کہا ۔

صاحبِ مرقاۃ فرماتے ہیں: و فيه استحباب التبرک والتقرب بآثار الصالحين قيل لما حضر انس بن مالک الوفاة اوصی ان يجعل فی جنوبه مِن ذالک الطيب یعنی اس سے ثابت ہوا کہ اولیائے کرام کی نشانیوں کا تقرب اور تبرک حاصل کرنا مستحب ہے، کہا گیا ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ اس خوشبو سے مجھے خوشبو لگائی جائے ۔
حضور اقدس ﷺ اگر کسی سے مصافحہ کرتے تو تمام دن اس شخص کو اپنے ہاتھ سے حضور ﷺ کے دست ہائے مبارک کو چھونے کی بدولت خوشبو آتی رہتی اور اگر کسی بچے کے سر پر ہاتھ پھیر دیتے تو وہ بچہ اس خوشبو کی وجہ سے دوسروں بچوں میں پہچانا جاتا۔ جابر بن سمرہ سے روایت ہے :

قال صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوٰة الاولىٰ ثم خرج الىٰ اهله و خرجت معه فاستقبله و لدان فجعل يمسح خدی احدهم واحداً واحداً واما انا فمسح خدی فوجدت ليده بردا وريحا كانما اخرجها من جونة عطار (رواہ مسلم) وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ظہر کی نماز حضور اقدس ﷺ کے ساتھ ادا کی ۔ حضور ﷺ اپنے گھر تشریف لے جانے کے لئے مسجد

سے نکلے۔ میں بھی آنحضور کے ساتھ چل پڑا۔ پس جو بچے آپ ﷺ کے سامنے سے آتے تو ہر ایک کے رُخسار پر دست شفقت پھیرتے، جب میری باری آئی تو میرے دونوں رخساروں پر اپنا ہاتھ مبارک پھیرا، میں نے حضور اقدس ﷺ کے دست مبارک کی ٹھنڈک کو پایا اور خوشبو بھی پائی۔ وہ خوشبو ایسی تھی گویا کہ ابھی کسی عطر فروش کے ڈبیہ سے نکلی ہے ۔

ایک حدیث شریف میں ہے: عن ابی هريرة قال جاء رجل الى النبى صلى الله عليه وسلم فقال انى زوجت ابنتى و احب ان تعيننى قال ما عندى شئى ولكن ائتنى بقارورة واسعة الرأس و ع ود شجرة فجعل النبى صلى الله عليه وسلم يسلت العرق من ذراعيه حتى امتلئت القارورة قال خذها و أمر بنتك ان تغمس هذا العود فى القارورة و تطيبت به فكانت اذا تطيبت يشم اهل المدينة رائحة الطيب فسموا بيت المطيّبين ۔(اخرج ابويعلىٰ والطبرانى فى الاوسط و ابن عساكر)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں اپنی بیٹی کی شادی کرنا چاہتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ آنجناب ﷺ بھی میری امداد فرماویں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے پاس تو اس وقت کچھ نہیں، مگر ہاں ایک کھلے منہ والی بوتل لاؤ وہ لے آیا تو حضور ﷺ نے اپنے بازوؤں مبارک سے پسینہ مبارک لے کر اس شیشی میں ڈالا اور فرمایا یہ لے جا اور اپنی لڑکی سے کہہ دے کہ اس شیشی سے پسینہ مبارک لے کر بطور خوشبو استعمال کرے۔ چنانچہ جب کبھی وہ اس پسینہ مبارک کو بطور خوشبو استعمال کرتی تو تمام مدینہ منورہ اس خوشبو سے مہک جاتا۔ اسی وجہ سے اس گھر کا نام ہی خوشبو لگانے والوں کا گھر پڑ گیا ۔

ابراہیم بن اسماعیل مزنی نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے :

انه اردفنى رسول الله صلى الله عليه و سلم فالتقمت خاتم النبوة بفمى فكان شيم على مسكا ۔ یہ کہ حضور ﷺ نے مجھے سواری پر اپنے پیچھے بٹھالیا۔ میں نے حضور اکرم ﷺ کی مہر نبوت کو اپنے منہ کے اندر لے لیا تو اس سے مشک کی مہک اور لپٹ آ رہی تھی

(۳۳۲/۴) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَ اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ هُوَ الضَّبِّيُّ وَالْمَعْنٰى وَاحِدٌ قَالَا حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ سَلْمٍ الْعَلَوِيِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ عِنْدَهٗ رَجُلٌ بِهٖ اَثَرُ صُفْرَةٍ قَالَ وَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَكَادُ يُوَاجِهُ اَحَدًا بِشَيْءٍ يَكْرَهُهٗ فَلَمَّا قَامَ قَالَ لِلْقَوْمِ لَوْ قُلْتُمْ لَهٗ يَدَعُ هٰذِهِ الصُّفْرَةَ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبۃ بن سعید اور احمد بن عبدۃ ضبّی نے یہ حدیث بیان کی ۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم کو اسے حماد بن زید نے سلم علوی کے حوالے سے بیان کیا اور انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس ایک شخص بیٹھا تھا، جس پر زرد رنگ کا کپڑا تھا۔ حضور اکرم ﷺ کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ ناگوار بات کو منہ در منہ منع نہ فرماتے تھے ۔ اس لئے سکوت فرمایا اور جب وہ شخص چلا گیا تو حضور اکرم ﷺ نے حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس کو زرد کپڑے سے منع کر دیتے تو اچھا ہوتا ۔

راوی حدیث (۶۱۳) سلم العلویؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں ۔

به اثر صفرةٍ ...... یعنی اس کے کپڑوں پر زرد رنگ کا نشان تھا۔ اس کے کپڑوں پر ایک قسم کی خوشبو لگی ہوئی تھے، جس میں زرد زعفران کا اثر تھا اور یہ خوشبو عموماً زفاف کے موقع پر استعمال ہوتی ہے۔ ارشاد ہے کہ تم لوگوں کو چاہئے تھا کہ اسے کہتے کہ زردی لگانا چھوڑ دے ۔

یعنی حضور ﷺ نے اس وقت موجود صحابہؓ کو ارشاد فرمایا کہ کیا ہی بہتر ہوتا اور اچھا ہوتا کہ تم لوگ اس کو زعفرانی خوشبو کے استعمال کرنے سے منع کر دیتے ۔ ولو هنا شرطية أو للتمنى ، والظاهر ان هذ الرجل كان ممن يخشى منه مخالفة النبى صلى الله عليه و سلم فاوعزالى أحد الصحابة أن يكلموه (اتحافات ص۳۷۲) (اور یہاں لفظ لو شرطیہ ہے یا پھر تمنی کے لئے استعمال ہوا اور حدیث کے مفہوم سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس شخص سے نبی کریم ﷺ کو اپنی مخالفت کا خوف متصور تھا تو اپنے صحابہؓ میں سے کسی کو اشارۃً فرمایا کہ اس سے اس سلسلہ میں (زعفرانی خوشبو کے استعمال سے منع کرنے میں) گفتگو کر لیں)

ترک مواجہت میں بھی مصلحت تھی :

لایکاد یواجه ...... حضور ﷺ نے اس کی موجودگی میں کچھ نہیں فرمایا اور اس کے جانے کے بعد یہ تمنا کی۔ اس میں بھی ایک حکمت اور مصلحت تھی۔ علامہ مناویؒ فرماتے ہیں، **لان مواجهته ربما تفضی الی الکفر لان من یکره امره و یأبی امتثاله عناداً او رغبة عنه یکفر و فیه مخافة نزول العذاب والبلاء ...... ففی ترک المواجهة مصلحة**۔ (مناوی ج۲ ص۱۹۳)

(اس لئے کہ اس کو منہ درمنہ بات کرنے سے کبھی کفر تک پہنچ جانے کی نوبت ہوسکتی ہے اس لئے کہ آپ ﷺ کے فرمان مبارک سے ناپسندیدگی کا اظہار اور آپ ﷺ کے حکم کو ضد اور ہٹ دھرمی سے نہ ماننا اور اس سے روگردانی کرنا کفر ہی تو ہے اور اس صورت میں عذاب خداوندی اور مصائب کے نازل ہو جانے کا قوی خطرہ موجود تھا تو اس لئے ترکِ مواجہت (آمنے سامنے کچھ نہ کہنے) میں بڑی مصلحت پوشیدہ تھی)

سرور دو عالم ﷺ کا اس مجلس میں اس شخص کو غایتِ شفقت وحیا کی وجہ سے منع نہ فرمانا۔ یہ اس بات پر بھی دلیل ہے کہ اس قسم کی خوشبو لگانا حرام نہیں ہے، ورنہ حرام کام کرنے کو حضور سرورِ عالم ﷺ کسی وقت بھی برداشت نہیں فرماتے تھے اور اگر کوئی شخص بھی کسی غیر شرعی کام کو کرتا اور آپ ﷺ دیکھ لیتے تو اس وقت آپ ﷺ کا مزاج شریف غصہ کے عالم میں بدل جاتا اور پھر صحابہ کرامؓ اس کیفیت کو دیکھ کر کانپ اُٹھتے۔

یعنی شیخ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر ہو رہا ہے کہ اس خوشبو کا استعمال حرام نہیں تھا، اگر حرام ہوتا تو حضور ﷺ اس شخص کے مجلس سے اُٹھ جانے تک کا انتظار نہ فرماتے اور اس کو اس خوشبو کے استعمال کے ترک کرنے کا حکم فرماتے۔

(۳۳۳/۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ الْجَدَلِیِّ وَاسْمُهُ عَبْدُ بْنُ عَبْدٍ عَنْ عَآئِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ لَمْ یَکُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ

وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَّلَا مُتَفَحِّشًا وَّ لَاصَخَّابًا فِي الْاَسْوَاقِ وَلَايَجْزِيْ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ وَلٰكِنْ يَعْفُوْ وَ يَصْفَحُ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے شعبہ نے ابی اسحٰق کے حوالہ سے بیان کیا اور انہوں نے اسے ابوعبداللہ جدلی جس کا نام عبد بن عبد تھا سے روایت کیا اور انہوں نے امّ المؤمنین حضرت عائشہؓ سے نقل کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نہ تو طبعاً فحش گو تھے، نہ بتکلف فحش بات فرماتے تھے، نہ بازاروں میں چلّا کر (خلافِ وقار) باتیں کرتے تھے۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے، بلکہ معاف فرمادیتے تھے اور اس کا ذکر تذکرہ بھی نہ فرماتے تھے۔

راوی حدیث (۶۱۴) ابی عبداللہ الجدلیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

فاحشاً و متفحشاً کی تشریح :

فاحشاً، جس کے اقوال، افعال، اعمال، صفات میں قباحت، بدخلقی اور بخیلی ہو، و استعماله فی القول اکثر (مناوی ج۲ص۱۹۴) (اور اس کا استعمال قول کی قباحت میں زیادہ ہے متفحشاً جوخواہ مخواہ فحش گو بنے، لگی بندھی مجلس بنائے، ای متکلفاً للفحش فی ذلک (مناوی ج۲ص۱۹۴) بعض آدمی طبعاً فحش اور بے ہودہ مذاق کے عادی ہوتے ہیں اور بعض لوگ بہ تکلف مجلس کے طرز کو بٹھانے کے لئے فحش گوئی کرتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے دونوں کی نفی کردی۔ بازار میں بھی بہ ضرورت جانے کی ممانعت نہیں، مگر وہاں جاکر شور شغب وقار کے خلاف ہے۔

ملاعلی قاریؒ کا ارشاد :

علامہ ملاعلی قاریؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ والمراد بالفاحش فی الحدیث ذوا لفحش فی کلامه و فعله و المتفحش یتکلف الفحش و یتعمده فنفت عنه صلی اللہ علیه وسلم الفحش و المتفحش به طبعاً و تکلفاً۔ (جمع ج۲ص۱۹۴) یعنی اس حدیث میں غیر اخلاقی اندازِ تکلم اختیار کرنے والے کو خواہ وہ طبعاً ہو یا تکلفاً فحش گو کہا گیا ہے اور متفحش سے بہ تکلف فحش کہنا اور دیدہ

دانستہ اس پر عمل پیرا ہونا مراد ہے، چنانچہ حضور اقدس ﷺ سے اُم المؤمنینؓ نے فحش اور متفحش ہونے کی نفی فرمادی۔ گویا آپ ﷺ نہ طبعاً اور نہ ہی تکلفاً فحش گو تھے۔

شور وشغب سے مکمل اجتناب :

ولا صخاباً فی الاسواق ...... صخاب شور مچانے اور غل غپاڑہ کرنے والے کو کہتے ہیں۔ یعنی بازاروں میں چیخنے چلاتے نہ پھرتے تھے، بلکہ پہلی آسمانی کتابوں میں بھی آنحضور ﷺ کی تعریف وتوصیف کے موقع پر یہ صفت بھی بیان کی گئی ہے۔ کعب احبار نے کہا کہ : **فی التوارة محمد عبدی لیس بفظ ولاغلیظ ولاصخوب فی الاسواق** ۔ تورات میں ہے محمد ﷺ میرا بندہ ہے، اکھڑ اور سخت مزاج نہیں ہے، نہ بازار میں چلانے والا اور نہ ہی شور کرنے والا۔

وسائل الوصول میں علامہ یوسف بن اسماعیل نبھانیؒ ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت نقل کرتے ہیں :

نبی علیہ السلام کبھی کوئی ناشائستہ اور نازیبا بات نہیں کرتے تھے۔ بازاروں میں اُونچی آواز سے بات نہیں کرتے تھے۔ کوئی آپ ﷺ کے ساتھ بُرائی کرتا تو اس کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے۔ اسے معاف کردیتے تھے۔ تورات میں خدا نے آپ ﷺ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ نہ بری شکل والا، نہ سخت مزاج ہے اور نہ بازاروں میں اُونچی آواز سے بولتا ہے، برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتا، لوگوں کو معاف کردیتا ہے، اس کی جائے پیدائش مکہ مکرمہ ہے۔ طابہ (مدینہ منورہ) میں ہجرت کرے گا وہ (ﷺ) اور اس کے ساتھی (**رضوان اللہ علیھم اجمعین**) تہبند باندھتے ہوں گے اور وضو کرتے ہوں گے (وسائل الوصول)

بُرائی کے بدلے بُرائی نہ کرتے :

ولا یجزی بالسئیة ...... یعنی اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے، لیکن درگذر فرماتے اور اعراض فرماتے یعنی اگر آنحضور ﷺ کے ساتھ کوئی شخص بداخلاقی، برائی اور بدی سے پیش آتا تو حضور اقدس رحمۃ للعالمین ﷺ اپنے انتہائی کریمانہ اور بزرگانہ اخلاق سے بخش دیتے اور معاف فرما

دیتے۔حضور پاک شفیقِ امت رسول کریم ﷺ کی سیرت طیبہ ہزار ہا ایسے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔صاحبِ روض نطیف فرماتے ہیں : يَعْفُوْ وَ يَصْفَحُ عَنْ جَانٍ جَنِیَ كَرَمًا وَ يَقْبَلُ الْعُذْرَ عَمَّنْ جَآءَ بَعْتَذِرٍ......یعنی آپ ﷺ اپنے کرم سے ہر خطاوار کی خطا کو معاف فرمادیتے اور درگذر فرماتے اور جوکوئی عذر کرتا ہوا آتا آپ ﷺ اس کا عذر قبول فرماتے ۔

عفو درگذر :

و لکن یعفو و یصفح : عفو کے معنٰی ترک عقوبة المذنب (مجرم کی سزا کو ترک اور معاف کردینا) اور صفح کا معنٰی اعراض عن تثریب المذنب (مجرم کے جرم وقصور سے اعراض اور روگردانی کرنا) کے ہیں۔ اوالمراد یعفو بباطنه و یصفح ای یعرض بظاهره ...... و ذلک منه طبعاً وامتثالا لقوله سبحانهٗ و تعالٰی فاعف عنهم واصفح و حسبک عفوه و صفحه عن اعداء ه الذین حاربوه و بالغوا فی ایذائه حتی کسروا رباعیته و شجوا وجهه وما من حلیم الا و قد عرف له زلة اوهفوة تخدش فی کمال حلمه الاالمصطفٰی فانه لایزیده شدة الایذاء له والجهل علیه الاعفوا و صفحاً (مناوی ج۲ص۱۹۴)(یا یعفو ویصفح کا مطلب یہ کہ آپؐ اندرونی طور پر معاف کردیتے اور ظاہری طور اعراض اور چشم پوشی کا معاملہ فرمایا کرتے اور یہ صورتحال آپ ﷺ سے طبعاً اور بطور امتثال اللہ تعالٰی کے اس ارشاد مبارک کے کہ اے حضور! آپ ﷺ ان لوگوں سے صفح اور درگذر فرمایئے۔آپ ﷺ کے عفو ودرگذر فرمانے کے حالات واقعات کے سلسلہ میں یہی کافی وشافی ہے کہ آپ ﷺ نے تو ان دشمنوں سے بھی عفواور درگذر کرنے کا معاملہ فرمایا۔جنہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ جنگ وجدل ایذا رسانی اور ظلم ڈھانے میں اس حد تک گئے کہ آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہوا اور اگلے دانت بھی توڑ دیے۔ دنیا میں کوئی بردبار اور حلیم ایسا نہیں کہ اس کی لغزشیں اور ہفوات اس کے حلم وبردباری کے کمال کو مخدوش نہ کریں صرف محمد ﷺ کی ذات اقدس ہی ہے اس پر ایذا اور جہالت کی زیادتی اس کے تحمل عفواور درگذر فرمانے کی زیادتی کا سبب بن جاتے ہیں)

بُرائی کا بدلہ برائی سے نہ دینے کے متعلق حضور اکرم ﷺ کی ساری سوانح بھری ہوئی ہے کہ

کفار سے کیا کیا اذیتیں نہیں پہنچیں۔ اُحد کی لڑائی میں حضور ﷺ کے ساتھ کیا کیا پیش نہیں آیا اور جب صحابہؓ نے ان حالات سے متاثر ہو کر حضور ﷺ سے بددعا کی درخواست کی تو حضور ﷺ نے دعا کی اے اللہ! میری قوم کو ہدایت فرما کہ یہ ناواقف ہیں۔ زید بن سعنہ پہلے یہودی تھے۔ ایک مرتبہ کہنے لگے کہ نبوت کی علامتوں میں سے کوئی بھی ایسی نہیں رہی جس کو میں نے حضور ﷺ سے نہ دیکھ لیا ہو۔ بجز دو علامتوں کے جن کے تجربہ کی اب تک نوبت نہیں آئی۔ ایک یہ کہ آپ ﷺ کا حلم آپ ﷺ کے غصہ پر غالب ہوگا۔ دوسری یہ کہ آپ ﷺ کے ساتھ کوئی جتنا بھی جہالت کا برتاؤ کرے گا۔ اسی قدر آپ کا تحمل زیادہ ہوگا۔ میں ان دونوں کے امتحان کا موقع تلاش کرتا رہا اور آمد و رفت بڑھاتا رہا۔ ایک بار آپ ﷺ حجرہ سے باہر تشریف لائے۔ حضرت علیؓ آپ کے ساتھ تھے کہ ایک بدوی شخص آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میری قوم مسلمان ہو چکی ہے اور میں نے ان سے یہ کہا تھا کہ مسلمان ہو جاؤ گے تو بھرپور رزق تم کو ملے گا اور اب حالت یہ ہے کہ قحط پڑ گیا ہے۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ وہ اسلام سے نہ نکل جائیں۔ اگر رائے مبارک ہو، تو آپ کچھ اعانت ان کی فرمائیں۔ حضور ﷺ نے ایک شخص کی طرف جو غالباً حضرت علیؓ تھے دیکھا تو انہوں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ! موجود تو کچھ نہیں رہا۔ زیدؓ جو اس وقت یہودی تھے، اس منظر کو دیکھ رہے تھے کہنے لگے کہ محمد! ﷺ اگر آپ ایسا کر سکیں کہ فلاں شخص کے باغ کی اتنی کھجوریں وقتِ معین پر مجھے دیدو تو میں قیمت پیشگی اب دیدوں اور وقت معین پر کھجوریں لے لوں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ تو نہیں ہو سکتا ہے۔ البتہ اگر باغ کی تعیین نہ کرو تو میں معاملہ کر سکتا ہوں میں نے اس کو قبول کر لیا اور میں نے کھجوروں کی قیمت اسی مثقال سونا (ایک مثقال مشہور قول کے موافق ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے) دیدیا۔ آپ ﷺ نے وہ سونا اُس بدوی کے حوالہ کر دیا اور فرمایا کہ انصاف کی رعایت رکھنا اور اس سے ان کی ضرورت پوری کر لو۔

زیدؓ کہتے ہیں کہ جب کھجوروں کی ادائیگی کے وقت میں دو تین دن باقی رہ گئے تھے، حضورؐ صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ جن میں ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ بھی تھے کسی کے جنازے کی نماز سے فارغ ہو کر ایک دیوار کے قریب تشریف فرما تھے۔ میں آیا اور آپ ﷺ کے کرتے اور چادر کے پلّوں کو پکڑ

کر نہایت ترش روئی سے کہا اے محمد ! (ﷺ) آپ میرا قرضہ ادا نہیں کرتے خدا کی قسم ! میں تم سب اولادِ عبدالمطلب کو جانتا ہوں کہ بڑے نادہندہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے غصہ سے مجھے گھورا اور کہا کہ اے خدا کے دشمن! یہ کیا بک رہا ہے۔ خدا کی قسم ! اگر مجھے (حضور ﷺ) کا ڈر نہ ہوتا تو تیری گردن اُڑا دیتا، لیکن حضور ﷺ نہایت سکون سے مجھے دیکھ رہے تھے اور تبسم کے لہجہ میں عمرؓ سے فرمایا کہ عمر! میں اور یہ ایک اور چیز کے زیادہ محتاج تھے۔ وہ یہ کہ مجھے حق کے ادا کرنے میں خوبی برتنے کو کہتے اور اس کو مطالبہ کرنے میں بہتر طریقہ کی نصیحت کرتے۔ جاؤ اس کو لے جاؤ اس کا حق ادا کر دو اور تم نے جو اس کو ڈانٹا ہے اس کے بدلے میں بیس (۲۰) صاع (تقریباً دو من کھجوریں) اس کے مطالبہ سے زیادہ دیدینا۔ حضرت عمرؓ مجھے لے گئے اور پورا مطالبہ اور بیس صاع یعنی دو من کھجوریں زیادہ دیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ بیس صاع کیسے؟ حضرت عمرؓ نے کہا کہ حضور ﷺ کا یہی حکم ہے۔ زیدؓ نے کہا کہ عمر! تم مجھ کو پہچانتے ہو؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں۔ میں نے کہا میں زید بن سعنہ ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ جو یہود کا بڑا علامہ ہے، میں نے کہا کہ ہاں وہی ہوں انہوں نے فرمایا کہ اتنا بڑا آدمی ہو کر حضور ﷺ کے ساتھ تم نے یہ کیسا برتاؤ کیا۔ میں نے کہا کہ علامتِ نبوت میں سے دو علامتیں ایسی رہ گئیں تھی، جن کا مجھ کو اب تک تجربہ کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ ایک یہ کہ آپ ﷺ کا حلم آپ ﷺ کے غصہ پر غالب ہوگا۔ دوسری یہ کہ ان کے ساتھ سخت جہالت کا برتاؤ ان کے حلم کو بڑھائے گا اب دونوں کا بھی امتحان کر لیا، لہٰذا تم کو اپنے اسلام کا گواہ بناتا ہوں اور میرا آدھ مال امتِ محمدیہ پر صدقہ ہے۔ اس کے بعد حضورؐ کی خدمت میں واپس آئے اور اسلام لے آئے۔ اس کے بعد بہت سے غزوات میں شریک ہوئے اور تبوک کی لڑائی میں شہید ہوئے۔ رضی اللّٰہ عنہ و ارضاہ۔ (جمع الوسائل)

(۶/۳۴۴) حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ اِسْحٰقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ شَيْئًا قَطُّ اِلَّا اَنْ يُّجَاهِدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا ضَرَبَ خَادِمًا وَّلَا امْرَاَةً.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ہارون بن اسحٰق ہمدانی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدۃ نے ہشام بن عروۃ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت اپنے باپ سے اور انہوں نے امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کے علاوہ کبھی کسی کو نہیں مارا۔ نہ کبھی کسی خادم کو نہ کسی عورت (بیوی باندی وغیرہ) کو۔

ماضرب بیده ...... سوائے جہاد کے کسی کو بھی اپنے ہاتھ مبارک سے نہیں مارا۔ شیخ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہاں شئی سے مراد آدمی ہے کیونکہ بسا اوقات آپ ﷺ نے اپنی سواری کے جانور کو مارا ہے۔ نیز حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ دست بدست لڑائی جنگِ اُحد میں واقع ہوئی تھی اور آنحضورؐ کے ہاتھ مبارک سے اُبی بن خلف مارا گیا تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مجاہدہ سے مراد صرف کفار کے ساتھ جنگ کرنا ہی نہیں ہے، بلکہ عام بھی ہوسکتا ہے۔ نیز حدود وتعزیر بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ ارشاد ہے اور حضورِ پاک ﷺ نے نہ تو کسی خادم کو نہ ہی بیوی کو کبھی مارا ہے۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ لکھتے ہیں **كان النبي صلى الله عليه وسلم لايضرب مع وجود اسباب الضرب لأن الحلم كان طبيعته و كظم الغيظ كان سجيته** ۔(اتحافات ص:۲۷۳) (نبی کریم ﷺ نے کسی کو بھی مارنے کے اسباب کی موجودگی کے باوجود نہیں مارا کیونکہ تحمل برداشت اور غصہ کو پی لینا آپ ﷺ کی طبیعت اور عادتِ مبارکہ تھی)

شیخ ابنؒ حجر فرماتے ہیں کہ یہ تعمیم بعد تخصیص ہے، چونکہ اکثر انہی دو گروہوں کے ساتھ مار کے واقعات پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے ان دونوں کا ذکر خصوصی طور پر کیا گیا ہے اور شمائل کے حاشیہ پر ہے: **هذا النفي مندرج تحت نفي العام الاانه خصه بالذكر اهتماما بشانه ووجهه ان ضرب الزوجة و الخادم و ان كان مباحا للادب فتركه افضل** ۔ یعنی یہ نفی، نفی عام کے تحت ہے اور خصوصی طور پر ان دو کے ساتھ ذکر ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے اگر چہ ادب کے لئے عورت یا خادم کو مارنا بھی مباح ہے، مگر اس کا ترک یعنی نہ مارنا افضل و بہتر ہے۔ البتہ علامہ ملا علی قاریؒ اس پر اضافہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں، **قالوا بخلاف الولد فالاولىٰ تأديبهٗ و الفرق انّ ضربه**

لمصلحة تعود عليه فلم يندب العفو بخلاف ضربهما فانه لحظ النفس فندب العفو عنهما مخالفة لهوى النفس و كظماً لغيظها (جمع ج۲ص۱۹۵) (فقہاء کرام (بیوی اور خادم کے نہ مارنے کو افضل کہنے کے باوجود) اپنی اولاد کو تادیب کے لئے مارنے کو افضل و بہتر سمجھتے ہیں۔ اور اس میں فرق اس لئے ہے کہ اولاد کو مارنا بوجہ ایسی مصلحت کے ہوتا ہے جس کا نفع اس کو پہنچتا ہے اس لئے اس کی غلطی سے عفو و درگذر کرنا اچھا نہیں بخلاف بیوی اور خادم کو مارنے کے کہ یہ اپنے نفس کے حظ اور خوش کرنے کے لئے ہوتا ہے تو اپنے نفس کی مخالفت اور غصہ پی لینے کے لئے ان دونوں کو (ان کی غلطی پر) معاف اور درگذر کرنا اچھا اور مستحب ہے)

(۳۳۵/۷) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّیُّ حَدَّثَنَا فُضَیْلُ بْنُ عَیَّاضٍ عَنْ مَّنْصُوْرٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ مَارَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُنْتَصِرًا مِّنْ مَّظْلِمَةٍ ظُلِمَهَا قَطُّ مَالَمْ یُنْتَهَکْ مِنْ مَّحَارِمِ اللّٰهِ تَعَالٰی شَیْءٌ فَاِذَا انْتُهِکَ مِنْ مَّحَارِمِ اللّٰهِ تَعَالٰی شَیْءٌ کَانَ مِنْ اَشَدِّهِمْ فِیْ ذٰلِکَ غَضَبًا وَمَاخُیِّرَ بَیْنَ اَمْرَیْنِ اِلَّااخْتَارَ اَیْسَرَهُمَا مَالَمْ یَکُنْ مَاْثَمًا۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن عبدۃ ضبی نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے فضیل بن عیاض نے منصور کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے زہری سے اور انہوں نے عروۃ سے نقل کیا۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی کے ظلم کا بدلہ لیا ہو۔ البتہ اللہ کی حرمتوں میں سے کسی حرمت کی ہتک ہوتی، تو حضور اکرم ﷺ سے زیادہ غصہ والا کوئی شخص نہیں ہوتا تھا۔

حضورِ اقدس ﷺ جب کبھی دو امروں میں اختیار دیے جاتے تھے تو ہمیشہ سہل کو اختیار فرماتے، تاوقتیکہ اس میں کسی قسم کی معصیت وغیرہ نہ ہو۔

راوی حدیث (۶۱۵) فضیل بن عیاضؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

ما رأیت ...... حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو کبھی بھی نہیں دیکھا کہ اپنی ذات کے لئے کسی شخص کے ظلم کا بدلہ لیا ہو۔ منتصراً ' کا مصدر انتصار ہے' جس کا معنی ہے بدلہ لینا 'انتقام لینا' غائب ہونا' مظلمة جو ناحق تجھ سے لیا جائے' اگر لام کے فتح کے ساتھ ہو تو معنی ستم کے ہیں ، وقیل بالکسر والفتح الظلم وھو وضع الشئی فی غیر محله (جمع ج۲ ص۱۹۶) (ملا علی قاریؒ مظلمة(بکسر اللام وفتحه) کا معنیٰ یہ بیان کرتے ہیں کہ کسی چیز کو بے جا استعمال کرنا یا اپنے مرتبہ سے گھٹانا)ینتھک ' انتھاک سے ہے' جس کے معنیٰ ہیں پھاڑنا' کھینچ کر کاٹ ڈالنا' فضیحت ورسوائی کرنا

اپنی ذات کے لئے انتقام نہ لیتے :

یہ آنحضور ﷺ کا کمال اخلاق تھا کہ جس شخص نے بھی آپ ﷺ پر جتنی بھی زیادتی کی' حضورِ اقدس ﷺ نے اس شخص سے زیادتی کا بدلہ نہیں لیا، بلکہ اسے معاف فرما دیا۔ علامہ یوسف نبھانیؒ تحریر فرماتے ہیں : اگر آپ ﷺ کے ساتھ کوئی شخص بدسلوکی کرتا تب بھی آپ ﷺ اس کے ساتھ بدسلوکی نہ کرتے' معذرت خواہ کوئی بھی ہوتا، اس کی معذرت قبول کرتے، کوئی آپ ﷺ کو تکلیف پہنچاتا تو اس سے درگذر کرتے اور فرماتے خدا میرے بھائی موسیٰ پر رحم فرمائے۔ انہیں اس سے بھی زیادہ تکلیفیں پہنچائی گئیں، مگر انہوں نے صبر کیا (وسائل الوصول)

تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ جنگِ اُحد میں جب عتبہ نے آپ ﷺ پر پتھر چلایا اور آپ ﷺ کا دندانِ مبارک شہید ہو گیا اور چہرۂ انور خون آلود ہو گیا تو بعض حاضرین نے عرض کیا کہ اُس موذی کے لئے بددعا فرمائیں۔ حضور ﷺ نے یہ دعا فرمائی کہ یا اللہ ! میری قوم کو ہدایت فرما یہ ناواقف ہیں۔ ایک بدوی ایک مرتبہ آیا اور حضور ﷺ کی چادر مبارک پکڑ کر اس زور سے کھینچی کہ گردن مبارک پر نشان پڑ گیا اور یہ کہا کہ میرے ان اونٹوں پر غلّہ لدوا دو تم اپنے مال میں سے یا اپنے باپ کے مال میں سے نہیں دیتے ہو، گویا بیت المال کا مال ہم ہی لوگوں کا ہے تمہارا نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے

ارشاد فرمایا کہ جب تک تو اس چادر کھینچنے کا بدلہ نہیں دے گا، میں غلہ نہیں دوں گا۔ اس نے کہا کہ خدا کی قسم ! میں بدلہ نہیں دیتا۔ حضور اکرم ﷺ تبسم فرمارہے تھے اور اس کے اونٹوں پر غلہ لدوادیا۔ ہم لوگ حضور ﷺ کے نام لیوا ہیں۔ اتباع کے دعوے دار ہیں، یہاں ذرا سی بات خودداری کے خلاف ہوجاتی ہے، کوئی ذرا سخت لفظ کہہ دے تو وقار کے خلاف بن جاتی ہے۔

اسہل الامرین کو اختیار کرنا :

وما خیر بین امرین ...... حدیث کے اخیر جملہ کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے جب آپ ﷺ کو بالخصوص امت کے حق میں دو امروں کا اختیار دیا جاتا تو آپ ﷺ امت کے لئے جو سہل ہوتا اس کو اختیار فرماتے اور اسی طرح دنیاوی اُمور میں جہاں دو رائیں ہوتیں، ان میں سے سہل کو اختیار فرماتے، جب تک کہ اس میں کسی قسم کا شرعی نقصان نہ ہو۔ بہت سی احادیث میں مختلف عنوانات سے حضور ﷺ کے ارشادات بھی اس مضمون میں وارد ہوئے ہیں کہ سہولت اختیار نہ کرنا اور خواہ مخواہ اپنے کو مشقتوں میں ڈالنا حضور اکرم ﷺ کو پسند نہ تھا۔ اس سلسلے میں شیخ بیجوریؒ نے دینی اور دنیوی اُمور میں الاخذ بالایسر (آسان صورت پر عمل کرنے کی مختلف مثالوں سے وضاحت کرتے ہوئے آخر میں فرمایا کہ و فی معنی ذلک الاخذ برخص اللّٰہ تعالٰی و رسوله و رخص العلماء مالم یتتبع ذلک بحیث تنحل ربقة التقلید من عنقه۔ (مواہب ص۲۵۶) (اور اسی کے حکم میں ہے اللہ تعالیٰ، رسول اور علماء امت کی طرف سے بتلائی گئی رخصتوں (سہولتوں) پر ایسے انداز اور اس طرح عمل کرنا کہ جس سے دامن تقلید سے خلاصی اختیار نہ کی گئی ہو)

(۳۳۶/۸) حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْکَدِرِ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ اِسْتَاْذَنَ رَجُلٌ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ وَ اَنَا عِنْدَهٗ فَقَالَ بِئْسَ ابْنُ الْعَشِیْرَةِ اَوْ اَخُو الْعَشِیْرَةِ ثُمَّ اَذِنَ لَهٗ فَاَلَانَ لَهُ الْقَوْلَ فَلَمَّاخَرَجَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قُلْتَ مَا قُلْتَ ثُمَّ اَلَنْتَ لَهُ الْقَوْلَ فَقَالَ یَاعَآئِشَةُ اِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْ تَرَکَهُ النَّاسُ اَوْ وَدَعَهُ النَّاسُ اِتِّقَآءَ فُحْشِهٖ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ابن ابی عمر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ سفیان نے محمد بن منکدر کے واسطہ سے بیان کیا۔ انہوں نے اسے عروۃ سے اور انہوں نے امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نقل کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ سے ایک شخص نے حاضری کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص اپنے قبیلہ کا کیسا بُرا آدمی ہے۔ یہ ارشاد فرمانے کے بعد اس کو حاضری کی اجازت مرحمت فرمادی اور اس کے اندر آنے پر اس کے ساتھ نہایت نرمی سے باتیں کیں، جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ حضور ! آپ ﷺ نے اُس کے بارے میں حاضر ہونے سے پہلے تو یہ لفظ ارشاد فرمایا تھا، پھر اس قدر نرمی سے اس کے ساتھ کلام فرمایا۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عائشہ ! بدترین لوگوں سے ہے، وہ شخص کہ لوگ اس کی بدکلامی کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیں۔

استأذن رجل ...... بعض نے کہا کہ یہ شخص **عیینة بن حصن الفزاری** تھا۔ بعض نے کہا کہ وہ مخرمہ بن نوفل تھا، **ولایبعد تعدد القضیة ولم یکن اسلم حینئذ و ان کان قد اسلم ظاهراً** ۔(جمع ج۲ص۱۹۹) (اور یہ کچھ بعید نہیں کہ یہ واقعہ متعدد ہوا ہو اور وہ شخص اس وقت تک (حقیقی) مسلمان نہیں تھا اگرچہ ظاہری طور پر اسلام لایا تھا)

''رجل'' کون تھا :

بئس ابن العشیرة او اخو العشیرة ...... یہ راوی کا شک ہے کہ ابن فرمایا اخ فرمایا العشیرہ قبیلہ کو کہتے ہیں۔ گویا یہ اپنے قبیلہ کا اچھا آدمی نہیں ہے۔ کہتے ہیں یہ دل سے اُس وقت تک مسلمان بھی نہ ہوا تھا بلکہ نفاق کے طور پر بظاہر مسلمان تھا۔ حضور اکرم ﷺ کا معاملہ اُس وقت تک منافقین کے ساتھ مسلمانوں ہی جیسا تھا۔ اس لئے اس کے ساتھ بھی یہی برتاؤ تھا۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد جب ارتداد کا زور ہوا تو یہ مرتد ہو گیا تھا، تو اس نے یہ جواب دیا تھا کہ میں مسلمان ہی کب ہوا تھا جو مرتد ہوتا، لیکن اس کے بعد یہ مسلمان ہوئے اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں جہاد میں بھی شریک ہوئے۔

دفع مضرت کے لئے برائی بیان کرنا غیبت نہیں ہے :

حضورِ اقدس ﷺ نے اسی لئے اُس کے آنے سے قبل اس کی حالت پر تنبیہ فرمادی اور چونکہ بہ نیّتِ اصلاح اور دوسروں کو مضرت سے بچانے کے لئے تھی۔ اس لئے یہ کلام شرعاً غیبت کی حدود میں داخل نہیں ہے۔ اس لئے کہ کسی شخص کی برائی کو اس وجہ سے ظاہر کرنا کہ لوگ اس کی برائی کا شکار نہ بن جائیں اور کسی نقصان میں نہ پھنس جائیں، غیبت کی ممانعت میں داخل نہیں ہے بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ شخص علی الاعلان فاسق تھا اور جو کھلم کھلا فسق و فجور میں مبتلا ہو۔ اُس کی غیبت جائز ہے۔ اس کے حاضر ہونے پر اُس کے ساتھ نرم کلامی اس کی تالیفِ قلب اور اس کے مانوس کرنے کے لئے فرمائی۔ جیسا کہ حضورِ اکرم ﷺ کی خصوصی عادت شریفہ تھی۔ نیز حضورِ اقدس ﷺ کی عادتِ شریفہ سب ہی کے ساتھ نرم کلامی کی تھی اور اسی وجہ سے اس کے آنے سے پہلے عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کو اس پر متنبہ بھی کردیا تا کہ حضورِ اکرم ﷺ کے اس طرز کی وجہ سے اس کو مخلص نہ سمجھیں۔ وہ کچھ بھلا آدمی نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ حضورِ اکرم ﷺ کے اس طرزِ معاشرت کی وجہ سے اس کو مخلص اور خیر خواہ سمجھیں اور اس دھوکہ کی وجہ سے کسی مضرت میں پڑ جائیں یا کوئی راز کی بات اس کے سامنے کہہ دیں کہ ایسے منافق لوگ خصوصیات جتانے کے لئے ایسے ہی خصوصی اور اہم تذکرے چھیڑا کرتے ہیں۔ (خصائل ص:۳۱۲)

شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں کہ و لیس ذلک غیبة بل هو من النصیحة و الشفقة علی الامة لیعرف حال المقول علیه علی ان عیینة کان اذ ذاک متزلزل الایمان مضمر النفاق بدلیل انه اظهر الردة بعد المصطفٰی صلی الله علیه وسلم و جئی به ابی بکرؓ اسیراً فکان الصبیان یصیحون به فی ازقة المدینة هذا الذی خرج من الدین فیقول عمکم لم یدخل حتی خرج فکان ذلک القول من المصطفٰی صلی الله علیه وسلم علما من اعلام النبوة ومعجزة له لاخباره بغیب وقع۔ (مناوی ج۲ص۱۹۹) اور یہ امر آپ ﷺ کا اپنی امت کے حق میں غیبت کا مقام نہیں رکھتا، بلکہ اس میں امت کے واسطے نصیحت اور شفقت کا مواد موجود ہے اور اس کا اظہار اس لئے بھی ضروری تھا کہ اس قسم کے حال وقال رکھنے والے شخص کی غیر موجودگی میں اس کی صحیح پہچان ہو جائے کہ اس کا ایمان ڈانوا ڈول

اوراس کے دل میں نفاق کے جراثیم موجود ہیں۔اس کی دلیل یہ ہے کہ اس شخص کا ارتداد نبی کریم ﷺ کے بعد ظاہر ہو گیا اور وہ لایا گیا۔

حضرت ابوبکر صدیق کے سامنے قیدی کی حیثیت سے' جبکہ بچے اس پر پھبتیاں کس رہے تھے کہ یہ وہ شخص ہے' جو دین سے نکل گیا ہے، وہ کہتا کہ تمہارا اچھا داخلِ اسلام کب ہوا تھا۔پس آپ ﷺ کا یہ ارشاد آپ ﷺ کی نبوت صادقہ کی واضح علامات میں ایک علامت اور معجزات میں سے ایک معجزہ ہے کہ جس بات کی آپ ﷺ نے پیشگی خبر دی تھی، وہ ویسے ہی واقع پذیر ہوئی۔

فقہاءؒ کہتے ہیں کہ علی الاعلان فسق کرنے والے (فاسق معلن) کے عیوب بیان کرنا غیبت نہیں' حدیث میں ہے فاجر کے عیب بیان کرو کہ لوگ اس سے اجتناب کریں۔حضرت حسنؒ سے روایت ہے کہ تین شخصوں کی حرمت نہیں، ایک صاحبِ ہویٰ' دوسرا فاسق معلن' تیسرا ظالم بادشاہ یعنی ان کے عیوب بیان کرنا غیبت نہیں۔

اِن مِن شر الناس ...... اخیر جملہ میں حضور اقدس ﷺ کے پاک ارشاد بدترین شخص کے دو مطلب ہو سکتے ہیں کہ اس کا تعلق آنے والے سے ہو۔یعنی اس کی فحش گوئی سے بچنے کے لئے اس کے ساتھ یہ برتاؤ کیا گیا کہ یہ فحش گو ہے یا اس کا تعلق حضور اکرم ﷺ کی ذات سے ہے۔یعنی مجھے فحش گو تو نے کب دیکھا تھا کہ اس کی منتظر تھی۔

وہ برا شخص ہے، جس کی بدکلامی کی وجہ سے لوگ اُس کے پاس آنا چھوڑ دیں۔ میں اگر ایسی گفتگو کروں تو لوگ میرے پاس بھی آمد و رفت چھوڑ دیں۔جس سے اگرچہ نقصان ہے، مگر حضور اکرمؐ ان کا نقصان کب گوارا فرما سکتے ہیں۔

مدارات اور مداہنت کا فرق :

فقہاءِ کرامؒ نے جہاں یہ ذکر کیا ہے کہ فاسق معلن کے عیوب بیان کرنا غیبت نہیں، وہاں یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اس کے شر سے بچنے کے لئے اتنی مدارات جائز ہے، جو مداہنت فی الدین کے درجہ کو نہ پہنچے۔ملا علی قاریؒ نے مداہنت اور مدارات کا فرق یوں بیان کیا ہے۔ والفرق بین المداراۃ و

المداهنة ان المداراة بذل الدنيا لصلاح الدنيا او الدين او هما معا و هی مباحة و ربما تکون مستحسنة والمداهنة بذل الدين لصلاح الدنيا (جمع ج۲ص۲۰۱) (مداہنت اور مدارات کا فرق اور امتیاز یہ ہے کہ مدارات میں دنیا کو یا تو صرف دنیا کی بھلائی ودرستگی کے لئے خرچ وقربان کرنا یا پھر صرف دین کی بھلائی کے لئے اور یا دین ودنیا دونوں کی بھلائی کے لئے قربان کر دینا اور یہ (شرعاً) مباح بلکہ بعض اوقات مستحسن اور مستحب ہے اور مداہنت کا معنیٰ دین کو دنیا کی بھلائی اور درستگی کے لئے قربان کر دینا ہے)

اُصول جرح وتعدیل :

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہٗ فرماتے ہیں :

اس حدیث سے جرح کا اُصول بھی ثابت ہوتا ہے۔ گویا روایانِ حدیث کے عیوب کو ظاہر کرنا اچھی بات ہے تاکہ عام لوگ ان عیوب سے واقف ہو کر غلط روایات کو بنیاد بنانے سے بچ جائیں۔ اسی طرح محدثین کرامؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق روایت سے اُصولِ تعدیل ثابت کرتے ہیں۔ اِنَّ عَبْدَ اللهِ رَجُلٌ صَالِحٌ لَوْ كَانَ يُصَلِّيْ بِاللَّيْلِ یعنی عبداللہ بن عمرؓ اچھا آدمی ہے اگر رات کے وقت نماز ادا کرتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد سے پہلے حضرت عبداللہ بن عمرؓ رات کی نماز (تہجد) میں قدرے سستی کرتے تھے، مگر جب حضور ﷺ کا یہ ارشاد سنا تو پھر زیادہ مستعد ہو گئے اور رات کا زیادہ حصہ نماز میں گزارنے لگے۔

الغرض! حدیث کے باب میں اُصول جرح اور تعدیل ایسی ہی روایات سے اخذ کیا گیا ہے۔ چنانچہ محدثینؒ جب کسی راوی کی چھان بین کرتے ہیں کہ فلاں شخص دروغ گو تھا، یا اس کو نسیان کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح تعدیل کے ضمن میں کہتے ہیں کہ فلاں راوی ثقةٌ، ثبتٌ یا عالمٌ وغیرہ کہتے ہیں۔

(۳۳۷/۹) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا جُمَيْعُ بْنُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعِجْلِيِّ حَدَّثَنِيْ رَجُلٌ مِّنْ بَنِيْ تَمِيمٍ مِّنْ وُلْدِ اَبِيْ هَالَةَ زَوْجِ خَدِيْجَةَ يُكْنٰى اَبَا عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنٍ لِاَبِيْ هَالَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ

عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ سَأَلْتُ اَبِيْ عَنْ سِيْرَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فِيْ جُلَسَائِهٖ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَائِمَ الْبِشْرِ سَهْلَ الْخُلُقِ لَيِّنَ الْجَانِبِ لَيْسَ بِفَظٍّ وَّلَا غَلِيْظٍ وَّلَا صَخَّابٍ وَّلَا فَحَّاشٍ وَّلَا عَيَّابٍ وَّ لَا مُشَّاحٍ يَّتَغَافَلُ عَمَّا لَايَشْتَهِيْ وَلَا يُؤْيِسُ مِنْهُ وَلَايُجِيْبُ فِيْهِ قَدْ تَرَكَ نَفْسَهٗ مِنْ ثَلَاثٍ اَلْمِرَآءِ وَالْاِكْبَارِ وَمَا لَايَعْنِيْهِ وَ تَرَكَ النَّاسَ مِنْ ثَلَاثٍ كَانَ لَا يَذُمُّ اَحَدًا وَّلَا يُعِيْبُهٗ وَلَايَطْلُبُ عَوْرَتَهٗ وَ لَايَتَكَلَّمُ اِلَّا فِيْمَا رَجَا ثَوَابَهٗ وَاِذَا تَكَلَّمَ اَطْرَقَ جُلَسَاؤُهٗ كَاَنَّمَا عَلٰى رُؤُسِهِمُ الطَّيْرُ فَاِذَا سَكَتَ تَكَلَّمُوْا لَا يَتَنَازَعُوْنَ عِنْدَهُ الْحَدِيْثَ وَ مَنْ تَكَلَّمَ عِنْدَهٗ اَنْصَتُوْا لَهٗ حَتّٰى يَفْرُغَ حَدِيْثُهُمْ عِنْدَهٗ حَدِيْثُ اَوَّلِهِمْ يَضْحَكُ مِمَّا يَضْحَكُوْنَ مِنْهُ وَ يَتَعَجَّبُ مِمَّا يَتَعَجَّبُوْنَ وَ يَصْبِرُ لِلْغَرِيْبِ عَلَى الْجَفْوَةِ فِيْ مَنْطِقِهٖ وَ مَسْئَلَتِهٖ حَتّٰى اِنْ كَانَ اَصْحَابُهٗ لَيَسْتَجْلِبُوْنَهُمْ وَ يَقُوْلُ اِذَا رَاَيْتُمْ طَالِبَ حَاجَةٍ يَطْلُبُهَا فَاَرْفِدُوْهُ وَلَايَقْبَلُ الثَّنَآءَ اِلَّا مِنْ مُّكَافِئٍ وَلَا يَقْطَعُ عَلٰى اَحَدٍ حَدِيْثَهٗ حَتّٰى يَجُوْزَ فَيَقْطَعُهٗ بِنَهْيٍ اَوْقِيَامٍ ـ

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان بن وکیع نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے جمیع بن عمر بن عبدالرحمٰن عجلی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بیان کیا بنی تمیم کے ایک شخص نے جو حضرت خدیجہؓ کے خاوند ابی ہالہ کی اولاد میں سے تھا اور جس کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ وہ حضرت حسن بن علیؓ سے روایت کرتے ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ (ان کے چھوٹے بھائی) حسین بن علیؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنے باپ سے حضور رسول کریم ﷺ کے متعلق پوچھا کہ آنحضور ﷺ کا طور وطریقہ اپنے ہم نشینوں کے ساتھ کیسا تھا، تو انہوں نے فرمایا، ہر وقت ہنس مکھ ہوتے، نرم اخلاق والے تھے، نرم طبیعت تھے، نہ تو سخت کلام اور نہ ہی تند خو تھے، نہ تو چلا نے والے اور نہ ہی فحش گو تھے، نہ کسی کے عیب بیان کرنے والے، جو چیز پسند نہ فرماتے، اس سے تغافل برتتے اور اسے نا اُمید بھی نہ فرماتے اور اس کا جواب نہ دیتے۔ تین باتوں سے اپنے آپؐ کو بالکل محفوظ کر رکھا تھا، جھگڑے سے، تکبر سے اور لایعنی باتوں سے اور تین باتوں سے لوگوں کو بچا رکھا تھا، نہ کسی کی مذمت کرتے تھے، نہ ہی کسی کا عیب بیان کرتے تھے اور نہ ہی کسی ایسی چیز کی جستجو کرتے تھے کہ جس کے واقع ہونے سے عار آتی ہو۔ آپ ﷺ گفتگو نہیں

فرماتے تھے، مگر وہی جس سے ثواب کی اُمید ہوتی ہو، اور جس وقت آنحضور ﷺ گفتگو فرماتے تو آپ ﷺ کے ہم مجلس صحابہ رضوان اللہ علیھم اجمعین نہایت ہی خاموش آنکھیں نیچے کئے بیٹھتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، پھر جب آپ ﷺ خاموش ہوجاتے تو آپ ﷺ کے ہم مجلس گفتگو کرتے اور آنحضور ﷺ کی موجودگی میں اپنی باتوں میں کسی قسم کا جھگڑا نہ کرتے اور جو شخص آپ ﷺ کی خدمت بابرکت میں عرض معروض کرتا، باقی سب کے سب خاموش رہتے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی گفتگو سے فارغ ہوجاتا۔ ان حضرات کی بات حضور اکرم ﷺ کے حضور مبارک میں ایسی ہوتی، جیسے ان میں سے پہلے شخص کی بات' جس بات سے سب حضرات ہنستے۔ آپ ﷺ بھی تبسم فرماتے اور جس سے سب تعجب فرماتے، آپ بھی تعجب فرماتے اور آپ ﷺ اجنبی یا مسافر کی سخت گفتگو اور بے ادبی کے پوچھنے پر صبر کرتے تا آنکہ حضور ﷺ کے صحابہؓ 'مسافروں کو آپ ﷺ کی مجلس میں لے آتے اور حضور پاک ﷺ یہ بھی ہدایت فرماتے کہ جب کسی ضرورت مند کو دیکھو کہ وہ اپنی ضرورت کو پورا کرنے کا مطالبہ کرتا ہے تو اس کی امداد کرو۔

آپ ﷺ اس شخص کی تعریف کرنا منظور فرماتے، جو حد سے تجاوز نہ کرتا، کسی ایک کی گفتگو منقطع نہیں فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ حد سے نہ بڑھ جاتا، پس اسے منع فرما کر بات ختم فرمادیتے یا اُٹھ کر چلے جاتے۔

یہ حدیث اسی طویل حدیث کا ایک حصہ ہے جو آپ ﷺ کی تواضع کے باب میں ساتویں نمبر میں گذر چکی ہے۔

جمالِ محمدؐ کا حسین منظر :

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۱) دائم البشر یعنی چہرۂ انور پر بشاشت' خندہ روئی' نورانیت اور تبسم رہتا تھا۔ و ھو طلاقة الوجه والبشاشه و حسن الخلق مع الخلق و فی التعبير بكان و دوام البشر اشعار بان حسن خلقه كان عاما غير خاص بجلسائه و فيه ايماء بانه كان رحمة للعالمين (جمع ج ۲ ص ۲۰۱) (علامہ ملا علی قاریؒ دائم البشر کی تشریح میں کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا

چہرہ مبارک ہشاش بشاش اور خندہ رو ہوتا تھا اور مخلوق کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آتے تھے اور لفظ کان اور دائم البشر سے تعبیر کرنے میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ آپ ﷺ کا حسنِ اخلاق کا یہ برتاؤ صرف اپنے ہم نشینوں سے مخصوص نہ تھا بلکہ سب کے لئے عام تھا اور اس میں اشارہ ہوا کہ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس واقعی رحمت للعالمین تھی) ترش روئی اور اغماض نام کے چیز نہ ہوتی تھی ۔ یہ متواصل الاحزان کے منافی نہیں ہے۔ لان حزنه بسبب اهوال الآخرة اما بالنسبة لامور الدنيا فكان دائم البشر (مناوی ج۲ص۲۰۱) (اس لئے کہ آپ ﷺ کی غمگینی اور متفکر ہونا تو قیامت کے دہشت ناک مناظر ہی کی وجہ سے ہوتا تھا اور دنیوی امور کی نسبت تو آپ ﷺ کے چہرہ انور پر ہمیشہ بشاشت خندہ روئی ہوا کرتی تھی) .

(۲) سهل الخلق آپ نرم مزاج تھے اخلاق میں حد درجہ تواضع وانکسار اور ملائمت تھی۔ سختی درشتی تندخوئی اور تلخ گوئی نہیں کرتے تھے۔ای ليس بصعبه ولا خشنه ۔(اتحافات ص۳۷۵)

(۳) لين الجانب یعنی انتہائی نرم خو خوش لہجہ نرم طبیعت حلیم اور بردبار تھے۔ درشتی اور تلخی نام کی چیز سے ناآشنا تھے۔علامہ بیجوری بھی لین الجانب کی یہی تشریح کررہے ہیں ای سريع العطف كثير اللطف جميل الصفح مع السكون والوقار والخشوع والخضوع وعلم الخلاف۔(مواہب ص۲۵۸)

(۴) ليس بفظ ولا غليظ ' فظ کا معنی سخت کلام بدخلق 'غلیظ کا معنی تندخو' ای يحمل احدهما على فظاظة اللسان والآخر على فظاظة القلب ۔(جمع ج۲ص۲۰۱) (ان میں سے ایک کو تو زبان کی بدگوئی پر اور دوسرے کو سخت دلی پر محمول کیا جائے گا)

آپ کی یہی صفت قرآن مجید نے بھی بیان کی ہے۔وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۔(آل عمران:۱۵۹) اگر آپ اکھڑ طبیعت اور سخت دل ہوتے ،تو یہ لوگ آپ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ ای ليس فيه جفاء ولا غلظة ۔(اتحافات ص۳۷۶) (یعنی آپ ﷺ میں اکھڑپن اور سخت دلی نہیں تھی)

(۵) ولا صخاب ولا فحاش ' نہ تو آپ چیخ کر چلا کر بات کرنے اور شوروشر کرنے والے تھے

اور نہ فحش سے آشنا تھے اور نہ فحش گوئی کرتے تھے۔ لیس کثیر الصخب ای الصیاح ولایعرف الفحش ولایقع منه۔ (اتحافات ص ۴۷۶)

(۶) ولا عیّاب ولا مشاح ای لایعیب غیرہ ابدا ۔ (اتحافات ص ۴۷۶) یعنی نہ تو کسی دوسرے شخص کی عیب جوئی کرتے تھے کہ خواہ مخواہ کسی دوسرے کے عیوب تلاش کئے جائیں، ولا عاب طعاماً قط ۔ (اتحافات ص ۴۷۶) حتی کہ کھانے میں بھی عیب گوئی اور اعتراض نہیں کرتے تھے کہ یہ بدمزہ ہے یا پھیکا ہے یا تلخ ہے یا بدبودار بلکہ اچھا معلوم ہوا تو نوش فرمالیا، ورنہ چھوڑ دیا نہ کھایا۔ مشاح کا معنیٰ زیادہ مبالغہ سے تعریف کرنے والا زیادہ مذاق کرنے والا اور بخل کرنے والا' حضور اقدس ﷺ ان تینوں عیوب اور نقائص سے مبرا تھے، نہ تو کسی کے جائز حق کی ادائیگی میں بخل کرتے تھے، صاف گو تھے اور حقدار کو اس کا حق دلانے میں کوتاہی نہیں کرتے تھے۔

(۷) یتغافل عما لا یشتھی 'جس چیز کو آپ مستحسن نہ سمجھتے' پسند نہ فرماتے، گو وہ حرام اور ناجائز نہ ہوتی، مگر آپ کو مرغوب بھی نہ ہوتی۔ تو آپ ﷺ اس کے ذکر اور اس کے سننے سے تغافل برتتے تھے۔ گویا سنی ان سنی کر دیتے تھے۔ غیر ضروری چیز کے لئے فکرمندی بے معنیٰ ہے۔ ای یظھر الغفلة والاعراض عما لایستحسنه من الاقوال والافعال تلطفًا باصحابه و رفقاً بھم ۔ (مواہب ص ۲۵۸) (یعنی جو اقوال و افعال ناپسندیدہ اور غیر ضروری ہوا کرتے اپنے اصحاب کے تلطف اور آسانی کے پیش نظر ان سے اعراض و روگردانی اختیار فرما دیتے)

(۸) و لا یؤئس منه ' دوسرے کی خواہش اور مطلوب و محبوب اگر آپ کو مرغوب نہ ہوتا، تو اس کو مایوس بھی نہ فرماتے تھے۔ اس کو حصول و استعمال کی اجازت دیتے تھے۔ علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں ای لایجعل غیرہ آئسا مما لایشتھیه ولایقطع رجاءہ منه۔ (مواہب ص ۲۵۸)

ولایجیب فیه ' یہاں بھی فیہ کی ضمیر ' ما لا یشتھی کو راجع ہے، یعنی آپ ﷺ اپنی ناپسندیدہ اور نامرغوب چیز اگرچہ دوسرے کے لئے منع نہ فرماتے تھے، مگر اس کا وعدہ بھی نہیں کرتے تھے، بلکہ خاموش رہ جاتے، بل یسکت عنه عفواً و تکرماً ، بلکہ از روئے عفو و کرم خاموشی بھی اختیار فرما

لیتے تھے۔ یا نرم اور میٹھے اور مناسب انداز سے بات ٹال دیا کرتے تھے۔

(۹) و قد ترک نفسه من ثلاث ' حضور اقدس ﷺ نے اپنی ذات کو تین چیزوں سے روک رکھا تھا۔ ای منعها من خصال مذمومة ۔(مواہب ص ۲۵۸) یعنی آپ ﷺ نے خود کو تین مذموم خصلتوں سے مجتنب رکھا تھا۔(۱) ان میں پہلی خصلت المراء یعنی جھگڑنا اور الجھنا' ای الجدال ولو بحق لحديث من ترک المراء وهو محق بنی الله له بيتاً فی ربض الجنة ۔(جمع ج ۲ ص ۲۰۴) (اگر چہ وہ الجھنا ٹھیک بھی ہوتا کیونکہ دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے باوجود حق پر ہونے کے (اپنے مدمقابل سے) جھگڑنا لڑنا چھوڑ دیا اللہ تعالیٰ وسطِ جنت میں اس کے لئے عالی شان محل بنا دیں گے) بات بات پر الجھنا اور جھگڑنا منافقین کی خصلت ہے۔ قرآن میں بھی اس کی مذمت ہے۔ وَ هُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ (البقرة:۲۰۴) یعنی منافقین سخت جھگڑالو ہوتے ہیں۔(۲) والاکبار 'یعنی خود کو بڑائی' تکبر' رعونت کی صفت مذموم سے بچائے رکھتے تھے، ہمیشہ تواضع وانکساری اور فروتنی کا اظہار فرماتے تھے ای من استعظام نفسه فی الجلوس و المشی وامثال ذلک فی معاشرته مع الناس ۔(جمع ج ۲ ص ۲۰۴) (یعنی لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور چلنے وغیرہ کے برتاؤ میں اپنے آپ کو بڑائی، تکبر اور دیگر صفاتِ مذمومہ سے بچائے رکھا کرتے)اور حدیث میں انا سید ولدِ آدم کا ارشاد اس کے منافی نہیں، کیونکہ یہ ارشاد مبارک تحديثاً بنعمة المولىٰ (اپنے رب کی نعمت کے بیان واظہار) کے لئے کہا گیا ہے۔ لاافتخاراً و لا استعظاما بمقتضى الهوىٰ ۔(جمع ج ۲ ص ۲۰۴) خواہش نفسی' عجب و خود پسندی بڑائی کے اظہار اور فخر وغرور کی بنا پر نہیں کہا گیا۔ بعض روایات میں اکبار کی جگہ اکثار کا لفظ منقول ہے۔ ای من الکلام والمال ۔(اتحافات ص ۳۷۶) (یعنی آپ ﷺ مال اور گفتگو میں خود کو بڑا نہ بتلاتے)

(۳) وما لایعنیه 'یعنی حضور اقدس ﷺ ہمیشہ بامعنیٰ' بامقصد اور بہ قدرِ ضرورت کام اور بات کرتے تھے۔ لغویات اور لایعنی اور بے مقصد امور سے اجتناب فرماتے تھے۔ قرآن میں بھی مؤمنین کی صفت میں یہی نقل ہوا ہے کہ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۔(المؤمنون:۳) (جو لغویات سے منہ موڑ

لیتے ہیں) آپ کا ارشاد مبارک ہے ...... من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ ۔(مواہب ص ۲۵۹)(انسان کے اسلام کی خوبی فضولیات اور لایعنی چیزوں کا چھوڑ دینا ہے)

(۱۰) و ترک الناس من ثلث' تین اُمور ایسے تھے، جن میں اشتغال سے آپ نے عام لوگوں کو بھی روک رکھا تھا۔(۱) کان لایذم احداً 'یعنی کسی کی نہ تو اس طرح منہ سامنے مذمت کرتے تھے اور نہ پیٹھ پیچھے'ای مواجھة ولا غیر مواجھة ۔(۲) ولایعیبہ ای فی الغیبة 'یعنی نہ کسی کی عیب جوئی کرتے تھے کہ خواہ مخواہ کسی کے عیب تلاش کریں اور پھر اس کی تشہیر کریں۔ علامہ ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں' ای لایذم فی الامور الاختیاریة المباحة و لایعیب فی الاطوار الخلقیة الجبلیة کالطول و القصر و السواد وامثالھا ۔(جمع ج۲ص۲۰۴)(نہ تو آپ ﷺ مباح امور اختیاریہ میں کسی کی مذمت اور برائی کرتے اور نہ فطری اور خلقی حالات وہیأت جیسے کسی کا طویل یا کوتاہ ہونا یا کالا، گورا ہونا یا اس جیسے دوسرے امور کی عیب جوئی فرمایا کرتے) اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ایک دوسری روایت میں' ولا یعیرہ نقل ہوا ہے، من التعییر وھو التوبیخ (جمع ج۲ص۲۰۴)(اور نہ کسی کو عار اور ڈانٹا کرتے) و لا یطلب عورتہ یعنی آپ ﷺ کسی کی پردہ دری نہیں کرتے تھے۔ علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: ای عورة احد وھی مایستحی منہ اذا ظھر فالمعنٰی لا یظھر ما یرید الشخص سترہ و یخفیہ الناس عن الغیر۔(جمع ج۲ص۲۰۴)(کسی شخص کا پردہ وہ ہوتا ہے کہ اگر وہ ظاہر ہو جائے تو اسے حیا آئے یعنی آپ ﷺ نہ ظاہر فرماتے وہ عیوب جو کوئی شخص اسے دوسروں سے چھپانا چاہتا یا جسے لوگ دوسروں سے چھپانا چاہتے ہیں) شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں، و فیہ تنبیہ علی ان من دأب اھل کمال ان لایصرحوا بمعایب ارباب النقصان ولا یتجسسوا علی الوقوف علی فجور ارباب الذنوب۔(مناوی ج۲ص۲۰۴)

(اور اس میں تنبیہ ہے کہ کامل لوگوں کا یہ وتیرہ ہے کہ وہ (ظاہر یا اخلاقی لحاظ سے) ناقص اور کمزور لوگوں کے عیوب ظاہر نہیں کرتے اور نہ وہ اہل معصیت کے گناہ اور غلطیوں کے خبر گیری کے لئے جاسوسی کیا کرتے ہیں)

دو عبارتوں کا فرق :

علامہ مناویؒ حدیث شریف کے اس جملہ و ترک الناس من ثلاث اور پہلے جملہ قد ترک نفسہ من ثلاث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں، خصّھم لان القصد بھذہ الثلاث رعایتھم کما ان القصد بالثلاثۃ الاول رعایۃ نفسہ فلذلک لم یقل ترک نفسہ من ستۃ ولم یعدّھا مما ترک نفسہ منھا فسقط قول البعض الاعیان لافرق بینھما یقتضی تفاوت البیان (مناوی ج ۲ص ۲۰۴) (آپ ﷺ نے ترک الناس میں ثلاث (تین باتوں سے لوگوں کو بچار کھا تھا) میں لوگوں کو اس لئے مخصوص فرما دیا کہ دراصل ان تین امور میں ان لوگوں کے (حقوق) کی رعایت اور نگہداشت ہی مقصود اور مدنظر تھی جیسے کہ پہلے تین امور میں اپنے نفس کی نگہداشت وحفاظت کو ملحوظ رکھا گیا اور اسی نقطہ کے پیش نظر یہ نہ فرمایا کہ اپنے آپ کو چھ چیزوں سے محفوظ رکھا اور ان تین امور کو اپنے نفس کے متروکات میں سے نہیں شمار کیا گیا۔ تو اس بیانِ فرق سے بعض قابل قدر شخصیات کا یہ کہنا بجا نہیں کہ ان کے درمیان کوئی قابل بیان فرق نہیں ہے)

(۱۱) لا یتکلم الا فیما رجا ثوابہ ' آپ ﷺ صرف وہی گفتگو فرماتے تھے، جو باعث اجر و ثواب ہوتی تھی، یعنی گفتگو مبارک' بامقصد' نافع اور مطلوب چیز میں ہوا کرتی تھی ای فی الشئی النافع المطلوب ۔ (اتحافات ص ۳۷۶) گویا آپ ﷺ کی کوئی بات' کوئی فعل اور کوئی اقدام ایسا نہ ہوتا تھا، جس پر اجر و ثواب متوقع نہ ہوتا۔

(۱۲) و اذا تکلم اطرق ...... اور جس وقت آپ ﷺ گفتگو فرماتے، تو حاضرینِ مجلس نہایت ہی خاموش' آنکھیں نیچے کئے ہوئے بیٹھتے، گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، جو ذرا سی حرکت' بے خیالی اور بے جا ہلنے سے اڑ جائیں گے۔ ای ارخوا رؤسھم الی الارض و نظروا الیھا و أصغوا إلیہ لاستماع کلامہ و لسرورھم و ارتیاح ارواحھم بحدیثہ (مواہب ص ۲۵۹) (یعنی اپنے سروں کو جھکائے اور نظریں نیچے زمین کی طرف کئے ہوئے آپ ﷺ کے کلام کے سننے اور اس پر انتہائی خوش ہونے اور دل وجان کو تسکین وراحت پہنچانے کے لئے پوری توجہ اور کان لگا کر سنا کرتے

تھے) والطیر لایقع الا علی ساکن ساکت قال ......

اذا حلت بنولیث عکاظا

رأیت علی رؤسهم الغرابا

(مناوی ج۲ص۲۰۵)

(علامہ مناویؒ لکھتے ہیں کہ پرندے تو ساکن ساکت (خاموش غیر متحرک) پر ہی بیٹھا کرتے ہیں۔ شاعر کہتے ہیں کہ جب بنولیث عکاظ (عرب کا مشہور بازار میلہ) وارد ہوتے ہیں تو ان کے سروں پر (بوجہ خاموشی وسنجیدگی) گویا کہ کوّے بیٹھے ہیں)

اطرق ' اطراق سے ہے، خاموش ہونے' چپ رہنے' نگاہ جھکا کر زمین کی طرف دیکھنے کو کہتے ہیں، الاطراق ان یقبل ببصره الی صدره و یسکت ساکتاً۔(نہایہ) (اطراق کا معنیٰ کہ پوری خاموشی کے ساتھ نظریں جھکائے دل کی طرف متوجہ ہونا) و کقولهم اطرق کرا اطرق کرا ان النعامة فی القری ۔(کافیہ ص۳۶) (اطراق کا معنیٰ سر کو جھکانا۔ خاموش ہونا کلام عرب میں مستعمل ہے چنانچہ علامہ ابن حاجبؒ نے بحث منادیٰ میں اطرق کو اسی معنیٰ میں استعمال کیا ہے۔ عرب لوگ کروان پرندے کو شکار کرنے کے لئے ایک منتر پڑھتے تھے۔ اطرق کرا اطرق کرا ان النعامة فی القریٰ کہ اے کرا گردن خم کردے۔ اے کرا گردن خم (نیچے) کردے۔ بے شک شتر مرغ بستیوں میں (گرفتار کرکے پہنچایا جاچکا) ہے)

گویا صحابہ کرامؓ اور حاضرینِ مجلس آپ ﷺ کی صحبتِ مبارکہ میں ہمہ تن متوجہ رہ کر آپ ؐ کی نظرِ فیض آثار اور توجہات عظیمہ وعنایات رفیعہ سے مستفید ہوتے رہتے۔ حضور اقدسؐ کے علوم و معارف' افادات ونصائح' ارشادات وہدایات اور انوار وتجلیات سے اپنے سینوں کو منور کرتے رہتے۔

فاذا سکت تکلموا ...... جب حضور اقدس ﷺ خاموش ہوجاتے، تب صحابہ کرامؓ حسبِ ضرورت باہم گفتگو کرتے، فیه ایماء الی انهم لم یکونوا یبتدؤن بالکلام و لایتکلمون فی اثناء حدیثه کما هو مقتضی الادب .(جمع ج۲ص۲۰۵) (اس میں یہ اشارہ ہے کہ صحابہؓ نہ تو

ابتداء بالکلام کیا کرتے اور نہ ہی آپ ﷺ کی باتوں کے درمیان گفتگو کیا کرتے جیسا کہ یہی مقتضیٰ ادب واحترام ہے)

(۱۳) **لایتنازعون عنده الحدیث** ...... جب حضور اقدس ﷺ خاموش ہو جاتے، تب حضراتِ صحابہ کرامؓ آپس میں گفتگو کرتے، مگر پھر بھی ذاتِ اقدس ﷺ اور مجلس اقدس کا اسی قدر ادب و احترام ملحوظ رکھتے کہ اپنی گفتگو میں نہ تو کسی قسم کا نزاع کرتے اور نہ جھگڑے کی طرح ڈالتے اور نہ باہم الجھتے تاکہ آپ ﷺ کی خاطر عالی کے لئے تشویش کا باعث نہ ہو، **لانه لاینبغی التنازع ولا التخاصم فی حضرته**۔ (اتحافات ص ۲۷۶)

ومن تکلم عنده ...... جو کوئی بھی بارگاہِ قدس میں عرض معروض کرتا تو باقی خاموش رہتے۔ آپ ﷺ کی تعلیم و تربیت کی برکت تھی کہ حاضرین و خدام آدابِ مجلس کو ملحوظ رکھتے، اور جب ایک اپنی بات مکمل کر لیتا، تب دوسرا بات شروع کرتا، نہ تو دو یا دو سے زائد افراد بیک وقت بات شروع کرتے اور نہ ایک دوسرے کی بات کو کاٹتے تھے۔ اس لئے کہ یہ آداب مجلس کے خلاف ہے **فلا یتکلم عنده اثنان معاً ولایقطع بعضهم علی بعض کلامه لانه خلاف الادب**۔ (مواہب ص ۳۵۹)

(۱۴) **حدیثهم عنده حدیث اوّلهم** ...... بارگاہِ نبوت میں ہر بات کرنے والے کی بات کو گویا اوّلیت حاصل تھی۔ ہر ایک کی بات اسی طرح سنی جاتی، جس طرح پہلے شخص کی بات سنی جاتی ہے، جس میں رغبت اور شوق ہوتا ہے، یعنی بے قدری اور بے توجہی سے بات نہیں سنی جاتی تھی یا معنی یہ ہے کہ ہر ایک کی بات ترتیب سے سنی جاتی تھی۔ **ای یتحدث عنده ماجاء اولاثم من بعده علی الترتیب**۔ (اتحافات ص ۲۷۶) یا اول بمعنی افضل کے ہے یعنی آپ ﷺ ہر ایک کی بات کو اس طرح سنتے تھے، گویا وہ قوم کے افضل ترین اور شخصیتِ اولین کی بات ہے۔ یا معنیٰ یہ ہے کہ اوّل کہنے والے نے جو کہدیا گویا وہی سب کی بات ہے، گویا سب صحابہ کرامؓ مباحات میں متحد الآراء ہوتے تھے، جو غایتِ محبت وانس کی علامت ہے۔

(۱۵) **یضحک مما یضحکون منه** ...... حضور اقدس ﷺ امراء، حکمرانوں اور متکبرین کی طرح

اپنے رفقاءِ کار، خدام اور حاضرین سے الگ تھلگ نہیں رہتے تھے اور نہ کسی لمحے یا کسی ادا سے اپنی برتری یا اپنے فضل وتفوق کا اظہار ہونے دیتے تھے، بلکہ اپنے صحابہؓ میں گھل مل جاتے، وہ جس موضوع اور گفتگو میں مشغول ہوتے، آپ بھی اسی میں ان کے ساتھ شریک گفتگو ہو جاتے، اگر وہ کسی بات پر ہنس رہے ہوتے، تو آپ ﷺ بھی ان کی موافقت میں اسی سلسلہ گفتگو میں ہنس دیا کرتے اور اگر وہ کسی چیز پر تعجب کرتے تو آپ ﷺ بھی ان کے ساتھ اسی چیز پر تعجب کرنے لگتے' ای موافقة لهم و تطييباً لخاطرهم۔ (اتحافات ص ۳۷۶)

(۱۶) **يصبر للغريب** ...... حضور اقدس ﷺ کسی مسافر یا اجنبی کی سخت گفتگو اور بے ادبی کے اندازِ سوال پر بھی صبر کرتے، یہاں تک کہ بعض صحابہ کرامؓ اجنبی اور مسافر لوگوں کو آپ ﷺ کی مجلس میں لے آیا کرتے کہ وہ سوال کریں، انہیں بھی فائدہ ہو اور سب کو استفادہ ہو، یعنی جس وقت کوئی اجنبی یا مسافر آپ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتا، چونکہ وہ آدابِ مجلس اور آپ ﷺ کو مخاطب کرنے کے آداب سے ناواقف ہوتا تو جا و بے جا سوالات کرتا۔ اس کے لہجے میں درشتی، بے ادبی اور گنوار پن ہوتا' مگر حضور اقدس سرورِ دو عالم ﷺ اپنے کریمانہ اور بزرگانہ اخلاق کی بدولت ان پر گرفت نہ کرتے۔ عفو و درگذر فرما کر انتہائی صبر، تحمل، بردباری اور حلم کا مظاہرہ فرماتے، اور ان کی اس قسم کی روش پر توجہ نہ دیتے۔ **فقد ورد ان المومن الذی يخالط الناس و يصبر علی اذاهم افضل ممن يعتزلهم و قد كان صلی الله عليه و سلم أعلی الناس فی ذلک مقاما فقد أتاه ذو الخويصرة التميمی فقال يا رسول الله اعدل فقال و يحک و من يعدل اذا لم اعدل فقد خبت و خسرت ان لم اعدل فقال عمر يا رسول الله إئذن لی أضرب عنقه فقال دعه رواه البيهقی عن ابی سعيد** ۔ (مواہب ص ۲۶۰) (چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ وہ مسلمان جو لوگوں سے میل جول رکھتا ہے اور ان کی طرف سے تکالیف پر صبر کرتا ہے یہ زیادہ افضل ہے اس شخص سے جو لوگوں سے علیحدگی اور تنہائی میں رہتا ہے اور آپ ﷺ تو اس سلسلہ میں باقی لوگوں سے برتر اور اعلیٰ مقام پر فائز تھے چنانچہ **ذوالخويصرة تميمی** جب آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا یا رسول اللہ! انصاف فرمائیے

آپؐ نے جواباً ارشاد فرمایا تیرے اوپر افسوس ہو کہ میں اگر عدل وانصاف نہیں کر سکا تو پھر کون ایسا ہے جو عدل وانصاف کر سکے اور پھر تو میں خسارہ ونقصان میں رہا اگر میں عدل وانصاف نہ کر سکوں۔ تو (اس وقت) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے اجازت دیجئے یا رسول اللہ! کہ میں اس کی گردن اڑا دوں تو آپؐ نے فرمایا کہ اس بات کو چھوڑ دو)

(۱۷) **و یقول اذا رأیتم** ...... آپ ﷺ اپنے صحابہؓ کو یہ بھی تاکید فرماتے رہتے تھے کہ جب کسی طالب حاجت کو دیکھو تو اس کی امداد کیا کرو، **فارفدوه ای ساعدوه فی توصله الی حاجته** (مناوی ج۲ص۲۰۷) (تم اس کا ہاتھ بٹاؤ ضرورت اور حاجت تک رسائی میں)

(۱۸) **و لایقبل الثناء** ...... عام طور پر منہ سامنے مدح وتعریف آپ کو گوارا نہ تھی۔ البتہ بطور شکریہ و اداءِ احسان کے کوئی آپ ﷺ کی تعریف کرتا تو سکوت اختیار فرماتے کہ احسان کا شکریہ اس پر ضروری تھا کہ وہ اپنا ذمہ اور فریضہ ادا کر رہا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر تعریف حدود کے اندر ہوتی تو سکوت فرماتے اور اگر حدود سے تجاوز ہوتا تو روک دیتے تھے، **ای لایقبل مدیحاً الا من انسان أحسن الیه وماسویٰ ذلک أعرض عنه و أشاح بوجهه** (اتحافات ص۳۷۶) (آپ ﷺ اس انسان کی مدح وتوصیف کو قبول فرمایا کرتے جس کے ساتھ کوئی احسان وبھلائی کی ہو اور اسکے علاوہ منہ سامنے مدح کرنے والوں سے اعراض فرمایا کرتے)

(۱۹) **و لا یقطع علی احد** ...... آپ ﷺ کسی بھی شخص کی گفتگو کو منقطع نہ فرماتے۔ یہاں تک کہ وہ حد سے نہ بڑھ جاتا۔ پس اسے منع فرما کر بات ختم فرما دیتے یا اُٹھ کر چلے جاتے۔ توجہ سے بات سننا اور بات پوری کئے بغیر درمیان میں نہ ٹوکنا، آپ ﷺ کی عادت مبارک تھی **حتی یجوز** اور اگر بات کرنے والا کسی زیادتی کا مستحق ہوتا اور حد سے اور حق سے تجاوز کرتا، **من المجازاة ای حتی یتجاوز الحد او الحق و فی نسخة حتی یجور من الجور ای حتی یجور فی الحق بأن یمیل عنه** (مواہب ص۲۶۰)

فیقطعه بنهی او قیام 'تو نرم لہجے' حکمت اور موزون طریقے سے اسے روک دیتے یا پھر اُٹھ کر

چلے جاتے۔ اما بنهى له عن الحديث ان افاد بان لم يكن معاندا اوقيام من المجلس ان كان معاندا ۔(یا اس کو بات کرنے سے روک دیتے اگر وہ معاند نہیں ہوتا تھا۔اور اگر وہ معاند ہوتا تو پھر آپ ﷺ مجلس سے اٹھ کر تشریف لے جاتے)

وفى هذا الحديث مالا يخفى من نهاية كماله صلى الله عليه وسلم و رفقه و لطفه و حلمه و صبره و صفحه و رأفته و رحمته و عظيم أخلاقه ۔(مواہب ص۲۶۰)(اس حدیث میں حضور ﷺ کے کمالات،نرم دلی،لطف وکرم،حلم وصبر،عفوودرگزر،شفقت ورحمت اور بلندی اخلاق کے حسین تذکرے واضح طور پر معلوم ہو رہے ہیں)

(۱۰/۳۳۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ مَا سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَطُّ فَقَالَ لَا.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبد الرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے سفیان نے محمد بن منکدر کے حوالے سے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول حضرت جابر بن عبد اللہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے کبھی کسی شخص کے کوئی چیز مانگنے پر انکار نہیں فرمایا۔

کمالِ سخاوت کی دلیل :

ماسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم ...... حضور اقدس ﷺ سے کبھی بھی کوئی چیز نہیں مانگی گئی، جس کے دینے سے آپ ﷺ نے انکار کر دیا ہو۔ یہ حدیث آپ ﷺ کی کمال سخاوت کی دلیل ہے۔ یعنی جس وقت بھی آنحضور ﷺ سے کسی نے کچھ مانگا تو آپ ﷺ نے انکار نہیں فرمایا، اگر اس وقت موجود نہیں ہوتا تو کسی سے قرض لے کر اس کے سوال کو پورا فرما دیتے یا دوسرے وقت پر دینے کا وعدہ کر لیتے یا اس کے حق میں دعا فرماتے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس کو کسی اور طریقہ سے عطا فرما دیں۔

غرضیکہ 'نہ' نہ فرماتے۔ اکثر اس طرح بھی ہوتا کہ ایک چیز ہے، جس کی آپ ﷺ کو خود ضرورت ہے اور مانگنے والا وہی چیز مانگتا ہے تو حضور ﷺ اپنی ضرورت کی پرواہ نہ فرماتے ہوئے سائل کو وہ چیز عطا فرما دیتے۔ یہی حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ سے جس کام کے بارے کہا جاتا، آپ ﷺ اسے کر گذرتے اور اگر ارادہ نہ ہوتا تو خاموشی اختیار فرماتے' مگر نہیں کسی کے جواب میں نہیں فرماتے تھے، بلکہ اگر آپ ﷺ کے پاس اس وقت نہ ہوتا تو سائل سے فرماتے کہ کچھ انتظار کر' اگر میرے پاس کچھ آیا تو دے دوں گا۔ ایک بار اسی طرح کا واقعہ ہوا تو حضرت سیدنا امیر المؤمنین عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ) اللہ تعالیٰ نے طاقت سے بڑھ کر کسی کو کسی عمل کی تکلیف نہیں دی تو حضور ﷺ نے میری یہ بات ناپسند فرمائی عربی کا مشہور و معروف شاعر فرزدق آنحضور ﷺ کے اس اخلاقِ حمیدہ و جلیلہ کو اپنے قصیدہ کے ایک شعر میں اس طرح بیان کرتا ہے

مَا قَالَ لَا قَطُّ اِلَّا فِیْ تَشَہُّدِہٖ

لَوْ لَا التَّشَہُّدُ کَانَتْ لَاؤُہٗ نَعَم

(جمع ج ۲ ص ۲۰۸)

(آپ ﷺ نے کبھی لفظ لا تشہد کے علاوہ نہیں کہا۔ اگر تشہد (پڑھنا) نہ ہوتا تو پھر آپ ﷺ کا کلمہ لا بھی نعم (ہاں) ہوتا)

اور اسی مفہوم کو فارسی کے شاعر نے بھی ذیل کے شعر میں ادا فرمایا۔

نرفت لا بزبانِ مبارکش ہرگز

بجز در اشہد ان لا الٰہ الاّ اللہ

(کہ آپ ﷺ کی زبان مبارک پر بجز کلمہ شہادت کے لفظ لا کبھی نہیں آیا)

سوال و جواب :

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ حضور ﷺ نے تو بہت دفعہ کلمہ لا استعمال فرمایا ہے، جیسے کہ قرآن

مجید میں بھی ہے، لااجد ما احملکم علیه (کہ میرے پاس تمہارے سوار ہونے کے لئے سواری نہیں) اورقبیلہ اشعریون کے وفد کوفرمایا واللّٰہ لا احملکم و غیرهما (قسم بخدا! میں تمہیں (کسی چیز پر) سوار نہیں کرسکتا) شیخ ابراہیم بیجوریؒ نے اس سوال کے جواب کوان الفاظ میں اشارہ کردیا۔ والمراد انه لم یقل لامنعاً للاعطاء فلاینا فی انه قاله اعتذاراً ان لاق الاعتذار کما فی قوله لا اجد ما احملکم علیه او تادیباً للسائل ان لم یلق به الاعتذار کما فی قوله للاشعر یین واللّٰه لا احملکم فهو تأدیب لهم لسؤالهم مالیس عنده مع تحققهم ذلک ومن ثم حلف حسماً لطمعهم فی تکلیفه التحصیل مع عدم الاضطرار الی ذلک۔ (مواہب ص۲۶۱) (اصل مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی نہ دینے کے لئے لفظ لا استعمال نہیں فرمایا تو اس توجیہ کی بناء پر یہ منافی نہ ہوا ان اقوال وروایات کے جن میں بطورِ معذرت کے کبھی لا کا لفظ استعمال کیا ہو جیسے کہ لا اجد ما احملکم میں۔ یا بطور تادیب سائل کے ہو۔ جیسے کہ اشعر یین کو آپ ﷺ کا فرمانا کہ واللّٰه لااحملکم تو اس کہنے میں اشعریین کو تنبیہ وتادیب مقصود تھی کہ تمہیں باوجود معلوم ہونے کے اس چیز کا مطالبہ نہیں کرنا چاہئے جو آپ ﷺ کے پاس موجود نہیں ہے اس لئے تو ان کی طمع اور امید کو بالکل ختم کرنے کے لئے آپ ﷺ نے حلفاً یہ بات کہہ دی)

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں' المعروف أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لایسأل عن شئی الا کان یعطی سائله الحاجة المطلوبة' او یدعواله' اویعده بها ثم یوفی له ماوعد به۔ (اتحافات ص۳۷۷) (آپ ﷺ کے متعلق یہی مشہور ہے کہ آپ ﷺ سے کسی چیز کا سوال نہ کیا جاتا مگر اس کو یا تو مطلوبہ ضرورت پوری فرمادیتے یا پھر اس کے لئے دعا فرمادیتے یا اس کے لئے دوسرے وقت میں دینے کا وعدہ فرماتے اور پھر اس وعدے کی وفا بھی کردیتے)

(۳۳۹/۱۱) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ عِمْرَانَ اَبُوْالْقَاسِمِ الْقَرْشِیُّ الْمَکِّیُّ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِیْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ اَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَیْرِ وَ کَانَ اَجْوَدُ مَا یَکُوْنُ فِیْ شَهْرِ رَمَضَانَ حَتّٰی یَنْسَلِخَ فَیَاْتِیْهِ جِبْرِیْلُ فَیَعْرِضُ عَلَیْهِ

الْقُرْاٰنَ فَاِذَا لَقِيَهٗ جِبْرِيْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن عمران ابوالقاسم قرشی مکی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابراہیم بن سعد نے ابن شہاب کے حوالے سے بیان کیا۔ وہ یہ روایت عبید اللہ سے اور وہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اول تو تمام لوگوں سے زیادہ ہر وقت ہی سخی تھے۔ بالخصوص رمضان المبارک میں تمام مہینہ اخیر تک بہت ہی فیاض رہتے (کہ خود حضور ﷺ کی گیارہ مہینے کی فیاضی بھی اس مہینے کی فیاضی کے برابر نہ ہوتی تھی) اور اس مہینے میں بھی جس وقت حضرت جبرائیلؑ تشریف لاکر آپ ﷺ کو کلام اللہ شریف سُناتے، اُس وقت آپ ﷺ بھلائی اور نفع پہنچانے میں تیز بارش لانے والی ہوا سے بھی زیادہ سخاوت فرماتے۔

راویان حدیث (۶۱۶) عبداللہ بن عمرانؒ (۶۱۷) ابراہیم بن سعدؒ اور (۶۱۸) عبید اللہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مراتبِ جود وسخا :

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم اجود الناس ...... شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، کانت مراتب جودہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم ثلاثۃ (۱) الجود العادی وھو فوق جود البشر (۲) جود أعلی منہ وھو فی رمضان (۳) جود أکر و أکثر، و کان عند مایلقی جبریل و یدارسہ القرآن، والجود فی المحسوسات و المعنویات، و قد استفاضت الأخبار فی أن الدنیا لم تسکن قلبہ أبدا لقد کان یعطی عطاء الملوک، بل عطاء من لایخشی الفقر أبدا۔(اتحافات ص:۳۷۸)

حضور ﷺ کی سخاوت کے تین درجے تھے۔ (۱) جودِ عادی یعنی عام عادت کے مطابق جو سخاوت ہوتی ہے، وہ بھی دوسرے انسانوں سے زیادہ ہوتی تھی (۲) جو عام عادت کی سخاوت سے اعلیٰ ہو، وہ آپ ﷺ کی سخاوت ماہ مبارک رمضان شریف میں ہوتی (۳) ایک تیسری قسم کی سخاوت جو

انتہائی زیادہ ہوتی، بلکہ مکرر ہوا کرتی، جبکہ آپ ﷺ سے جبریل امین کی ملاقات اور قرآن مجید کا دور ہوتا، اور یہ سخاوت ظاہری اور معنوی دونوں حیثیت سے ہوا کرتی تھی۔ باقی اس سلسلہ میں احادیث مشہورہ سے ثابت ہے کہ دنیا سے آپ ﷺ نے کبھی دل نہیں لگایا اور آپ ﷺ کی عطا (بخشش) شہنشاہوں جیسے ہوتی، بلکہ اس سے بھی بڑھ چڑھ کر اس شخص کی مانند جس کو فقر وفاقہ کا فکر وغم نہ ہو۔

ماہ مبارک میں سخاوت:

و کان اجود ما یکون فی شهر رمضان ...... اور آپ ﷺ رمضان شریف کا مکمل مہینہ بہت ہی سخاوت فرماتے ہوئے گزار دیتے تھے۔ یعنی ویسے تو آپ ﷺ ہر حال میں اور ہر چیز کے مرحمت فرمانے میں انتہائی درجے کے سخی تھے۔ کوئی شخص بھی آپ ﷺ کی سخاوت کا مقابلہ نہیں کرسکتا (کہ کوئی بھی حضور ﷺ کی سخاوت کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا کہ خود فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے اور عطاؤں میں بادشاہوں کو شرمندہ کرتے تھے۔ نہایت سخت احتیاج کی حالت میں ایک عورت نے چادر پیش کی اور سخت ضرورت کے درجہ میں پہنی۔ جب ہی ایک شخص نے مانگ لی۔ اُس کو مرحمت فرمادی۔ قرض لے کر ضرورتمندوں کی ضرورت پوری کرنا اور قرض خواہ کے سخت تقاضے کے وقت کہیں سے اگر کہیں کچھ آ گیا اور اداءِ قرض کے بعد بچ گیا تو اتنے وہ تقسیم نہ ہو جائے، گھر نہ جانا، ایسے مشہور واقعات اتنی کثرت سے ہیں کہ ان کا احاطہ ہو ہی نہیں سکتا) باوجود بخشش وعطا کے رمضان مبارک کا پورا کا پورا مہینہ سخاوت ہی فرماتے رہتے تھے۔ **اَجْوَدُ مَا یَكُوْنُ**. **كَانَ** کا اسم ہے اور **فِی شَهْرِ رمضان** خبر ہے اور **ما** مصدریہ ہے یعنی **كَانَ كَوْنُهٗ اَجْوَدُ كَائِنًا فِیْ رَمَضَانَ** یعنی آنحضور ﷺ کے بہت سخی ہونے کا وقت رمضان میں ہوتا تھا۔ چونکہ رمضان المبارک کے مہینہ میں دوسرے گیارہ مہینوں کے مقابلہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتیں اور بخششیں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ اس لئے حضور ﷺ بھی اس بابرکت مہینہ میں نیکیوں میں بہت ہی زیادہ انہماک فرماتے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی عنایاتِ بے پایاں کو حاصل کرتے۔ نیز اللہ اس عظیم برکات والے مہینہ میں آنجناب ﷺ پر ہر قسم کی نعمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ ان کا شکر بجالانے میں زیادہ سے زیادہ سخاوت فرماتے اور شارحین نے یہ بھی فرمایا ہے کہ چونکہ آپ

ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات مُتَخَلِّق بِاَخْلَاقِ اللّٰہ تھی ۔لہٰذا سنت الٰہی کی پیروی میں آپ ﷺ اس مہینہ میں مال ومتاع کے ساتھ تمام لوگوں سے زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔بعضوں نے اجود کو منصوب پڑھا ہے۔اس صورت میں وہ کَانَ کی خبر ہوگی اور کَان کا اسم ایک ضمیر مستتر ہوگی، جو آنحضور ﷺ کی طرف راجع ہے۔بعض نے ما کو موصولہ یا موصوفہ بھی کہا ہے ۔

حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ قرآن کا دور :

فیأتیه جبریل ...... رمضان المبارک میں حضرت جبرئیل حاضر ہوکر آپ ﷺ کے ساتھ قرآن مجید کا دور کیا کرتے تھے۔حدیث میں ہے،**اِن جبریل کان یعارضه القرآن فی کل سنة مرة و انه عارضه العام الوصال مرتین** ،جس برس وصال ہوا۔اس میں دو(۲)مرتبہ آپ ﷺ کے ساتھ دور کیا۔

بے انتہاء سخاوت :

فیأتیه میں **فا** تعلیل **ما** سبق کے لئے ہے،یعنی رمضان شریف میں آپ ﷺ کی انتہائی سخاوت اس وجہ سے تھی کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا ماہ مبارک کی ہر رات میں حاضری جیسی نعمت عظمیٰ حاصل ہوتی تھی۔ ای **سبب اجودیته اتیان جبرئیل له کل لیلة من رمضان**۔(مناوی ج۲ص۲۰۹)

اجود بالخیر من الریح المرسلة ' تو اس ملاقات کے وقت آپ ﷺ کی سخاوت کا کوئی حساب نہیں لگا سکتا تھا اور کوئی احاطہ نہیں کرسکتا تھا۔

شیخ عبدالرؤفؒ تحریر فرماتے ہیں **و عبر بالمرسلة اشعارا بدوام هبوبها بالرحمة وعموم النفع بجود المصطفیٰ صلی الله علیه وسلم کما تعم المرسلة سائر مامرت علیه** ۔(مناوی ج۲ص۲۱۱)(اور اس راوی نے ریح (ہوا) کی تعبیر مرسلہ سے اس لئے کی کہ اس میں یہ خبر دینا مقصود ہے کہ جیسے ریح مرسلہ کے فوائد ہر ان مواضع کو پہنچتے ہیں جہاں گزرتی اور برستی ہے۔بعینہ اسی طرح آپ ﷺ کا جودوکرم، سخاوت ورحمت کے منافع مخلوق میں سے ہر ایک فرد تک پہنچ بھی جاتے اور وہ اس سے مستفید بھی ہوجاتے ہیں)اس مبارک وقت کی کیفیت شیخ عبدالرؤفؒ بیان کرتے ہیں' **و الحدیث مسوق لبیان**

اتیان الملائکة الی افضل الخلق بافضل کلام من افضل متکلم فی افضل وقت ۔(مناوی ج۲ ص۲۱۱) (دراصل حدیث کے اسلوبِ بیان کی غرض فرشتوں کا افضل ترین متکلم (خداتعالیٰ) کی طرف سے مخلوق کی افضل ترین شخصیت (حضور ﷺ) کی طرف متبرک اوقات (ماہ رمضان) میں بہترین کلام (قرآن مجید) کو لے آنے کا تذکرہ ہے)

صحبتِ صالحین :

و فیہ ان صحبة الصالحین مؤثرة فی دین الرجل وعلمه ولذالک قالوا لقاء اھل الخیر عمارة القلوب (مناوی ج۲ص۲۱۱) اوراس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نیک لوگوں کی مجلس آدمی کے دین اورعلم پراثر انداز ہوتی ہے۔اس لئے مشائخؒ فرماتے ہیں کہ نیک اور بزرگوں کی ملاقات دلوں کی آبادی کا ذریعہ ہے۔

اخذِ مسائل :

و فیه ندب اکثار الجود فی رمضان و مزید الانفاق علی المحتاجین فیه و التوسعة علی عیاله و اقاربه و محبیه و عند ملاقاة الصالحین و عقب مفارقتهم شکراً لنعمة الاجتماع بهم و مدارسة القران و جواز المبالغة والاعیاء فی الکلام کماذکره القرطبی۔(مناوی ج۲ص۲۱۱)
اور حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ ماہ مبارک میں سخاوت کی کثرت ہو،اور مسکین ونادارلوگوں پر زیادہ مال خرچ کیا جائے اوراپنے اہل عیال اور رشتہ داروں دوستوں اور نیک لوگوں کی ملاقات اوران کے رخصتی اور واپسی کے وقت خرچ وخوراک میں وسعت اور فراخ دلی سے کام لیا جائے ،تا کہ صالحین نیکوکارلوگوں کے اجتماع اور قرآن مجید کے دور کی برکات کا پوراپوراحق اور شکریہ بجالایا جا سکے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسے اوقات اور مجالس میں محنت ومشقت برداشت کر کے بہت سے مبارک کلام سے مستفید ہونا چاہئے
ورحم اللّٰہ صاحب البردہ حیث عبر عن جودہ بالزبدة فی قوله .... ؎

فان مِن جودک الدنیا و ضرتها
و مِن علومک علم اللوح و القلم

(جمع ج ۲ ص ۲۱۲) (کیونکہ دنیا اور آخرت آپ کی بخششوں میں سے ہیں اور لوح وقلم آپ کے علموں میں سے ہیں)

(۱۲/۳۴۰) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدَّخِرُ شَيْئاً لِغَدٍ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبۃ بن سعید نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے جعفر بن سلیمان نے ثابت کے حوالے سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ دوسرے دن کے واسطے کسی چیز کو ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتے تھے۔

ذخیرہ اندوزی سے احتراز :

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لایدخر شیئا لغد' حضور اقدس ﷺ آنے والے دن کے لئے کسی چیز کا بھی ذخیرہ نہیں کرتے تھے۔ یعنی جو کچھ بھی آنحضور ﷺ کے پاس ہوتا یا آنجناب کی خدمت اقدس میں پیش کیا جاتا، سب کا سب تقسیم فرما دیتے۔ دوسرے دن کے لئے کچھ بھی نہ رکھتے۔ الشیخ یوسف النبھانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

نبی کریم ﷺ کے پاس جب بھی غنیمت' زکوٰۃ یا خراج وغیرہ کا سامان یا روپیہ پیسہ آتا تو نہ اس پر رات گزرتی اور نہ دوپہر، یعنی اگر صبح سویرے آتا تو دوپہر سے پہلے آپ ﷺ اسے تقسیم فرما دیتے اور اگر دن ڈھلے آتا تو رات آنے سے پہلے مستحق لوگوں میں بانٹ دیتے۔ لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے۔ درہم و دینار نے کبھی آپ ﷺ کے ہاں رات نہیں گذاری، اگر کبھی کوئی چیز بچ گئی۔ اس کا لینے والا کوئی موجود نہ ہوا، تو آپ ﷺ اس وقت تک مسجد سے اپنے حجرہ مبارک میں تشریف نہیں لے جاتے، جب تک وہ بھی کسی ضرورتمند کو نہیں دے دی۔ شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں :

ان عدم الادخار آیة عظیمة علی اعظم التوکل والایثار وهما من محاسن

الاخــلاق (مناوی ج ۲ ص ۲۱۳) یعنی کہ آنجناب ﷺ کا کسی چیز کا ذخیرہ نہ کرنا آنجناب ﷺ کے عظیم توکل اور ایثار کی بہت ہی شاندار دلیل ہے اور یہ دونوں محاسن اخلاق سے ہیں ۔

ایک شبہ اور اس کا جواب :

اگر یہ اشکال کیا جائے کہ احادیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ حضور ﷺ اپنے اہل بیت (گھرانے) کے لئے ذخیرہ کر لیتے تھے۔ ففی الصحیحین انه صلی الله علیه وسلم کان یدخر لاهلـه قـوت سنتهم ۔ (جمع ج ۲ ص ۲۱۲) (بخاری اور مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ اپنے اہل وعیال کے لئے ایک سال کی غذا ذخیرہ کر لیا کرتے) شارحینؒ حدیث اس کی تطبیق اور جواب میں فرماتے ہیں کہ ایک ہے اپنے لئے ذخیرہ کرنا اور ایک ہے اہل وعیال کے لئے، تو چونکہ حضور ﷺ کا توکل کامل تھا اس لئے آپ ﷺ ادخـار لغد نہیں فرماتے تھے۔ اور اہل وعیال کے توکل میں چونکہ کچھ ضعف تھا، اس لئے ان کے سالانہ نفقہ کا انتظام فرما لیتے۔ اور یا اس لئے تا کہ آپ ﷺ کا یہ طرز (اپنے لئے ذخیرہ نہ کرنا اور اہل خانہ کے لئے کرنا) آپ ﷺ کی امت کے عیال داروں اور اور متجر دین (کنبہ نہ رکھنے والوں) کے لئے سنت جاریہ ہو سکے)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ، لـکـمـال تـوکله علی ربه و قد یدخر لعیاله قوت سنتهم لضعف توکلهم بالنسبة الیه صلی الله علیه وسلم و لیکون سنة للمعلیین (عیالدار) من امته و لـلمتجردین من اهل ملته ، بلکہ حضور ﷺ توکل تام کی وجہ سے اہل وعیال کا ذخیرہ بھی قبل از وقت حاجتمندوں میں تقسیم فرما دیتے، تو گویا ایک حیثیت سے لا یـدخـر شیئا لغد علی الاطلاق (یہ بھی کہ آپ ﷺ کل آئندہ کے لئے عام طور پر کوئی چیز ذخیرہ نہ کیا کرتے) بھی صحیح ہو جاتا ہے، جیسے اسی مقام میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، والاولیٰ ای یجمع بانه کان یدخر لهم قوت سنتهم ثم من جوده و کرمه علی الوافدین والمحتاجین کان یفرغ زادهم قبل تمام السنة۔ (جمع ج ۲ ص ۲۱۲)

علامہ مناویؒ نے اس جواب پر کچھ اضافہ فرماتے ہوئے لکھا، وبیـانـاً لجواز الادخـار ...... فـادخـاره لـم یکن لخشیة العدم بل لاجل الکرم (مناوی ج ۲ ص ۲۱۲) (ہو سکتا ہے آپ ﷺ کا

ذخیرہ کرلینا صرف بیان جواز کے لئے ہوتو گویا حضور ﷺ کا ذخیرہ کرنا غذا کے معدوم ہونے کے خوف سے نہ تھا بلکہ اس لئے کہ (بوقتِ ضرورت) لوگوں سے جود وکرم کا برتاؤ کیا جاسکے)

حضرت علامہ ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں :

وجه مناسبة الحديث بعنوان الباب ان الكرم والجود والتوكل والاعتماد على واجب الوجود دون الخلق من كمال الخلق (جمع ج۲ص۲۱۴) اس حدیث شریف کی عنوان باب سے یہ وجہ مناسبت ہے کہ کرم' سخاوت' توکل اور واجب الوجود پر اعتماد سوائے مخلوق کے کمال خلق سے ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ تحریر فرماتے ہیں :

یعنی جو چیز ہوتی کھلا پلا کر ختم فرمادیتے۔ اس خیال سے کہ کل کو ضرورت ہوگی۔ اُس کو محفوظ نہ رکھتے تھے۔ یہ حضور اکرم ﷺ کا غایتِ توکل تھا کہ جس مالک نے آج دیا ہے، وہ کل بھی عطا کرے گا۔ یہ اپنی ذات کے لئے تھا۔ بیویوں کا نفقہ ان کے حوالے کردیا جاتا کہ وہ جس طرح چاہیں تصرف کریں۔ چاہیں رکھیں یا تقسیم کردیں، مگر وہ بھی تو حضور ﷺ ہی کی بیویاں تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک مرتبہ دو گونیاں درہموں کی نذرانے کے طور پر پیش کی گئیں، جن میں ایک لاکھ سے زیادہ درم تھے۔ انہوں نے طباق منگوایا اور بھر بھر کر تقسیم فرمادیا، خود روزہ دار تھیں۔ افطار کے وقت ایک روٹی اور زیتون کا تیل تھا، جس سے افطار فرمایا۔ باندی نے عرض کیا کہ ایک درم کا اگر آج گوشت منگا لیتیں تو آج ہم اسی سے افطار کر لیتے۔ ارشاد فرمایا کہ اب طعن دینے سے کیا ہوسکتا ہے اُس وقت یاد دلا دیتی تو میں منگا دیتی (خصائل)

(۳۴۱/۱۳) **حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ مُوْسَى بْنِ اَبِىْ عَلْقَمَةَ الْفَرْوِىُّ الْمَدَنِىُّ حَدَّثَنِىْ اَبِىْ عَنْ هِشَامِ بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ رَجُلًا جَاءَ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَهُ اَنْ يُّعْطِيَهُ فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عِنْدِىْ شَىْءٌ وَلٰكِنِ ابْتَعْ**

عَلَیَّ فَاِذَا جَآءَ نِیْ شَیْءٌ قَضَیْتُهٗ فَقَالَ عُمَرُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ اَعْطَیْتَهٗ فَمَا کَلَّفَ اللّٰهُ مَالَا تَقْدِرُ عَلَیْهِ فَکَرِہَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَوْلَ عُمَرَ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنْفِقْ وَلَاتَخَفْ مِنْ ذِی الْعَرْشِ اِقْلَالًا فَتَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ وَ عُرِفَ الْبِشْرُ فِیْ وَجْهِهٖ لِقَوْلِ الْاَنْصَارِیِّ ثُمَّ قَالَ بِهٰذَا اُمِرْتُ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ہارون بن موسیٰ بن علقمہ فروی مدنی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت میرے باپ نے ہشام بن سعد کے حوالے سے بیان کی۔ انہوں نے یہ حدیث زید بن اسلم سے اور انہوں نے اسے اپنے باپ سے روایت کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی ضرورتمند نے حضور اقدس ﷺ سے کچھ سوال کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس تو اس وقت کچھ موجود نہیں ہے۔ تم میرے نام سے خرید لو، جب کچھ آ جائے گا تو میں ادا کردوں گا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (ﷺ) آپ کے پاس جو کچھ تھا آپ دے چکے ہیں اور جو چیز آپ کی قدرت میں نہیں ہے، اُس کا حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو مکلّف نہیں بنایا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کو حضرت عمرؓ کا یہ مقولہ ناگوار گزرا تو ایک انصاری صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) جس قدر جی چاہے خرچ کیجئے اور عرش کے مالک سے کمی کا اندیشہ نہ کیجئے (کہ جو ذاتِ پاک عرشِ بریں کی مالک ہے' اس کے یہاں آپ کو دینے میں کیا کمی ہوسکتی ہے) حضور اکرم ﷺ کو انصاری کا کہنا بہت پسند آیا اور حضور اکرم ﷺ نے تبسم فرمایا، جس کا اثر چہرۂ مبارک پر ظاہر ہوتا تھا اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے مجھے اسی کا حکم فرمایا ہے۔

راویان حدیث (۶۱۹) ہارون بن موسیٰؒ (۶۲۰) ابیؒ اور (۶۲۱) ہشام بن سعدؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

قرض دلوا کر سائل کی حاجت پوری کردیتے :

فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ماعندی شیء ...... حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ ای لیس فی ملکی شیء موجود۔ (جمع ج۲ص۲۱۴) (یعنی میرے

ملکیت میں تو کوئی چیز بھی موجود نہیں) جو لینا ہے وہ خرید لے اور اس کی قیمت میرے ذمہ ہے یعنی مطلوبہ چیز حسبِ ضرورت بازار سے خرید لے۔ اس قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہوگی۔ حضرت بلالؓ فرماتے ہیں جب کوئی شخص مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہوتا' اسے کپڑے کی ضرورت ہوتی تو آپ ﷺ مجھے اس کے لئے لباس کا بندوبست کرنے کا حکم دیتے۔ میں کہیں سے قرض وغیرہ لے کر اس کو کپڑے بنوا دیتا، کھانا کھلا دیتا، پھر بعد میں حضور اقدس ﷺ اس قرضہ کی ادائیگی فرما دیتے۔

جود و سخا کے واقعات :

خود نبی کریم ﷺ کا حضرت بلالؓ سے بھی یہی ارشاد ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت بلالؓ کے پاس کھجوروں کی ایک ڈھیری لگی ہوئی دیکھی۔ حضور اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ عرض کیا کہ آئندہ کی ضروریات کے لئے روک لیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، تجھے اس کا ڈر نہیں ہے کہ اس کی بدولت کل قیامت کے دن جہنم کا کچھ دھواں تجھ تک پہنچ جائے۔ اس کو ارشاد فرمایا **انفق بلالاً ولا تخش من ذی العرش اقلالا** ا۔ اے بلال ! خرچ کر اور عرش کے مالک سے کمی کا اندیشہ نہ کر۔ حضور اکرم ﷺ کی سخاوت اور کرم کے واقعات جس کثرت سے ہیں، ان کے احاطہ کی کس کو طاقت ہے۔ اس کرم کے لئے یہ بھی ضروری نہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس موجود ہی ہو۔ ضرورتمندوں کے لئے قرض لے کر ان پر خرچ کرنا حضور اکرم ﷺ کا عام معمول تھا، جیسا کہ اوپر کی حدیث میں خود موجود ہے۔ ایک شخص نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ کے اخراجات کی کیا صورت تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس تو کچھ رہتا ہی نہ تھا۔ میں ہی اخیر تک اس کا منتظم رہا۔ عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جب کوئی مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہوتا اور آپ ﷺ اس کو ننگا دیکھتے تو مجھے اس کے انتظام کا حکم فرماتے۔ میں کہیں سے قرض لے کر اس کے کپڑے بنواتا اور کھانے کا انتظام کرتا۔ ایک دن مشرکین میں سے ایک شخص میرے پاس آیا اور آ کر کہنے لگا کہ مجھے بڑی وسعت حاصل ہے، تمہیں جو کچھ قرض لینا ہو، مجھ سے لے لیا کرو اور کسی سے قرض لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس سے قرض لینے لگا۔ ایک دن میں وضو کر کے

اذان کہنے ہی کو تھا کہ وہ مشرک چند تاجروں کو ساتھ لیے ہوئے آئے اور مجھے دیکھ کر کہنے لگا او حبشی ! میں نے کہا حاضر ہوں۔ وہ نہایت ترش روئی سے مجھ کو برا بھلا کہنے لگا اور کہا کہ اس مہینے کے ختم میں کتنے دن باقی ہیں۔ میں نے کہا کہ مہینہ تو ختم ہونے کے قریب ہے۔ کہنے لگا کہ چار دن باقی ہیں، اگر اُس وقت تک قرضہ ادا نہ کیا تو تجھے قرضہ میں غلام بنالوں گا اور جیسا کہ پہلے غلامی کی حالت میں بکریاں چرایا کرتا تھا، وہی صورت پھر ہو جائے گی۔ حضرت بلالؓ کہتے ہیں کہ اس کی یہ باتیں سُن کر جو لوگوں پر گزرتی ہے، وہ مجھ پر بھی گزری۔ میں عشاء کی نماز کے بعد حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ سارا قصہ سنا کر عرض کیا کہ حضور ! اتنی جلدی انتظام کیا ہو سکتا ہے کہ ادائیگی کے لئے نہ آپ ﷺ کے پاس کچھ ہے نہ میرے پاس۔ میں رُوپوش ہو جاؤں گا۔ جب آپ ادائیگی فرما دیں گے میں حاضر ہو جاؤں گا۔ ورنہ وہ مجھے سخت ذلیل کرے گا۔ صبح کی نماز سے قبل ایک شخص دوڑتا ہوا آیا کہ حضور اکرم ﷺ بلا رہے ہیں۔ میں حاضر ہوا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ نے تیرے قرضہ کا انتظام کر دیا۔ یہ چار اونٹنیاں جو سامان سے لدی ہوئی کھڑی ہیں، یہ فدک کے حاکم نے ہدیہ بھیجا ہے۔ میں نے صبح کو وہ سب قرضہ بے باق کر دیا اور حضور اکرم ﷺ کو اطلاع دی کہ اللہ جل شانہٗ نے قرضہ سے آپ کو سبکدوش کر دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس سامان میں سے کچھ بچا ہے یا نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ کچھ بچ گیا۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اس کو تقسیم کر دے کہ مجھے راحت ملے۔ شام ہو گئی کچھ پھر بھی بچ گیا۔ عشاء کے بعد حضور اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا، میں نے عرض کیا کہ مستحقین آتے ہی نہیں ابھی کچھ باقی ہے تو حضور اکرم ﷺ نے وہ رات مسجد میں گزاری، مکان پر تشریف نہیں لئے گئے۔ دوسرے دن عشاء کے بعد پھر دریافت فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ جل شانہٗ نے اس کے بار سے آپ کو سبک دوش فرمایا کہ وہ سب تقسیم ہو گیا۔ تب حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اپنے مکان تشریف لے گئے۔ (ابوداؤد)

حضرت عمرؓ کی رائے پر ناگواری :

فقال عمرؓ ...... تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ! آپ نے تو اسے عطا فرما دیا فما

کلف اللّٰہ مالا تقدر علیہ۔پس اللہ نے آپ ﷺ کو اس چیز کی جس پر آپ کو قدرت نہیں ہے، مکلف نہیں بنایا، یعنی من امرہ بالشراء و وعدہ بالقضاء۔(جمع ج۲ص۲۱۴) (اس شخص کو یہ کہہ دینا کہ جاؤ آپ خرید لیں اور اس کو قرضہ میں ادا کردوں گا) یعنی نرم جواب بھی تو بمنزلہ عطا و بخشش کے ہے۔سو وہ تو آپ ﷺ نے اسے دیدیا ہے یا جو چیز آپ ﷺ کے پاس تھی مرحمت فرمادی اور اب جبکہ آپ ﷺ کے پاس کچھ بھی موجود نہیں ہے تو خواہ مخواہ لوگوں کے قرضے اپنے ذمہ کیوں لیتے ہیں، جبکہ اللہ پاک نے بھی یہ کام آپ کے سپرد نہیں کیا ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کے قرضے ان کی جگہ ادا کریں۔

فکرہ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ...... یعنی حضور اقدس ﷺ کو حضرت عمرؓ کی یہ بات کہنی پسند نہ آئی، کیونکہ ایک سائل نامراد واپس لوٹتا تھا، جو آپ ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ سے بعید تھا، مگر یاد رہے کہ ناگواریٔ خاطر کی وجہ یہ نہ تھی کہ حضرت عمرؓ کی یہ رائے خلافِ شریعت تھی' بلکہ اس لئے کہ اس سے سائل کی ناامیدی اور محرومی مستلزم ہوتی تھی۔

علامہ مناویؒ فرماتے ہیں ای مِن حیث استلزامہ قنوط السائل و حرمانہ لالمخالفتہ للشرع۔(مناوی ج۲ص۲۱۴)

ایک انصاری کی رائے کو پسند فرمایا:

فقال رجل مِنَ الانصار ...... انصار میں سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ! خرچ کیجئے کسی قسم کا خوف صاحبِ عرش سے نہ کیجئے، اقلالًا ای شیئًا مِن الفقر و زاد فی التاج ان معناہ الافتقار و الاحتیاج۔ (جمع ج۲ص۲۱۴) یعنی کسی قسم کا فکر و اندیشہ یا غم نہ کیجئے' و انفق و لو فوق طاقتک ۔ (اتحافات ص:۳۷۹) (اور خرچ کیجئے اگرچہ آپ ﷺ کی قدرت سے زیادہ بھی ہو) اللہ کریم اپنی بارگاہ عالیہ سے وہ کچھ عطا فرمادے گا جو اور کسی کو عطا نہیں فرماتا۔

فتبسم ...... اس پر حضور اقدس ﷺ نے تبسم فرمایا۔انصاری کی اس بات سے بہت خوش ہوئے۔طبیعت اور چہرۂ انور سے اس کا اظہار بھی ہونے لگا، جیسا کہ راوی نے کہا ہے کہ رُخِ انور پر فرخندگی اور تازگی ظاہر ہو رہی تھی۔وعرف فی وجھہ البشر ای الطلاقۃ والبشاشۃ۔(مواہب ص

۲۶۳) فانفرجت اساریر المصطفیٰ صلی اللّٰہ علیه وسلم و عرف البشر فی وجهه ۔(اتحافات ص۳۷۹)بهذا امرت ۔یعنی مجھے یہی حکم کیا گیا کہ میں اللہ کی راہ میں ہر وقت خرچ کرتا رہوں اور کسی کی کا خوف نہ کروں،ای لا بقول عمر کما افاده تقدیم الجار و المجرور والمعنی بالانفاق الذی قاله الانصاری امرت لابالمنع الذی قاله عمر ۔(مواہب ص۲۶۳)(یعنی مجھے حضرت عمرؓ کی بات کا حکم نہیں کیا گیا جیسے کہ یہی معنیٰ جار مجرور (یعنی بھذا) کی تقدیم سے معلوم ہو رہے ہیں اور مطلب یہ ہوا کہ مجھے ایسے خرچ کرنے کا حکم ہے جیسے کہ انصاریؓ کہہ رہے ہیں نہ اس خرچ کے روکنے کا جیسے کہ حضرت عمرؓ فرما رہے ہیں)

اخذ واستنباط :

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں،ویؤخذ من هذا الحدیث أنه صلی اللّٰہ علیه وسلم کان فی غایة الکرم و الجود و مما ینبغی التنبه له أن کل خصلة من خصال الفضل قد احل اللّٰہ نبیّه فی اعلاها و خصه بذروة سناها ۔(مواہب ص۲۶۳)(اور اس حدیث سے آپ ﷺ کا کرم اور سخاوت کے انتہائی اعلیٰ درجہ پر فائز ہونا معلوم ہوتا ہے اور جس چیز پر تنبیہ ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اخلاق و عادات فاضلہ میں سب سے اعلیٰ و بلند ترین خصلت پر ہونے کا حکم وارشاد فرمایا ہے)

(۳۴۴/۱۴) حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا شَرِیْکٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عُقَیْلٍ عَنِ الرُّبَیِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَآءَ قَالَتْ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِقِنَاعٍ مِّنْ رُطَبٍ وَ اَجْرٍ زُغْبٍ فَاَعْطَانِیْ مِلْأَ کَفِّهٖ حُلِیًا وَّ ذَهَبًا۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ روایت بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے شریک نے عبداللہ بن محمد بن عقیل کے حوالہ سے بیان کیا۔انہوں نے ربیع بنت معوذ بن عفراء سے یہ روایت نقل کی۔ربیع کہتی ہے کہ میں ایک طباق کھجوروں کا اور کچھ چھوٹی چھوٹی پتلی ککڑیاں لے کر حاضر خدمت ہوئی

تو حضور اقدس ﷺ نے اپنا دستِ مبارک بھر کر سونا اور زیور مرحمت فرمایا۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

قناع' مراد طبق ہے جس کو ہم اردو میں طباق کہتے ہیں، جس پر کھانا کھاتے ہیں۔ اس کو قنع بھی کہتے ہیں۔ کھجور کی لکڑی کی تھالی، جس میں کھانا رکھا جاتا ہے۔ رطب' تازہ کھجور اور پختہ تازہ کھجور کو کہتے ہیں۔ اجر' جرو کی جمع ہے۔ چھوٹی چیز انار ہو یا خربوزہ یا ککڑی اس کی جمع جراء' اور اجر آتی ہے۔ جمع الجمع' اجریة آتی ہے۔ زغب نرم روئیں' بال اور پر کا نکلنا' اصل میں زغب ان روئیں کو کہتے ہیں' جو شروع میں چوزے کے بدن پر نکلتے ہیں یہاں مراد ککڑی ہے' جس پر خفیف اور ہلکی سی روئیں ہوتی ہیں۔

قالت اتيت النبی صلی الله عليه و سلم ...... اس سے قبل بھی یہ حدیث حضور اقدس ﷺ کے صفتِ فواکہ کے بیان میں گذر چکی ہے اور اس کی شرح وہیں لکھی جا چکی ہے۔ وہاں باب سے مناسبت تھی۔ پھلوں کا ذکر تھا، یہاں آپ ﷺ کے کریمانہ اخلاق کے مناسبت سے درج ہوئی ہے کہ آپ ﷺ نے تحفہ لانے والی خاتون کو خالی واپس نہیں لوٹایا، بلکہ زر وزیورات سے سرفراز فرمایا۔ یہ آپ ﷺ کی اعلیٰ ظرفی اور بلند اخلاقی تھی، ورنہ یہ چیز نہ واجب ہے اور نہ ضروری۔

(۳۴۳/۱۵) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ وَ غَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوْا اَخْبَرَنَا عِيْسَى بْنُ يُوْنُس عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَ يُثِيْبُ عَلَيْهَا۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن خشرم اور بہت سے دوسرے لوگوں نے یہ حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہم کو عیسیٰ بن یونس نے ہشام بن عروۃ کے حوالہ سے خبر دی اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی۔ انہوں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہ سے نقل کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اُس پر بدلہ بھی دیا کرتے تھے۔

ھدیہ لینا اور بہترین بدلہ دینا :

كان يقبل الهدية ...... حضور اقدس ﷺ ہدیہ تحفہ قبول فرماتے تھے اور اس کا بدل بھی عطا فرماتے تھے، جیسا کہ اس سے قبل والی حدیث میں مثال گذر چکی ہے کہ کھجوروں اور ککڑیوں کے

بدلے مٹھی بھر زر وزیورات عنایت فرمائے۔ یہی آپ ﷺ کا معمول تھا۔ بدلہ کی صورت میں ہدیہ دینے والے کی دلداری بھی فرماتے تھے اور ہدیہ دینے میں بظاہر جو اسے نقصان ہوا، اس کو اس سے بچا لیتے تھے، بلکہ آپ ﷺ اپنے معمول کے مطابق بدلہ ہدیہ سے بڑھ کر دیا کرتے تھے، جس سے ہدیہ دینے والے کا نفع ہوتا تھا۔ اس لئے بعض روایات میں ویثیب خیرا منھا کی تصریح آئی ہے۔

تنبیہ :

علامہ بیجوریؒ باب ھذا کے آخر میں بطورِ تنبیہ کے لکھتے ہیں :

و اعلم ان اخلاقه صلی اللّٰہ علیه وسلم وھدیه و سیرته ھی المیزان الاکبر فتعرض علیھا الاشیاء فما وافقھا فھو المقبول وما خالفھا فھو المردود (مواھب ص۲۶۴) (یہ بات بخوبی معلوم کرلیں کہ آپ ﷺ کے اخلاق، طریقے اور سیرتِ مبارکہ یہی وہ بڑی ترازو ہے جس پر (سب لوگوں) کے (اعمال وکارنامے) پیش کیے جاتے ہیں تو جو آپ ﷺ کی سیرت اور طریقے سے موافق ہوں گے تو وہ (اللہ تعالیٰ کے نزدیک) مقبول ہیں اور جو اس کے مخالف ہوں گے تو وہی مردود ہوں گے)۔

====================

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ حَیَآءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ

باب ! حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاء کے بیان میں

لفظِ حیاء کا لغوی معنیٰ تغیر وانکسار ہے۔(جمع ج ۲ ص ۲۱۶) جب بالقصر پڑھا جائے تو معنیٰ بارش ہے اور جب بالمد پڑھا جائے تو کسی چیز سے منقبض ہونے اور اسے ملامت کے خوف سے چھوڑ دینے کے معنیٰ میں آتا ہے۔ شرعاً حیاء کے معنیٰ ہیں ہو خلق یبعث علی تجنب القبیح و یحض علی ارتکاب الحسن و مجانبة التقصیر فی حق ذی الحق ۔(مواہب ص ۲۶۴) یعنی وہ خلق ہے جو افعالِ قبیحہ سے اجتناب کا باعث ہو۔ حسنات کے ارتکاب کا محرک ہو اور صاحب حق کے حق کی تقصیر کرنے سے مانع ہو۔ حیاء بالقصر ہو یا بالمد دونوں حیاۃ سے ماخوذ ہیں' وکلاهما مأخوذ من الحیاة فان احدهما حیاة الارض والآخر حیاة القلب ۔(جمع ج ۲ ص ۲۱۶) (ان میں سے ایک (حیاء بالقصر) تو زمین کی زندگی (آبادی) ہے اور دوسرا (حیاء بالمد) وہ دل کی حیات وزندگی ہے)

حیاء کی فضیلت واہمیت :

احادیث میں حیاء کی تاکید آئی ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے ' الحیاء شعبة من الایمان حیاء ایمان کی ایک شاخ ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے ، ان لکل دین خلقا ، وان خلق الاسلام الحیاء۔ (ابن ماجۃ) یقیناً ہر دین کے لئے ایک خلق ہے، اور اسلام کا خلق حیاء ہے ۔ حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے، الحیاء من الایمان والایمان فی الجنة ۔(ابن ماجۃ) حیاء ایمان کی نشانی ہے اور ایمان کا ہونا جنتی ہونا ہے۔ عمران بن حصین حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں، الحیاء لایاتی الّا بخیر ۔(بخاری) حیاء سے بھلائی ہی پیدا ہوگی اور ایک حدیث میں آیا ہے' الحیاء کله

خیر (مسلم) یعنی حیاء میں بہتری ہی بہتری ہے۔ایک اور ارشاد ہے ' لادین لمن لاحیاء له (جس میں حیاء نہیں ہے،اس میں کوئی دین نہیں ہے)

اس باب کو مستقلاً نقل کیا گیا ہے کہ حیاء ایک مستقل خلق ہے۔غایتِ اہتمام غرض تھی کہ خالق اور مخلوق دونوں کے ساتھ معاملات میں حیاء پر ایک مستقل مدار ہے۔ و لعل الافراد فی الترجمة إشارة الی عظم شأنه (اتحافات ص ۳۸۱) (اور اس کو مستقل عنوان سے ذکر کرنے میں اس کے عظیم الشان ہونے کا اشارہ ہے) ولان به حسن العشرة للخلق و المعاملة للحق ۔(مواہب ص ۲۶۴) (اور حیاء ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے اچھا معاملہ اور مخلوق کے ساتھ حسن برتاؤ قائم رہتا ہے) حضور اقدس ﷺ کی حیاء کا یہ عالم تھا کہ کسی چہرہ پر نظریں گاڑ کر گفتگو نہیں فرماتے تھے،اگر اپنی منشأ کے خلاف کوئی بات کہنا چاہتے تو اشاروں کنایوں میں کہتے۔قضاءِ حاجت کی ضرورت پیش آتی،تو لوگوں سے دور کسی میدان میں چلے جاتے اور اس وقت تک کپڑا اوپر نہ اٹھاتے،جب تک زمین پر بیٹھ نہ جاتے۔شیخ عبدالرؤفؒ نے حیاء کی چار قسمیں نقل کی ہیں۔

حیاء کے اقسام :

علماء نے لکھا ہے کہ حیاء کئی قسموں کی ہوتی ہے۔ایک کرم کی حیاء کہلاتی ہے،جیسا کہ حضور اقدس ﷺ نے جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ولیمہ کیا تو کھانے سے فارغ ہونے کے بعد چند لوگ بیٹھے رہے اور باتوں میں مشغول رہے۔نبی اکرم ﷺ پر اُن کا بیٹھنا بار تھا اور بار بار کبھی باہر تشریف لے جاتے تھے،کبھی اندر تشریف لاتے تھے،مگر شرم کی وجہ سے ان کو اٹھنے کا حکم نہیں فرمایا۔قرآن پاک میں بھی سورۂ احزاب کے اخیر کے قریب اس قصہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔دوسری قسم عاشق کی اپنے محبوب سے شرم ہوتی ہے کہ بولنا بھی دشوار ہوتا ہے .... ؎

شوق افزوں مانعِ عرضِ تمنا دابِ حُسن
بارہا دل نے اٹھائے ایسی لذت کے مزے

تیسری قسم بندگی کی شرم ہوتی ہے کہ بندگی میں اپنے آپ کو قاصر پائے اور مولا سے شرم میں بڑھتا جائے.

چوتھی قسم خود اپنی ذات سے شرم ہوتی ہے کہ آدمی ہمت سے کسی کام کو شروع کرے اور اس میں کوئی نقص رہ جائے تو خود اپنے سے شرم آنے لگتی ہے کہ ذرا سا کام بھی نہ ہوا۔ کہتے ہیں کہ یہ شرم کا اعلیٰ درجہ ہے' جو شخص خود اپنے سے شرماتا ہے، وہ دوسرے سے بطریقِ احسن واولیٰ شرمایا کرتا ہے (مناوی ج ۲ ص ۲۱۶)
امام ترمذیؒ نے اس باب میں دو حدیثیں نقل کی ہیں۔

(۳۴۴/۱) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوٗدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ عُتْبَةَ يُحَدِّثُ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَشَدَّ حَيَآءً مِّنَ الْعَذْرَآءِ فِيْ خِدْرِهَا وَ كَانَ اِذَا كَرِهَ شَيْئًا عَرَفْنَاهُ فِيْ وَجْهِهٖ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے شعبہ نے قتادہ کے حوالہ سے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن ابی عتبہ کو ابوسعید خدریؓ کے حوالہ سے یہ کہتے ہوئے سنا۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ شرم وحیاء میں کنواری لڑکی سے جو اپنے پردہ میں ہو کہیں زائد بڑھے ہوئے تھے۔ جب حضور اکرم ﷺ کو کوئی بات ناگوار ہوتی تو ہم آپ ﷺ کے چہرے سے پہچان لیتے۔ حضور اکرم ﷺ (غایت شرم کی وجہ سے اظہارِ ناپسندیدگی بھی نہ فرماتے تھے)

راوی حدیث (۶۲۲) عبداللہ بن ابی عتبہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اکرم ﷺ کا مقامِ حیاء :

کان اشد حیاء ...... العذراء دوشیزہ' باکرہ' کنواری اور درنا سفتہ کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع العذاری آتی ہے۔ سمیت بذلک لتعذر وطیھا۔ (مواہب ص ۲۶۴) (عذراء کے ساتھ اس لئے مسمیٰ کی جاتی ہے کہ اس کی وطی مشکل اور متعذر ہوتی ہے) یعنی حضور اقدس ﷺ اس کنواری لڑکی سے بھی زیادہ شرم وحیاء رکھتے تھے' جو مکان کے اندر ایک مخصوص حصہ میں رہتی ہے۔ خدر پردہ کو کہتے

ہیں، وہ پردہ جولڑکی کے لئے مکان کے ایک گوشہ میں لگا دیا جائے۔لڑکی کے لئے مکان کامخصوص حصہ' رات کی تاریکی اور شیر کی جھاڑی کو بھی خدر کہتے ہیں۔ و ھو ستر یجعل للبکر فی جانب البیت لتستر بہ حتی عن بعض النساء۔(جمع ج۲ص۲۱۶) (ملاعلی قاریؒ خدر کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ یہ ایک خاص پردہ جوکمرے کے گوشے میں باکرہ کے لئے بنایا جاتا ہے تاکہ یہ اس میں چھپی رہے تاآنکہ بعض عورتوں سے بھی وہ وہاں چھپی رہتی ہے)

(۱) شارحینِ حدیث نے اس کا ایک معنیٰ یہ لیا ہے۔اس سے مراد وہ کنواری لڑکی مراد ہے جو پردہ نشین ہو، اگرچہ کنواری لڑکی میں شرم وحیا طبعاً موجود ہوتا ہے۔اس لئے شریعت میں اس سے نکاح کی اجازت کے وقت صرف سکوت کو کافی قرار دیا گیا ہے۔

مگر وہ لڑکی جو کنواری بھی ہو اور پردہ نشین بھی' تو ظاہر ہے کہ اس میں حیاء بدرجۂ اتم موجود ہوگا علماء فرماتے ہیں کہ پردہ نشین سے بھی وہ عورت مراد ہے' جس کی تعلیم وتربیت کا اہتمام بھی پردہ ہی میں کیا گیا ہو، جسے باہر گلی محلوں اور بازاروں میں پھرنے والی خواتین سے دور رکھا گیا ہو۔ایسی لڑکی جس قدر شرمیلی ہوگی۔ظاہر ہے اس میں حیاء بھی بدرجۂ اتم ہوگا۔

(۲) دوسرا معنیٰ شارحینِ حدیث نے یہ لکھا ہے کہ پردہ نشین ہونا شبِ عروسی یعنی شادی کی پہلی رات سے کنایہ ہے کہ اس رات لڑکی میں شرم وحیاء کی انتہاء ہوتی ہے۔

شیخ عبدالرؤفؒ کا ارشاد :

شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں، وفیہ ان الحیاء من الاوصاف المحمودۃ ای مالم ینتہ الی ضعف او جبن او خروج عن الحق او ترک اقامۃ حد والا کان مذموماً و حیاء ہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان مبرأ من ذلک کلہ (مناوی ج۲ص۲۱۷) اوراس سے ثابت ہوتا ہے کہ حیاء اوصافِ محمودہ میں سے ہے، جب تک اس میں کمزوری' نامردی' حق سے نکلنا اور اقامت حد کا چھوڑنا نہ پایا جائے ،اگر یہ چیزیں پیدا ہوں تو پھر مذموم ہے۔حضور اقدس ﷺ کا حیاء تو ان تمام چیزوں سے کلی طور پر پاک اور مبرّا تھا۔

جب حضور ﷺ کو کوئی بات ناگوار ہوتی :

وکان اذا کرہ شیاً اور جب حضور اقدس ﷺ کو کوئی چیز ناگوار خاطر ہوتی' تو اس کا اثر رُخِ انور سے معلوم ہو جاتا۔ وکذا العذراء فی خدرھا لاتصرح بکراھة الشئی بل یعرف ذلک فی وجھھا غالباً وبھذا ظھر وجه ارتباط ھذہ الجملة بالتی قبلھا۔ (مواہب ص ۳۶۴)

(اسی طرح وہ کنواری جو پردہ میں ہو وہ بھی اپنی ناپسندی کا اظہار صراحۃً نہیں کرتی بلکہ عمومی طور پر اس کے چہرہ سے معلوم کیا جاتا ہے اور اسی سے اس جملے کے ماقبل سے مربوط ہونے کی وجہ ظاہر ہو گئی)

(۲/۳۳۵) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَیْلَانَ حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ اَخْبَرَنَا سُفْیَانُ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ مُوْسٰی بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ یَزِیْدَ الْخَطْمِیِّ عَنْ مَوْلًی لِعَائِشَةَ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ مَانَظَرْتُ اِلٰی فَرْجِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ اَوْ قَالَتْ مَا رَاَیْتُ فَرْجَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَطُّ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے وکیع نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان نے منصور کے حوالہ سے خبر دی' انہوں نے اسے موسیٰ بن عبداللہ بن یزید خطمی سے انہوں نے امّ المؤمنین عائشہ کے آزاد کردہ غلام سے روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (حضور اکرم ﷺ کی حیاء اور تستّر کی وجہ سے) مجھے کبھی آپ ﷺ کے محل شرم دیکھنے کی ہمت نہیں پڑی اور کبھی نہیں دیکھا۔

راوی حدیث (۶۲۳) موسیٰ بن عبداللہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

حیاءِ کامل کا اکمل نمونہ :

قالت عائشة مانظرت ...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' میں نے کبھی بھی آپ ﷺ کے محل شرم پر نظر نہیں کی۔ جب حضور ﷺ کی شرم کی وجہ سے ہمت نہیں پڑی تو خود حضور ﷺ تو کیا دیکھتے اور اُصولی بات ہے کہ شرمیلے آدمی کے سامنے دوسرے کو بھی مجبوراً شرم کرنی پڑتی ہے اور دوسری روایت میں بالتصریح اس کی بھی نفی ہے کہ نہ حضور ﷺ نے کبھی میرے ستر کو دیکھا نہ میں نے

حضور ﷺ کے ستر کو دیکھا اور جب حضرت عائشہؓ باوجود یکہ تمام بیویوں میں سب سے زیادہ بے تکلف تھیں۔ سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ اُن کا یہ حال ہے تو اوروں کا کیا ذکر۔ چنانچہ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ جب حضور ﷺ بیوی سے صحبت کرتے تو آنکھیں بند کر لیتے اور سر جھکا لیتے اور بیوی کو بھی سکون و وقار کی تاکید فرماتے۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ حجروں کے پیچھے جا کر غسل کیا کرتے۔ حضور ﷺ کے محلِ ستر کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ نبوت سے قبل جب کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی، حضور ﷺ بھی پتھر اُٹھا کر لا رہے تھے۔ عرب کے دستور کے موافق کہ ستر کو چھپانے کا کچھ ایسا اہتمام نہ تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے لنگی کو پتھر کے نیچے رکھ لیا۔ اُسی وقت بیہوش ہو کر گر گئے۔ حالانکہ شرعی احکام اُس وقت تک نازل نہ ہوئے تھے۔

(ملخصاً من المناوی وغیرہ ج۲ ص۲۱۳)

==================================

بَابُ مَاجَآءَ فِيْ حِجَامَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پچھنے (سنگیاں) لگوانے کے بیان میں

الحجامة (پچھنے لگوانا) :

الحجامة ' پچھنے لگانے کے پیشے کو کہتے ہیں۔ حَجْمٌ سے ہے، جس کا معنیٰ اونچائی ' بڑھ جانے چوسنے اور روکنے کے ہوتے ہیں۔ حجام پچھنے لگانے والے کو کہتے ہیں۔ الحجامة هي شرط الجلد و اخراج الدم بالمحجمة و هي مايحجم به۔ (اتحافات ص۴۹۳) (حجامت کا معنیٰ جلد میں نشتر لگانا اور آلہ حجامت کے ساتھ بدن سے خون نکالنا) ہمارے ہاں بال مونڈنے اور تراشنے والے کو حجام کہتے ہیں۔ ہاں پچھنے لگانے کے لئے لامحالہ حلق کرنا پڑتا ہے، بلکہ حلق لازم ہے اور حالق ہی حجام (پچھنے لگانے والا) ہوتا تھا۔ اس لئے اب عربوں میں بھی حجام' حلاق کے معنیٰ میں استعمال ہونے لگا، جبکہ برصغیر کے اردو محاورہ میں تو حجام کہتے ہی حالق کو ہیں۔ پچھنے لگوانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً اور فعلاً ثابت ہے۔ اطباء نے اس کے بہت سے فوائد ذکر کیئے ہیں۔

معالجہ' توکل کے منافی نہیں :

باب ھذا میں مصنفؒ نے چھ احادیث ذکر کی ہیں، جن میں پچھنے لگوانے کے مختلف واقعات ذکر کئے گئے ہیں۔ یہ بتانا مقصود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات میں معالجہ' بدن کا علاج اور دوا کا استعمال کرنا بھی ثابت ہے۔ لہٰذا معالجہ' اور دوائی کا استعمال توکل کے منافی نہیں ہے۔ آخر حضور اقدسؐ سے بڑھ کر متوکل اور کون ہوسکتا ہے، مگر اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے اور بدن کا علاج کرایا۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، وفی حجامته صلی الله علیه وسلم اِقرار لمبدأ

التداوی والعلاج ولامنافاة بین الأخذ بالأسباب والتوکل علی اللہ ۔(اتحافات ص ۳۸۳)
(اور نبی کریم ﷺ کے پچھنے لگوانے میں دوا اور علاج ومعالجہ کرنے اور کروانے کی اصل اور بنیاد کو تسلیم کرنا ہے۔ اور اسباب وذرائع کے استعمال کرنے اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہی پر توکل کرنے میں کوئی منافات نہیں)

البتہ علامہ مناویؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ نعم ترکہ توکلا فضیلة و لاینا فیہ فعل المصطفی وھو سید المتوکلین لانہ انما فعلہ للتشریع کما تقرر ۔(مناوی ج ۲ ص ۲۱۴)(ہاں اسباب کو چھوڑ کر صرف ذات خداوندی پر توکل اور بھروسہ کر لینے میں فضیلت ضرور ہے۔ اور آپ ﷺ کا اسباب کو استعمال کرنا حالانکہ آپ ﷺ تو متوکلین کے سردار اور رہنما ہیں کیونکہ آپ ﷺ کا عمل امت کو ایک حکم شرعی بتلانے کی ہدایت ہے)

توکّل کی حقیقت :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ تحریر فرماتے ہیں :

ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنے اُس رسالہ میں جس میں اپنے مبشرات کو جمع کیا ہے اور اپنے بہت سے مکاشفات اور حضور اقدس ﷺ سے خوابوں میں جو سوالات کیے ہیں، ذکر کیے ہیں۔ لکھا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ سے روحانی سوال کیا کہ اسباب کے اختیار کرنے میں اور اسباب کے ترک کرنے میں کون سی چیز افضل ہے۔ تو مجھ پر حضور اقدس ﷺ کی طرف سے ایک روحانی فیض ہوا، جس کی وجہ سے اسباب و اولاد غرض ہر چیز سے طبیعت سرد پڑ گئی۔ اُس کے بعد میری طبیعت پر ایک انکشاف ہوا، جس کا اثر یہ ہوا کہ طبیعت تو اسباب کی طرف متوجہ ہے اور روح تسلیم و تفویض کی طرف مائل ہے۔ فقط۔ حق یہ ہے کہ یہی اصل توکل ہے کہ اسباب کو بالکل غیر مؤثر سمجھیں۔ اسباب میں تاثیر بھی اللہ تعالیٰ جل شانہٗ ہی کی طرف سے ہے۔ اُس کی مشیت کے بغیر اسباب بھی کچھ نہیں بنا سکتے ....

از قضا سر کنگبیں صفرا فزود روغنِ بادام خشکی مے نمود

مقدّراتِ الٰہیہ کے سامنے کسی کا بھی بس نہیں ہے۔ نسر کہ کے استعمال سے صفرا بڑھ جائے اور بادام روغن کے استعمال سے خشکی ہونے لگے۔ حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے ایک دوسرے رسالہ میں ہے کہ یہ اسباب کا مسئلہ من جملہ اُن تین وصیتوں کے ہے، جن کی حضور اقدس ﷺ نے وصیت فرمائی اور شاہ صاحبؒ کو طبعی رجحان کے خلاف پر مجبور کیا گیا۔ دوسرا تفضیلِ شیخینؓ کا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ پر اور تیسرا مسئلہ تقلید کے نہ چھوڑنے کا ہے کہ شاہ صاحبؒ کا میلان تقلید کے چھوڑنے پر تھا، مگر مجبور کیا گیا کہ کسی ایک امام کی تقلید ضرور کریں۔ تفصیل کا یہاں محل نہیں ہے۔ شاہ صاحبؒ کے رسائل فضل مبین اور فیوض الحرمین میں ہر دو تفصیلات ہیں۔ (خصائل)

(۳۴۶/ا) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ سُئِلَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ كَسْبِ الْحَجَّامِ فَقَالَ اَنَسٌ اِحْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ حَجَمَهٗ اَبُوْطَيْبَةَ فَاَمَرَلَهٗ بِصَاعَيْنِ مِنْ طَعَامٍ وَ كَلَّمَ اَهْلَهٗ فَوَضَعُوْا عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهٖ وَ قَالَ اِنَّ اَفْضَلَ مَاتَدَاوَيْتُمْ بِهِ الْحِجَامَةُ اَوْ اِنَّ مِنْ اَمْثَلِ دَوَائِكُمُ الْحِجَامَةُ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسمٰعیل بن جعفر نے حمید کے حوالہ سے بیان کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کسی نے سینگی لگانے کی اجرت کا مسئلہ پوچھا کہ جائز ہے یا نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ابوطیبہ نے حضور اکرم ﷺ کو سینگی لگائی تھی۔ آپؐ نے دو صاع کھانا (ایک روایت میں کھجور بھی آیا ہے) مرحمت فرمایا اور ان کے آقاؤں سے سفارش فرما کر ان کے ذمہ جو محصول تھا، اس میں کمی کرا دی اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ سینگی لگانا بہترین دوا ہے۔

حضور ﷺ کے حجام ابوطیبہ کا تذکرہ:

ابو طيبة ! اسمه نافع و كان مملوكا لبني حارثة أو لابي مسعود الانصاري۔ (اتحافات ص ۳۹۳) و خطأ الحافظ ابن حجر من قال كالنووي لبني بياضة اسمه نافع على الصحيح و قول البغوي ميسرة رد بانه اشتبه عليه باسم ابي جميلة الراوي حديث الحجامعة و قول ابن عبد البر

اسمه دینار وهموه فیه لان دینارا الحجام تابعی روی عن ابی طیبة لا ابو طیبة نفسه انتھی ۔

(مناوی ج۲ص ۲۱۷)

مغشأ سوال :

سئل انس بن مالکؓ ...... حضرت انس بن مالکؓ سے پچھنے لگوانے کی مزدوری سے متعلق دریافت کیا گیا کہ پچھنے لگوانے کا کسب اور اس پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ بعض شارحینؒ نے فرمایا ہے کہ شاید یہ سوال اس لئے کیا گیا ہو کہ اس پیشہ کی خباثت میں کسب الحجام خبیث وارد ہوا ہے۔ لہٰذا پوچھنے والے نے یہ وہم کیا کہ شاید حجام کو اجرت دینی جائز نہیں۔ ولعل الباعث علی هذا السوال ورود الخبر بخبث کسب الحجام ۔(اتحافات ص۳۹۳)(اور شاید کہ اس پوچھنے اور سوال کی غرض حدیث میں حجام کے کسب واجرت کی خباثت کا تذکرہ ہوا ہے)

طبعی کراہت سے حرمت لازم نہیں آتی :

حضرت انسؓ نے جواب میں گویا کسب الحجام جائز (کہ حجام کی اجرت کے جواز کا فتویٰ صادر فرمایا۔ دونوں کی تطبیق میں مختلف اقوال منقول ہیں۔ راجح یہ ہے کہ خبیث کے معنی ''حرمت'' سے عام ہیں، جو طیب کی ضد ہے۔ ناپسندیدہ چیز کو بھی خبیث کہتے ہیں۔ گویا احیاناً کوئی حجامت کرے تو جائز ہے، لیکن چونکہ اس میں میل کچیل سے تلبس ہوتا ہے۔ اس لئے آپ ﷺ اس قسم کے پیشوں کو ناگوار سمجھتے تھے۔ اس طبعی کراہت سے نہ حرمت لازم آتی ہے نہ کراہت، بلکہ عملاً آپ ﷺ نے خود پچھنے لگوائے ہیں۔

حجام کو اجرت دینا مباح ہے :

فقال انس ...... حضرت انسؓ نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے پچھنے لگوائے اور یہ پچھنے آپ ﷺ کو ابوطیبۃ نے لگائے تھے، جنہیں آپ ﷺ نے دو صاع طعام دینے کا حکم فرمایا تھا۔ ابوطیبۃ کا نام نافع ہے، جو محیصہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ یہ پچھنے لگانے کا کسب اختیار کئے ہوئے تھے۔

وہ جب پچھنے لگا چکے تو بارگاہِ نبوت سے انہیں دو صاع طعام عنایت فرمانے کا امر صادر ہوا۔ صاع میں علماء کا اختلاف ہے۔ فقہاءِ حنفیہؒ کے نزدیک تقریباً چار سیر وزن کا ایک صاع ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے انہیں گویا آٹھ سیر طعام دیا گیا۔ فدلّ ذلک علی حله لأنه لو کان حراماً لم یعطه وماورد من النهی عنه فهو للتنزیه و هو المراد بکونه خبیثًا ۔(مواہب ص ۲۶۵)(تو حضور ﷺ کی طرف سے دو صاع کے دینے میں حجام کو اجرت دینے کا جواز اور حلت معلوم ہو رہی ہے کیونکہ اگر اس کو اجرت دینا حرام ہوتا تو آپ ﷺ اس کو دینے کا حکم نہ فرماتے اور حدیث میں اس سے جو منع کا ذکر ہے تو وہ نہی تنزیہی پر محمول ہے اور حدیث میں لفظ خبیث سے یہی مراد ہے) ایک روایت میں دو صاع کھجور دینا بھی آیا ہے۔ و زاد فی روایة من تمر ۔(مواہب ص ۲۶۵) معلوم ہوا کہ حجام کو اجرت دینا مباح ہے، ورنہ آپ ﷺ اسے کسی چیز کے دینے کا حکم صادر نہ فرماتے۔

غلاموں کے ساتھ حُسنِ سلوک :

و کلم اهله ...... حضور اقدس ﷺ نے اس کے مالک سے گفتگو کر کے اس پر محصول میں کمی کروادی۔ ای کلم سیده منهم فی التخفیف عنه ۔(مواہب ص ۲۶۵) ابو طیبة کے آقا کا نام محیصہ بن مسعود تھا، وہ اپنے مالک کو روزانہ تین صاع کھجور ادا کیا کرتا تھا اور اسی شرط پر مالک نے اسے چھوڑ دیا تھا' یعنی عبدِ ماذون بنا دیا تھا، وہ کماتا' محنت مزدوری کرتا' تین صاع تمر مالک کو ادا کرتا۔ مزید جو بچ کے رہتا وہ غلام کا ہوتا۔ حضور اقدس ﷺ کی سفارش سے اس کے مالک نے ایک صاع معاف کر دیا اور دو صاع کھجور لینا منظور کر لیا۔

اس سے بے بس' لاچار اور غلاموں پر آپ ﷺ کی شفقت و محبت کا اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے۔ اپنے جذبہ صادقہ کا اظہار مظلوم غلام کی حمایت و امداد اور بھرپور عنایت کی صورت میں ظاہر فرمایا۔ علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں وهذا یفید عنایة رسول الله صلی الله علیه وسلم بالحجام۔(مواہب ص ۵۱۳)

پچھنے لگوانا گرم علاقوں کے ساتھ خاص ہے :

وقال ان افضل ...... یقیناً بہتر علاج جو تم کرتے ہو، وہ پچھنے لگوانا ہے۔ بعض شارحین اور

علماء ومحدثین رحمھم اللہ کہتے ہیں کہ یہ حکم حرمین شریفین کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے، وہ اکثر کھجوریں کھاتے ہیں' اس سے خون بنتا ہے، جو پچھنے لگوانے سے خارج ہوسکتا ہے۔ اس لئے ان کے لئے یہ حکم فرمایا اور ایسے لوگوں کے لئے پچھنے لگوانا مستحب ہے۔

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں' **ولعل هذه الأفضلية تتبع الزمان والمكان فالأجواء الحارة يناسبها الحجامة و غير الأجواء الحارة تتداوى بما يناسبها** ۔(اتحافات ص ۳۹۴) (اور شاید کہ (پچھنے لگوانے) کی افضلیت کا مدار زمان ومکان اور آب وہوا کی حیثیت سے ہو۔ پس جن علاقوں کی فضا گرم ہو ان میں حجامت کرنا زیادہ مناسب ہو اور جو علاقے گرم نہ ہوں ان میں ان کے مناسب علاج ومعالجہ سے کام لیا جائے) اطباء نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ لوگ جو سرد مزاج ہیں اور سرد ممالک میں رہتے ہیں' ضرورت پڑنے پر فصد ان کے لئے مفید ہے۔ **واهل البلاد الباردة فالفصد لهم اولى** ۔(مواہب ص ۲۶۵) (اور ٹھنڈے وسرد علاقوں کے لئے فصد (رگ سے نشتر کے ذریعے خون نکالنا) بہتر ہے)

اخذِ مسائل :

علامہ البیجوریؒ فرماتے ہیں، **ويؤخذ مِن الحديث التداوى بل سنه واخذ الأجرة للطبيب والشفاعة عند ربّ الدين** ۔(مواہب ص ۲۶۶) (حدیث شریف سے علاج ومعالجہ اور اس کے طریقہ اور طبیب وڈاکٹر کی اجرت اور ان کے قرض خواہ سے اس کی سفارش کا جواز معلوم ہوتا ہے)

(۲/۳۴۷) حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوُدَ حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ بْنُ عُمَرَ عَنْ عَبْدِ الْاَعْلٰى عَنْ اَبِىْ جَمِيْلَةَ عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ وَاَمَرَنِىْ فَاَعْطَيْتُ الْحَجَّامَ اَجْرَهُ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عمرو بن علی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابوداؤد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ورقاء بن عمر نے عبدالاعلیٰ کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ابوجمیلہ سے اور انہوں نے حضرت علیؓ سے نقل کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں

کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ سینگی لگوائی اور مجھے اس کی مزدوری دینے کا حکم فرمایا، میں نے اس کو ادا کیا۔

راویان حدیث (۶۲۴) ورقاء بن عمرؒ اور (۶۲۵) ابی جملۃؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

پچھنے لگوانے میں حضرت علیؓ کی تصدیق :

عن علی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ...... پچھنے لگوانا حضور اقدس ﷺ سے قولاً بھی اور فعلاً بھی ثابت ہے۔ امیر المؤمنین حضرت علیؓ نے بھی پچھنے لگوانے اور حجام کو مزدوری دینے کی تصدیق کردی اس حدیث سے بھی دونوں باتیں ثابت ہوئیں، پچھنے لگوانا اور حجام کو مزدوری دینا۔ فاعطیت الحجام اجرہ ای وھو الصاعان السابقان (مواہب ص۲۶۶) (میں نے حجام کو اس کی مزدوری دے دی یعنی دو صاع سابقہ)

(۴/۳۴۸) حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ اِسْحٰقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ جَابِرٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَظُنُّهُ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ عَلَى الْاَخْدَعَيْنِ وَ بَيْنَ الْكَتِفَيْنِ وَ اَعْطَى الْحَجَّامَ اَجْرَهٗ وَلَوْ كَانَ حَرَامًا لَمْ يُعْطِهٖ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ہارون بن اسحٰق ہمدانی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدۃ نے سفیان ثوری سے جابر کے واسطہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت شعبی اور انہوں نے اسے عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے گردن کی دونوں جانب پچھنے لگوائے اور دونوں شانوں کے درمیان اور اس کی اجرت بھی مرحمت فرمائی۔ اگر ناجائز ہوتی تو حضور اکرم ﷺ کیسے مرحمت فرماتے۔

پچھنوں پر اُجرت کی روایات میں تطبیق :

عن ابن عباسؓ ...... چونکہ سینگی لگانے میں منہ سے خون کھینچنا پڑتا ہے۔ اس وجہ سے بعض

احادیث میں اس کمائی اور اس پیشہ کی برائی آئی ہے۔ بعض روایتوں میں اس کی کمائی کو خبیث فرمایا گیا ہے، جس کی بناء پر بعض علماء اس کی اُجرت کو ناجائز فرماتے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ دونوں روایتوں میں اس طرح جمع کرتے ہیں کہ ممانعت کی روایت کو آزاد لوگوں کے حق میں بتاتے ہیں اور اجازت کی روایات کو غلاموں کے حق میں اور چونکہ ابوطیبہ بھی غلام تھے۔ اس لئے اجرت دینے میں کوئی اشکال نہیں۔ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ خبیث اس لئے فرمایا کہ یہ ایک مسلمان کی ضرورت ہے، جس کی اعانت دوسرے مسلمانوں پر واجب ہے۔ اس لئے بلا اُجرت سینگی لگانا چاہئے تھا۔ علامہ ابن عربیؒ توجیہ کی یہ صورت بیان کرتے ہیں، محل جواز یہ ہے کہ اجرت معلوم ہو اور محل حرمت کہ اجرت معلوم نہ ہو، غرض علماء اس بارے میں مختلف ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ حضور اکرم ﷺ کے اس فعل سے جواز پر استدلال کرتے ہیں کہ اگر یہ ناجائز ہوتی تو حضور اقدس ﷺ کیوں مرحمت فرماتے۔

الاخدعین ! تثنیہ ہے اس کا واحد اخدع آتا ہے، گردن کی رگ کو کہتے ہیں۔ گردن کی دونوں پہلوؤں پر پوشیدہ رگوں کا نام ہے۔ هما عرقان فی جانبی العنق ۔ (مواہب ص ۲۶۶) اس لئے عرب کہتے ہیں، فلان شدید الاخدع یعنی فلاں بڑا گردن کش ہے۔

(۴/۳۴۹) حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ اِسْحٰقَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنِ ابْنِ اَبِیْ لَیْلٰی عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَعَا حَجَّامًا فَحَجَمَهٗ وَ سَاَلَهٗ کَمْ خَرَاجُکَ فَقَالَ ثَلَاثَةُ آصُعٍ فَوَضَعَ عَنْهُ صَاعًا وَ اَعْطَاهُ اَجْرَهٗ ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ہارون بن اسحٰق نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدۃ نے ابن ابی لیلیٰ کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت نافع سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمر سے نقل کی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک سینگی لگانے والے کو بلایا، جس نے آپ ﷺ کے سینگی لگائی۔ حضور اکرم ﷺ نے اُن سے ان کا روزانہ کا محصول دریافت فرمایا، تو انہوں نے تین صاع بتلایا۔ حضور اکرم ﷺ نے ایک صاع کم کرادیا اور سینگی لگانے

کی اجرت مرحمت فرمائی۔

راوی حدیث (۶۲۶) ابن ابی لیلیٰ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

اس روایت میں بھی اسی ابوطیبۃ کا ذکر ہے۔ جن کا تذکرہ باب کی پہلی روایت میں ہو چکا ہے اور حدیث کی شرح بھی ہو چکی ہے۔

(۳۵۰/۵) حَدَّثَنَا عَبْدُ الْقُدُّوسِ بْنُ مُحَمَّدِ نِ الْعَطَّارُ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ وَ جَرِيْرُ بْنُ حَازِمٍ قَالَا حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَحْتَجِمُ فِي الْاَخْدَعَيْنِ وَالْكَاهِلِ وَ كَانَ يَحْتَجِمُ لِسَبْعَ عَشْرَةَ وَ تِسْعَ عَشْرَةَ وَ اِحْدٰى وَ عِشْرِيْنَ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عبدالقدوس بن محمد عطار بصری نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عمرو بن عاصم نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ہمام اور جریر بن حازم نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتادہ نے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ کے حوالہ سے بیان کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ گردن کی دونوں جانبوں میں اور ہر دو شانوں کے درمیان سینگی لگواتے تھے اور عموماً ۱۷/ یا ۱۹/ یا ۲۱/ تاریخ میں اس کا استعمال فرماتے تھے۔

راوی حدیث (۶۲۷) عبدالقدوس بن محمدؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

پچھنے کہاں لگواتے تھے :

قال كان رسول الله صلى الله عليه و سلم يحتجم فى الاخدعين ...... یعنی حضور اقدس ﷺ گردن کی دونوں رگوں کی جانب اور کندھوں کے درمیان پچھنے لگواتے تھے۔ کاہل گردن کے قریب پیٹھ کے بالائی حصہ کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع کواھل آتی ہے' یعنی دونوں کندھوں کے درمیان

، و هو مقدم اعلى الظهر مما يلى العنق وهو الثلث الاعلى و فيه ست فقرات و قيل ما بين الكتفين و قيل الكتد و قيل موصل العنق قال ابوزيد هو للانسان خاصة ويستعار لغيره (مناوی ج۲ص۲۲۳) (علامہ مناویؒ کاہل کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ وہ پیٹھ کے بالائی حصہ کا مقدم (اگلا) حصہ جو کہ گردن سے ملا ہوا ہوتا ہے اور وہ تہائی بالا ہے اور اس میں چھ گڑھے (نشانات) ہیں اور بعض نے کہا کہ دو کندھوں کی درمیانی جگہ بعض اس کی تعبیر کتد سے کرتے ہیں اور بعض نے کہا کہ وہ گردن کی ملاپ کی جگہ ہے ابوزیدؒ کہتے ہیں کہ یہ دراصل تو انسان کے ساتھ خاص ہے البتہ اس کے علاوہ میں بھی بطور استعارہ کے استعمال ہوتا ہے)

پچھنے لگوانے کے خاص ایام :

و کان یحتجم لسبع عشرۃ ...... اور حضور اقدس ﷺ ۱۷/۱۸/اور ۱۹/تاریخ کو پچھنے لگواتے تھے۔ شیخ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ان مذکورہ تواریخ کے باب میں بہت احادیث واقع ہیں۔ یہاں تک کہ آنحضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ ان تواریخ میں پچھنے لگوانا بیماری سے صحت و شفا کا باعث ہے۔

علماء نے فرمایا کہ حجامت کرنا ہفتہ کے دن اور بدھ کے دن مکروہ ہے اور برص کی بیماری پیدا ہونے کا باعث ہے۔ اور ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور سرور کونین ﷺ سے میں نے سنا ہے کہ حضور اقدسؐ نے فرمایا پچھنے لگوانا قوتِ حافظہ اور عقل کی زیادتی کا باعث ہے۔ لہٰذا اللہ جل جلالہ کا اسم پاک لے کر پچھنے لگوایا کرو اور جمعرات، جمعہ، ہفتہ اور اتوار کو پچھنے نہ لگوایا کرو، مگر ہاں پیر کے دن پچھنے لگوایا کرو، جذام اور برص تو بدھ کے دن ہوتی ہے اور ابوداؤد کی روایت ہے کہ منگل کے دن پچھنے لگوانا مکروہ ہے۔ شیخ ابن حجرؒ نے فرمایا یقیناً احادیث سے ظاہر ہو گیا کہ دنوں میں بہتر دن پچھنے لگوانے کے لئے پیر کا دن ہے، جبکہ ۱۷، ۱۹، یا ۲۱ رکو یہ دن آئے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں :

ان تاریخوں کی اور بھی بعض روایتوں میں خصوصیت آئی ہے۔ اطباء کا قول بھی اس کے موافق

ہے۔ابن سینا سے نقل کیا گیا ہے کہ سینگی لگانا مہینے کے شروع میں اور ختم میں اچھا نہیں ہے. بلکہ مہینے کے وسط میں ہونا چاہئے۔اس روایت سے حضور اقدس ﷺ کا کثرت سے بار بار مختلف ایام میں سینگی لگوانا معلوم ہوتا ہے اور بھی جو روایات اس باب میں ذکر کی جارہی ہیں۔ان سے مختلف مقامات پر سینگی کا لگانا معلوم ہوتا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ یہود نے خیبر میں حضور اکرم ﷺ کو زہر قاتل کھلا دیا تھا، جو نہایت سخت تھا اور مقصد یہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے وصال سے یہ مخالفت کا قصہ ہی ختم ہو جائے گا۔اگر چہ اُس گوشت کو جس میں زہر تھا، حضور اکرم ﷺ نے پورا نوش نہ فرمایا تھا، مگر جس قدر کھایا گیا تھا، اس کا اثر یہ تھا کہ وہ سمّیت مختلف اوقات میں بالخصوص گرمی کے زمانے میں بار بار عود کر آتی تھی اور جس جانب مادّے کا زور ہوتا تھا، اسی جانب حضور اکرم ﷺ کو سینگی کے استعمال کی ضرورت ہوتی تھی اور سمّی مادّہ چونکہ خون میں حلول کرتا ہے اور وہ سارے بدن میں سرایت کرتا ہے، اس لئے مختلف مقامات پر اس کا زور ہوتا تھا۔(خصائل)

خلاصۂ بحث :

خلاصہ یہ کہ ان تاریخوں کو دموی علاج میں دخل ہے، کیونکہ باری تعالیٰ نے خون کی کثرت اور قلت میں قمر کا اثر رکھا ہے، جیسے جوار بھاٹا، اس کی وجہ سے ہوتا ہے، حالانکہ بظاہر کوئی مناسبت معلوم نہیں ہوتی۔اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نجوم کے اثر کو مان لیا گیا، کیونکہ قمر کو عرف میں نجم نہیں کہتے اور اس کے اثرات یقیناً ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں۔

(۳۵۱/۶) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اِحْتَجَمَ وَ هُوَ مُحْرِمٌ بِمَلَلٍ عَلٰى ظَهْرِ الْقَدَمِ ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن منصور نے یہ حدیث بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبد الرزاق نے معمر کے حوالہ سے اس کی خبر دی۔انہوں نے یہ روایت قتادہ سے اور انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے موضع ملل میں

(جو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک جگہ ہے) حالتِ احرام میں پشتِ قدم پر سینگی لگوائی۔

سچھنے لگوانے میں جغرافیائی اثرات :

ان رسول الله صلی الله علیه و سلم احتجم ...... حالتِ احرام میں سینگی لگوانا بعض ائمہ کے نزدیک مکروہ ہے، لیکن حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، بشرطیکہ بال نہ اُکھڑیں ...... **فیه حل الحجامة للمحرم حیث لاازالة شعر والا حرمت بلا ضرورة** ۔(مناوی ج۲ص۲۲۴) ان روایات میں سینگی کا استعمال کثرت سے نقل کیا گیا ہے اور بھی احادیث کی کتابوں میں سینگی کا استعمال حضور اکرم ﷺ کے قول اور فعل دونوں سے نقل کیا گیا ہے اور فصد کا استعمال نقل نہیں کیا گیا۔ حالانکہ اطباء کے نزدیک فصد بہ نسبت سینگی کے زیادہ نافع ہے اور بہت سے امراض میں اکسیر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں علی الاطلاق نافع نہیں ہیں، بلکہ ان میں تفصیل ہے۔

حجاز کا ملک گرم ہے۔ اُس ملک کے لئے سینگی زیادہ مناسب ہے۔ اس لئے کہ موسم کے گرم اور سرد ہونے سے مزاجوں میں بے حد تفاوت ہو جاتا ہے۔ گرم ملکوں میں اور اسی طرح دوسرے ملکوں میں گرمی کے زمانے میں حرارت بدن کے ظاہری حصہ پر آجاتی ہے اور باطنی حصہ میں برودت کا اثر ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ گرمی کے زمانے میں پسینہ کی کثرت ہوتی ہے اور باطنی برودت کی وجہ سے کھانے کے ہضم میں دیر لگتی ہے اور مختلف امراض پیدا ہوتے ہیں۔ بخلاف سرد ملکوں کے اور اسی طرح سے سردی کے زمانے میں دوسرے ملکوں میں آدمی کی حرارت ماحول کی سردی کی وجہ سے اندرونِ بدن میں چلی جاتی ہے، جس کی وجہ سے ہضم میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ پیشاب میں بھاپ نکلتی ہے۔ امراض میں کمی ہوتی ہے۔ اسی لئے بقراط کا مقولہ ہے کہ سردی کے موسم میں اندرونِ بدن گرم زیادہ ہوتا ہے اور نیند زیادہ آتی ہے اور کھانا بسہولت ہضم ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ثقیل غذائیں سردی میں بسہولت ہضم ہو جاتی ہیں اور گرمی میں بدقت۔ اسی وجہ سے اہلِ حجاز کو شہد کھجور وغیرہ گرم چیزوں کے استعمال سے نقصان نہیں ہوتا۔ سینگی میں خون چونکہ ظاہر بدن سے نکلتا ہے اور حجاز میں ظاہرِ بدن پر حرارت زیادہ ہوتی ہے، اسلئے سینگی وہاں کے لئے زیادہ مناسب ہے اور فصد میں اندرونِ بدن سے اور رگوں سے خون کھینچتا ہے، اس لئے فصد

وہاں کے لئے مناسب نہیں ہے۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ کے استعمال میں یہ منقول نہیں ہے۔ (خصائل)

علامہ ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے جغرافیائی اثرات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے آخر میں یہ لکھا ہے کہ :

و قال صاحب الهدى التحقيق فى امر الفصد و الحجامة انهما يختلفان باختلاف الزمان و المكان والمزاج والحجامة فى الازمان الحارة والاماكن الحارة والابدان الحارة التى دم اصحابها فى غاية النضج انفع و الفصد بالعكس ولهذا كانت الحجامة انفع للصبيان و لمن لا يقوى على الفصد و يؤخذ من هذا ايضا ان الخطاب لغير الشيوخ لقلة الحرارة فى ابدانهم و قد اخرج الطبرانى بسند صحيح الى ابن سيرين قال اذا بلغ الرجل اربعين سنة لم يحتجم۔ (جمع ج۲ص۲۲۰) (صاحب الہدیٰ حجامت اور فصد کی تحقیق کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ دونوں زمان ومکان اور مزاج کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف اثر رکھتے ہیں۔ اور حجامت (پچھنے) گرمی کے موسم اور گرم علاقوں اور گرم مزاج والوں (جن کا خون انتہائی پختہ اور گاڑھا ہوتا ہے) کے لئے انتہائی مفید ہے اور فصد (رگ کھولنا) اس کے برعکس ہے (یعنی وہ سردی کے موسم سرد علاقوں اور سرد مزاج والوں کے لئے مفید تر ہے) اس لئے تو حجامت (پچھنے) چھوٹے بچوں اور جو لوگ رگ کھولنے (نشتر کے ذریعے خون نکالنے) کی طاقت نہ رکھتے ہوں کے لئے زیادہ نافع ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حجامت اور فصد کا حکم بوڑھے لوگوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کو ہے۔ کیونکہ ان کے بدن کی حرارت بہت کم ہوتی ہے۔ طبرانیؒ نے سند صحیح کے ساتھ امام ابن سیرینؒ سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب ایک شخص چالیس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو وہ پھر پچھنے نہ لگوائے)

==============================

بَابُ مَاجَآءَ فِيْ اَسْمَآءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ کے بیان میں

لفظِ اسماء کا معنیٰ ومصداق :

اسماء ' اسم کی جمع ہے۔اسم وہ لفظ ہے، جوکسی جوہر یا عرض کی تعیین وتمیز کے لئے وضع کیا گیا ہو۔اس کا ہمزہ' ہمزۂ وصل ہے۔ والمراد بالأسماء هنا الأعلام و الصفات ۔(اتحافات ص۳۸۷) (اور یہاں اسماء سے اعلام اور صفات (دونوں) مراد ہیں)

قاضی ابوبکر بن عربی مالکیؒ اپنی شرح ترمذی احوذی میں اور الیجوریؒ المواهب میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہزار نام ہیں اور حضور اقدس ﷺ کے بھی ہزار نام ہیں۔ أن للّٰه تعالیٰ ألف اسم وللنبی ألف اسم (مواهب ص۲۶۸) حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے البهجة السنية في الأسماء النبوية کے عنوان سے ایک کتاب تالیف فرمائی، جس میں نبی کریم ﷺ کے پانچ سو (۵۰۰) اسماءِ گرامی ذکر کئے ہیں۔احادیث میں خاص خاص مواقع میں خاص خاص ناموں کا ذکر آیا ہے۔سب اسماء مبارکہ کا احصاء کسی ایک روایت میں نہیں ہے۔ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ میرے قرآن مجید میں سات نام ہیں۔محمد' احمد' یٰسین' طٰہٰ ' مزمل' مدثر' عبداللہ' ناموں کی کثرت مسمّٰی کی شرافت اور عزت پر عموماً دلالت کیا کرتی ہے۔ و القاعدة أن كثرة الأسماء تدل على شرف المسمىٰ۔(مواهب ص۲۶۸)

مصنفؒ نے اس باب میں حسبِ معمول بطورِ نمونہ کے صرف دو حدیثیں نقل فرمائی ہیں، جن میں آپ ﷺ کے نو (۹) اسماءِ مبارکہ کا ذکر ہے۔مصنفؒ کا عام معمول بھی یہی ہے کہ وہ ہر ترجمۃ الباب کے نیچے بطورِ نمونہ بغرض اختصار چند احادیث کے درج کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۳۵۲/۱) حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُوْمِيُّ وَ غَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوْا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِيْ اَسْمَآءَ اَنَا مُحَمَّدٌ وَ اَنَا اَحْمَدُ وَ اَنَا الْمَاحِيُّ الَّذِيْ يَمْحُو اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ وَ اَنَا الْحَاشِرُ الَّذِيْ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمَيَّ وَاَنَا الْعَاقِبُ الَّذِيْ لَيْسَ بَعْدَهٗ نَبِيٌّ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں سعید بن عبدالرحمٰن مخزومی اور بہت سے لوگوں نے یہ روایت بیان کی۔ وہ سب کہتے ہیں کہ ہم کو اسے سفیان نے زہری کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت محمد بن جبیر بن مطعم سے اُن کے باپ کے واسطہ سے نقل کی۔ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میرے بہت سے نام ہیں۔ من جملہ ان کے محمد ہے اور احمد ہے اور ماحی ہے جس کے معنی مٹانے والے کے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے میرے ذریعہ سے کفر کو مٹایا ہے اور ایک نام حاشر ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ قیامت میں حشر کے لئے سب سے پہلے آپ ﷺ کو اُٹھائیں گے اور تمام امت آپ کے بعد حشر کی جائے گی اور اُٹھائی جائے گی تو گویا حضور ﷺ تمام امت کے حشر کا سبب بنے اور ایک نام میرا عاقب ہے جس کے معنی پیچھے آنے والے کے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ سب انبیاء سے پیچھے تشریف لائے ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

آپ ﷺ کے پانچ صفاتی نام :

قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم ان لی اسماء ...... اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ کے پانچ صفاتی ناموں کا ذکر کیا گیا ہے۔

اسم ''محمد'' کی تشریح :

انا محمد ' علماء نے لکھا ہے کہ محمد ' حمد کا مبالغہ ہے ' جس کے معنیٰ ہیں بہت حمد کیا گیا یا تو اس وجہ سے کہ حضور اقدس ﷺ کا نام ہے اور آپ کے خصال حمیدہ بہت زیادہ ہیں، یا اس وجہ سے کہ آپ کی تعریف ' مرۃً بعد مرۃٍ ' (بار بار) کی گئی یا اس وجہ سے کہ اللہ جل شانہٗ نے آپ ﷺ کی کثرت سے حمد کی ہے اور اسی طرح ملائکہ نے ' سابقین انبیاء نے ' اولیاء نے ' یا تفاؤل کے طور پر ہے کہ بہت زیادہ حمد

کی جائے یا اس وجہ سے کہ اوّلین وآخرین سب ہی آپ کے ثناخوان ہیں اور قیامت میں سب ہی آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، جس کا نام حمد کا جھنڈا ہے۔ (خصائل)

قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ تحریر فرماتے ہیں 'لفظِ ''محمد'' حمد سے اسم مفعول ہے یعنی مضاعف سے مبالغہ کے لئے اور احمد بھی حمد سے ہے۔ واقع علی المفعول ہے۔ اس محمد سے حمد کی صفت اور کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کا شعر ہے .... ؎

و شق له مِن اسمه لیجلّه فذو العرش محمود و هذا محمد

اللہ نے اس کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے اس کا نام اپنے نام سے مشتق کیا۔ دیکھو ! رب العرش تو محمود ہے اور آنحضرت ﷺ محمد ہیں، واضح ہو کہ نبی کریم ﷺ کو حمد سے خاص مناسبت ہے۔ حضور ﷺ کا نام محمد و احمد ہے اور حضور ﷺ کے مقام شفاعت کا نام محمود ہے۔ اُمت محمدیہ کا نام حمادون ہے اور آنحضرتؐ کے لواء مبارک کا نام لواء الحمد ہے۔ و الحمد لله علی ذلک حمداً کثیراً۔ (رحمۃ للعالمین)

وحید الزمان (مشہور اہل حدیث) لکھتے ہیں کہ ایک عجیب امر یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ سے پہلے عرب میں کسی کا نام محمد نہیں ہوا تھا، اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ لوگوں کو کسی اور کے پیغمبر موعود ہونے کا اشتباہ نہ ہو۔ (لغات الحدیث) البتہ جب حضور اقدس ﷺ کی ولادت کا زمانہ قریب تھا۔ تو بہت سے لوگوں نے اس اُمید پر کہ شاید ہماری ہی اولاد ان بشارتوں کی مستحق بن جائے، جو پہلی کتابوں میں ہیں اور یہی نبی بن جائے۔ محمد نام رکھا، لیکن اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ۔ (الانعام:۱۲۴) یعنی اللہ ہی بہتر جانتا ہے، اس جگہ کو جہاں اپنی رسالت کو تجویز فرماتا ہے۔

اسم ''احمد'' کی تشریح :

و انا احمد ...... اور میرا نام احمد ہے۔ یہ علم افعل تفضیل سے فاعل کے معنیٰ میں ہے یعنی بہت ہی زیادہ تعریف کرنے والا۔ لہٰذا آپ ﷺ احمد الحامدین (حمد بیان کرنے والوں میں سب سے زیادہ حمد بیان کرنے والے) ہیں۔

حضرت موسیٰؑ نے دعا کی تھی۔ اے اللہ ! مجھے اُمت احمد سے کیجئے۔ **اللھم اجعلنی من امة احمد۔** (جمع ج ۲ ص ۲۲۷) حضرت عیسیٰؑ نے بھی احمد کا نام لے کر آپ ﷺ کی بشارت دی تھی۔ **وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ۔** (الصّف:٦) (اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی میں تمہیں خوشخبری سنانے والا ہوں، جن کا نام احمد ہے)

یہ قرآن مجید کی اپنی ایک شان اور عظمت وحکمت ہے، جہاں آپ ﷺ کا نام بتانا تھا، وہاں احمد بتایا، اور دوسری جگہ ذکر ہوا تو محمد ذکر کیا، جبکہ محمد تو آپ ﷺ کا مشہور نام ہے۔ چاہئے تھا کہ جہاں نام بتایا جا رہا ہے، وہاں محمد بتایا جائے۔ شارحین فرماتے ہیں، **اسمهٗ احمد** کہہ کر ایک شبہ کا ازالہ کیا ہے، کیونکہ کتبِ سابقہ میں آپ ﷺ کا نام محمد تھا، جبکہ جاہلیت میں لوگوں نے تفاؤل کے طور پر اپنے بچوں کے نام محمد رکھے، جس کی وجہ اس سے قبل بتادی گئی ہے، تو **اسمهٗ احمد** میں اللہ تعالیٰ نے التباس سے بچایا اور احمد ذکر کیا۔ قرآن مجید کا ایک دوسرا انداز یہ بھی ہے کہ جہاں خطاب وندا کا موقع آیا ہے، وہاں دیگر انبیاءِ کرام کو اسماءِ گرامی سے مخاطب کیا گیا ہے، جبکہ آپ ﷺ کا نام نہیں لیا گیا۔ سوائے چار مقامات کے جہاں نام کا لینا ضروری تھا۔ اس کی وجہ بھی آپ ﷺ کا اعزاز وتکریم ہے کہ آپؐ کے اوصاف رسول، نبی، مزمل، مدثر، طٰہٰ، یٰسین ذکر ہوئے اور احمد نہیں آیا۔

علامہ الیجوریؒ کعب احبار سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

اہل جنت کے نزدیک نبی کریم ﷺ کا اسمِ گرامی عبد الکریم ہے۔ اہل دوزخ کے نزدیک عبد الجبار، اہل عرش کے نزدیک عبد المجید، تمام فرشتوں کے نزدیک عبد الحمید، انبیاء کرام کے نزدیک عبد الوہاب، شیاطین کے لئے عبد القہار، جنات کے نزدیک عبد الرحیم، پہاڑوں میں عبد الخالق، صحراؤں میں عبد القادر، سمندروں میں عبد المہیمن، زندوں کے نزدیک عبد القدوس، حشرات الارض کے نزدیک عبد الغیاث، جنگلی جانوروں میں عبد الرزاق، درندوں میں عبد السلام، چوپایوں میں عبد المؤمن، پرندوں میں عبد الغفار، تورات میں موذ موذ، انجیل میں طاب طاب، صحف میں عاقب، زبور میں فاروق، اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک طٰہٰ ویٰسین اور مومنین کے نزدیک محمد ﷺ اور کنیت ابو القاسم ہے۔ اس لئے

جنتیوں میں آپ ﷺ جنت کو تقسیم فرمائیں گے۔ (مواہب ص ۲۶۸)(ایضاً المناوی ج ۲ ص ۲۲۸)

الماحی کی تشریح :

وانا الماحی ...... اور میں ماحی ہوں۔ میری وساطت سے اللہ تعالیٰ کفر کو نیست و نابود فرماتا ہے اور پھر یہ زمانہ آیا بھی ہے کہ حضراتِ صحابہ کرامؓ کے دور سے لے کر ۱۰۰۰ھ تک اسلام کا جھنڈا بلند رہا اور تمام عالم سرنگوں رہا۔ حضور اقدس ﷺ کفر و شرک کو مٹانے والے ہیں۔ کذابوں اور جھوٹوں کو دلائل و براہین سے شکست دینے والے ہیں۔ نیز اپنی اُمت کے گناہوں کو معاف کروانے والے ہیں۔

الحاشر :

و انا الحاشر ...... اور میں حاشر ہوں، یعنی میدانِ محشر میں میرے پیچھے ہو کر چلیں گے یا سب سے پہلے قیامت کے دن قبر سے اُٹھوں گا اور لوگ میرے بعد اُٹھیں گے۔ میرے قدم پر' قدمی تثنیہ ہے یا مفرد ہے یا قدمی بمعنیٰ زمانی کے ہے یا قدمی بمعنیٰ اتباعی کے ہے جو تکون الانبیاء یوم القیامة تحت لوائی (قیامت کے دن سب انبیاء میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے) کے مطابق ہے

ایک حدیث شریف میں ہے کہ میں پہلا شخص ہوں، جس کے لئے قبر سب سے پہلے شق کی جائے گی۔ وقد ورد انه اول من تنشق عنه الارض فيتقدم الناس فی المحشر و يحشر الناس علی اثره ۔(مواہب ص ۲۶۹)(اور یہ وارد ہوا ہے کہ سب سے پہلے آپ ﷺ قبر سے اٹھیں گے تو میدانِ محشر میں سب سے مقدم ہوں گے اور لوگ آپ ﷺ کے بعد اٹھ کر آپ ﷺ کے پیچھے ہو کر چلیں گے)

العاقب :

وانا العاقب ...... اور میں عاقب ہوں یعنی عاقب وہ ہے، جس کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے، وہ دجال' کذاب اور جھوٹا ہے۔ آپؐ کے بعد منصب نبوت پر اور کوئی فائز نہیں ہوگا۔ چنانچہ بعض روایات میں ہے لا ينبؤ بعدی احد

ان اسماءِ سبعہ کی تخصیص کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ نام پہلی کتابوں میں پیشن گوئی کے طرز پر لکھے ہوئے تھے۔ اہل کتاب ان اسماء وصفات سے آپ ﷺ کو پہچانتے تھے۔

(۳۵۳/۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَرِيفٍ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا اَبُوبَكْرِ بْنِ عَيَّاشٍ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِى وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ لَقِيتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ اَنَا مُحَمَّدٌ وَ اَنَا اَحْمَدُ وَ اَنَا نَبِيُّ الرَّحْمَةِ وَ نَبِيُّ التَّوْبَةِ وَ اَنَا الْمُقَفِّيُّ وَ اَنَا الْحَاشِرُ وَ نَبِيُّ الْمَلَاحِمِ.

حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ اَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ زِرٍّ عَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ هٰكَذَا قَالَ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ زِرٍّ عَنْ حُذَيْفَةَ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن طریف کوفی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے ابوبکر بن عیاش نے عاصم کے واسطہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت ابووائل سے اور انہوں نے حضرت حذیفہ سے نقل کی۔ حذیفہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضور اقدس ﷺ سے راستہ میں ملا۔ حضور اکرم ﷺ تشریف لے جا رہے تھے۔ تذکرۃً حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا نام محمد ہے اور احمد ہے اور نبی الرحمۃ ہے اور نبی التوبہ ہے اور میں مقفّی ہوں اور حاشر ہوں اور نبی ملاحم ہوں۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت اسحٰق بن منصور نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے نضر بن سہیل نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر حماد بن سلمہ نے دی۔ انہوں نے حضرت حذیفہؓ سے نقل کی۔ جو کہ پہلی روایت کے ہم معنی ہے۔ اسی طرح کی روایت حماد بن سلمہ نے عاصم سے انہوں نے زر سے اور انہوں نے حضرت حذیفہؓ سے بھی نقل کی ہے۔

نبی الرحمۃ :

و انا نبی الرحمۃ ...... اور میں نبی رحمت ہوں۔ رحمت نرم دلی مہربانی اور دردمندی کے اظہار کو کہتے ہیں، جس کا نتیجہ مغفرت و احسان ہوتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ بحیثیت نبی کے اللہ تعالیٰ کی

مخلوق کے لئے باعثِ رحمت ہیں۔آپؐ کے قدِ رعنا کو رحمة للعلمین کے لباسِ فاخرہ سے مزین کیا گیا ہے۔ وَ مَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ۔(اور ہم نے آپ کو تمام جہاں والوں کے لئے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے)اِن اسماء کو خاص طور سے اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ نام پہلی کتابوں میں پیشن گوئی کے طور پر لکھے گئے تھے۔اہل کتاب ان اسماء وصفات سے آپ ﷺ کو پہچانتے تھے۔آپ ﷺ سراپا رحمت ہیں۔مسلمانوں کے لئے آپ ﷺ کا رحمت ہونا تو ظاہر ہے کہ دنیا وآخرت میں آپ ﷺ ہی کا وسیلہ ہے۔کفار کے لئے اس لئے کہ حضور ﷺ کے الطاف وشفقت کی وجہ سے پہلی امتوں کی طرح اس امت پر عذاب عامہ نازل نہ ہوا، بلکہ قرآنِ پاک میں یہ وعدہ ہوگیا کہ آپ ﷺ کے ہوتے ہوئے ان کافروں کو ہرگز عذاب نہ کریں گے اور نیز جب تک آپ ﷺ کے دین کا بقا رہے گا تب تک تمام عالم کا نظام باقی رہے گا،جس وقت تمام دنیا میں ایک بھی اللہ کا نام لینے والا باقی نہ رہے گا،نظامِ عالم درہم برہم ہوکر قیامت قائم ہوجائے گی۔نیز آپ ﷺ کی بعثت تمام عالم کے لئے ہے کسی اُمت یا جماعت کی خصوصیت نہیں ہے۔اس لحاظ سے بھی آپ ﷺ تمام عالم کے لئے رحمت ہیں کہ جس کا دل چاہے اس رحمت میں داخل ہوجائے۔نیز آپ ﷺ لوگوں کا آپس میں تراحم اور ایک دوسرے کے ساتھ رحمت اور شفقت کی تعلیم لے کر آئے ہیں۔اس لحاظ سے بھی آپ ﷺ رحمت کے نبی ہیں۔نیز اللہ کی رحمت کے دروازے آپ ﷺ کی وجہ سے کھلے ہوئے ہیں۔نیز آپؐ اللہ کی رحمتوں کی خبریں اور بشارتیں دینے والے ہیں۔اس معنی کے اعتبار سے بھی آپ ﷺ رحمت کے نبی ہیں۔نیز آپ ﷺ کا دین سراسر رحمت ہے۔اس لئے بھی آپ ﷺ رحمت کے نبی ہیں۔ نیز آپ ﷺ کی اُمت کی صفت قرآن شریف میں رُحَمَاءُ بَیۡنَهُمۡ وارد ہوئی ہے۔یعنی آپس میں رحمت کا برتاؤ کرنے والے،اس لحاظ سے بھی آپ ﷺ رحمت کے نبی ہیں۔(خصائل)

نبی التوبة :

ونبی التوبة ...... اور میں نبی توبہ ہوں۔توبہ واستغفار کرنے سے میری اُمت کی توبہ قبول ہوجائے گی۔جب توبہ اپنی شرائط کے ساتھ کی جائے تو گناہوں کی معافی کے لئے کافی ہے۔بخلاف

اُمم سابقہ کے کہ ان کی توبہ قبول ہونے کے لئے شرائط سخت تھے۔ مثلاً قتلِ نفس وغیرہ فَاقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ط فَتَابَ عَلَيْكُمْ ط اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ O (البقرة:۵۴) (اور مار ڈالو اپنی اپنی جان کو یعنی بعض آدمی (جنہوں نے گوسالہ پرستی نہیں کی) بعض آدمیوں کو (جنہوں نے گوسالہ پرستی کی) قتل کرو۔ یہ (عمل درآمد) تمہارے لئے بہتر ہوگا تمہارے خالق کے نزدیک پھر (اس عمل درآمد کرنے سے) حق تعالیٰ تمہارے حال پر (اپنی عنایت سے) متوجہ ہوئے۔ بے شک وہ تو ایسے ہی ہیں کہ توبہ قبول کر لیتے ہیں اور عنایت فرماتے ہیں) آپ ﷺ اُمت کو بھی کثرت سے توبہ کی ترغیب دینے والے ہیں اور خود بھی کثرت سے توبہ کرنے والے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کی وجہ سے جتنی مخلوق کی توبہ قبول کی ہے، اتنی کسی دوسرے نبی کی اُمت کی نہیں کی۔ اس لئے آپ ﷺ کا لقب نبی التوبۃ بھی ہے۔

علامہ ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ و ارکان التوبة على ماقاله العلماء ثلاثة الندم والقلع والعزم على ان لايعود و لا اجد جعل الاستغفار اللسانى شرطا للتوبة نعم للتوبة باعتبار تعلقها بحقوق العباد و ببعض حقوق الله شروط ۔(جمع ج۲ص۲۲۷) (علماء کرام کے نزدیک توبہ کے ارکان واصول تین ہیں۔ (۱) اپنی غلطی پر پشیمان اور شرمندہ ہونا (۲) قلع (گناہ اور غلطی کو بالکل ختم کرنا) (۳) اور آئندہ کے لئے پختہ ارادہ کہ پھر یہ غلطی اور گناہ نہیں کروں گا۔ اور زبانی استغفار کا توبہ کے لئے شرط ہونے کو میں نے (کتب وغیرہ) میں نہیں پایا (یعنی میرے معلومات میں نہیں) ہاں توبہ کے لئے باعتبار حقوق العباد اور بعض حقوق اللہ کے ساتھ متعلق ہونے کی شرطیں ہیں)

المقفى :

و انا المقفى ...... تقفية سے ہے بمعنیٰ پیچھے لگانے کے قَفْوٌ اور قُفُوٌّ پیچھے رہنے اور آخری ہونے کو کہتے ہیں۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ لکھتے ہیں، بكسر الفاء المشددة و فتحها والمعنى على الاوّل اى سار على آثار الانبياء عملاً بقوله تعالىٰ فبهداهم اقتده والمعنى على الثانى الذى انتهىٰ اليه الامر بعد الأنبياء من قوله تعالىٰ ثم قفينا على آثارهم برسلنا ۔(اتحافات ص۲۸۷) (لفظ

المقفی میں فاء مشددہ یا کسرہ کے ساتھ ہے یا فتح کے ساتھ اور پہلی صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ''سو چل تو ان کے (انبیاء کے) طریقے پر'' کی پیروی کرتے ہوئے انبیاء کرام کے نقش قدم پر چلے اور دوسری صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ انبیاء کرام کے بعد امر نبوت کا سلسلہ آپ ﷺ تک پہنچا۔ جیسے کہ اس آیت کہ ''پھر پیچھے بھیجے ان کے قدموں اپنے رسول'' میں اس طرف اشارہ ہے)

نبی الملاحم :

و نبی الملاحم ...... الملاحم 'ملحمة سے ہے بمعنیٰ عظیم جنگ کے' بڑے حادثے کو ملحمة کہتے ہیں۔ اس کی جمع ملاحم ہے۔ گھمسان کی لڑائی کی جگہ، جہاد کو بھی ملحمة کہتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کے اس نام کی وجہ ظاہر ہے کہ جہاد جس قدر حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں اور حضور اکرم ﷺ کی امت میں ہوا اتنا کسی نبی کی امت میں نہیں ہوا۔ نیز اس اُمت میں ہمیشہ رہے گا۔ چنانچہ آپ ﷺ کی پیشن گوئی ہے کہ میری اُمت میں جہاد قیامت تک رہے گا۔ حتیٰ کہ اخیر حصۂ اُمت دجال سے قتال کرے گا۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس لفظ کے معنی اجتماع اور التیام کے ہیں اور حضور اکرم ﷺ کی اُمت میں جو اجتماعی صورت گزر چکی ہے اور باوجود اختلافات اس گئے گزرے دور میں بھی پائی جاتی ہے۔ کسی نبی کی اُمت میں ایسی مسلسل نہیں پائی جاتی۔ نیز ملحمه کے معنی فتنۂ عظیم کے بھی ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے بھی حضور اکرم ﷺ کا نام صحیح ہے۔ اس لئے کہ اس امت میں قیامت کے قریب ایسے بڑے بڑے اور سخت سخت فتنے پیدا ہوں گے، جن کی نظیر کسی نبی کی امت میں نہیں ہے۔ ایک دجال ہی کا فتنہ ایسا سخت ہے کہ حد نہیں ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے لے کر ہر نبی نے دجال کے فتنے سے لوگوں کو ڈرایا ہے۔ ایسے ہی یاجوج ماجوج کا خروج وغیرہ وغیرہ سخت حوادث آنے والے ہیں، جن کے آثار شروع ہیں۔ اللّٰھم احفظنا منها بمنک و فضلک وجاہ نبیک و حبیبک۔ (خصائل)

==============================

بَابُ مَا جَآءَ فِيْ عَيْشِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے گذرِ اوقات کے بیان میں

عیش ' زندگی' کھانے' طعام اور گذرِ اوقات کو کہتے ہیں' ای بــاب بیــان مـاورد مِن الأحـاديـث في كيفية معيشته صلى الله عليه وسلم حال حياته (مواہب ص ۲۷۰) (باب! حضورؐ کی معاشی کیفیت کے متعلق واردشدہ احادیث کا بیان)

اس عنوان سے ایک باب پہلے گذر چکا ہے، جس میں مصنفؒ نے دو حدیثیں نقل کی تھیں۔ اس باب میں حضورِاقدس ﷺ' حضرات صحابہ کرامؓ اور حضرات اہل بیت عظامؓ کے گذرِ اوقات کا بیان ہے کہ وہ کس طرح فقر و فاقہ' جہد مسلسل اور صبر و استقامت کے ساتھ زندگی گذارتے تھے۔

تکرارِ باب کیوں ؟

رہا یہ سوال' کہ دوبارہ یہ ترجمۃ الباب قائم کر کے اس میں نو (۹) احادیث کا اندراج کر کے بظاہر تکرار ہے اور یہ کیوں؟ تو علماء نے اس کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں۔ ایک واضح جواب تو یہی ہے کہ اس باب میں وہ اُمور آ گئے ہیں' جو گذرے ہوئے باب میں ذکر نہیں ہوئے تھے۔ لہٰذا یہ محض تکرار نہ ہوا۔ شیخ البیجوریؒ فرماتے ہیں، واعاده هنا بزيادات اخرجته عن التكرار۔ (مواہب ص ۲۷۰) (مصنفؒ نے اس باب کا اعادہ ایسی جدید امور کی زیادتی کی صورت میں کیا جس نے اس کو تکرار ہو جانے کی صورت سے نکال دیا)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی توجیہات :

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے وجوہ تکرار میں تفصیل سے لکھا ہے :

یہ باب پہلے بھی گذر چکا ہے۔ بعض نسخوں میں سب روایات ایک جگہ ہی ذکر کی ہیں۔ مقام کے مناسب بھی یہی بات ہے، لیکن جو نسخے ہمارے پاس موجود ہیں، اُن میں یہ باب مکرر پایا جاتا ہے، اگر نقل کرنے والوں کی غلطی سے ایسا نہیں ہوا تو بہت ممکن ہے کہ خود امام ترمذیؒ نے کسی مصلحت سے اس کو مکرر لکھا ہو۔ غور کرنے سے متفرق مصالح اس کی سمجھ میں آتی ہیں۔ ممکن ہے کہ امام ترمذیؒ نے ایک لطیف اشارہ اس طرف کیا ہو کہ حضور اکرم ﷺ کا اس فقر اور تنگی کو اختیار فرمانا ابتداء سے لے کر اخیر تک رہا۔ اس لئے ابتدائی زمانہ کی طرف اوّل اشارہ فرمایا اور وفات کے قریب اس باب کو ذکر فرما کر اخیر زمانہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ باوجود خیبر اور حُنین وغیرہ کی غنیمتوں کے اپنا حال وہی فقر و فاقہ تھا۔ اور حق یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ حرص و طمع دور فرمائے تو فقر و فاقہ میں بھی لذت ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ میرے لئے مکہ کی زمین کو سونے کی بنا دے۔ میں نے عرض کیا یا اللہ ! یہ نہیں بلکہ ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں تا کہ تیرا شکر کروں اور ایک دن بھوکا رہوں تا کہ تیرے سامنے عاجزی کروں۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں تم لوگوں پر فقر و فاقہ سے نہیں ڈرتا بلکہ اس سے ڈرتا ہوں کہ تم پر دنیا اس طرح پھیل جائے، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر پھیل گئی تھی اور تم اس میں اس طرح دل لگانے لگو، جس طرح اُن لوگوں نے دل لگایا اور یہ تم کو بھی اسی طرح ہلاک کر دے، جیسا کہ ان کو ہلاک کر دیا۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے ایک جگہ دعا فرمائی کہ اے اللہ ! محمد (ﷺ) کی اولاد کی روزی بقدرِ کفایت تجویز فرما۔ (مشکوٰۃ) (خصائل)

(۳۵۴/۱) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا اَبُوالْاَحْوَصِ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيْرٍ يَقُوْلُ اَلَسْتُمْ فِيْ طَعَامٍ وَّ شَرَابٍ مَا شِئْتُمْ لَقَدْ رَأَيْتُ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا يَجِدُ مِنَ الدَّقَلِ مَا يَمْلَأُ بَطْنَهٗ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابوالاحوص نے سماک بن حرب کے واسطے سے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے نعمان بن بشیرؓ کو یہ

کہتے ہوئے سنا۔نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ کیا تم لوگ کھانے پینے میں اپنی مرضی کے موافق منہمک نہیں ہو (اور جتنا دل چاہے تم لوگ نہیں کھاتے ہو؟) حالانکہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ ؐ کے یہاں ردّی کھجوریں بھی پیٹ بھر کر نہیں تھیں۔

چند کھجوروں پر قناعت :

یقول الستم ...... مضمونِ حدیث تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے۔دقل ، ردی کھجور اور بادبان کے ڈنڈے کو بھی کہتے ہیں۔عرب کہتے ہیں **اراک اطول من الدقل و انت تنشر کلامک بنشر الدقل** میں تم کو دیکھتا ہوں کہ بادبان کے ڈنڈے سے بھی زیادہ لمبے ہو اور گفتگو ردّی قسم کی کرتے ہو۔یعنی تمہارے نبی برحق ﷺ جس کی اتباع اور پیروی کرنا تم پر لازم ہے گھٹیا قسم کی کھجور پر بھی قناعت فرمالیتے تھے، مگر وہ بھی اس قدر مقدار میسّر ہوتی کہ اس سے شکم سیری بھی نہیں ہوتی تھی، جبکہ تمہارا یہ عالم ہے کہ تم دنیاوی نعمتوں کی فراوانی میں مستغرق ہو گئے ہو۔یہ حدیث اس سے قبل بھی **باب ماجآء فی صفة ادام رسول الله صلی الله علیه وسلم** میں دوسرے نمبر پر گذر چکی ہے۔غرض یہی ہے کہ کھانے پینے کو مقصود نہ بنایا جائے **والقصد التقریع و التوبیخ علی الاکثار من ذلک**۔(مواہب ص۲۷۰) (یعنی آپ ﷺ کی غرض حد سے زیادہ کھانے پینے پر توبیخ اور ڈانٹنا مقصود ہے)

بعض اہل اللہ کا ارشاد ہے، **جوعوا أنفسکم لولیمة الفردوس**۔(مواہب ص۲۷۰) جنت الفردوس کے ولیمہ کے تناول میں شرکت کے لئے دنیا میں اپنے آپ کو بھوکا رکھو، پیٹ بھر کر کھانا اور اس طرح کھانا کہ جو کسل کا باعث ہو، تحصیل علم وعمل صالح سے مانع ہو، شرعاً مذموم ہے۔اتنی مقدار کھانا کہ باعثِ حیات ہو اور عملِ صالح کے لئے معین ہو، شرعاً مطلوب ہے علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں کہ **والمذموم انما هو الشبع المثقل الموجب للکسل المانع من تحصیل العلم و العمل و أما الأکل المعین علی العبادة فهو مطلوب**۔(مواہب ص۲۷۰)

علامہ ملا علی قاریؒ اس کا حاصل دوسرے انداز میں اس طرح لکھتے ہیں : **قالوا لا تدخل الحکمة معدة ملئت طعاما و من قل اکله قل شربه فخف نومه فظهرت برکة عمره و روی**

الطبرانی اھل الشبع فی الدنیا اھل الجوع فی الآخرۃ و جاء فی حدیث اشبعکم فی الدنیا اجوعکم فی الآخرۃ ۔(جمع ج۲ص۲۳۰) (بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ حکمت اور دانائی ایسے معدہ میں داخل نہیں ہوتی جو کھانے سے بھرا ہوا ہو اور جو تھوڑا کھائے گا وہ پئے گا بھی تھوڑا۔ تو اس کی نیند بھی معمولی ہوگی پھر اس وقت اس کی عمر کی برکت ظاہر ہوگی۔ اور طبرانیؒ نے روایت کی ہے کہ جو دنیا میں سیر (پیٹ بھرے) ہوں گے وہی آخرت میں بھوکے ہوں گے۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ تمہارے دنیا میں زیادہ سیر شدہ لوگ آخرت میں زیادہ بھوکے ہوں گے)

اُمت چار گروہ میں بٹ گئی :

علماء نے لکھا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے اور اپنے اہل بیت کے لئے فقر و فاقہ اور غربت و ناداری کی حالت کو پسند فرمایا۔ حالانکہ آپ ﷺ پر خزانوں کی کنجیاں پیش کی گئیں۔ اس کے بعد لوگ چار حصوں میں بٹ گئے۔ شیخ ابراہیم البیجوریؒ نقل کرتے ہیں۔ قسم لم یرد الدنیا ولم تردہ کالصدیقؓ، وقسم لم یرد الدنیا وارادتہ کالفاروقؓ، وقسم ارادھا وارادتہ کخلفاء بنی امیۃ والعباس الاعمر بن عبد العزیز و قسم ارادھا و لم تردہ لکن افقرہ اللّٰہ و امتحنہ بجمعھا ۔ (مواہب ص۲۷۰) یعنی ایک وہ جماعت جنہوں نے تو خود دنیا کی طرف رُخ کیا نہ دنیا ہی نے ان کا ارادہ کیا، جیسا کہ صدیق اکبرؓ، دوسری وہ جماعت جنہوں نے دنیا کا رُخ نہ کیا، لیکن دنیا نے ان کا ارادہ کیا، جیسے حضرت فاروقِ اعظمؓ، تیسرے وہ لوگ جنہوں نے دنیا کی طرف رخ کیا اور دنیا نے بھی ان کی طرف رخ کیا، جیسے بنی اُمیہ و بنی عباس کے بادشاہ عمر بن عبد العزیز کے علاوہ، چوتھے وہ لوگ جنہوں نے دنیا کا ارادہ کیا، مگر دنیا نے ادھر کا رُخ نہ کیا، یہ وہ لوگ ہیں، جن کو اللہ نے فقیر بنایا اور دنیا کی محبت ان کے دل میں ہوگئی۔

(۲/۳۵۵) حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ اِسْحٰقَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ اِنْ كُنَّا اٰلُ مُحَمَّدٍ نَمْكُثُ شَهْرًا مَانَسْتَوْقِدُ بِنَارٍ اِنْ هُوَ اِلَّا التَّمْرُ وَالْمَاءُ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ہارون بن اسحٰق نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدۃ نے ہشام بن عروہ سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا۔ انہوں نے یہ حدیث ام المؤمنین عائشہ سے نقل کی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم لوگ یعنی حضور اکرم ﷺ کے اہل وعیال وہ ہیں کہ ایک ایک ماہ تک ہمارے یہاں آگ نہیں جلتی تھی، صرف کھجور اور پانی پر گزارا تھا۔

الفقر فخری کے عملی نمونے :

عائشةؓ قالت ...... ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے کہ ہم یقیناً آلِ محمد ﷺ ہیں۔ ہم پر پورا پورا مہینہ گذر جاتا تھا کہ ہمارے گھر کے چولہے میں آگ نہیں سُلگتی تھی۔ سوائے کھجور اور پانی کے اور غذا نہ ہوتی۔ یعنی گھر میں چولہا نہ جلتا، روٹی اور سالن پکانے کی نوبت ہی نہ آتی۔ صرف پانی اور کھجور پر گذر اوقات ہوتا۔ حضرت شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانیؒ نقل فرماتے ہیں:

امّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب عروہ سے ارشاد فرمایا اے بھتیجے! خدا کی قسم ہم ایک چاند دیکھتے ہیں، وہ مہینہ ختم ہو جاتا ہے، دوسرا چاند دیکھتے ہیں، وہ بھی ختم ہو جاتا ہے، تیسرے مہینہ کا چاند دیکھتے ہیں، مگر نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے گھروں میں چولہا روشن نہیں ہوتا۔ عروہ نے کہا اے خالہ جان! پھر آپ لوگوں کا گذر کیسے ہوتا ہے۔ فرمایا کھجور اور پانی پر۔ ہاں ہماری دو انصاری ہمسایہ ہیں جو کہ صاحب وسعت ہیں، وہ کبھی کبھی دودھ وغیرہ بھیج دیتے ہیں۔ تو ہم حضور اقدس ﷺ کو پیش کر دیتے ہیں۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور سرور دو عالم ﷺ کبھی کوئی چیز آنے والے دن کے لئے ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتے تھے۔ آنجناب ﷺ جب رات کا کھانا تناول فرمالیتے تو صبح کے لئے کچھ نہ ہوتا اور اسی طرح جب صبح کا کھانا تناول فرماتے، تو رات کے کھانے کے لئے کچھ نہ ہوتا۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک روز نبی کریم ﷺ اور حضرت جبریل علیہ السلام صنعاء پہاڑ پر کھڑے تھے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا قسم اس ذات کی جس نے تمہیں حق دے کر بھیجا۔ آلِ محمد ﷺ کے گھر

میں شام اسی حالت میں آتی ہے کہ ان کے پاس ایک چٹکی آٹا بھی نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ کا یہ کلام اس سے بھی زیادہ صاف سنائی دیا، جیسے آسمان سے کسی دھماکے کی آواز سنی جاتی ہے۔ حضرت امام حسنؓ فرماتے ہیں، آلِ محمد ﷺ کے گھر میں ایک صاع کھانے نے بھی کبھی شام نہیں گذاری۔

علامہ مناویؒ لکھتے ہیں، **وفی مسند الحارث بن ابی اُسامة عن انس ان فاطمة جاء ت بکسرة خبز الی المصطفیٰ صلی اللہ علیہ و سلم فقال ما ھذہ قالت قرص خبزته فلم تطب نفسی حتی اتیتک بھذہ فقال اما انه اوّل طعام دخل فم ابیک منذ ثلاثة ایام** ۔(مناوی ج ۲ ص ۲۳۰) (حارث بن ابی سامہ کے مسند میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہؓ روٹی کا ایک ٹکڑا لیے آپ ﷺ کی خدمت میں آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ حضرت فاطمہؓ نے فرمایا کہ میں نے ایک ٹکیہ روٹی کی پکائی تو میرا دل (کھانے) کو نہ چاہا تا آنکہ یہ (ٹکڑا) آپ ﷺ کی خدمت میں لائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جانیئے کہ یہ پہلا نوالہ کھانے کا ہے جو تین دنوں کے بعد آپ کے والد کے منہ میں جارہا ہے)

گھر میں تین تین ماہ تک آگ نہ جلتی :

آگ نہ جلنے کا مطلب یہ ہے کہ پکانے کے لئے کوئی چیز ہوتی ہی نہ تھی، جس کے لئے آگ جلانا پڑتی۔ علماء نے لکھا ہے کہ پانی کا تذکرہ اس لئے فرمایا کہ کھجور بھی اتنی نہ تھی کہ بغیر پانی کی مدد کے پیٹ بھرنے کے لئے کافی ہوتی، بلکہ چند کھجوریں کھانے کے بعد پانی پینے سے پیٹ بھرنے کی مقدار ہوتی تھی۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ دو مہینے کامل گذر جانے کے بعد تیسرے مہینے کا چاند نظر آجاتا تھا اور حضور اکرم ﷺ کے گھروں میں مطلقاً آگ جلنے کی نوبت نہ آتی تھی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک چاند پھر دوسرا چاند ہوجاتا تھا، حضور اکرم ﷺ کے گھروں میں سے کسی گھر میں بھی آگ جلنے کی نوبت نہ آتی تھی۔

بعض اوقات گھر میں چراغ کا تیل بھی میسر نہ ہوتا :

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ڈیڑھ مہینہ مسلسل ایسا گذر جاتا کہ حضور اقدس ﷺ کے گھر میں

روشنی کے لئے یا کسی اور چیز کے لئے آگ نہ جلتی تھی۔ روشنی کے لئے آگ جلنے سے مراد چراغ ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے بکری کی ایک ٹانگ پیش کی، رات کا وقت تھا، حضرت عائشہؓ اندھیرے ہی میں اس کے ٹکڑے کرنے لگیں، کسی نے کہا گھر میں چراغ نہیں ہے، یہ فرمانے لگیں کہ اگر چراغ میں جلانے کے لئے تیل ہوتا تو اس کو کھانے ہی میں استعمال نہ کرتے۔ (خصائل)

(۳۵۶/۳) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ زِیَادٍ حَدَّثَنَا سَیَّارٌ حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ اَبِیْ مَنْصُوْرٍ عَنْ اَنَسٍ عَنْ اَبِیْ طَلْحَةَ قَالَ شَكَوْنَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْجُوْعَ وَ رَفَعْنَا عَنْ بُطُوْنِنَا عَنْ حَجَرٍ حَجَرٍ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَطْنِهٖ عَنْ حَجَرَیْنِ قَالَ اَبُوْعِیْسٰی هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ مِنْ حَدِیْثِ اَبِیْ طَلْحَةَ لَانَعْرِفُهٗ اِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَ مَعْنٰی قَوْلِهٖ وَ رَفَعْنَا عَنْ بُطُوْنِنَا عَنْ حَجَرٍ حَجَرٍ کَانَ اَحَدُهُمْ یَشُدُّ فِیْ بَطْنِهِ الْحَجَرَ مِنَ الْجُهْدِ وَالضُّعْفِ الَّذِیْ بِهٖ مِنَ الْجُوْعِ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن ابی زیاد نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو سیار نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے سہل بن اسلم نے یزید بن ابی منصور کے حوالے سے بیان کیا۔ انہوں نے انس سے اور انہوں نے ابوطلحہؓ سے روایت کی۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے حضور اقدس ﷺ سے شدّت بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹ پر بندھے ہوئے پتھر دکھلائے کہ ہر شخص کے پیٹ پر بھوک کی شدّت کی وجہ سے ایک ایک پتھر بندھا ہوا تھا۔ حضور اکرمؐ نے اپنے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے دکھلائے کہ حضور اکرم ﷺ کو شدّت بھوک ہم سے زیادہ تھی اور ہم سے زیادہ وقت بدون کھائے گزر چکا تھا۔

شدت بھوک سے پیٹ پر پتھر باندھنا:

قال شکونا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... اہل مدینہ کی یہ عادت تھی کہ شدت

بھوک کے وقت جب عاجز ہو جاتے تو پیٹ سے پتھر باندھ لیتے تا کہ اس کی سختی کی وجہ سے چلنے پھرنے میں ضعف لاحق نہ ہو۔ بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ یہ مدینہ میں ایک پتھر کے ساتھ خاص ہے، جس کا نام مشبعہ ہے۔ اس پتھر میں اللہ جل شانہٗ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ اس کے باندھ لینے سے بھوک میں کسی قدر تسکین ہو جاتی ہے، لیکن ظاہر پہلا ہی قول ہے۔ اس لئے کہ اب بھی اکثر ایسا کیا جاتا ہے کہ شدت بھوک کے وقت پیٹ سے کسی کپڑے کا سخت باندھ لینا ضعف اور بھوک کی بے چینی میں مفید ہوتا ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ خالی پیٹ میں نفخ پیدا ہونے کا احتمال ہوتا ہے اور پتھر یا کسی سخت چیز کو باندھ لینے سے امن رہتا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ جب پیٹ بالکل خالی ہو جائے تو انتڑیوں کے اتر جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ بالخصوص چلنے پھرنے میں اور پیٹ کو باندھ لینے سے یہ خدشہ نہیں رہتا۔ نیز پیٹ کے بالکل خالی ہو جانے سے کمر بھی جھک جاتی ہے۔ کبڑا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

ایک اشکال سے جواب :

اس حدیث پر ایک قوی اشکال ہے وہ یہ کہ بہت سی احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کئی کئی دن کا مسلسل روزہ رکھا کرتے تھے اور جب صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم ﷺ کے اتباع میں روزوں کے تسلسل کا ارادہ کیا تو حضور اکرم ﷺ نے منع فرما دیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ یہ میری خصوصیت ہے کہ بغیر افطار کے کئی دن کا مسلسل روزہ رکھوں۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہٗ مجھے کھلاتے اور پلاتے ہیں۔ یہ کھلانا پلانا کس طرح ہوتا تھا، یہ اپنی جگہ پر ہے لیکن اس سے یہ معلوم ہوا کہ ظاہری طور پر کھانا پینا چھوڑنے سے حضور اکرم ﷺ پر بھوک کا اثر محسوس نہ ہوتا تھا، ایسی صورت میں پیٹ سے پتھر باندھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور چونکہ روزے والی روایات کثیرہ ہیں، اس لئے بعض علماء نے محدثین کے قواعد کے ماتحت ان پتھر والی روایتوں کو ضعیف قرار دے دیا، لیکن اکثر محدثین کی تحقیق یہ ہے کہ اس مضمون کی روایات بھی کئی ہیں۔ نیز روزے والی روایتوں سے کوئی ایسی مخالفت بھی نہیں ہے کہ دونوں کا مختلف حالات پر حمل نہ ہو سکتا ہو، اس لئے ان روایات کے ضعیف قرار دینے کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد پھر مختلف اقوال تطبیق ان دونوں روایتوں کے متعلق وارد ہوئے ہیں۔

(۱) پتھر والی روایات ابتداء زمانہ کی ہوں اور یقیناً حضور اکرم ﷺ کی ترقیات روز افزوں تھیں۔ اس لئے کھلانے پلانے والی روایات بعد کی ہوں۔

(۲) کھلانا پلانا روزے کی حالت کے ساتھ مخصوص اور عام مومنین میں بھی یہ بات مشاہدہ میں آتی ہے کہ روزہ کی حالت میں فاقہ کا اثر اور تعب اتنا نہیں ہوتا، جتنا بغیر روزے کے فاقہ سے مشقت اور بار ہوتا ہے تو پھر حضور اکرم ﷺ کا کیا کہنا جہاں روزہ حقیقی اور کمال کے درجہ پر تھا۔

(۳) مختلف حالات کے اعتبار سے دونوں حالات حضور اکرم ﷺ کے بھی ہوتے ہوں، جیسا کہ مشائخِ سلوک کے مختلف احوال ہوا کرتے ہیں۔ اس قول کے موافق ان روایات کو ابتداء زمانہ پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اخیر زمانہ میں بھی مختلف اوقات کے اعتبار سے مختلف احوال ہو سکتے ہیں۔

(۴) حضور اکرم ﷺ پر بھوک کا اثر یقیناً نہیں ہوتا تھا۔ اس کے باوجود پتھروں کا باندھنا فقراء و مساکین کے ساتھ اشتراکِ عمل کی غرض سے تھا اور عام دستور ہے کہ جس مشقت اور تکلیف میں اپنے بڑے بھی مبتلا ہو جاتے ہیں، اس میں سعادت مند چھوٹوں کے لئے ان کے مقابلہ میں اپنی تکلیف کا التفات بھی نہیں رہتا۔ پھر صحابہ کرامؓ جیسے سعید عشاق کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔

(۵) حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے کھلانا پلانا اعزاز و اکرم ہی تو تھا کوئی وجوبی امر نہ تھا تو کسی وقت جب کہ صحابہ کرامؓ پر تنگی و عسرت کا غلبہ ہو فقر و فاقہ اس حالت پر پہنچ گیا ہو کہ پیٹ سے پتھر باندھنا پڑ جائیں حضوا کرم ﷺ خود اس اکرام سے مستفید نہ ہوتے ہوں کہ بچہ اگر بھوک میں تڑپتا ہو تو ماں کے حلق میں ٹکڑا اٹکا کرتا ہے پھر حضور اکرم ﷺ کی امت پر شفقت کا کیا پوچھنا، جہاں ہزروں ماؤں کی شفقتیں قربان۔ (خصائل)

(۴/۳۵۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ حَدَّثَنَا اٰدَمُ بْنُ اَبِيْ اِيَاسٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ اَبُوْ مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَاعَةٍ لَا يَخْرُجُ فِيْهَا وَلَا يَلْقَاهُ فِيْهَا اَحَدٌ فَاَتَاهُ اَبُوْ بَكْرٍ فَقَالَ مَاجَآءَ بِكَ

یَـااَبَابَکْرٍ فَقَالَ خَرَجْتُ اَلْقٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اَنْظُرُ فِیْ وَجْہِہٖ وَالتَّسْلِیْمَ عَلَیْہِ فَلَمْ یَلْبَثْ اَنْ جَآءَ عُمَرُ فَقَالَ مَاجَآءَ بِکَ یَاعُمَرُ قَالَ الْجُوْعَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ . فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اَنَا قَدْ وَجَدْتُ بَعْضَ ذٰلِکَ فَانْطَلَقُوْا اِلٰی مَنْزِلِ اَبِی الْھَیْثَمِ بْنِ التَّیْھَانِ الْاَنْصَارِیِّ وَ کَانَ رَجُلًا کَثِیْرَ النَّخْلِ وَالشَّجَرِ وَ الشَّاءِ وَلَمْ یَکُنْ لَہٗ خَدَمٌ فَلَمْ یَجِدُوْہُ فَقَالُوْا لِاِمْرَاَتِہٖ اَیْنَ صَاحِبُکِ فَقَالَتْ اِنْطَلَقَ یَسْتَعْذِبُ لَنَا الْمَآءَ فَلَمْ یَلْبَثُوْا اَنْ جَآءَ اَبُوالْھَیْثَمِ بِقِرْبَۃٍ یَزْعَبُھَا فَوَضَعَھَا ثُمَّ جَآءَ یَلْتَزِمُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ وَ یُفَدِّیْہِ بِاَبِیْہِ وَاُمِّہٖ ثُمَّ انْطَلَقَ بِھِمْ اِلٰی حَدِیْقَتِہٖ فَبَسَطَ لَھُمْ بِسَاطًا ثُمَّ انْطَلَقَ اِلٰی نَخْلَۃٍ فَجَآءَ بِقِنْوٍ فَوَضَعَہٗ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفَلَا تَنَقَّیْتَ لَنَا مِنْ رُطَبِہٖ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اَرَدْتُ اَنْ تَخْتَارُوْا اَوْ تَخَیَّرُوْا مِنْ رُطَبِہٖ وَبُسْرِہٖ فَاَکَلُوْا وَ شَرِبُوْا مِنْ ذٰلِکَ الْمَاءِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھٰذَا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مِنَ النَّعِیْمِ الَّذِیْ تُسْئَلُوْنَ عَنْہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ظِلٌّ بَارِدٌ وَ رُطَبٌ طَیِّبٌ وَمَآءٌ بَارِدٌ فَانْطَلَقَ اَبُوْ الْھَیْثَمِ لِیَصْنَعَ لَھُمْ طَعَامًا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاتَذْبَحَنَّ لَنَا ذَاتَ دَرٍّ فَذَبَحَ لَھُمْ عَنَاقًا اَوْ جَدْیًا فَاَتَاھُمْ بِھَا فَاَکَلُوْا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَلْ لَکَ خَادِمٌ قَالَ لَا قَالَ فَاِذَا اَتَانَا سَبْیٌ فَاْتِنَا فَاُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ بِرَاْسَیْنِ لَیْسَ مَعَھُمَا ثَالِثٌ فَاَتَاہُ اَبُو الْھَیْثَمِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِخْتَرْ مِنْھُمَا فَقَالَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ اِخْتَرْلِیْ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ خُذْ ھٰذَا فَاِنِّیْ رَاَیْتُہٗ یُصَلِّیْ وَاسْتَوْصِ بِہٖ مَعْرُوْفًا فَانْطَلَقَ اَبُو الْھَیْثَمِ اِلٰی اِمْرَاَتِہٖ فَاَخْبَرَھَا بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ فَقَالَتْ اِمْرَاَتُہٗ مَا اَنْتَ بِبَالِغٍ مَا قَالَ فِیْہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اِلَّا اَنْ تُعْتِقَہٗ قَالَ فَھُوَ عَتِیْقٌ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَمْ یَبْعَثْ نَبِیًّا وَلَا خَلِیْفَۃً اِلَّا وَلَہٗ بِطَانَتَانِ بِطَانَۃٌ تَاْمُرُہٗ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْھَاہُ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ بِطَانَۃٌ لَا تَاْلُوْہُ خَبَالًا وَ مَنْ یُّوْقَ بِطَانَۃَ السُّوْءِ فَقَدْ وُقِیَ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن اسمٰعیل نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں شیبان ابومعاویہ نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے

ہیں کہ ہم کو اسے عبدالملک بن عمیر نے ابی سلمۃ بن عبدالرحمٰن کے واسطہ سے بیان کیا اور انہوں نے اسے صحابی رسول حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک روز (خلاف عادت شریفہ) سید دو عالم ﷺ ایسے وقت باہر تشریف لائے، جس وقت آپ باہر تشریف نہیں لایا کرتے تھے اور نہ ہی اس وقت کوئی ایک ملاقات کرنے والا آپ ﷺ سے ملنے آتا۔ دریں اثنا ابوبکر صدیقؓ آنحضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اے ابوبکر! اس وقت تیرے آنے کا باعث کیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس ارادہ و نیت سے گھر سے نکلا ہوں کہ رسولِ کریم ﷺ کی ملاقات کروں اور چہرۂ اقدس کو دیکھوں اور آپؐ کی خدمتِ بابرکت میں سلام عرض کروں۔ پس تھوڑی دیر بھی نہ گذری تھی کہ حضرت عمرؓ تشریف لے آئے سرورِ کائنات نے ارشاد فرمایا اے عمر! تجھے اس وقت کونسی ضرورت لے آئی تو انہوں نے عرض کیا کہ بھوک یا رسول اللہ ﷺ تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کچھ تو میں بھی محسوس کرتا ہوں، پھر یہ تینوں حضرات ابی ہیثم بن تیھان انصاریؓ کے گھر تشریف لے گئے اور یہ صاحب کافی کھجور، درخت اور بکریاں رکھتا تھا اور اس کا کوئی نوکر نہیں تھا۔ یہ انصاری گھر پر موجود نہ تھا۔ اس کی بیوی سے پوچھا تیرا خاوند کہاں ہے، اس نے کہا وہ تو ہمارے لئے میٹھا پینے کا پانی لانے کے لئے گئے ہوئے ہیں۔ تھوڑی دیر بھی نہ گزری تھی کہ وہ انصاری پانی سے بھری ہوئی مشک لے آیا، جس کو وہ بوجھ کی طرح اٹھا رہا تھا۔ پس فوراً اس مشک کو رکھ دیا، پھر آئے اور آتے ہی فرطِ محبت سے حضور پاک ﷺ سے لپٹ گئے۔ اور آنجناب پر اپنے ماں باپ قربان کرنے لگے، پھر ان تمام حضرات کو اپنے کھجوروں کے باغ میں لے گئے ان بزرگوں کے لئے بچھونے بچھائے، پھر ایک درخت کی جانب گئے اور کھجور کا خوشہ لے آئے (جس میں کچی پکی آدھ کچری کھجوریں تھیں) اور ان گرامی قدر بزرگوں کے سامنے پیش کر دیں تو نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا تو نے ہمارے لئے پکی کھجوریں چھان کر کیوں نہ توڑیں۔ تو ابوالہیثمؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میں یہ چاہتا تھا کہ آپ خود پکی اور کچی کھجوریں پسند فرما کر تناول فرماویں۔ تینوں حضرات نے وہ کھجوریں نوش فرمائیں اور اس پانی سے پانی پیا، پھر سید الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے مجھے اس ذاتِ

اقدس کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، یہ بھی اس نعیم میں داخل ہے، جس کا سوال قیامت میں ہوگا۔ ٹھنڈا سایہ، تازہ کھجوریں، اور ٹھنڈا پانی۔ ابوہیثم جانے لگے تاکہ مہمانوں کے لئے کھانے کا انتظام کریں تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دیکھو ہمارے لئے دودھ والا جانور ذبح نہ کرنا، تو ان حضرات کے لئے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا، وہ ان صاحبان کے سامنے پکا کر پیش کردیا۔ ان حضرات نے اسے تناول فرمایا۔ پھر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تیرا خادم کوئی نہیں ہے؟ ابوہیثم نے عرض کیا کہ نہیں حضور ﷺ نے فرمایا جب بھی غنائم میں غلام آئیں تو مجھے یاد کرنا، پھر حضور ﷺ کی خدمت میں دو غلام پیش کئے گئے۔ ابوہیثم آئے تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ان دونوں میں سے ایک کو پسند کر لے۔ ابوہیثم نے عرض کیا اے اللہ کے نبی ! آپ ہی میرے لئے ایک منتخب فرمالیں، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا بے شک مشورہ دینے والا امین ہوتا ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ غلام لے لے، کیونکہ میں نے اسے نماز ادا کرتے دیکھا ہے اور میری ایک وصیت اس کے حق میں قبول کر، وہ یہ کہ اس کے ساتھ نیکی کرتا رہ، ابوہیثم اپنی بیوی کے پاس گئے، اور حضور ﷺ کا ارشاد اُسے بتایا تو اُسے اس کی بیوی نے کہا کہ اس غلام کے بارے میں حضور ﷺ نے جو فرمایا ہے، تو اس کو پورا نہیں کرسکتا، سوائے اس بات کے تو اسے آزاد کردے۔ فوراً ابوہیثم نے کہا غلام آزاد ہے۔ تو (جب اس کی آزادی کی اطلاع آنجناب ﷺ کو پہنچی) نبی کریم ﷺ نے فرمایا یقیناً اللہ تعالیٰ ہر نبی اور اس کے جانشین کے لئے دو باطنی مشیر اور صلاح کار پیدا کرتا ہے، جن میں سے ایک مشیر بھلائی کا امر کرتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اور ایک مشیر تباہ و برباد کرنے میں ذرا بھی کمی نہیں کرتا اور جو شخص برے مشیر سے بچالیا جائے وہ ہر قسم کی برائی سے بچالیا گیا۔

راوی حدیث (۶۲۸) آدم بن ابی ایاسؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

واقعات متعدد ہوسکتے ہیں :

قال خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ...... مضمونِ حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے۔ حضور اقدس ﷺ ایسے وقت میں گھر سے باہر تشریف لائے نہ تو اس وقت نکلنا آپ ﷺ کی

عادت مبارک تھی اور نہ اس وقت کوئی ملاقات کے لئے آتا تھا۔ شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ رات کا بھی ہوسکتا ہے اور دن کا بھی۔ مسلم شریف کی روایت میں ذات لیلة (رات) کی تصریح ہے اور شرح ملاعلی القاریؒ میں حضرت جابرؓ کی روایت میں ذات یوم (دن) کی تصریح ہے۔ دونوں روایات میں تطبیق یہ ہے کہ یہ قصہ صرف ایک مرتبہ نہیں دو متعدد واقعات ہوسکتے ہیں۔ ایک واقعہ رات کو پیش آیا ہو اور دوسرا دن کو۔ علامہ بیجوریؒ یہی توجیہ فرمارہے ہیں ولعل ذلک تعدد فمرة کان لیلا و مرة کان نهارا ۔ (مواہب ص۲۷۲)

حضرت صدیق اکبرؓ کو حضور اقدس ﷺ سے کمالِ مناسبت حاصل تھی :

فقال خرجت...... حضور اقدس ﷺ کے سوال پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ جمال جہاں آراء کی زیارت وملاقات اور سلام کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں، و فیه ایماء بان عادة الصدیق ایضاً کانت علی وفق عادة النبی صلی اللہ علیه وسلم حیث لم یکن یخرج الاحین یخرج ۔ (جمع ج ص ۲۳۶) یعنی حضرت صدیق اکبرؓ کا معمول بھی حضور اقدس ﷺ کے معمول کے مطابق ہوا کرتا تھا اور یہ تکوینی بات تھی۔ ربّ ایسا کرادیتے تھے۔ اُدھر حضور ﷺ کے دل میں آیا کہ اب باہر نکلنا چاہئے، اِدھر صدیق اکبرؓ کے دل میں بھی ڈال دیا گیا، وہ بھی باہر نکل آئے۔ دونوں میں ایک فطری اور طبعی مناسبت تھی۔ چنانچہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ تحریر فرماتے ہیں :

یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کمال تناسب کی وجہ سے تھا کہ حضور اکرم ﷺ کو اگر خلافِ عادت شریف باہر تشریف آوری کی نوبت آئی تو اس یک جان دو قالب پر بھی اس کا اثر ہوا۔ بندہ کے نزدیک یہی وجہ اولیٰ ہے اور یہی کمال تناسب بڑی وجہ ہے نبوی دور کے ساتھ خلافتِ صدیقیہ کے اتصال کی کہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد اگر کوئی دوسرا خلیفہ ہوتا تو مناسبتِ تامہ نہ ہونے کی وجہ سے وقتی احکام میں کچھ تغیر ضرور ہوتا اور صحابہ کرامؓ کے لئے حضور اکرم ﷺ کے فراق کے ساتھ یہ دوسرا مرحلہ مل کر رنج وملال کو ناقابل برداشت بنانے والا ہوتا۔ بخلاف صدیق اکبرؓ کے کہ حضور اقدسؐ کے ساتھ اس درجہ اتصال اور قلبی یک جہتی تھی کہ جن مواقع پر جو حضور اکرم ﷺ کا طرزِ عمل تھا وہی اکثر

حضرت صدیق اکبرؓ کا بھی تھا۔ چنانچہ حدیبیہ کا قصہ مشہور ہے۔ مسلمانوں نے نہایت دب کر ایسی شرائط پر کفار سے صلح کی تھی کہ بعض صحابہؓ اُس کا تحمل بھی نہ کر سکے اور حضرت عمرؓ نہایت جوش میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ اللہ تعالیٰ کے برحق نبی نہیں ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا بے شک ہوں حضرت عمرؓ: کیا ہم حق پر اور دشمن باطل پر نہیں ہے؟ حضورؐ بیشک۔ حضرت عمرؓ! پھر ہم کو دین کے بارے میں یہ ذلت کیوں دی جا رہی ہے؟ حضور ﷺ میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا، وہی میرا مددگار ہے۔ حضرت عمرؓ! کیا آپ نے ہم سے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم مکہ مکرمہ جائیں گے۔ اور طواف کریں گے؟ حضور ﷺ! لیکن کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال مکہ میں جائیں گے۔ حضرت عمرؓ! نہیں یہ تو نہیں کہا تھا۔ حضور ﷺ بس تو مکہ میں ضرور جائے گا اور طواف کرے گا۔ اس کے بعد عمرؓ، اسی جوش میں حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے ابوبکرؓ! کیا یہ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ حضرت ابوبکرؓ! بے شک۔ حضرت عمرؓ! کیا ہم حق پر اور دشمن باطل پر نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ! بے شک۔ حضرت عمرؓ! پھر دین کے بارے میں ہم (یا ہمیں؟) ذلت کیوں دیے جا رہے ہیں؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ! اے آدمی! یہ بلا تردد سچے رسول ہیں اور اللہ کی ذرا بھی نافرمانی کرنے والے نہیں ہیں۔ وہی ان کا مددگار ہے تو ان کا رکاب کو مضبوط پکڑے رہ۔ حضرت عمرؓ! کیا انہوں نے ہم سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ ہم مکہ جائیں گے اور طواف کریں گے؟ حضرت ابوبکرؓ: کیا تجھ سے یہ بھی وعدہ فرمایا تھا کہ اسی سال جائیں گے' حضرت عمرؓ! نہیں یہ تو نہیں فرمایا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ! کیا تو مکہ میں جائے گا اور طواف کرے گا۔ بخاری شریف میں یہ قصہ مفصل مذکور ہے اور بھی اسی قسم کے متعدد واقعات حیرت انگیز ہیں۔ حتی کہ اگر حضور اکرم ﷺ سے اجتہادی خطا ہوئی تو اس میں بھی حضرت ابوبکرؓ شریک ہیں، جیسا کہ بدر کے قیدیوں کے معاملہ میں جس کا قصہ سورۃ انفال کے اخیر میں ہے۔ اس صورت میں حضرت ابوبکرؓ کا اس وقت خلافِ معمول باہر آنا دل رابدل رہیست حضور اکرم ﷺ کے قلبِ اطہر کا اثر تھا گو بھوک بھی لگی ہوئی ہو۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا آنا بھی بھوک کے تقاضے کیوجہ سے تھا، لیکن حضور اکرم ﷺ کے چہرۂ انور کو دیکھ کر اس کا

خیال بھی جاتا رہا، اسی لئے حضور اکرم ﷺ کے استفسار پر اس کا ذکر نہیں کیا ......

یاد سب کچھ ہیں مجھے ہجر کے صدمے آقاؐ

بھول جاتا ہوں مگر دیکھ کے صورت تیری

بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی تشریف آوری بھوک ہی کی وجہ سے تھی، مگر اس کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ حضور اکرم ﷺ کو گرانی نہ ہو کہ دوست کی تکلیف اپنی تکلیف پر غالب ہو جایا کرتی ہے۔ (خصائل)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا عاشقانہ انداز :

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپ ﷺ کے استفسار پر اپنے حاضر ہونے کے تین مقاصد عرض کئے۔ سبحان اللہ! محبت، اطاعت اور عشقِ رسول ﷺ کا حضرت ابوبکر صدیقؓ کتنا پیارا اور عاشقانہ انداز اختیار کر رہے ہیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی غرض ملاقات، رخِ انور کا دیدار اور سلام عرض کرنا تھا۔

حضرت عمر فاروقؓ کی حاضری :

فلم یلبث ...... ابھی تھوڑی دیر نہیں گذری تھی کہ حضرت عمرؓ تشریف لے آئے۔ استفسار پر حاضری کی وجہ عرض کی کہ مجھے اس وقت نہایت ہی شدید بھوک لگی ہوئی ہے۔

ابوالہیثم انصاریؓ :

فانطلقوا إلى منزل ابی الهیثم ...... پھر تینوں حضرات ابوالہیثم تیہان انصاریؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت ابوالہیثم انصاری حضور اقدس ﷺ کے جلیل القدر صحابی ہیں۔ اللہ کا دیا ہوا بہت کچھ تھا۔ صحابہؓ میں یہ صاحب کچھ زیادہ آسودہ حال تھے۔ کھجوروں کا باغ بھی تھا، بھیڑ بکریاں بھی تھیں۔ تاہم گھر کا کام کاج اور ضروریت کی خود تکمیل فرماتے تھے۔ **و اسمه مالک و قیل ابو ایوب ولا مانع من کون الثانی کنیته والأول اسمه**۔ (مواہب ص۲۷۳) (ابوالہیثم کا نام مالک تھا اور بعض کہتے ہیں کہ ابوایوب ہے۔ لیکن اس میں کوئی مانع نہیں کہ دوسرا یعنی (ابوایوب) ان کی کنیت ہو اور پہلا یعنی

(مالک) اس کا نام ہو)

محبوب درِ دولت پر :

خادم وغیرہ نہیں تھا، جب حضور اقدس ﷺ شیخین ؓ کے ہمراہ ان کے در دولت پر حاضر ہوئے تو وہ موجود نہ تھے اور میٹھا پانی لینے گئے ہوئے تھے۔ ابھی تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ وہ میٹھے پانی کا مشکیزہ اٹھائے پہنچ گئے۔ حضور اقدس ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور اپنی خوش قسمتی پر ناز کرتے ہوئے زبان حال سے گویا ہوئے .... ؎

ہم نشیں جب میرے ایام بھلے آئیں گے
بن بلائے میرے گھر آپ چلے آئیں گے

اخذِ مسائل :

۱) تینوں حضرات کا حضرت انصاریؓ کے گھر میں بے تکلف جانے سے علماء اور فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ بلند مرتبہ والے اشخاص جن کی پرہیزگاری اور تقدس کی وجہ سے ان کے ساتھی ان کا احترام کرتے ہیں، تکریم کرتے ہیں، اگر اپنے احباب کے گھر بغیر پیشگی اطلاع کے کھانے پینے کے لئے چلے جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

۲) حضرت ابوالہیثمؓ کی مالداری اور آسودہ حالی کے باوصف اپنے کام کاج اپنے ہاتھوں سے انجام دینے سے معلوم ہوا کہ مالداری اور سرمایہ داری کے باوجود بھی اپنے گھر والوں کی خدمت اور ان کی ضروری حاجات اور تقاضوں کی تکمیل تقدس، بزرگی اور عظمت کے منافی نہیں ہے، بلکہ اس میں تو کمالِ تواضع اور حسنِ خلق ہے۔ علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں **يؤخذ منه أن خدمة الإنسان بنفسه لأهله لاتنافي المروءة بل هي من التواضع و كمال الخلق** ۔ (مواہب ص ۲۷۴)

۳) تینوں حضرات کا حضرتِ ابوالہیثمؓ کی اہلیہ سے گفتگو اور اس کے جواب سے معلوم ہوا کہ اجنبیہ خاتون سے مردوں کی گفتگو جائز ہے۔ جب فتنہ کا خوف نہ ہو۔ بلکہ شیخ ابراہیم البیجوریؒ نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ **يؤخذ منه حل تكلم الأجنبية و سماع كلامها مع أمن الفتنة وان وقعت فيه**

مراجعة ثم اِن هذه المرأة تلقتهم احسن التلقی و انزلتهم أكرم الإنزال و فعلت مايليق بذلک الجناب الافخم و الملاذ الأعظم يؤخذ منه جواز إذن المرأة فی دخول منزل زوجها اذا علمت رضاه وجواز دخول الضيف منزل الشخص باذن زوجته مع علم رضاه حيث لاخلوة محرمة. (مواہب ص ۲۷۳) (اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب فتنہ کا خوف نہ ہوتو اجنبی عورت سے کلام کرنا اور اس کی بات کو سننا اور سوال و جواب کرنا جائز ہے۔ پھر اس عورت نے آپ اور آپ کے رفقاء (ابوبکرؓ وعمرؓ) کے ساتھ حسنِ تلقی اور عزت واحترام کا ایسا عظیم الشان برتاؤ اور معاملہ کیا جو آپ ﷺ کی عظمتِ شان کے لائق ومناسب تھا تو اسی سے اس مسئلہ کا جواز بھی معلوم ہوا۔ کہ عورت خاوند کی رضامندی کی صورت میں کسی کو اس کے گھر آنے کی اجازت دے سکتی ہے اور وہ بھی جب اس کو معلوم ہو کہ اس کا خاوند کو اس سے خوشی ہوگی داخل ہوسکتا ہے۔ جبکہ حرام خلوت کی صورت نہ ہو)

۴) فوضعه' پھر ابوالہیثمؓ نے کھجور کا خوشہ اُن کے سامنے رکھا تا کہ وہ کھانے سے پہلے اس سے حسبِ طبیعت کھجور نوش فرماتے رہیں۔ شارحینِ حدیثؒ نے اس کی بھی متعدد وجوہ بتائی ہیں۔

(ا) کھانے سے پہلے میٹھی چیز سے تفکہ کرنا معدہ کے لئے بہتر' مقوی' مفید اور نافع ہے کہ اس سے نظامِ ہضم میں مدد ملتی ہے، علامہ بیجوریؒ بھی یہی فرماتے ہیں لان الابتداء بما يتفكه من الحلاوة أولىٰ فإنه مقو للمعدة لأنه اسرع هضماً۔ (مواہب ص ۲۷۴)

(ب) قرطبیؒ فرماتے ہیں، مہمان کی آمد میں جو چیز گھر میں فوراً دستیاب ہو اور بسہولت میسر ہو سب سے پہلے وہی چیز لانی چاہئے اور اسی سے مہمان کا اکرام کرنا چاہئے۔ و قال القرطبی انما قدم لهم هذا العرجون لأنه الذی تيّسر فوراً من غير كلفة۔ (مواہب ص ۲۷۴) (امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوالہیثمؓ ان کے پاس کھجور کا خوشہ اس وقت اس لئے لائے کہ وہ ابوالہیثمؓ کو بلا تکلف فوراً میسر تھا)

(ج) میزبان کے لئے بہتر یہ ہے کہ مہمان کا اکرام احسن چیز اور عمدہ چیز سے کرے، جو اسے میسر ہو، يؤخذ من الحديث انه ينبغی للمضيف ان يقدم الی الضيف أحسن ماعنده. (مواہب

ص ۲۷۴) (حدیث شریف سے یہ مسئلہ بھی ماخوذ ہوسکتا ہے کہ میزبان کے لئے مناسب ہے کہ وہ مہمان کے سامنے سب سے پسندیدہ چیز پیش کرے)

تمام نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا :

ھذا و الذی نفسی بیدہ ...... چونکہ حضور اقدس ﷺ شفیقِ امت اور معلّم اِنسانیت ہیں اور ان کا ہر ہر لحظہ اور ہر ہر ادا تعلیم اُمت کے لئے تھی۔اس لئے ارشاد فرمایا، قسم ہے اس ذاتِ پاک کی جس کے قبضۂ میں میری جان ہے۔ یہ بھی ان نعمتوں میں داخل ہے، جن کا سوال قیامت میں ہوگا، پھر موجودہ تینوں چیزیں بھی شمار کر دیں۔ **ظل بارد ورطب وماء بارد** یعنی ٹھنڈا سایہ تازہ اور تر کھجوریں اور ٹھنڈا پانی۔سورۃ تکاثر میں واضح ارشاد ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کے شکر کے بارے میں سوال ہوگا کہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کا کس درجہ شکر ادا کرتے رہے **ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ** ۔(التکاثر: ۸) (پھر اس دن تم سے ضرور بالضرور نعمتوں کا سوال ہوگا) **وفی روایۃ مسلم فلما شبعوا و رووا قال صلی اللّٰہ علیہ و سلم لابی بکر و عمر رضی اللّٰہ عنھما والذی نفسی بیدہ لتسئلن عن ھذا النعیم یوم القیامۃ اخرجکم من بیوتکم الجوع ثم لم ترجعوا حتی اصابکم ھذا النعیم** ۔(جمع ج ۲ ص ۲۴۰) (اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ جب وہ سب (یعنی حضور ﷺ ابوبکرؓ اور عمرؓ) خوب کھانے پینے سے سیر ہوئے۔آپ ﷺ نے ابوبکرؓ اور عمرؓ کو فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی کہ میری روح اس کے قبضہ واختیار میں ہے تم سے قیامت کے دن ان نعمتوں کے متعلق ضرور پوچھ گچھ (سوال وجواب) ضرور ہوگا۔تمہیں گھروں سے بھوک نے نکالا پھر تمہیں گھروں کو لوٹنے سے پہلے یہ نعمتیں حاصل ہوگئیں)

پیٹ بھر کر کھانا کھانا :

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پیٹ بھر کر کھانا بھی جائز ہے۔البتہ احادیث میں جو زیادہ کھانے کی مذمت آئی ہے، وہ وہی زیادۃ ہے جو صحت کے لئے مضر ہو یا پیٹ بھر کر کھانے کی عادت اور مداومت بنا لی جائے، جس سے قلب میں قساوت، بدن میں کسل پیدا ہوتا ہے اور فقراء محتاجین اور بھوکوں ومساکین

کی کیفیات بھول جاتی ہیں ۔ ملا علی قاریؒ پیٹ بھر کر کھانے کی مذمت انہی الفاظ میں فرماتے ہیں وما ورد فی ذمہ محمول علی شبع مضر أو علی المداومة لانه یقسی القلب و یکسل البدن وینسی الاخوان المحتاجین۔ (جمع ج۲ ص ۲۴۰)

صحابیؓ اور ان کے اہل وعیال پر شفقت :

فانطلق ...... ابتدائی تواضع وخدمت کے بعد حضرت ابوالہیثم جانے لگے تاکہ مہمانوں کے لئے کھانے کا انتظام کریں، تو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا دیکھو ! ہمارے لئے دودھ والا جانور ذبح نہ کرنا۔ میزبان، اپنے عظیم مہمان سے فرطِ محبت اور جذبۂ عشق میں کہیں ایسا جانور ذبح نہ کردے، جو دودھ دے رہا ہو یا عنقریب بچہ جننے والا ہو کہ کل کو نقصان ہوگا۔ یہ ایک صحابیؓ پر اور ان کے اہل وعیال پر کمال شفقت ومحبت کا ادنیٰ نمونہ ہے۔ لاتذبحن ذات درّ أی لبن وفی روایة مسلم ایاک و الحلوب ای ولو فی المستقبل فیشمل الحامل وهذا نهی ارشاد و ملاطفة فلاکراهة فی مخالفته فالمقصود الشفقة علیه و علی أهله لانهم ینتفعون باللبن مع حصول المقصود بغیرها (مواہب ص ۲۷۵) (آپ ﷺ نے فرمایا ضرور بضرور دودھ دینے والے جانور کو ذبح نہ کریں اور مسلم کی روایت میں ہے کہ دودھ دینے والے جانور کے ذبح سے محتاط رہیں یعنی اگر چہ وہ آئندہ دودھ والا ہوگا تو یہ حاملہ جانور کو بھی شامل ہوا۔ چونکہ یہ نہی اور منع کرنا شفقت اور ملاطفت کے لئے ہے اس لئے اس کی مخالفت کرنا مکروہ اور ناجائز نہ ہوگا۔ تو آپ ﷺ کا دراصل اس صحابی پر اور اس کے اہل وعیال کے ساتھ شفقت ومہربانی کرنے کا معاملہ ہے کیونکہ وہ دودھ دینے والے جانور سے نفع اٹھاتے رہیں گے اور آپ ﷺ اور رفقاء کا مقصد اس کے بغیر بھی حاصل ہو جائے گا)

عناق اور جدی کا معنیٰ :

فذبح لهم عناقا أو جدیا ' لفظِ أو شک کے لئے ہے۔ ای شک من الراوی ۔ (مواہب ص ۲۷۵) العناق (بفتح العین) چھوٹا بچہ انثی المعزلها أربعة أشهر و الجدی (بفتح الجیم) المعز مالم یبلغ سنة ۔ (مواہب ص ۲۷۵) (بکری کے چار ماہ والے بچے کو عناق (بفتح العین) کہتے ہیں

اور جب تک پورے سال کا نہ ہو تو اس کو جدی (بفتح الجیم) کہتے ہیں)

ضیافت میں وسعت :

یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت ابوالہیثم کا مہمانوں کے لئے بکری ذبح کرنا بے جا تکلفات اور مکروہات میں سے نہیں ہے۔ یہ کراہت تب ہے، جب میزبان کے لئے ضیافت کے مصارف اسی کی طاقت سے باہر ہوں اور وہ برداشت نہ کر سکے، مگر یہاں تو حضرت ابوالہیثم آسودہ حال ہیں، خوشحال ہیں۔ فهو مطلوب لقوله صلى الله عليه و سلم من كان يؤمن بالله و اليوم الآخر فليكرم ضيفه لا سيّماً هؤلاء الاضياف الذى فيهم سيد ولد عبد مناف صلى الله عليه وسلم ۔(مواہب ص ۲۷۵) (تو اس کا مطلوب ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر یقین رکھے تو وہ اپنے مہمان کی عزت افزائی کیا کرے خصوصاً ایسے اضیاف جس میں عبد مناف کی اولاد کے سردار (محمد ﷺ) بھی موجود ہوں)

مخلص خادم کے لئے انعام کا اعلان :

فقال النبى صلى الله عليه و سلم هل لک خادم ...... حضرت ابوالہیثمؓ کے خلوص و محبت وارفتگی اور والہیّت کا منظر دیدنی تھا۔ وہ محبوب دو عالم ﷺ کی ضیافت اور خدمت میں دل و جان سے نچھاور ہو رہے تھے۔

ادھر حضور اقدس ﷺ سراپا شفقت تھے۔ اُن کا دل پسیج رہا تھا اور اُن کے دل میں اپنے میزبان کی تکلیف کا احساس ابھر رہا تھا۔ چنانچہ دریافت فرمایا۔ هل لک خادم کیا تمہارے پاس کوئی خادم ہے؟ جواب نفی میں ملا۔ تو ارشاد فرمایا ، فاذا اتانى سبى یعنی ہمارے پاس جنگی قیدی آتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد جب کوئی جنگی قیدی آیا تو وہ بحیثیت غلام کے تمہیں بطور انعام کے دے دیا جائے گا۔

جو آقا کی مرضی، وہی غلام کی مرضی :

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک موقع پر آپ ﷺ کے پاس دو جنگی قیدی آئے۔ حضرت ابوالہیثم

حاضر خدمت ہوئے، تو آپ ﷺ نے حسب وعدہ اُن کو غلام دینا چاہا تو ارشاد فرمایا، اختر منهما یعنی دونوں میں سے ایک پسند کر لے، مگر وہ بھی تو نبی آخر الزمان ﷺ کے تربیت یافتہ تھے، عرض کیا حضرت نہیں ! اختر لی، آپ ﷺ خود ایک میرے لئے پسند کرلیں کہ میری نسبت آپ ﷺ کا انتخاب زیادہ سودمند ہوگا۔ انہوں نے اپنی مرضی کو حضور ﷺ کی مرضی میں فنا کر دیا تھا۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرمالی اور ارشاد فرمایا ' المستشار مؤتمن جس شخص سے مشورہ طلب کیا جائے، وہ امین ہوتا ہے۔ اسے چاہیے کہ اپنی سوچ، عقل اور صوابدید کے مطابق درست مشورہ دے۔ اگر مستشار دانستہ غلط مشورہ دے گا تو خیانت کا مرتکب ہوگا۔

غلام کا انتخاب اور وجہ انتخاب :

حضور اقدس ﷺ نے بھی اسی قاعدہ کے پیش نظر دو میں سے ایک غلام کا انتخاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا' خذ هذا فاني رأيته يصلي ' یہ غلام لے لو اور اس کے انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ میں نے اسے اللہ کی عبادت کرتے اور نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدمت، مزدوری کا اور کام کاج میں اس شخص کو ترجیح دینی چاہیے، جو نماز کی پابندی کرے۔

اخذِ مسائل :

یہاں سے فقہاء دو مسئلوں کا استنباط بھی کرتے ہیں۔ اولاً یہ کہ اِنسان کی افضلیت اور نیکی و صالحیت پر اس کے نمازی ہونے سے استدلال کیا جاسکتا ہے' ويؤخذ منه انه يستدل على خيرية الانسان بصلاته قال تعالىٰ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۔(مواہب ص ۲۷۵) (یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے) ثانیاً یہ کہ مستشار (مشورہ دینے والے) کے لئے مناسب یہ ہے کہ مستشیر (مشورہ لینے والے) کو اپنے مشورہ کی وجہ بھی بیان کر دے تا کہ اس کے لئے مشورہ پر عمل کرنے میں معاون ثابت ہو۔ و يؤخذ منه ايضاً أنه ينبغي للمستشار ان يبين سبب اشارته بأحد الامرين ليكون اعون للمستشير على الامتثال ۔(مواہب ص ۲۷۶)

غلاموں سے حسنِ سلوک کی تاکید :

و استوص به معروفا ...... آپ ﷺ نے اپنے حسنِ انتخاب اور اس کی بیانِ وجہ کے ساتھ ساتھ حضرت ابوالہیثمؓ کو یہ وصیت بھی فرمائی کہ اس نمازی غلام کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا۔ چنانچہ وہ غلام کو لے کر گھر پہنچے اور بیوی کو سارا ماجرا اور آپ ﷺ کی وصیت سنائی تو اس اللہ کی بندی نے فوراً کہا ابوالہیثمؓ ! تم حضور اقدس ﷺ کی وصیت پر پورا پورا عمل نہیں کرسکو گے اور اس غلام کے حق میں کہیں نہ کہیں کوتاہی ہو جائے گی۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اسے آزاد کردو۔ **قال فهو عتيق** (ابوالہیثمؓ نے کہا کہ وہ آزاد ہے) اپنی نیک اور پاکباز خاتون کا مشورہ قبول کرتے ہوئے فوراً اسے آزاد کردیا۔

ہر انسان کے دو مشیر :

اِن الله لم يبعث نبيا ...... جب حضور اقدس ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ ﷺ بہت خوش ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ ہر نبی اور اس کے خلیفہ کے لئے دو اندرونی مشیر ہوتے ہیں۔ **بطانة** 'راز دار' بھیدی' ہو، بھید' دلی دوست اور مشیر کو کہتے ہیں، **وبطانة الرجل صاحب سره الذى يستشيره فى اموره تشبيها له ببطانة الثوب** ۔ (مواہب ص ۲۷۶) (کسی شخص کا بطانہ وہ راز دار کہلاتا ہے جس سے وہ اندرونی اور ضروری امور میں مشورہ لیتا ہو۔ گویا وہ مشابہ ہوا **بطانة الثوب** (کپڑے کے استر) کے ساتھ) ایک باطنی مشیر اسے نیکی کی ہدایت کرتا، نیکی پر آمادہ کرتا ہے، برائی اور منکرات سے روکتا اور برے اقدامات پر ملامت کرتا ہے، جبکہ دوسرا مشیر **لا تالوه خبالا اى لاتقصر فى فساد حاله و لاتمنعه منه فالألو التقصير و قد تضمن معنى المنع** (مواہب ص ۲۷۶) اس کے تباہ و برباد کرنے میں ذرا بھی کمی نہیں کرتا، جس شخص کو اچھا مشیر مل گیا، **فقد وقى** ، اسے گویا شر سے نجات مل گئی۔ ابوالہیثم اگرچہ نہ تو نبی تھے اور نہ نبی کے خلیفہ مگر ان کو علی سبیل تمثیل خلیفہ کہا گیا ہے اور ان کی بیوی کو بمنزلہ بہترین مشیر کا قرار دیا گیا ہے۔

(۳۵۸/۵) **حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ بْنِ مُجَالِدِ بْنِ سَعِيْدٍ حَدَّثَنِىْ اَبِىْ عَنْ بَيَانٍ حَدَّثَنِىْ قَيْسُ بْنُ**

حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعْدَ ابْنَ اَبِیْ وَقَّاصٍ یَقُوْلُ اِنِّیْ لَاَوَّلُ رَجُلٍ اَهْرَاقَ دَمًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاِنِّیْ لَاَوَّلُ رَجُلٍ رَمٰی بِسَهْمٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَقَدْ رَاَیْتُنِیْ اَغْزُوْ فِی الْعِصَابَةِ مِنْ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ مَا نَاْکُلُ اِلَّا وَرَقَ الشَّجَرِ وَالْحُبْلَةِ حَتّٰی تَقَرَّحَتْ اَشْدَاقُنَا حَتّٰی اِنَّ اَحَدَنَا لَیَضَعُ کَمَا تَضَعُ الشَّاةُ وَالْبَعِیْرُ وَاَصْبَحَتْ بَنُوْ اَسَدٍ یُعَزِّرُوْنَنِیْ فِی الدِّیْنِ لَقَدْ خِبْتُ اِذًا وَضَلَّ عَمَلِیْ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عمر بن اسمٰعیل بن مجالد بن سعید نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں مجھے میرے باپ نے بیان کے واسطہ سے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے اسے قیس بن حازم نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے سعد بن ابی وقاص کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اُمتِ محمدیہ میں سب سے پہلا شخص، جس نے کافر کا خون بہایا ہو میں ہی ہوں اور ایسے ہی پہلا وہ شخص جس نے جہاد میں تیر پھینکا ہو میں ہوں۔ ہم لوگ (یعنی صحابہؓ کی جماعت ابتداء اسلام میں) ایسی حالت میں جہاد کیا کرتے تھے کہ ہمارے پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی۔ درختوں کے پتے اور کیکر کی پھلیاں ہم لوگ کھایا کرتے تھے، جس کی وجہ سے منہ کے جبڑے زخمی ہو گئے تھے اور پتے کھانے کی وجہ سے پاخانہ میں بھی اونٹ اور بکری کی طرح مینگنیاں نکلا کرتی تھیں۔ اس کے بعد بھی قبیلہ بنو اسد کے لوگ اسلام کے بارے میں مجھ کو دھمکاتے ہیں، اگر میری دین سے ناواقفیت کا یہی حال ہے، جیسا کہ یہ لوگ بتاتے ہیں تو حسر الدنیا والاخرۃ (دنیا و آخرت دونوں خسارہ میں ہوئے) دنیا اس عسرت و تنگی میں گئی اور دین کی یہ حالت کہ نماز سے بھی واقفیت نہ ہوئی۔

پہلا شخص جس نے اللہ کے راستے میں کافر کا خون بہایا :

انی لاول رجل ...... حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جو ایران کے فاتح اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں وہ پہلا شخص ہوں کہ جس نے اللہ کے راستے میں کافر کا خون بہایا ہے۔

شیخ ابن حجرؒ ابن اسحاق سے روایت کرتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں صحابہ کرامؓ انتہائی راز داری سے عبادت کیا کرتے تھے۔ پہاڑوں اور دروں میں جا کر یادِ الٰہی کرتے تھے۔ ایک دفعہ اتفاقاً مکہ مکرمہ کے

پہاڑوں میں صحابہؓ مشغولِ عبادت تھے وھم یصلون (مواہب ص۲۷۶) (نماز پڑھ رہے تھے) کہ مشرکین کا ایک گروہ اچانک نمودار ہوا اور برا بھلا کہہ کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوا۔ سعد بن ابی وقاصؓ کے قریب ہی اونٹ کا ایک جبڑا پڑا ہوا تھا انہوں نے اٹھا کر مشرکین پر ہلہ بول دیا۔ سات مشرکین کے سر اس جبڑے سے پھٹ گئے اور ان کے سروں سے خون بہنا شروع ہو گیا۔ أھراق و فی نسخة ھراق بلاھمز وھما لغتان یقال اھراق و ھراق ای أراق وصب۔ (مواہب ص۲۷۶) (اھراق اور ایک نسخہ میں بغیر ہمزہ ھراق اور یہ دو لغتیں ہیں یعنی اھراق اور ھراق لیکن بمعنیٰ اراق کے ہے یعنی خون بہایا) سعد بن ابی وقاصؓ کا یہ فرمانا اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

اللہ کی راہ میں پہلا تیر چلانے والا :

رمی بسھم ...... یعنی سب سے پہلا شخص میں ہی ہوں، جس نے اللہ کی راہ میں پہلا تیر چلایا ہے ۔ ۱ھ میں ابوسفیان کی زیر سرکردگی مشرکین کا لشکر آیا جو کہ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا اسلام کا سب سے پہلا لشکر عبیدہ بن حارث کی زیر امارت حضور اقدس ﷺ نے بھیجا تا کہ اس کا حملہ روکا جائے۔ چنانچہ رابغ کے مقام پر مشرکین سے مسلمانوں کا آمنا سامنا ہوا۔ اس جہاد میں مسلمانوں کا جھنڈا سفید تھا۔ اسی جہاد میں حضرت سعد بن وقاصؓ مسلمانوں کی طرف سے سب سے پہلے تیر چلانے والے تھے۔ فکان اول من رمی بسھم وھو اول سھم رمی بہ فی الاسلام ۔ (مواہب ص۲۷۷) (تو سعد بن وقاصؓ پہلے وہ شخص ہوئے جس نے تیر چلایا اور یہ پہلا تیر تھا جو دین اسلام میں چلا گیا) آپؓ نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

صحابہ کرامؓ کی غربت وفقر کا ایک منظر :

لقد رأیتنی ...... میں حضور اقدس ﷺ کے صحابہ کرامؓ کے ایک ایسے گروہ کے ساتھ مل کر جہاد کرتا تھا، جن کا گذر اوقات صرف درخت کے پتے اور ببول کے کانٹے ہوتے تھے۔ جن سے ہمارے جبڑے پھٹ جاتے اور ہم میں سے ہر ایک بکریوں اور اونٹوں کی طرح پاخانہ کرتا' یعنی ان فضلتھم تشبہ فضلة الشاة والبعیر فی الیبس لعدم الغذاء المالوف للمعدة ۔ (مواہب ص۲۷۷)

(صحابہ کرامؓ کا پاخانہ بوجہ یبوست اور خشکی کے بکریوں اور اونٹوں کی مینگنیوں کے مشابہ ہوتا کیونکہ انہیں معدہ کے موافق غذا میسر نہ ہوتی تھی)

سرية الخبط :

ہجرت کے پانچویں یا آٹھویں سال کا واقعہ ہے کہ حضرت ابوعبیدہؓ کے ساتھ تین سو انصار و مہاجرین کا لشکر تھا۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو اللہ کے نبی نے قیادت عطا فرمائی تھی۔ مدینہ منورہ سے پانچ روز کی مسافت پر سمندر کے کنارے قبیلہ جہینہ کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا۔ اسی سریہ میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی تھے۔ یہ بہت ہی سخت تھا اور صحابہ کرامؓ نے انتہائی مشقتوں، مصیبتوں، صعوبتوں اور تکالیف کو برداشت کیا۔ یہاں تک کہ جنگلی درختوں کے پتے اور کانٹے جھاڑ کر کھانے کی نوبت آئی۔ اس لشکر میں اوائل میں کھانے کے لئے روزانہ تین اونٹ ذبح ہوتے تھے، جب اونٹوں کی قلت کا اندیشہ ہوا تو امیرِ لشکر نے ان کے مزید ذبح کرنے کی ممانعت کردی تو روزانہ کچھ مقدار میں کھجوریں تقسیم ہوتی تھیں، پھر ان میں قلت اور شدید قلت آئی اور حالت یہاں تک پہنچی کہ یومیہ ایک کھجور ملنے لگی کہ صحابہ کرامؓ اسے چوستے رہتے اور پانی پیتے رہے، جب وہ بھی ختم ہوگئیں، تو **مانا کل الا ورق الشجر والحبلة** . تو درختوں کے پتے جھاڑ کر کھانے کی نوبت آئی۔ حبلة سمر کا پھل جو لوبیا کے مشابہ ہوتا ہے، بعض نے کہا جنگلی کانٹے دار درخت، **وهو كل شجر عظيم له شوک كالطلح والعوسج**۔ (مواہب ص ۲۷۷) (ہر بڑا کانٹے دار درخت جیسے ببول وغیرہ)

خبط کے معنیٰ پتے جھاڑنا، صحابہ کرامؓ کے پتے جھاڑنے اور کھانے کی وجہ سے اس کا نام بھی **سرية الخبط** مشہور ہوگیا، پھر پتے اور کانٹے کھانا بھی کتنا سخت تھا کہ منہ میں چھالے پڑ گئے۔ حتیٰ کہ **تقرحت اشداقنا** ' **تقرحت** ' **القرح** سے ہے بمعنیٰ زخمی ہونے اور پھٹنے کے، القرح زخم، پھٹن، پھوڑوں اور چھالوں کو کہتے ہیں، اشداق کا معنیٰ جبڑے ' **اى صارت ذات قروح من ذلک الورق والثمر والأشداق جمع شدق وهو طرف الفم**۔ (مواہب ص ۲۷۷) (یعنی پتوں اور کیکر کی پھلیوں کے کھانے کی وجہ سے ہمارے جبڑے اور باچھوں میں چھالے پڑ کر زخمی ہوئے)

قصہ سعدؓ کا پس منظر :

اس حدیث کا ترجمۃ الباب حدیث کا یہ آخری حصہ ہے، جس میں صحابہ کرامؓ کی تنگی وعسرت اور غربت وفقر کی کیفیت بتائی گئی ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے اس تفصیلی ارشاد کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت سعدؓ نے اس حدیث میں اپنے کارنامے اور اپنی مساعی جمیلہ اور قدیم الاسلام ہونا بیان کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کوفہ کے امیر تھے۔ کوفہ کے کچھ لوگوں نے حضرت عمرؓ سے ان کی بہت سی شکایات کیں۔ حتیٰ کہ یہ بھی شکایت کی یہ نماز بھی اچھی طرح نہیں پڑھتے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو بلوایا اور بلا کر ارشاد فرمایا کہ لوگ تمہاری بہت سی شکایات کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ نماز تک کی بھی شکایت کرتے ہیں۔ اس پر انہوں نے اپنی صفائی میں اپنا قدیم الاسلام ہونا، اسلام کے بارے میں مشقتوں کا برداشت کرنا وغیرہ بیان کر کے عرض کیا کہ اس پر یہ لوگ مجھے نماز پر دھمکیاں دیتے ہیں۔ میں نے جس طرح حضور اکرم ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا، اُس سے ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ان کے ساتھ کوفہ میں دو آدمی بھیجے کہ وہاں گشت کر کے ان سے متعلق شکایات کی تحقیق کر کے آئیں۔ انہوں نے کوئی مسجد ایسی نہیں چھوڑی، جس میں جا کر نمازیوں سے حالات کی تحقیق نہ کی ہو۔ سب نے ان کی تعریف کی۔ البتہ ایک شخص نے یہ کہا کہ جب قسم دے کر پوچھتے ہو تو سچ سچ بتاؤں کہ سعد جہاد کے لئے نہیں نکلتے، گویا اپنی جان پیاری ہے۔ دوسرے یہ کہ تقسیم میں مساوات اور برابری نہیں کرتے اور فیصلہ میں انصاف نہیں کرتے۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ تین شکایات کی ہیں، اس لئے تین بددعائیں کرتا ہوں۔ ہر ایک کے مناسب۔ اے اللہ ! اگر یہ شخص جھوٹا ہے، محض شہرت اور دنیا کو دکھلانے کی غرض سے کھڑا ہوا ہے کہ بڑے آدمی پر تنقید کرنے سے شہرت ہوا کرتی ہے تو اس کی عمر بڑھا دے اور فقر میں اضافہ کر اور فتنوں میں مبتلا فرما۔ اس کے بعد دیکھنے والا اپنا مشاہدہ بیان کرتا ہے کہ میں نے اُس شخص کو دیکھا کہ بڑھاپے کی وجہ سے پلکیں آنکھوں پر گر گئی تھیں اور فقر ہو گیا تھا۔ گلی کوچوں میں لڑکیوں کو چھیڑتا تھا اور کوئی پوچھتا کہ یہ کیا حال ہو گیا تو کہتا کہ سعدؓ کی بددعا لگ گئی۔ اللّٰھم انا نعوذبک من غضبک و غضب رسولک و غضب اولیائک (اے اللہ! ہم تیرے غیظ وغضب اور تیرے رسول

کے غصہ سے اور تیرے برگزیدہ شخصیات کے غصہ اور بد دعاؤں سے تیری پناہ میں آتے ہیں) حضرت سعدؓ نے اس حدیث میں تین قصوں کی طرف اشارہ فرمایا، جن کو اس سے قبل تفصیل سے نقل کر دیا گیا ہے

حضرت سعدؓ کا استدلال:

و اصبحت بنو اسد...... ان کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ بنو اسد کی شکایات بے جا ہیں۔ آخر جس نے اسلام میں سب سے پہلے کافر کا خون بہایا ہو، جو سب سے پہلا تیر چلانے والا ہو، جس نے فقر وفاقہ اور غربت وافلاس میں اسلام، استقامت اور جہاد وعزیمت پر عمل کیا ہو، پھر وہ دین کے معاملہ میں سستی اور نماز میں کسل کرتا ہو، بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ لقد خبت اذاً وضل عملی۔ پھر تو میں سخت نقصان میں رہا اور میرے سارے عمل اکارت چلے گئے۔

(۳۵۹/۶) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عِيسٰى حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عِيسٰى اَبُوْنَعَامَةَ الْعَدَوِيُّ قَالَ سَمِعْتُ خَالِدَ بْنَ عُمَيْرٍ وَ شُوَيْسًا اَبَا الرُّقَادِ قَالَا بَعَثَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عُتْبَةَ بْنَ غَزْوَانَ وَ قَالَ انْطَلِقْ اَنْتَ وَ مَنْ مَّعَكَ حَتّٰى اِذَا كُنْتُمْ فِىْ اَقْصٰى اَرْضِ الْعَرَبِ وَ اَدْنٰى بِلَادِ اَرْضِ الْعَجَمِ فَاَقْبَلُوْا حَتّٰى اِذَا كَانُوْا بِالْمِرْبَدِ وَجَدُوْا هٰذَا الْكَذَّانَ فَقَالُوْا مَاهٰذِهٖ قَالَ هٰذِهِ الْبَصْرَةُ فَسَارُوْا حَتّٰى بَلَغُوْا حِيَالَ الْجِسْرِ الصَّغِيْرِ فَقَالُوْا هٰهُنَا اُمِرْتُمْ فَنَزَلُوْا فَذَكَرُوا الْحَدِيْثَ بِطُوْلِهٖ قَالَ فَقَالَ عُتْبَةُ بْنُ غَزْوَانَ لَقَدْ رَاَيْتُنِىْ وَ اِنِّىْ لَسَابِعُ سَبْعَةٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مَالَنَا طَعَامٌ اِلَّا وَرَقُ الشَّجَرِ حَتّٰى تَقَرَّحَتْ اَشْدَاقُنَا فَالْتَقَطْتُ بُرْدَةً فَقَسَمْتُهَا بَيْنِىْ وَ بَيْنَ سَعْدٍ فَمَا مِنَّا مِنْ اُولٰٓئِكَ السَّبْعَةِ اَحَدٌ اِلَّا وَهُوَ اَمِيْرُ مِصْرٍ مِّنَ الْاَمْصَارِ وَ سَتُجَرِّبُوْنَ الْاُمَرَآءَ بَعْدَنَا.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو صفوان بن عیسٰی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عمرو بن عیسٰی ابونعامہ عدوی نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے خالد بن عمیر اور شویس ابا الرقاد کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ خالد بن عمیر اور شویس ابا الرقاد فرماتے ہیں کہ حضرت امیر المؤمنین عمر فاروقؓ نے عتبہ بن غزوان کو مقرر فرما کر حکم دیا کہ تم اور تمہارے ساتھی جاؤ

یہاں تک کہ منتہائے سرزمین عرب پر پہنچو، جس جگہ سے سرزمینِ عجم بہت ہی نزدیک رہ جاتی ہے۔ پس وہ لشکر روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ مربد پہنچا۔ انہوں نے وہاں سفید پتھر دیکھے، لوگوں سے پوچھا یہ کیا ہے پھر چل پڑے یہاں تک کہ چھوٹے پل کے قریب پہنچ گئے، تو انہوں نے آپس میں کہا کہ یہ جگہ وہی ہے ، جس جگہ ہمیں اترنے کا حکم دیا گیا تھا تو وہاں انہوں نے پڑاوڈال دیا۔ پھر تمام واقعہ راویوں نے مفصل بیان کیا۔ راوی کہتے ہیں کہ عتبہ بن غزوان نے کہا، البتہ تحقیق مجھ پر ایک ایسا دور گذرا ہے کہ میں حضور سرورِ عالم ﷺ پر ایمان لانے والوں میں سے ساتواں فرد تھا۔ ہمارے پاس کچھ بھی کھانے کا نہیں ہوتا تھا، مگر درختوں کے پتے۔ ان کے کھانے سے ہمارے جبڑے زخمی ہو گئے تھے۔ نیز مجھے ایک دفعہ ایک چادر ملی جو کہ نصف میں نے اور نصف سعد نے لے لی۔

پس (آج یہ عالم ہے) ہم ان سات صحابہؓ میں سے ہر ایک صحابی کسی نہ کسی شہر کا حاکم ہے اور عنقریب تم ہمارے بعد کے حکام کو آزما کر دیکھو گے۔

راویان حدیث (۶۲۹) خالد بن عمیرؒ اور (۶۳۰) شویس ابوالرقادؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عمر فاروقؓ کی پیشگی ناکہ بندی :

بعث عمر بن الخطاب ...... حضرت عمر فاروقؓ نے عتبہ بن غزوان کو مقرر فرما کر حکم دیا کہ تم اور تمہارے ساتھی جاؤ۔ جب منتہائے سرزمین عرب پر پہنچو، جس جگہ سرزمین عجم بہت ہی نزدیک رہ جاتی ہے۔ عتبہ بن غزوان کی قیادت میں جانے والے لشکر کی تعداد تین سو تھی۔ ان کو بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ کو یہ علم ہو گیا تھا، اہل عجم نے عربوں پر یلغار کا فیصلہ کیا ہے اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ یزدجرد نے عجمیوں سے امداد طلب کی ہے، جس کا راستہ یہی یعنی بصرہ ہے، جس راستے پر لشکر اِسلام بھیجا جا رہا ہے۔ حضرت عمرؓ کا لشکر بھیجنا، کفار کی پیشگی ناکہ بندی غرض تھی۔ **فاراده عمر ان يرابطوا بذلك الثغر ليضبطوا تلك الجهة من العدو** (مناوی ج ۲۴۴) (اس لشکر بھیجنے سے حضرت عمرؓ کا یہ مقصد تھا کہ وہ دشمن کی اس سرحد پر اس لئے پڑاوڈالیں تاکہ اس طرف کے دشمن سے مکمل

حفاظت ہو سکے)

المربد :

حتی اذا کانوا بالمربد ...... لشکر چلا اور مربد (بصرہ) پہنچا۔ مربد اس مقام کو کہتے ہیں۔ جہاں رات کو اونٹ اور بکریاں رہتی ہیں، جسے تھان اور باڑہ بھی کہا جا سکتا ہے من ربد بالمکان اذا اقام فیه (جمع ج۲ص۲۴۲) (مربد ماخوذ ہے ربد بالمکان سے۔ جس وقت اس میں ٹھہرا جائے (چونکہ وہ اونٹوں کے باندھنے کی جگہ ہوتی ہے اس لئے مربد الابل کہلاتی ہے)

نیز مربد اس جگہ کو بھی کہتے ہیں، جہاں تازہ میوہ خشک کیا جاتا ہے۔ کھجوروں کے خشک کرنے کی جگہ بھی مربد کہلاتی ہے۔ مجلس کو بھی مربد کہتے ہیں۔ موضع بالبصرة و اصله موضع حبس الابل او تجفیف الرطب (مناوی ج۲ص۲۴۴) (مربد بصرہ کے ایک موضع کا نام ہے اور دراصل اونٹوں کے باڑ کو یا کھجور خشک کرنے کے میدان کو کہتے ہیں)

بصرہ :

تو انہوں نے وہاں پہنچ کر سفید پتھر دیکھے الکذّان سنگ ہائے نرم و سفید کو کہتے ہیں۔ حجارة رخوة کانها مائلة الی البیاض ' تو انہوں نے مقامی لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ سفید سفید کلوخ نما چیزیں کیا ہیں تو جواب ملا کہ هذه البصرة یہ سفید رنگ کے پتھر ہیں، ای هذه الحجارة تسمی بالبصرة لأن البصرة اسم للحجارة الرخوة المائلة للبیاض (مواہب ص۲۷۸) اس وقت تک بصرہ نہیں بنا تھا حضرت عتبہؓ نے اس کی بنیاد اور تعمیر و ترقی کا کام کیا۔ شہر بسایا۔ یہ حضرت عمرؓ کی ہدایات پر ان ہی کے دور مسعود میں ہجرت کے سترھویں سال بسایا گیا۔ سکنها الناس سنة ثمان عشرة ولم یعبد بأرضها صنم ولذالک یقال لها قبة الاسلام و خزانة العرب (مواہب ص۲۷۸) (۸ھ میں لوگوں نے بصرہ میں سکونت شروع کر دی اور اس میں کسی قسم کی کوئی بت پرستی نہیں ہوئی اس لئے اس کو اسلام کا گنبد اور عرب کا محافظ خانہ کہا جاتا ہے)

مقام بصرہ میں کاروان کا پڑاؤ :

فساروا ...... کاروان چلتا رہا۔ یہاں تک کہ یہ قافلہ **حبال الجسرا لصغیر** یعنی نہر دجلہ کے چھوٹے پل تک پہنچ گیا۔ **و کان ذلک الجسر علی الدجلة فی عرضها یسیر علیه المشاة والرکبان واحترز بالصغیر عن الجسر الکبیر و هو عند بغداد و بینهما عشرة ایام** (مواہب ص ۲۷۸) (یہ دجلہ کی چوڑائی پر ایک چھوٹا پل جس پر پیدل اور سوار لوگ چلا کرتے تھے اور صغیر کی قید لگانے سے بڑے پل سے احتراز کرنا مقصود تھا اور وہ بغداد کے قریب واقع ہے اور ان دونوں کا درمیانی فاصلہ دس (۱۰) کی منزل ہے)

فقالوا ...... تو یہ امارات وعلامات دیکھ کر بعض ذی فہم ساتھی دوسروں سے کہنے لگے کہ یہی وہی جگہ ہے۔ جہاں پر امیر المؤمنین نے تمہیں پڑاؤ کا حکم دیا ہے۔ **لأجل حفظ البلاد العرب من العجم** (مواہب ص ۲۷۸) (عرب کے شہروں کو عجمیوں سے بچانے کے لئے) **فنزلوا**.. پس انہوں نے یہاں پڑاؤ ڈال دیا۔

فذکروا کی ضمیر کا مرجع :

فذکروا الحدیث بطوله ...... بعض روایات میں **فذکرا** آیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ضمیر تثنیہ کا مرجع خالد اور شویس ہیں اور یہ جو جمع کا صیغہ مذکور ہے، یہ بھی باعتبار مافوق الواحد کے، بعض میں واحد کا صیغہ نقل ہوا ہے، تو پھر مرجع محمد بن بشار یا ابونعامہ قرار پاتے ہیں، **وهو الاقرب** (جمع ج ۲ ص ۲۴۴) (اور یہی زیادہ ٹھیک معلوم ہوتا ہے)

تعمیر بصرہ کی تکوینی منصوبہ بندی :

یعنی اس کے بعد روایت میں رواۃ نے تمام واقعہ مفصل بیان کیا کہ جب کاروان نے پڑاؤ ڈالا تو حضرت عتبہؓ نے اہل خراسان کو پیغام بھیجا تو ادھر سے ایک بڑا لشکر مقابلہ کے لئے آیا۔ حضرت عتبہ کا انہوں نے استخفاف کیا، غرور و گھمنڈ میں مقابلے پر اتر آئے۔ باہمی قتال ہوا۔ حضرت عتبہ کی اللہ نے

مدد فرمائی۔ غالب اور فاتح قرار پائے، پھر چونکہ وہاں اقامت کی ضرورت تھی۔ اور اقامت کے لئے مکانات اور ضروریات کی تکمیل ناگزیر تھی۔ تا کہ اقامت میں سہولت ہو اور سرحدات کی حفاظت کی جا سکے، مگر یہاں پر یہ حدیث نامکمل چھوڑ دی گئی، کیونکہ اس باب میں موضع استشہاد صرف اسی قدر ہے، جس کو راوی نے آئندہ جملے میں نقل کر دیا ہے۔ جو حضرت عتبہ کا کلام ہے۔ **مما یدل علی ضیق عیش رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم و اصحابہ**۔ (مناوی ج۲ص۲۴۶) (جو حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی معاشی اور تنگ دستی پر دلالت کر رہا ہے)

ایک چادر کے بھی دو ٹکڑے کر لئے :

قال عتبة ...... حضرت عتبہ بن غزوان کہتے ہیں کہ میں ان سات افراد میں ایک ہوں، جنہیں حضور اقدس ﷺ کی رفاقت و خدمت سفر کے مواقع میسر آئے۔ **ای لسابع سبعة فی الاسلام لانہ اسلم بعد ستة** (جمع ج۲ص۲۴۵) (میں اسلامی دور کا ساتواں مسلمان ہوں کیونکہ اس نے چھ افراد کے بعد اسلام لایا تھا) یہ فقر و مسکنت اور غربت و افلاس کا دور تھا۔ ہمارے کھانے کو کچھ بھی میسر نہ ہوتا تھا۔ ہم درختوں کے پتوں پر گذر اوقات کر لیا کرتے تھے۔ **تقرحت أشداقنا**.... تو ہمارے باچھیں چھل گئیں، منہ پر چھالیں نکل آئے۔ یہی حال کپڑوں کا ہوتا تھا، نئے کپڑے کہاں میسر تھا (یا تھے) عمدہ لباس تو کجا' لباس تک بمشکل مہیا ہوتا تھا۔ **فالتقطت بردة** مجھے کہیں سے گری پڑی پرانی چادر ملی، وہی میرے لئے عظیم غنیمت اور گویا بیش بہا تحفہ تھا۔ صرف میرا نہیں میرے رفقاء کا بھی یہی حال تھا ۔لہٰذا میں نے اس چادر کے دو ٹکڑے کئے آدھا حصہ اپنے استعمال میں رکھا اور آدھی چادر سعدؓ کی خدمت میں پیش کی کہ انہیں اس کی ضرورت تھی۔

ایک بے مثال دورِ حکومت :

فما منا...... حضرت عتبہؓ نے حضور اقدس ﷺ کے دور اور دورِ فاروقی کا موازنہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم پر عسرت و فقر اور تنگی کا ایسا دور گذرا ہے۔ اب اسلام غالب ہو گیا، وسائل مل گئے، دولت کی فراوانی ہے، وہ سات فقراء اب امراء بن گئے، ان میں ہر ایک کسی نہ کسی علاقے کا گورنر

ہے۔ چونکہ ہم نے فقیری اور غربت کے ایام دیکھے ہیں۔ اس لئے عوام اور فقراء کا خیال بھی ہے اور ان کی ضروریات کا احساس بھی، مگر ہمارے بعد ایسے حکمران اور امراء آئیں گے، جن کی آنکھیں ناز و نعمت میں کھلی ہوں گی، فقر و فاقہ سے ان کا واسطہ نہیں آیا ہوگا، تو انہیں موجودہ یُسر، کشادگی، اور فراوانی کی قدر اور اس پر شکر نہ ہوگا۔ جب وہ تمہارے ساتھ بے پروائی بے رخی اور بے مروتی کا سلوک کریں گے، تو ہمیں یاد کرو گے۔ اپنے سامعین کو ادھر بھی توجہ دلانی غرض ہے کہ دین کے بارے میں جو مشقت اٹھائی جاتی ہے اس کا ثمرہ اکثر دنیا میں مل جاتا ہے۔ اس لئے آج دین کے لئے جو مشقت اٹھاؤ گے، دنیا میں اس کا ثمرہ پاؤ گے۔ دوسری بات یہ بھی کہ اس وقت کے امراء سے اگر کوئی ناگواری کی بات تم کو پیش آئے، اس کو برداشت کرلو یہ غنیمت ہے، ان حالات کے اعتبار سے جو عنقریب آنے والے ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ ان کے اس ارشاد میں اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ صحابہ کرامؓ کے بعد عدالت، امانت، اور اعراض دنیا میں ان کے مثل حکام پیدا نہ ہوں گے اور یہ بات تجربہ اور تاریخ نے ثابت کردی۔ کہ ایسا ہی ہوا، و کان الامر کذالک فھو من الکرامات الظاھرۃ ۔(مواہب ص۲۷۹) (اور بات وہی ہوئی (اور ہوتی رہے گی) جو حضرت عتبہؓ نے فرمائی۔ تو گویا یہ اس کی کرامات ظاہرہ میں ایک کرامت ہوئی)

(۷/۳۶۰) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ اَسْلَمَ اَبُوْحَاتِمِ الْبَصْرِیُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ اُخِفْتُ فِي اللّٰهِ وَ مَا يُخَافُ اَحَدٌ وَ لَقَدْ اُوْذِيْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُؤْذَى اَحَدٌ وَلَقَدْ اَتَتْ عَلَيَّ ثَلَاثُوْنَ مِنْ بَيْنِ لَيْلَةٍ وَ يَوْمٍ وَ مَالِيَ وَلِبَلَالٍ طَعَامٌ يَاكُلُهٗ ذُوْكَبِدٍ اِلَّاشَيْءٌ يُوَارِيْهِ اِبْطُ بَلَالٍ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے روح بن اسلم ابوحاتم بصری نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں ہمیں اسے حماد بن سلمۃ نے بیان کیا اور انہوں نے یہ روایت حضرت ثابت سے اور اُنہوں نے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اللہ کے راستہ میں

اُس وقت خوف دلایا گیا ہوں' جس وقت کوئی بھی نہیں ڈرایا گیا اور اس قدر ستایا گیا ہوں کہ کوئی شخص بھی نہیں ستایا گیا۔ مجھے تیس (۳۰) شب وروز ایسے گزرے ہیں کہ میرے اور بلال کے کھانے کے لئے کوئی چیز ایسی نہ تھی، جس کو کوئی جاندار کھا سکے، بجز اُس تھوڑی سی مقدار کے جو بلال کی بغل میں چھپی ہوئی تھی

راوی حدیث (۶۳۱) روح بن مسلمؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

آغازِ اسلام میں کفار کی مزاحمت بہت شدید تھی :

لقد اخفت ...... مضمونِ حدیث تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے۔ اس روایت میں ابتداء کار' آغازِ اسلام اور مکی زندگی میں عسرت وافلاس اور کفار کی شدید مزاحمت وایذاء رسانی کا تذکرہ ہے۔ جب آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے رفقاءِ کار پر جینا دوبھر کردیا تھا۔ کفار ومشرکین حرم کا احترام کرتے تھے۔ اس میں قاتل تک کا احترام کیا جاتا تھا۔ رجب' ذی قعدہ' ذی الحجہ اور محرم کفار کے لئے قابل احترام مہینے تھے۔ اس میں وہ اپنے باپ کے قاتلوں سے بھی نہیں چھیڑتے تھے، مگر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کو نہ تو حرم میں امن حاصل تھا اور نہ ان ایام احترام میں حفاظت حاصل تھی۔ کفار خود اپنے عقائد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے آپ ﷺ کو ایذاء پہنچاتے تھے۔

خوراک کی معمولی مقدار پر دو ہفتے گذارہ کرتے رہے :

شیخ الحدیث حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں :

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا وَ لَقَدْ اَتَتْ عَلَیَّ ثَلَاثُوْنَ مِنْ بَیْنَ لَیْلَۃٍ وَ یَوْمٍ مجھ پر تیس دن رات ایسے گزرے ہیں کہ میرے اور بلالؓ کے کھانے کے لئے کوئی چیز نہ تھی، سوائے تھوڑی سی مقدار کے جو حضرت بلالؓ نے اپنی بغل میں چھپا رکھی تھی۔ تیس دن رات کا مطلب یہ ہے کہ کل پندرہ شب و روز تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے ہم سفر حضرت بلالؓ کے پاس کھانے کی معمولی سی مقدار تھی، جو اُن کو کسی طرح بھی کفایت نہیں کرسکتی تھی، مگر انہوں نے دو ہفتے کا یہ عرصہ نہایت بھوک و پیاس کے ساتھ بسر لیا۔

محدثینؒ اس مقام کے متعلق بحث کرتے ہیں، جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت بلالؓ

کو بھوک پیاس کی یہ تکلیف برداشت کرنا پڑی۔ ظاہر ہے یہ کسی سفر کے دوران کا واقعہ ہے، جس سفر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ حضرت بلالؓ کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ آپ شہر مکہ کے علاوہ تبلیغ دین کے لئے دوسرے شہروں اور میلے منڈیوں میں بھی چلے جاتے تھے، جہاں آپ ﷺ کے ہمراہ ایک آدھ ساتھی بھی ہوتا تھا۔ آپ نے اسی سلسلہ میں طائف کا سفر بھی اختیار کیا، جہاں آپ ﷺ کو بہت ایذا پہنچائی گئی، حتی کہ آپ ﷺ کا جسم لہولہان ہو گیا، مگر اُس سفر میں آپ کے ساتھ بلالؓ نہیں، بلکہ زیدؓ تھے۔ یہ واقعہ ہجرت کے سفر کا بھی نہیں ہو سکتا، کیونکہ اُس سفر میں آپ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ اور عامر بن فہیرہؓ تھے۔

لہٰذا یہ کسی دوسرے سفر کا واقعہ ہے، جس میں آپؐ کے ساتھ حضرت بلالؓ تھے، جنہوں نے خوراک کے لئے تھوڑا سا راشن لے لیا۔ کھجوریں وغیرہ ہوں گی، جو صرف اتنی مقدار میں تھیں کہ کسی تھیلے وغیرہ میں ڈال کر بغل میں رکھ لیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ خوراک کی اس معمولی مقدار پر ہمیں پندرہ دن کا عرصہ گزارنا پڑا، جو کہ نہایت ہی تکلیف دہ عرصہ تھا۔ اس روایت سے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گزران کا حال معلوم ہوتا ہے۔

(۳۶۱/۸) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنْبَأَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا اَبَانُ بْنُ يَزِيْدَ الْعَطَّارُ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَجْتَمِعْ عِنْدَهٗ غَدَآءٌ وَلَا عِشَاءٌ مِّنْ خُبْزٍ وَّ لَحْمٍ اِلَّا عَلٰى ضَفَفٍ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ قَالَ بَعْضُهُمْ هُوَ كَثْرَةُ الْاَيْدِىْ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عفان بن مسلم نے اس کی خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابان بن یزید عطار نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں قتادۃ نے حضرت انس بن مالکؓ کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کبھی حضور اقدس ﷺ کے دستر خوان پر صبح کے کھانے میں یا شام کے کھانے میں روٹی او رگوشت دونوں چیزیں جمع نہیں ہوتی تھیں، مگر حالتِ ضفف میں۔

ضفف کا معنیٰ :

اسی مضمون کی روایت باب نو (۹) کی حدیث نمبر دو پر بھی گذر چکی ہے۔ ضفف کا معنیٰ ہاتھوں کی کثرت، ای أیدی الاضیاف۔(مواہب ص ۲۸۰) ضفف کے دوسرے معانی بھی نقل کیے گئے ہیں۔ مثلاً کثرۃ عیال، ضیق الحال، شدۃ الفقر، یا لوگوں کا اکٹھا کھانا چاہے میزبان کے طور پر ہو یا مہمان کے طور پر، مگر یہاں کثرتِ ایدی کا معنیٰ راجح ہے۔ ھذا ھو المراد ھنا۔(مواہب ص ۲۸۰)

صبح اور شام کا کھانے میں معمول :

اولاً تو صبح اور شام کے کھانے میں گوشت اور روٹی یکجا جمع نہیں ہوتے تھے اور اگر کبھی دستر خوان پر دونوں جمع ہو جاتے، تو پھر کھانے والے بہت ہوتے تھے۔ جن لوگوں نے کثرۃ عیال کا معنیٰ کیا ہے، تو وہ یہی توجیہ کرتے ہیں یا معنیٰ یہ ہے کہ جب مہمان ہوتے تھے، آپ ﷺ اکرام ضیف میں دونوں کو ایک دستر خوان پر جمع کرنے کا اہتمام فرماتے تھے۔ بات واضح ہے، جب تنہا ہوتے، جو میسر آتا وہی تناول فرماتے، خواہ روٹی ہو یا تنہا گوشت ہو، البتہ مہمان ہوتے تو دونوں کے اجتماع کا اہتمام کیا جاتا تھا۔

(۳۶۲/۹) حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ بْنِ اَبِي فُدَيْكٍ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِي ذِئْبٍ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ جُنْدُبٍ عَنْ نَوْفَلِ بْنِ إِيَاسٍ الْهُذَلِيِّ قَالَ كَانَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ لَنَا جَلِيْسًا وَ كَانَ نِعْمَ الْجَلِيْسُ اِنَّهُ انْقَلَبَ بِنَا ذَاتَ يَوْمٍ حَتّٰى اِذَا دَخَلْنَا بَيْتَهُ وَ دَخَلَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ خَرَجَ وَ اُوْتِيْنَا بِصَحْفَةٍ فِيْهَا خُبْزٌ وَّ لَحْمٌ فَلَمَّا وُضِعَتْ بَكٰى عَبْدُ الرَّحْمٰنِ فَقُلْتُ لَهُ يَا اَبَا مُحَمَّدٍ مَا يُبْكِيْكَ قَالَ هَلَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَشْبَعْ هُوَ وَ اَهْلُ بَيْتِهٖ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ فَلَا اُرَانَا اُخِّرْنَا لِمَا هُوَ خَيْرٌ لَّنَا .

ترجمہ۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عبدالرحمٰن بن حمید نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے محمد بن اسمٰعیل بن ابی فدیک نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابن ابی ذئب نے مسلم بن جندب کے حوالے سے یہ روایت بیان کی اور انہوں نے اسے نوفل بن ایاس ہذلیؒ سے نقل کیا۔ نوفل بن ایاس

کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جو عشرۂ مبشرہ میں سے ایک صحابی ہیں۔ ہمارے ہمنشین تھے اور حقیقت میں بہترین ہمنشین تھے۔ ایک مرتبہ ہم ان کے ساتھ کسی جگہ سے لوٹے، واپسی میں ان کے ساتھ ہی ان کے مکان پر چلے گئے۔ انہوں نے گھر جا کر اوّل غسل کیا، جب وہ غسل سے فارغ ہو چکے ،تو ایک بڑے برتن میں روٹی اور گوشت لایا گیا۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو دیکھ کر رونے لگے۔ میں نے پوچھا کیا بات ہوئی کیوں روئے؟ کہنے لگے کہ حضور اقدس ﷺ کو وصال تک کبھی بھی اس کی نوبت نہیں آئی کہ آپ ﷺ نے یا آپ ﷺ کے گھر والوں نے جَو کی روٹی ہی سے شکم سیری فرمائی ہو۔ اب حضور اکرم ﷺ کے بعد جہاں تک میرا خیال ہے، ہم لوگوں کی یہ ثروت کی حالت کسی بہتری کے لئے نہیں ہے۔

راوی حدیث (۶۳۲) مسلم بن جندبؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

عبدالرحمٰن بن عوفؓ ! آپ کی کنیت ابو محمد ہے۔ زہری قرشی ہیں، عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں۔ قدیم الاسلام ہیں۔ تیرہویں نمبر پر اسلام قبول کیا۔ حبشہ اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے۔ مدینہ منورہ میں گھی اور پنیر کی تجارت کرتے تھے۔ اللہ نے برکت دی۔ صاحبِ جود وسخا تھے۔

آپ ﷺ نے دومۃ الجندل کی طرف روانہ کردہ دستے کا ان کو امیر بنایا تھا اور اپنے مبارک ہاتھوں سے انہیں پگڑی بندھوائی تھی۔ غزوہ تبوک سے واپسی پر آپ ﷺ نے ان کی اقتداء میں نماز فجر بھی پڑھی تھی۔ احد کی جنگ میں پامردی اور استقلال کا ثبوت دیا۔ اس جنگ میں آپ کی ٹانگ بھی شہید ہوئی تھی اور بیس زخم بھی آئے تھے۔ عام الفیل سے دس سال بعد پیدا ہوئے۔ اور ۳۲ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔ نماز جنازہ حضرت عثمانؓ نے پڑھائی۔ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ آپ کی عمر ۷۲ برس تھی۔

مدنی زندگی کے آخری لمحات کا منظر :

فلا ارانا ...... حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور جمیع صحابہؓ کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ

خدانخواستہ کہیں اس وعید میں داخل نہ ہو جائیں کہ تم کو تمہاری خوبیوں کا بدلہ تو دنیا میں دیا جا چکا ہے۔ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا۔ (الاحقاف:۲۰) (تم نے اپنی نیکیاں دنیا کی زندگی میں ہی برباد کر دیں) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اس لئے رو رہے تھے کہ خدا نہ کرے کہ کہیں ہماری موجودہ آسودہ حالی آخرت میں ہمارے اجر و ثواب میں کمی کا باعث بن جائے۔

مستشرقین کہتے ہیں کہ جب مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست قائم ہوئی تو آپ ﷺ العیاذ باللہ بادشاہوں والی زندگی گذارنے لگے۔ حدیث باب سے ثابت ہوا کہ یہ خالص جھوٹ و الزام ہے۔ مدنی زندگی کے آخری لمحات کا یہ منظر ہے۔ اللہ کریم ہمیں اپنے پیارے پیغمبر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

==================================

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ سِنِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے بیان میں

لفظِ سن کا معنیٰ اور تشریح :

سِن بالکسر کی جمع اَسنان آتی ہے۔دانت، درانتی، کنگھی کے دندانے، قلم کے تراشنے کی جگہ، ریڑھ کی ہڈی کے کنارہ، عمر، فرصت اور مہلت کو کہتے ہیں۔کہا جاتا ہے، و ھو حدیث السن یعنی وہ نوعمر ہے۔ھو کبیر السن بڑی عمر کا ہے،ھو سنُ فلانٍ فلاں کا ہم عمر ہے۔

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی دامت برکاتہم فرماتے ہیں ،اگر لفظِ سن عمر کے معنیٰ میں استعمال ہوتو مذکر آتا ہے،اگر مدت یا فرصت مراد ہوتو پھر یہ مؤنث آتا ہے۔

اردو زبان میں بھی یہ لفظ مدّت یا فرصت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، جس کی مثال میر تقی میؔر کے کلام سے ملتی ہے۔ یہ شاعر شاہ رفیع الدینؒ کے زمانہ میں بڑے پائے کا شاعر ہوا ہے۔اگرچہ مسلکاً شیعہ تھا،مگر اردو زبان کے اعتبار سے اس کا شعر بہترین کلام مانا جاتا ہے .... ؎

وجودِ نقش و نگار سا ہے کچھ
صورت اِک اعتبار سا ہے کچھ
یہ فرصت جسے کہیں ہیں عمر
دیکھو تو انتظار سا ہے کچھ

شاعر نے انسانی وجود کی بے ثباتی کا عجیب نقشہ کھینچا ہے اور اسے نقش ونگار سے زیادہ حیثیت نہیں دی۔اسی طرح انسان کی شکل وصورت بھی ایک بے حقیقت اور بالکل عارضی چیز ہے۔انسان کی

عمر کی کیا حیثیت ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ایک تھوڑی مدت کے لئے انتظار ہے، جو ختم ہو جاتا ہے اور انسان اپنی طبعی عمر گزار کر اگلے جہاں کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔(شرح شمائل ترمذی ص۵۹۹)

عمر مبارک میں قول راجح کی تعیین :

علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، حضور اقدس ﷺ کی عمر مبارک کے بارے میں تین قسم کی روایات نقل ہوئی ہیں۔پہلی روایت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی عمر مبارک ساٹھ (۶۰) برس تھی۔(اس کے متعلق محدثینؒ فرماتے ہیں کہ گننے میں کسر کو چھوڑ دیا گیا ہے، اس لئے ساٹھ کہہ دیا) دوسری روایت یہ ہے کہ عمر مبارک پینسٹھ (۶۵) سال ہے (اس کے متعلق محدثینؒ کا خیال یہ ہے کہ اس میں سنِ ولادت اور سنِ پیدائش دونوں کو مستقل شمار کیا گیا ہے) تیسری روایت یہ ہے کہ عمر مبارک تریسٹھ (۶۳) برس تھی۔ یہ روایت سب سے زیادہ صحیح اور جمہور محدثین و مؤرخین کے نزدیک راجح ہے۔ **وهی اصحها و اشهرها رواها البخاری مِن روایة ابن عباس و معاویة ایضاً و مسلم مِن روایة عائشة و ابن عباس و معاویة و اتفق العلماء علی ان اصحها ثلاث و ستون** (جمع ج۲ص۲۴۹)

اور یہی صحیح و مشہور تریسٹھ (۶۳) برس کی عمر شریف ہے۔حضرت امام بخاری نے ابن عباس اور معاویہ سے بھی یہی روایت نقل کی ہے اور امام مسلم نے بھی عائشہ صدیقہؓ، ابن عباس اور معاویہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت نقل کی ہے۔اور علماءِ کرام نے بھی آپ ﷺ کی عمر مبارک تریسٹھ (۶۳) برس ہونے پر اتفاق کیا ہے۔

اس باب میں مصنفؒ نے چھ احادیث نقل کی ہیں۔

(۲۶۳/۱) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِیعٍ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا زَکَرِیَّا بْنُ اِسْحٰقَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِیْنَارٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَکَثَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ بِمَکَّةَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ یُوْحٰی اِلَیْهِ وَ بِالْمَدِیْنَةِ عَشْرًا وَ تُوُفِّیَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَّ سِتِّیْنَ سَنَةً.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن منیع نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے روح

بن عبادۃ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں زکریا بن اسحٰق نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے عمرو بن دینار نے بیان کیا اور انہوں نے اسے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نبوت کے بعد تیرہ سال مکہ مکرمہ میں رونق افروز رہے۔ ان تیرہ برس میں حضور ﷺ پر وحی نازل ہوتی رہی۔ اُس کے بعد مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی اور دس سال مدینہ منورہ میں قیام رہا اور تریسٹھ سال کی عمر میں وصال ہوا۔

راویان حدیث (۶۳۳) روح بن عبادۃؒ (۶۳۴) زکریا بن اسحٰقؒ اور (۶۳۵) عمرو بن دینارؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

اصح الروایات :

قال مکث النبی صلی اللہ علیہ وسلم ...... یعنی حضور اقدس ﷺ نبوت مبارکہ کے دعویٰ کے بعد تیرہ برس تک مکہ مکرمہ میں جلوہ افروز رہے، جب وحی نازل ہوئی اور بعثت سے سرفراز ہوئے تو عمر مبارک چالیس سال تھی۔ تیرہ (۱۳) برس مکہ مکرمہ میں دعوت وتبلیغ کے بعد مدینہ منورہ ہجرت فرمائی اور وہاں دس سال تک دعوت وتبلیغ اور جہاد واعلاء کلمۃ الحق میں مصروف رہے اور جب انتقال ہوا تو عمر مبارک تریسٹھ برس تھی۔ روایۃ المصنف ھنا اصح الروایات (اتحافات ص ۳۹۸) (یہاں مصنفؒ کی یہ روایت سب سے اصح ترین روایت ہے)

(۳۶۴/۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ اَبِی اِسْحٰقَ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ جَرِيْرٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ اَنَّهٗ سَمِعَهٗ يَخْطُبُ قَالَ مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَهُوَ ابْنُ ثَلٰثٍ وَّ سِتِّيْنَ وَ اَبُوْبَكْرٍ وَّ عُمَرُ وَاَنَا ابْنُ ثَلٰثٍ وَّ سِتِّيْنَ سَنَةً .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے محمد بن جعفر نے شعبۃ کے حوالہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ابواسحٰق سے، انہوں نے عامر بن سعد سے اور انہوں نے جریر سے نقل کی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ خطبہ میں یہ فرمایا کہ حضور

اقدس ﷺ کا وصال تریسٹھ (۶۳) سال کی عمر میں ہوا۔ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما یعنی حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا وصال بھی تریسٹھ سال کی عمر میں ہوا۔ میری بھی اس وقت تریسٹھ سال کی عمر ہے۔

راویان حدیث (۶۳۶) عامر بن سعدؒ اور (۶۳۷) جریرؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی روایت کی تائید :

عن معاویة انه سمعه ...... امام ترمذیؒ کی غرض اس روایت کے ذکر کرنے سے پہلی روایت کی تائید وتصویب اور تقویت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا وصال تریسٹھ (۶۳) سال کی عمر میں ہوا اور اس بارے میں طبعی اتباع حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو بھی نصیب ہوا۔ باقی رہی حضرت معاویہؓ کی اس طبعی اتباع کی تمنا، تو ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں، **انا متوقع ان اموت فی هذه السن فی موافقة لهم قال میرک لکن لم ینل مطلوبه بل مات وهو قریب من ثمانین** ۔ (جمع ج ۲ ص ۲۵۰) یعنی میں اُمید کرتا ہوں کہ مجھے بھی تریسٹھ برس کی عمر میں موت آئے تاکہ اِن حضرات کی عمر کی موافقت ہو جائے۔ میرک نے فرمایا، امیر معاویہؓ کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی اور اسّی (۸۰) برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔

(۳/۳۶۵) حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ مَهْدِيِّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ وَهُوَ ابْنُ ثَلٰثٍ وَّ سِتِّيْنَ سَنَةً .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں حسین بن مہدی بصری نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالرزاق نے ابن جریج کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے اسے زہری سے اور انہوں نے عروۃ سے نقل کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا وصال تریسٹھ سال کی عمر میں ہوا۔

راوی حدیث (۶۳۸) حسین بن مھدیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

و هو ابن ثلث و ستین سنة ' اس روایت سے بھی پہلی دونوں روایات کی تقویت وتائید ہوتی ہے اور مصنفؒ کی غرض بھی یہی ہے۔ لہٰذا وہ تمام روایات جن میں تریسٹھ کے بجائے ساٹھ یا پینسٹھ کا ذکر ہے، صحیح نہیں ہیں یا اپنے ظاہری معنیٰ پر حمل نہیں ہیں، بلکہ ان میں تاویل کی گئی ہے۔

(۳۶۶/۴) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِیعٍ وَ یَعْقُوبُ بْنُ اِبْرَاهِیمَ الدَّوْرَقِیُّ قَالَا حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیلُ بْنُ عُلَیَّةَ عَنْ خَالِدِ نِ الْحَذَّآءِ حَدَّثَنِیْ عَمَّارٌ مَوْلٰی بَنِیْ هَاشِمٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ یَقُوْلُ تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ وَهُوَ ابْنُ خَمْسٍ وَّ سِتِّیْنَ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن منیع اور یعقوب بن ابراہیم دورقی نے بیان کیا۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں اسے اسمٰعیل ابن علیۃ نے خالد حذاء کے حوالے سے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے عمار بنی ہاشم کے آزاد کردہ غلام نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے عبداللہ بن عباسؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا وصال پینسٹھ (۶۵) سال کی عمر میں ہوا۔

راویان حدیث (۶۳۹) یعقوب بن ابراہیمؒ اور (۶۴۰) اسماعیل بن علیۃؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

دفعِ تعارض :

اس روایت میں تاویل کی گئی ہے۔ اس میں سن ولادت اور سنِ وفات کو بھی شمار کیا گیا ہے۔ ای بحسبان سنتی الولادة والوفاة۔ (مواہب ص۲۸۳) لہٰذا پینسٹھ (۶۵) سال کی عمر کا اطلاق مجازی ہے۔ لہٰذا اس کا پہلی والی روایات سے تعارض نہیں ہے۔

(۳۶۷/۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَ مُحَمَّدُ بْنُ اَبَانٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ دَغْفَلِ بْنِ حَنْظَلَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ وَهُوَ ابْنُ خَمْسٍ وَّ

سِتِّیْنَ سَنَةً قَالَ اَبُوْعِیْسٰی وَ دَغْفَلُ لَانَعْرِفُ لَهٗ سِمَاعًا مِّنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ كَانَ فِیْ زَمَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث محمد بن بشار اور محمد بن ابان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے معاذ بن ہشام نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے سامنے اسے قتادۃ نے حسن کے حوالہ سے بیان کیا اور انہوں نے اسے دغفل بن حنظلہ (السدوسی) سے نقل کیا۔ دغفل بن حنظلہ سدوسی سے بھی یہی روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا وصال پینسٹھ سال کی عمر میں ہوا۔

راویان حدیث (۶۴۱) الحسنؒ اور (۶۴۲) دغفل بن حنظلہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

تاویل روایت :

قال ابو عیسٰی ...... خود مصنفؒ فرماتے ہیں کہ دغفل حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں موجود تھے۔ بڑی عمر کے تھے، مگر آپ ﷺ سے ان کی ملاقات ثابت نہیں۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ ان کی یہ روایت کسی دوسرے سے سنی ہوئی ہے۔ شیخ عبدالروفؒ فرماتے ہیں، رجلا ای محتلما شابا لکنه لم یثبت انه اجتمع به۔ (مناوی ص ۲۵۱) (دغفل بالغ اور نوجوان تھے لیکن یہ ثابت نہیں کہ ان کی آپ ﷺ سے ملاقات ہوئی ہے)

(۶/۳۶۸) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسَی الْاَنْصَارِیُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ عَنْ رَبِیْعَةَ بْنِ اَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهٗ سَمِعَهٗ یَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ لَیْسَ بِالطَّوِیْلِ الْبَآئِنِ وَلَا بِالْقَصِیْرِ وَلَا بِالْاَبْیَضِ الْاَمْهَقِ وَلَا بِالْاٰدَمِ وَلَا بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ وَلَا بِالسَّبْطِ بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی رَاْسِ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً فَاَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِیْنَ وَ بِالْمَدِیْنَةِ عَشْرَ سِنِیْنَ وَ تَوَفَّاهُ اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی رَاْسِ سِتِّیْنَ سَنَةً وَ لَیْسَ فِیْ رَاْسِهٖ وَ لِحْیَتِهٖ عِشْرُوْنَ شَعْرَةً بَیْضَآءَ حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ رَبِیْعَةَ بْنِ اَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ نَحْوَهٗ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن موسٰی انصاری نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے معن نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں مالک بن انس نے ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی اور انہوں نے اسے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نہ زیادہ لمبے قد تھے، نہ پستہ قد، نہ بالکل سفید تھے، نہ بالکل گندمی رنگ۔ آپ ﷺ کے بال مبارک نہ بالکل پیچیدہ تھے، نہ بالکل سیدھے (بلکہ ہلکی سی پیچیدگی اور گھونگریالہ پن لئے ہوئے) چالیس سال کی عمر میں آپ ﷺ کو نبوت ملی۔ اس کے بعد دس سال حضور اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا اور دس سال مدینہ منورہ میں۔ ساٹھ سال کی عمر میں حضور اکرم ﷺ کا وصال ہوا۔ اُس وقت آپ ﷺ کے سر مبارک اور داڑھی شریف میں تقریباً بیس بال بھی سفید نہیں ہوں گے۔

حضرت انسؓ کی روایت میں تاویل :

یہ حدیث اور اس کی مکمل شرح اور حل لغات **باب ماجاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** میں کردی گئی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت انسؓ کی اس روایت کے متعلق یہ توجیہ کی جاتی ہے کہ گنتی میں بسا اوقات صرف دہائیاں ذکر کردی جاتی ہیں۔ اوپر کی اکائیوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کے بھانجے عروۃ بن الزبیرؓ نے حضرت ابن عباسؓ کی پینسٹھ برس والی روایت کو غلط بتلایا ہے۔ جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے اس کو وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے اور اوائل میں ان کا ارشاد بھی نقل کر دیا گیا ہے۔

==================================

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ وَفَاتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بیان میں

آپ ﷺ کے شمائل وخصائل سے متعلق ابواب سیرت اور احادیث گذشتہ باب ماجاء فی سنِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکمل ہو چکے ہیں۔ یہاں سے مصنفؒ آخری تینوں ابواب میں سیرتِ سرورِ کائنات ﷺ کے متعلقات کا بیان فرماتے ہیں۔ پہلا باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے۔ دوسرا باب آپ ﷺ کی وراثت اور تیسرا باب آپ ﷺ کی خواب میں رویت اور زیارت وملاقات سے متعلق ہے۔ اس باب میں مصنفؒ نے چودہ (۱۴) احادیث کا اندراج فرمایا ہے۔

لفظِ وفاۃ کا معنیٰ :

لفظِ وفات' موت کے معنیٰ میں آتا ہے۔ وفی (بالتخفیف) بمعنیٰ تم ای تم اجلہ۔ (جمع ج۲ص۲۵۲) یعنی وقت پورا ہو گیا۔ عرب کہتے ہیں، وفی فلاناً یعنی فلاں کو اس کا حق دے دیا گیا۔ مراد یہ ہے کہ اللہ پاک نے حضور اقدس ﷺ کو زندگی کا حق دے دیا ہے۔ جیسے علامہ مناویؒ بھی یہی لکھتے ہیں او مِن و فّی فلانًا ای اعطاہ حقہ لان اللّٰہ تعالٰی اعطاہ حقہ مِن الحیاۃ ۔ (مناوی ج۲ص۲۵۲)

(۱/۳۶۹) حَدَّثَنَا اَبُوْ عَمَّارِ الْحُسَیْنُ بْنُ حُرَیْثٍ وَ قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ وَ غَیْرُ وَاحِدٍ قَالُوْا حَدَّثَنَا سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَةَ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ اٰخِرُ نَظْرَةٍ نَظَرْتُهَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَشْفُ السِّتَارَةِ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ فَنَظَرْتُ اِلٰی وَجْهِهٖ كَاَنَّهٗ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ

وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ خلفَ اَبِىْ بَكْرٍ . فَاَشَارَ اِلَى النَّاسِ اَنْ اثْبُتُوْا وَ اَبُوْبَكْرٍ يَؤُمُّهُمْ وَ اَلْقَى السِّجْفَ وَ تُوُفِّيَ مِنْ اٰخِرِ ذٰلِكَ الْيَوْمِ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ابوعمار حسین بن حریث اور قتیبۃ بن سعید اور بہت سے دوسرے لوگوں نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے سفیان بن عیینۃ نے زہری کے حوالہ سے بیان کیا اور انہوں نے اسے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آخری دفعہ حضور اقدس ﷺ کے چہرۂ انور کو مجھے دیکھنا نصیب ہوا، تو وہ اُس وقت تھا، جبکہ پیر کے دن آپ ﷺ نے پردہ ہٹا کر نمازیوں کو دیکھا۔ پس جب میں نے حضور اقدس ﷺ کے روئے مبارک پر نظر ڈالی تو گویا وہ قرآنِ مجید کا ایک ورق نظر آیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے تھے۔ صحابہؓ مضطرب ہونے لگے، تو حضور ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ اپنی اپنی جگہ پر رہو اور ابوبکر تمہارا امام ہو اور پردہ گرادیا اور اسی دن پچھلے پہر وصال پا گئے۔

ورقِ مصحف کے ساتھ رُخِ انور کی تشبیہ :

قال آخر نظرة ...... نظرة کا معنیٰ ایک نگاہ اور الستارة پردہ کو کہتے ہیں۔ انسؓ بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ آخری دفعہ حضور اقدس ﷺ کے چہرۂ انور کو مجھے دیکھنا اس وقت نصیب ہوا تھا، جب پیر کے روز آپ ﷺ نے پردہ ہٹا کر نمازیوں کو دیکھا یعنی پیر کا روز تھا کہ آنحضرت ﷺ نے صبح کی نماز کے وقت سیدہ امّ المؤمنین حضرت عائشہؓ کے حجرۂ مبارک کے دروازہ سے پردہ ہٹا کر مسجدِ نبوی میں نمازیوں پر نظرِ شفقت فرمائی اور دیکھا ۔ اس روز حضرت ابوبکر صدیقؓ امامت فرما رہے تھے۔ وكان الرسول قد أمر ان يؤمّ أبوبكر المسلمين فى الصلاة۔ (اتحافات ص ۳۹۱) (اور حضور ﷺ اس سے پہلے حکم دے چکے تھے کہ ابوبکرؓ مسلمانوں کی نماز میں امامت کیا کریں)

میں نے آپ ﷺ کے چہرۂ انور کو دیکھا، كانه ورقة مصحف گویا کہ وہ قرآن پاک کا ایک مقدس ورق ہے' یعنی آپ ﷺ سراپا حسن و جمال کا رُخِ انور' صفائی سفیدی' روشنی حسن' جمال' نورانیت اور ہدایت میں قرآنِ پاک کی طرح تھے۔ حاصلِ تشبیہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے جلوۂ

جہاں آراء سے بھی اسی طرح ہدایت ملتی ہے جو کہ جامع محاسن ہے، جس طرح قرآنِ پاک سے ہدایت ملتی ہے۔ شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں، ووجه التشبيه حسن الوجه و صفاء البشرة و سطوع الجمال لما افيض عليه مِن مشاهدة جمال الذات ۔(مناوی ج۲ص۲۵۵) یعنی تشبیہ سے غرض یہ ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ کو جو فیضانِ رویت باری تعالیٰ سے حاصل ہوا، وہ آپ ﷺ کے رُخِ انور، چہرۂ اقدس کی پاکیزگی اور انتہائے جمال کی صورت میں جلوہ افگن تھا۔

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، و هو تشبيه فيه بلاغة و جمال ففي المصحف إشراق حسي و إشراق معنوي ۔(اتحافات ص۳۹۱) (وہ (یعنی رخ انور کو مصحف سے تشبیہ دینا) ایک ایسی تشبیہ جس میں بلاغت اور جمال ہے پس مصحف میں حسی اور ظاہری روشنی بھی اور معنوی روشنی بھی موجود ہے)

غرضِ نظارہ :

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں :

یہ وہی دوشنبہ کے روز کا آخری نظارہ ہے، جس پر حضورِ اقدس ﷺ نے یہ اندازہ فرمایا کہ نظامِ شرعی قائم ہوگیا اور قدیمی رفیق ابوبکرؓ نیابت کا حق ادا کردے گا اور اُمت کا بوجھ سنبھال لے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، جس کو دنیا کی آنکھوں نے دیکھ لیا کہ حضورِ اکرم ﷺ کے انتقال کا حادثہ جس کے سامنے دنیا کے سارے ہی حوادث کالعدم اور لاشئی ہیں اور اس کے ساتھ ہی ارتداد کا فتنہ اور ساری دنیا کا مقابلہ، لیکن اُس کوہِ استقلال نے سب ہی کو برداشت کیا اور پتھر کی چٹان سے زیادہ سخت بن کر ہر ٹکراؤ کو پاش پاش کردیا۔ حق یہ ہے کہ نیابت کا حق ادا کردیا۔ حضرت عمرؓ جیسا اسلامی ستون کہ دوست دشمن سب ہی اُن کی بہادری، شجاعت، قوت کی دھاک مانتے ہیں۔ وہ بھی نرمی کی درخواست کریں اور حضرت ابوبکرؓ اُن کو بزدلی کا طعنہ دیں۔

تاریخِ وصال میں اختلاف :

و توفي مِن آخر ذلك اليوم ' مؤرخین کا اتفاق ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ کا وصال

دوشنبہ کو ہوا، لیکن اس روز کی تاریخ میں اختلاف ہے۔(۱) اکثر مؤرخین یہی کہتے ہیں کہ یہ ربیع الاوّل کی بارہویں (۱۲) تاریخ تھی۔(۲) دوسرا قول بعض محدثین کا ہے، جو حساب کے لحاظ سے دو (۲) ربیع الاول کو ترجیح دیتے ہیں۔

مسجد تشریف آوری تین مرتبہ ہوئی :

حضرت انسؓ نے آپ ﷺ کے مرضِ وفات کے آخری دن کا واقعہ ذکر کیا ہے، ورنہ آپ ؐ کا مسجد کو تشریف لانا تین مرتبہ ہوا ہے۔

(۱) حضور اقدس ﷺ تشریف لائے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ مصلے سے ہٹ گئے اور آپؐ نے خود امامت فرمائی۔

(۲) آپ ﷺ تشریف لائے اور صف کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔

(۳) آپ ﷺ مسجد میں تشریف نہ لائے، بلکہ لوگوں کے اختلال کو دیکھ کر اثبتوا ارشاد فرمایا یہ ہیبت وعظمت اور سرور وحال کا عالم طاری ہونے کی وجہ سے تھا۔قریب تھا کہ صفوں میں گڑ بڑ پیدا ہو جائے۔اس پر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے حافظ کا شعر نقل کیا ہے، جو بہت ہی موزون ہے ......

در نمازم خم ابروئے تو چوں یاد آید
حالتِ رفت کہ محراب بہ فریاد آید

وقتِ وفات کی مختلف روایات کی تطبیق :

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وفات کا وقت دن کا آخری حصہ تھا۔حالانکہ دیگر صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی وفات صبح چاشت کے وقت ہوئی، جو دن کا اوّل حصہ ہے۔شیخ احمد عبدالجواد دونوں روایات میں تطبیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وجمع العلماء بین المیعادین فان الوفاة كانت ضحوة ، ولكن حصل هرج و اضطراب عند الصحابة ، حتى قال عمر : من قال ان محمداً قد مات، قتلته بسيفي هذا ، ثم جاء الصديق رضي الله عنه ، فهدأ الموقف و قال : من كان يعبد محمدا فان محمدا قد مات ، ومن كان يعبد الله فان الله حي لايموت و تلا :

و ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل ، أفان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ' و من ینقلب علی عقبیه فلن یضر اللّٰہ شیئا ، و سیجزی اللّٰہ الشاکرین ثم تبیّن للناس أنه توفی آخر النهار ۔(اتحافات ص۳۹۲) (حضور ﷺ کے وقتِ وفات میں جو روایات کا اختلاف وارد ہوا ہے اس کے متعلق علماء کرام نے دونوں وقتوں کے درمیان تطبیق بایں صورت کی ہے کہ آپ ﷺ کی وفات مبارک تو بوقتِ چاشت ہوئی تھی لیکن صحابہ کرامؓ انتہائی پریشان اور خوف وہراس کے عالم میں تھے اور لوگوں میں کئی قسم کی چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں ۔تا آنکہ حضرت عمرؓ (جیسے بہادر) بھی کہہ رہے تھے کہ جس نے یہ کہا کہ محمد ﷺ فوت ہو چکے ہیں تو میں اسے اس تلوار سے قتل کر دوں گا۔ پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ تشریف لائے اور پُر سکون واطمینان سے کھڑے ہو کر فرمایا کہ جو کوئی بھی محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا۔ تو (وہ جان لے کہ) محمد ﷺ تو وفات پا چکے ہیں اور جو کوئی کہ اللہ کی عبادت کرتا تھا تو وہ زندہ ہیں اور اس پر موت نہیں ہوگی۔ پھر یہ آیت وما محمد الا رسول الآیة پڑھی۔ کہ محمد ﷺ تو ایک رسول ہے آپ ﷺ سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں (اسی طرح آپ ﷺ بھی ایک روز گزر ہی جائیں گے) سو اگر آپ ﷺ کا انتقال ہو جائے یا آپ ﷺ شہید ہو جاویں تو کیا تم لوگ (جہاد یا اسلام سے) الٹے پھر جاؤ گے اور جو شخص (جہاد یا اسلام سے) الٹا پھر جاویگا تو خدا تعالیٰ کا کوئی نقصان نہ کرے گا (بلکہ اپنا ہی کچھ کھو دے گا) اور خدا تعالیٰ جلد ہی (نیک) عوض دے گا حق شناس لوگوں کو (جو ایسے مواقع پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کو یاد رکھ کر اس کی اطاعت پر قائم و مستقل رہتے ہیں) پھر لوگوں کو آپ ﷺ کی وفات کا پتہ آخری دن میں ہوا)

(۳۷۰/۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَسْعَدَةَ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا سُلَيْمُ بْنُ اَخْضَرَ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ مُسْنِدَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى صَدْرِيْ اَوْ قَالَتْ اِلٰى حِجْرِيْ فَدَعَا بِطَسْتٍ لِيَبُوْلَ فِيْهِ ثُمَّ بَالَ فَمَاتَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن مسعدہ بصری نے یہ حدیث بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں

اسے سلیم بن اخضر نے ابن عون کے حوالہ سے بیان کیا۔انہوں نے یہ روایت ابراہیم سے اسود کے حوالہ سے نقل کی اور انہوں نے اسے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وصال کے وقت میں نے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے سینہ پر سہارا دے رکھا تھا کہ آپ ﷺ نے پیشاب کے لئے طشت مانگا اور پیشاب سے فراغت حاصل کی۔اس کے بعد پھر وصال ہو گیا۔

راویان حدیث (۶۴۳) حمید بن مسعدۃؒ (۶۴۴) سُلیم بن اخضرؒ (۶۴۵) عبداللہ بن اعونؒ اور (۶۴۶) ابراھیمؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مفاخرِ سیدہ عائشہؓ :

کنت مسندة ...... یہ تو حضرت عائشہؓ کا اعزاز اور مفاخر میں ہے کہ اُن کو آپ ﷺ کا آخر تک وصال' اور خدمت کے مواقع ملتے رہے، جب آپ ﷺ کو اپنے ربّ کا وصال حاصل ہوا تو سر مبارک سیدہ عائشہؓ کی گود میں تھا۔ بخاری شریف کی ایک طویل روایت میں حضرت عائشہؓ اپنے مفاخر کا اس انداز میں تذکرہ فرماتی ہیں' ان من نعم اللّٰه علّی ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم توفی فی بیتی و فی یومی و بین سحری و نحری و ان اللّٰه جمع بین ریقی و ریقه عند موته (مشکوۃ شریف ص۵۴۷) (بے شک مجھ پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت یہ بھی ہے کہ آپؐ میری باری کے دن میرے کمرے میں میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے فوت ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی وفات کے وقت آپ ﷺ کے لعاب مبارک اور میرے لعاب کو یکجا اور اکٹھا کر دیا)

الطست : الطَّسّ سے ہے ہاتھ دھونے کے لئے تانبے کا برتن، لگن، چلمچی کلمة اعجمیة ' اناء کان مطلوباً للتبول کما ھو المذکور فی الحدیث (اتحافات ص۲۹۳) (یہ عجمی کلمہ ہے یہ ایک برتن تھا جس میں پیشاب کرنا مقصود تھا جیسے کہ حدیث میں مذکور ہے)

فمات، و فی روایة البخاری عنها توفی فی بیتی بین سحری و نحری ای کان رأسه الشریف بین سحرها و هو الرئة و نحرها وهو موضع القلادة و فی روایة و بین حاقنتی

وذاقنتی والحاقنة المعدة والذاقنة ماتحت الذقن (اتحافات ص۳۹۲) (اور بخاری شریف میں حضرت عائشہ ؓ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ میرے کمرے میں میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے فوت ہوئے یعنی آپ ﷺ کا سر مبارک حضرت عائشہ ؓ کے پھیپھڑے اور گردن کے درمیان تھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میرے معدے اور (ٹھوڑی کے نیچے کی جگہ) گردن کے درمیان فوت ہوئے)

دو روایتوں کا تعارض اور اس کا جواب :

حاکم ؒ اور ابن سعد ؒ کی روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا سر مبارک بوقت وفات حضرت علی ؓ کی گود میں تھا۔ جیسے کہ علامہ مناوی ؒ لکھتے ہیں۔ روی الحاکم و ابن سعد ان رأسة فی حجر علّی '(حاکم اور ابن سعد نے روایت کی کہ آپ ﷺ کا سر مبارک وفات کے وقت حضرت علی ؓ کی گود میں تھا) پھر ان کے جواب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ و لعلهما تناوباه حال النزع علی ان طرق الثانی لاتخلوعن شئی کما قال الحافظ ابن حجر (مناوی ج۲ ص۲۵۷) (اور شاید کہ دونوں (حضرت عائشہ ؓ اور حضرت علی ؓ) نے نزع (جان کنی) کی حالت میں باری باری اپنی گود میں لیا ہو اس کے علاوہ حافظ ابن حجر ؒ نے دوسری روایت (حضرت علی ؓ کے متعلق) کے اسناد میں لاتخلو عن شئی (کہ ان میں کچھ ہے) کہہ کر ضعف کو اشارہ کر دیا)

استنباطِ مسائل :

اس حدیث شریف سے بھی معلوم ہوا کہ خاوند اپنی بیوی پر ٹیک لگا سکتا ہے اور بیوی کی موجودگی میں کسی برتن میں پیشاب بھی کر سکتا ہے۔ جیسے کہ علامہ مناوی ؒ نے بھی لکھا ہے کہ و فیه حل الاستناد للزوجة و البول فی الطست بحضرتها۔ (مناوی ج۲ ص۵۷)

(۳/۳۷۱) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ الْهَادِ عَنْ مُوسَى بْنِ سَرْجِسٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ هُوَ بِالْمَوْتِ وَ عِنْدَهُ

قَدَحٌ فِيهِ مَاءٌ وَهُوَ يُدْخِلُ يَدَهُ فِي الْقَدَحِ ثُمَّ يَمْسَحُ وَجْهَهُ بِالْمَاءِ ثُمَّ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى مُنْكَرَاتِ الْمَوْتِ اَوْ قَالَ عَلٰى سَكَرَاتِ الْمَوْتِ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے لیث نے ابن ہاد کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت موسیٰ بن سرجس سے قاسم بن محمد کے حوالہ سے بیان کی اور انہوں نے اسے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے نقل کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وصال کے وقت حضور اقدس ﷺ کے قریب ایک پیالہ میں پانی رکھا ہوا تھا۔ اس میں حضور اکرم ﷺ بار بار ہاتھ ڈالتے تھے اور چہرۂ مبارک پر پھیرتے تھے (کہ شدّتِ حرارت اور گھبراہٹ کے وقت سکون کا سبب ہوتا ہے) اُس وقت حضور اکرم ﷺ بارگاہِ الٰہی میں یہ دعا فرما رہے تھے کہ یا اللہ! موت کے شدائد پر میری امداد فرما۔

راویان حدیث (۶۴۷) ابن الہادؒ اور (۶۴۸) موسیٰ بن سرجسؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

نزع میں استقلال اور توجہ الی اللہ کا اہتمام :

قالت رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ...... مضمونِ حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہوگیا ہے۔ یہ تمام تر واقعہ تعلیمِ اُمت کے لئے ہے کہ موت کی تلخیوں اور سختیوں میں درد و تکالیف کا رونا نہ رویا جائے۔ اللہ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ دوسری جانب حضور اقدس ﷺ کے ثبات واستقلال کا اظہار بھی ہے کہ نزع کی شدت میں بھی غایت توجہ الی اللہ رہی۔ اس وقت بھی یُسر و سہولت کے لئے بارگاہِ الٰہی میں دعا واستدعا کا اہتمام رہا۔

علامہ الیبجوریؒ کی تشریح :

علامہ الیبجوریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ منکرات الموت سے مراد نزع کی سختی ہے، کیونکہ نزع کے وقت ایسی تکالیف وارد ہوتی ہیں یا سکرات الموت لیا جائے تو مراد شدائد کے بحر میں ڈوبنا ہے، مگر اِن سب تکالیف و آلام کا ظہور فقط ظاہری امر ہے، جو اس وقت صاحبِ نزع کا حسبِ حال نظر آتا ہے۔

لاجل زیادة رفع الدرجات والترقی فی اعلی المقامات و الکرامات (مواہب ص۲۸۶) لیکن حقیقت میں یہ سب کچھ ان کے درجات کی ترقی اور عند اللہ مقام کی رفعت اور انعام واکرام کی زیادتی پر دال ہے۔

لیکن حضور اقدس ﷺ کا معاملہ تو اس کے برعکس ہے۔ ظاہر تو سکرات الموت ہے، لیکن باطن میں معاملہ ذاتِ باری تعالیٰ اور ملائکۃ المقربین کے ساتھ تھا۔ فان جبریل اتاہ فی مرضہ الشریف ثلاثة ایام یقول له کل یوم ان اللّٰہ ارسلنی الیک اکراما و اعظاما و تفضیلاً یسئلک مما ھو اعلم به منک کیف تجدک و جاءہ فی یوم الثالث بملک الموت فاستاذنه فی قبض روحه الشریفة فاذن له ففعل (مواہب ص۲۸۶)

یعنی جس ذاتِ گرامی صفات کی مزاج پرسی کے لئے جبریل پورے تین دن آپ ﷺ کے پاس رہیں اور اس مرض الموت کے دوران ہر روز کہتے رہیں کہ حضور ! اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی طرف اس غرض سے بھیجا ہے کہ آپ ﷺ سے دریافت کریں، حالانکہ وہ آپ ﷺ کے حال کو آپؐ سے زیادہ جانتا ہے۔ محبوب ! تو اپنے آپ کو کس حال میں پاتا ہے اور بتایئے ! تیرا منشا کیا ہے؟ اور پھر جبریل نے یہ بھی کہا کہ یہ مزاج پرسی اسی شرافت اور عظمت اور فضیلت کے اظہار کے لئے ہے، جو آپؐ کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں ثابت ہے۔ اس عیادت کے تیسرے روز ہی جبکہ جبریل کی زبان سے کیف تجدک (آپ ﷺ کا منشا مبارک کیا ہے) کا جملہ نکلا تو ملک الموت درِ اقدس پر حاضر ہو کر روحِ مکرم ومقدس کو قبض کرنے کی اجازت مانگنے لگا، پھر آپ ﷺ نے اجازت دے دی اور ملک الموت نے اپنا کام مکمل کر لیا۔

قبضِ روح ﷺ میں اعزازِ خداوندی :

علامہ بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ایک طویل روایت اس سلسلہ میں نقل کی ہے، جس میں جبرئیل علیہ السلام کا مسلسل تین دن تک خدا تعالیٰ کی طرف سے عیادت کے لئے حاضر ہونے کے بعد لکھتے ہیں، وجاء معه ملک یقال له اسماعیل علی مائة الف ملک کل ملک علی مائة الف یعنی جبرئیل

کے ساتھ ایک فرشتہ حاضر خدمت ہوا جو کہ ایک لاکھ فرشتوں پر حاکم تھا اور پھران میں سے ہر فرشتہ لاکھ فرشتوں پر حاکم تھا۔ انہوں نے آ کر حضور ﷺ سے داخلہ کی اجازت چاہی، آپؐ نے جبرئیل سے اس کے متعلق پوچھا۔ جبرئیلؑ نے فرمایا، هذا ملک الموت یستأذن علیک ما استأذن علی آدمی قبلک و لایستأذن علی آدمی بعدک۔ (یہ موت کا فرشتہ (عزرائیل علیہ السلام) ہے۔ آپؐ سے (روح قبضہ کرنے) کی اجازت چاہتا ہے۔ نہ آپ ﷺ سے پہلے کسی انسان سے (جان کنی) کی اجازت چاہی اور نہ کسی انسان سے آپ ﷺ کے بعد (جان کنی) کی اجازت چاہے گا) حضور ﷺ نے داخلہ کی اجازت دی ، ملک الموت سلام کرتے ہوئے گویا ہوئے ، ان اللّٰه ارسلنی الیک فان امرتنی ان اقبض روحک قبضت و ان امرتنی ان اترک ترکته فقال و تفعل 'کہ حضور میں آپؐ کی روح قبضہ کرنے کے لئے حاضر خدمت ہوا ہوں۔ اگر اجازت ہو فبہا ورنہ پھر (بغیر روح قبضہ کئے) آپ ﷺ کو چھوڑے جاتا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا آپ اپنا کام مکمل کیجیئے گا۔ ملک الموت نے فرمایا، نعم بذلک امرت و امرت ان اطیعک کہ ہاں بتخیرک امرت مجھے تو آپ ہی کی اطاعت کا حکم کیا گیا تھا۔ اس وقت حضور ﷺ نے جبرئیلؑ کی طرف دیکھا، فقال جبرئیل ان اللّٰه قد اشتاق الی لقائک (حضور ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی ملاقات کے مشتاق ہیں) آپ ﷺ نے روح قبض کرنے کی اجازت فرمائی اور ملک الموت نے اپنا کام مکمل فرمایا (مشکوٰۃ شریف ص ۵۴۹)

(۳۷۲/۴) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ صَبَّاحِ الْبَزَّارُ حَدَّثَنَا مُبَشِّرُ بْنُ اِسْمٰعِیْلَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْعَلَآءِ عَنْ اَبِیْهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ لَا اَغْبِطُ اَحَدًا بِهَوْنِ مَوْتٍ بَعْدَ الَّذِیْ رَاَیْتُ مِنْ شِدَّةِ مَوْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَبُوْعِیْسٰی سَاَلْتُ اَبَازُرْعَةَ فَقُلْتُ لَهٗ مَنْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْعَلَآءِ هٰذَا قَالَ هُوَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْعَلَآءِ بْنِ اللَّجْلَاجِ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں حسن بن صباح بزار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم

کواسے مبشر بن اسمٰعیل نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت عبد الرحمٰن بن علاء سے اور انہوں نے اپنے باپ سے نقل کی۔ انہوں نے یہ حدیث عبداللہ بن عمرؓ سے اور انہوں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی شدّتِ تکلیف کے بعد اب مجھے کسی شخص کے مرض الموت میں تکلیف نہ ہونے پر رشک نہیں ہوتا۔

راویان حدیث (۶۴۹) مبشر بن اسماعیل ؒ اور (۶۵۰) العلاء بن اللجلاج ؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

قالت لا اغبط ...... مضمونِ حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔ کسی شخص کے مرض الموت میں تکلیف نہ ہونے پر رشک کے آنے کی وجہ ظاہر ہے کہ شدت مرض گناہوں کے سقوط اور مراتب کے بلند ہونے کا سبب ہوتا ہے اور مرض کی شدت پیامِ اجل ہونے کی وجہ سے استغفار کی کثرت اور موت کی تیاری کا ذریعہ ہے۔ **الغبطة** حسنِ حال، خوشی اور رشک کے معنیٰ میں آتا ہے۔ یہاں یہی آخری معنیٰ مراد ہے۔ **و ھی ان یتمنّٰی ان یکون له مثل ما للغیر من غیر ان تزول عنه** (مواہب ص ۲۸۶) غبطہ یہ ہے کہ دوسرے کے مال و جاہ کی آرزو کی جائے، مگر اس کے زوال کی خواہش نہ کرے۔ اگر دوسرے سے زوال چاہے تو یہ حسد ہے اور شرعاً مذموم ہے۔

موت کی شدت اور نرمی :

اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوا کہ شدتِ موت علامت خیر ہے۔ موت کی سختی عمدہ چیز ہے۔ جب ہی تو آپ ﷺ پر سختی ہوئی۔ یہ حضرت عائشہؓ کی رائے تھی۔ حالانکہ آپ ﷺ پر کوئی ایسی زیادہ سختی نہیں ہوئی تھی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کوئی اضطراب نہیں فرمایا، صرف پیشانی پر پانی ملتے رہے اور وفات تک نماز کی وصیت کرتے رہے اور آخری کلمہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا...... **اللّٰھم الحقنی بالرفیق الاعلیٰ**'' (لغات الحدیث ج ۲ ص ۸ کتاب غ مشکوٰۃ شریف ص ۵۴۷) جبکہ دوسری روایات میں ہے کہ ہوْنِ موت اور خفتِ موت علامتِ ایمان ہے۔ تو رفع تعارض کے لئے کہا جائے گا کہ نزعِ روح سے پہلے پہل جو تکالیف ہیں، وہ مکفّرات ہیں۔ البتہ نزعِ روح کے وقت جب کہ عالمِ

آخرت منکشف ہوتا ہے اور انسان کے کسی عمل کا اعتبار نہیں ہوتا۔ اس میں خفت ہونا علامتِ ایمان ہے، تو نزعِ روح میں خفت اور اس سے پہلے شدّت یہ دونوں علامتِ ایمان ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ پر بھی یہی کیفیت طاری ہوئی، مگر یہ ضابطہ نہیں ہے، اگر قبل از موت کسی پر شدّت طاری نہ ہو اور آسانی سے روح نکل جائے تو ایمان کے مخالف نہیں۔

حاصلِ بحث :

شیخ احمد عبدالجوادؒ فرماتے ہیں، ان الشدة قد تكون تكفيرا لبعض السيآت و قد تكون لرفعة الدرجات (اتحافات ص۳۹۳) (موت سے پہلے شدت اور تکلیف کا ہونا کبھی تو سیئات کا کفارہ اور کبھی بلندی درجات کے لئے ہوتا ہے) و الحاصل ان الشدة ليست امارة على سوء و لا ضده والسهولة ليست علامة على خير ولاضده (مواہب ص۲۸٦) (خلاصہ یہ کہ موت کے وقت سختی اور تکلیف کا ہونا نہ برے اور نہ نیک ہونے کی علامت ہے اور جان کنی کے وقت آسانی ہونا نیک اور برے ہونے کی علامت اور دلیل ہے)

(۳۷۳/۵) حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَكْرٍ هُوَ ابْنُ الْمُلَيْكِيِّ عَنِ ابْنِ اَبِیْ مُلَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَلَفُوْا فِیْ دَفْنِهٖ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ شَيْئًا مَا نَسِيْتُهٗ قَالَ مَا قَبَضَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا فِی الْمَوْضِعِ الَّذِیْ يُحِبُّ اَنْ يُّدْفَنَ فِيْهِ اُدْفُنُوْهُ فِیْ مَوْضِعِ فِرَاشِهٖ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو کریب محمد بن علاء نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابو معاویہ (محمد بن حازم) نے عبدالرحمٰن بن ابی بکر (جو کہ ابن ملیکی ہیں) کے حوالہ سے بیان کیا انہوں نے یہ روایت ابن ابی ملیکۃ سے اور انہوں نے امّ المومنین عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے وقت آپ ﷺ کے دفن میں صحابہؓ کا اختلاف ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے خود حضور اقدس ﷺ سے ایک

بات سنی ہے، جو مجھے خوب محفوظ ہے کہ انبیاءِ علیہم السلام کا وصال اُسی جگہ ہوتا ہے، جہاں اُن کا دفن پسندیدہ ہو، اس لئے حضور اکرم ﷺ کو آپ ﷺ کے وصال ہی کی جگہ دفن کرنا چاہئے۔

راوی حدیث (۶۵۱) عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مقامِ تدفین میں اتفاق :

اختلفوا فی دفنه ...... حضور اقدس ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کے مدفن میں اختلاف پیدا ہوا اور صحابہ کرامؓ کی آراء مختلف ہوگئیں۔ کسی کی رائے تھی مسجد نبوی میں، بعض نے کہا جنت البقیع میں، بعض نے کہا آپ ﷺ کے بیٹے ابراہیم کے ساتھ، بعض نے مکہ مکرمہ کی رائے دی۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ آگے بڑھے اور آپ ﷺ سے سنی ہوئی تعلیم کے مطابق موضع وصال پر دفن کرنے کی ہدایت فرمائی۔ **ادفنوه فی موضع فراشه**۔ چنانچہ حدیث کے مطابق صحابہ کرامؓ آپؐ کے موضع تدفین پر متفق ہوگئے۔ اور آپ ﷺ کی چارپائی والے مقام پر آپ ﷺ کی قبر تیار کی گئی، جو امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں تھی۔ (حاشیہ مشکوٰۃ شریف ص ۵۴۷)

شانِ صدیق اکبرؓ :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ تحریر فرماتے ہیں :

چونکہ حضور اقدس ﷺ کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کے ہاتھ سے سب اُمور سرانجام پانے مقرر ہوچکے تھے۔ اس لئے اس نوع کے مسائل بھی خصوصیت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کو معلوم تھے۔ نمونہ کے طور پر چند حدیثیں مختصر طور نقل کرتا ہوں۔

(۱) کسی نبی کی وفات اُس وقت تک نہیں ہوتی، جب تک امت میں سے کسی کا مقتدی بن کر نماز نہ پڑھے۔ (۲) زکوٰۃ وصول کرنے کی حدیثیں اور اس کے نصاب۔ (۳) میرے گھر یعنی قبر اور منبر کا درمیانی حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ (۴) انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ (۵) حق تعالیٰ شانہ جب کسی نبی کو کوئی رزق عطا فرماتے ہیں تو اس کا متولّی وہ شخص ہوتا ہے جو نبی کا خلیفہ ہو۔

(۶) جو شخص خلیفہ اور بادشا بنے اور وہ لاپروائی سے کسی کو نائب بنائے، اس پر اللہ کی لعنت ہے، لاپروائی کا مطلب یہ ہے کہ حق کی رعایت نہ کرے۔ (۷) حدِ زنا کی حدیث۔ (۸) جہاد میں مشورہ کی حدیث۔ (۹) دین کا مدار لا الہ الا اللہ پر ہے۔ (۱۰) خلافت کا قریش میں ہونا۔ (۱۱) انصار کے فضائل اور ان کے بارے میں خلیفہ کو خیر خواہی کی وصیت۔ (۱۲) چوری کی سزا۔ (۱۳) منصف متواضع بادشاہ زمین پر اللہ کا سایہ ہے۔ (۱۴) جو یہ چاہے کہ جہنم کی سختی سے محفوظ رہے اور اللہ کے سایہ میں رہے تو مؤمنین پر سختی نہ کرے، ان پر رحم کا برتاؤ کرے۔ (۱۵) جو قوم جہاد چھوڑ دیتی ہے، عذابِ عامہ میں مبتلا ہوتی ہے۔ (تاریخ الخلفاء) ان کے علاوہ اور بھی ایسی روایات ہیں جن کا تعلق حضور اکرم ﷺ کے وصال اور وصال کے بعد انتظامات سے ہے۔ (خصائل)

(۳۷۴/۶) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَ عَبَّاسُ الْعَنْبَرِيُّ وَ سَوَارُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَ غَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوْا اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ مُوْسَى بْنِ اَبِيْ عَآئِشَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَنَّ اَبَابَكْرٍ قَبَّلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ بَعْدَ مَا مَاتَ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار، عباس عنبری، سوار بن عبداللہ اور بہت سے دوسرے لوگوں نے یہ حدیث بیان کی۔ اُن سب نے کہا کہ ہمیں یحییٰ بن سعید نے سفیان ثوری کے حوالہ سے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ اُن کو موسیٰ بن ابی عائشہ نے عبیداللہ بن عبداللہ کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی۔ انہوں نے یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد تشریف لائے اور آپ ﷺ کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔

راویانِ حدیث (۶۵۲) عباس العنبریؒ (۶۵۳) سوار بن عبداللہؒ اور (۶۵۴) موسیٰ بن ابی عائشۃ الہمدانیؒ کے حالات "تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

تقبیلِ میّت سنت ہے :

قبل النبی صلی اللہ علیہ و سلم ...... تحت اللفظ ترجمہ میں مضمونِ حدیث واضح ہے۔ قبّل ، تقبیل سے ہے، بمعنیٰ چومنے اور بوسہ لینے کے۔ یہ حدیث مختصر ہے۔ آئندہ تفصیل آ رہی ہے۔

(۱) یہ بوسہ تبرک وتیمن کے لئے تھا، ای تیمناً و تبرکاً (مناوی ج۲ص۲۶۱) (۲) نیز اس بوسہ میں حضور اقدس ﷺ کی اقتداء اور پیروی غرض تھی۔ و اقتداء بتقبیلہ صلی اللہ علیہ وسلم عثمان بن مظعون۔ (مناوی ج۲ص۲۶۱) (ابوبکرؓ کا آپ ﷺ کے ماتھے مبارک کو چومنا یہ دراصل آپ ﷺ کی اقتداء مقصود تھی کہ حضور ﷺ نے بھی عثمان بن مظعون کا بوسہ لیا تھا) (۳) شیخ ابراہیم الیجوریؒ فرماتے ہیں فتقبیل المیّت سنۃ (مواہب ص۲۸۶) یعنی میّت کا بوسہ لینا سنت ہے۔ (۴) شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ یہ الوداعی بوسہ تھا کہ محبوب کی دائمی مفارقت ہو رہی تھی۔

(۷/۳۷۵) حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا مَرْحُومُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ الْعَطَّارُ عَنْ اَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيّ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ بَابَنُوْسَ عَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ اَبَابَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا دَخَلَ عَلَى النَّبِيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ بَعْدَ وَفَاتِهٖ فَوَضَعَ فَمَهٗ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى سَاعِدَيْهِ وَ قَالَ وَانَبِيَّاهُ وَاصَفِيَّاهُ وَاخَلِيْلَاهُ .

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں نصر بن علی جہضمی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ اسے مرحوم بن عبد العزیز عطار نے ابو عمران جونی کے واسطہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت یزید بن بابنوس سے اور انہوں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے۔ آپ ﷺ کی پیشانی مبارک پر بوسہ دیا اور آپ ﷺ کے دونوں بازوؤں پر ہاتھ رکھ کر یہ فرمایا، ہائے نبی ہائے صفی اور ہائے خلیل۔

راویان حدیث (۶۵۵) مرحوم بن عبد العزیز العطارؒ اور (۶۵۶) یزید بن بابنوسؒ کے حالات "تذکرہ

راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی والہیت :

ان ابابکرؓ دخل علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ...... حضرت ابوبکر صدیقؓ وصال کے بعد حجرۂ عائشہ میں بارگاہِ قدس میں تشریف فرما ہوئے۔ دونوں آنکھوں کے درمیان پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور حضور ﷺ کے دونوں بازوؤں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے، یعنی کمال محبت میں آپؐ پر جھکے، اس میں میت کو چھونے اور ہاتھ لگانے کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے۔

وانبیاہ 'وا' کا لفظ عربی زبان میں اظہارِ افسوس کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ مقصود رنج اور دکھ کا اظہار ہوتا ہے۔ علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں : وفی روایۃ احمد انہ اتاہ من قبل راسہ فحدر فاہ فقبّل جبھتہ ثم قال و انبیاہ ثم رفع رأسہ و حدرفاہ و قبل جبھتہ ثم قال و اصفیاہ ثم رفع رأسہ وحدرفاہ و قبّل جبھتہ و قال واخلیلاہ (جمع ج ۲ ص ۲۶۲)

یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ حضور ﷺ کے سرِ اقدس کی طرف سے تشریف لائے اور چہرۂ انور پر سر جھکایا اور پیشانی مبارک کو چوما، پھر فرمایا ہائے نبی، پھر سر اٹھایا اور روئے مبارک پر پھر سر جھکایا اور پیشانی مبارک پر بوسہ دیا، پھر فرمایا ہائے برگزیدہ، پھر سر اٹھایا اور پھر روئے اطہر پر سر جھکایا اور پیشانی مبارک کو بوسہ دیا، پھر فرمایا ہائے دوست ۔

نیز ملا علی قاریؒ نے اپنی کتاب میں ابن ابی شیبہؒ سے نقل کیا ہے : فوضع فمہ علی جبینہ فجعل یقبلہ و یبکی ویقول بابی انت و امی طبت حیا و میتا (جمع ج ۲ ص ۲۶۲) منہ رکھا اور بوسہ لینا شروع کر دیا اور روتے بھی جاتے تھے اور فرماتے بھی جاتے تھے کہ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان آپ ﷺ کی زندگی بھی پاک اور وصال بھی پاک ۔

اوصافِ میّت کا بیان جائز ہے :

حضرات فقہاءؒ و محدثینؒ بیان کرتے ہیں کہ :

کہ کسی برگزیدہ عالم محقق یا شیخ طریقت کے وصال پر اس کے اچھے اوصاف بیان کرنا مستحب ہے۔ اس

لئے کہ یہ خلفاءِ راشدین کا طریقہ تھا کہ وہ برگزیدہ حضرات کی وفات کے بعد اوصافِ حسنہ بیان کرتے تھے۔

علامہ البیجوریؒ اس حدیث شریف کی شرح میں لکھتے ہیں:

و ھذا یدل علی جواز عد اوصاف المیت بلانوح بل ینبغی ان یندب لانه من سنة الخلفاء الراشدین والائمة المھتدین و قد صار ذالک عادة فی رثاء العلماء بحضور المحافل العظیمة والمجالس الفخیمة (مواہب ص ۲۸۷) یہ دلیل ہے میت کے اوصاف بیان کرنے کے جواز پر بشرطیکہ اس بیان میں کسی قسم کا نوحہ نہ پایا جائے، بلکہ یہ مندوب ہے۔ اس لئے کہ یہ سنتِ خلفاءِ راشدین اور ائمہ مہتدین ہے اور یہ علماءِ کرام کی عادت ہو چلی ہے، بڑی بڑی محفلوں اور مجالس میں اسی طرح بیان کرتے ہیں۔

(۳۷۶/۸) حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ هِلَالِ الصَّوَّافُ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِىْ دَخَلَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ اَضَاءَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِىْ مَاتَ فِيْهِ اَظْلَمَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ وَمَا نَفَضْنَا اَيْدِيَنَا عَنِ التُّرَابِ وَاِنَّا لَفِىْ دَفْنِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اَنْكَرْنَا قُلُوْبَنَا.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں بشر بن ہلال صواف بصری نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے جعفر بن سلیمان نے ثابت کے حوالہ سے بیان کیا۔ وہ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس روز حضور اقدس ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تھے، مدینہ کی ہر چیز منور اور روشن بن گئی تھی اور جس دن حضور اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو مدینہ کی ہر چیز تاریک بن گئی تھی۔ ہم لوگ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد مٹی سے ہاتھ بھی جھاڑنے نہ پائے تھے کہ ہم نے اپنے قلوب میں تغیر پایا تھا۔

نورِ نبوت کی ضیا پاشیاں:

قال لما کان الیوم ...... جس روز حضورِ اقدس ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو مدینہ

منورہ کا ذرہ ذرہ آپ ﷺ کے علوم و معارف اور برکات کے نور سے منور ہو گیا۔ گویا آپ ﷺ کے جمالِ با کمال کے پرتو سے مدینہ منورہ کے درودیوار چمک اٹھے اور نورِ نبوت تمام مدینہ کو محیط ہو گیا۔

شیخ عبدالرؤفؒ تحریر فرماتے ہیں :

و فی قوله کل شئی مبالغة لطیفة کانّ کل شئی فی العالم اقتبس النور واخذه من المدینة فی ذالک الیوم والاصح ان المراد به ان کل جزء من اجزاء المدینة اضاء ذالک الیوم حقیقة ولاتجرید و کیف لایضئی له ذالک و قد کانت ذاته کلها نوراوسماه الله نورا فقال سبحانه قد جاء کم من الله نور و کتاب مبین فکان نورا أضاء للعالمین و سراجًا منیراً (مناوی ج۲ص۲۶۲) یعنی حدیث شریف میں جو کل شئی آیا ہے، یعنی ہر ایک شئے اس میں ایک لطیف مبالغہ ہے۔ کہ کائنات کی ہر چیز اسی نور سے مستفید ہو رہی ہے اور اس دن مدینہ منورہ بھی اس نور سے تابناک ہو رہا تھا اور صحیح بات تو یہی ہے کہ مدینہ منورہ کا ہر ایک گوشہ حقیقتاً اس دن روشن تھا اور کیوں روشن نہ ہوتا، جبکہ حضور اقدس ﷺ کی ذاتِ اقدس سراپا نور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا اسم مبارک نور رکھا۔ سو ارشاد فرمایا سبحانہ وتعالیٰ نے کہ بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب، اور حضور ﷺ کا نور تمام جہانوں کو روشن کرتا ہے اور ان کا پیکر جمیل روشن چراغ ہے ۔

علامہ البیجوریؒ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں :

ای استنار من المدینة الشریفة کل شئی نوراحسیّا و معنویا لانه صلی الله علیه وسلم نور الانوار والسراج الوهاج نور الهدایة العامة ورافع الظلمة الطامة (مواہب ص۲۸۷) یعنی مدینہ منورہ کی ہر شئے حسیاتی و معنوی طور پر نور سے منور ہو گئی۔ اس لئے کہ حضور انور ﷺ کی ذاتِ اقدس نور الانوار، نہایت ہی روشن چراغ، ہدایت عامہ کے نور اور کمال تاریکی کو دور کرنے والی ہے۔

اور جب وصال ہوا :

اظلم منها کل شئی ...... جس روز حضور اقدس ﷺ کا وصال ہوا تو مدینہ منورہ تاریکی

میں ڈوب گیا۔ گویا ہرشی پرغم کا عالم طاری تھا۔ ہر شخص پریشان اور مضطرب تھا، ہر طرف تاریکی ہی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں :

یہ مطلب نہیں کہ کسی قسم کا اعمال وعقائد میں تغیر ہو گیا تھا، بلکہ فیضِ صحبت اور مشاہدۂ ذات کے انوار جو ہر وقت مشاہدہ ہوتے تھے، وہ حاصل نہ رہے تھے۔ چنانچہ اب بھی سالکین کو مشائخ کے یہاں حاضری اور غیبت میں انوار کا بیّن فرق محسوس ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اُن انوار کے حاصل کرنے کے لئے اب مجاہدات، ذکر کی کثرت اور مراقبہ کا اہتمام کرایا جاتا ہے اور اُس وقت کسی چیز کی بھی ضرورت نہ تھی۔ جمالِ جہاں آرا کی زیارت ہی سیکڑوں جلووں سے زیادہ تھی اور ایمان واحسان کی اُس انتہائی نسبت کو پیدا کرنے والی تھی، جو سیکڑوں مجاہدوں سے بھی پیدا نہیں ہوتی کہ صحابی بننے کے بعد اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی محبت کے مقابلہ میں تن من جان و مال سب بے حقیقت چیزیں بن جاتی تھیں۔ چنانچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین کی پوری زندگی اس کی شاہد عدل ہے ۔(خصائل)

وما نقضنا ...... اور ہم نے قبر مبارک کی مٹی سے ہاتھ بھی نہیں جھاڑے تھے اور تدفین میں مصروف تھے، مگر ہمارے دل یہ ماننے کے لئے آمادہ نہ تھے کہ آپ ﷺ اس دنیا سے تشریف لئے گئے ہیں۔

یعنی ہم آپ ﷺ کے وصال کی بات پسند نہیں کرتے تھے اور اپنے دلوں کو برا کہا کہ اے ہمارے قلوب ! تم کس طرح قبر مبارک پر مٹی ڈالنے پر راضی ہوئے۔ محشی مشکوٰۃ 'لمعات' سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں، حتی انکرنا ...... لم یرد عدم التصدیق الایمانی بل ہو کنایۃ عن عدم وجدان النورانیۃ والصفاء الذی کان حاصلاً من مشاہدتہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لتفاوت حال الظہور والغیبۃ۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۴۷) (یعنی حتی انکرنا قلوبنا (ہم نے اپنے قلوب میں تغیر پایا تھا) سے تصدیقِ ایمانی کا نہ ہونا ہرگز مراد نہیں بلکہ یہ ایک قسم کنایہ ہے کہ وہ نورانیت اور دلوں کی صفائی جو آپ ﷺ کے مشاہدہ کے وقت محسوس ہوا کرتی وہ نہیں پا رہے کیونکہ آپ ﷺ کے موجود اور حاضر ہونے کی کیفیت اور ناموجود ہونے کے حال وکیفیت میں بڑا فرق ہے)

سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ کا مرثیہ :

ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ :

شرح السنۃ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم دفن کر کے محترمہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا جگرِ گوشہ رسولِ مقبول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا :

یا انس اطابت انفسکم ان تحثوا التراب علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و الہٖ و سلم (جمع ج۲ ص۲۶۳) (اے انس! کیا تمہارا دل اس کام سے خوش ہوا کہ تم حضور رسولِ کریم ﷺ کے مرقد پر مٹی نچھاور کرے)

اور فرماتی ہیں : **واخذت من تراب القبر الشریف فوضعتہ علی عینھا وانشدت :**

ماذا علٰی من شم تربۃ احمد　　ان لایشم مدی الزمان غوالیا

صبت علیّ مصائب لو انھا　　صبت علی الایام صرن لیالیا

یعنی سیدۃ النساء خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا نے قبر شریف سے تھوڑی سی مٹی لے کر اپنی آنکھوں سے لگائی اور یہ دو شعر پڑھے۔(۱) سیدنا احمد (ﷺ) کی تربت مبارک کی خاک شریف جو شخص سونگھے گا، اس کا کیا حکم ہے؟ تو اس کے لئے یہ حکم ہے ...... کہ جب تک زمانہ ہے ایسی خوشبو کبھی نہ سونگھے گا۔ (۲) اے حضور ﷺ! جناب کے تشریف لے جانے کے بعد مجھ پر کچھ ایسی مصیبتیں نازل ہوئیں کہ اگر وہ روزِ روشن پر نازل ہوتیں تو وہ بھی شبِ بلا بن جاتا ۔

(۹/۳۷۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا عَامِرُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن حاتم نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عامر بن صالح نے ہشام بن عروۃ کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ

کا وصال دوشنبہ کے روز ہوا۔

راویان حدیث (۶۵۷) محمد بن حاتمؒ اور (۶۵۸) عامر بن صالحؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

پیر کا روز یوم وصال ہے :

قالت توفی ...... حضور اقدس ﷺ کا یوم وصال تمام علماء اور محدثین کے نزدیک پیر کا دن ہے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ **متفق علیه بین ارباب النقل** ۔ (مناوی ج۲ص۲۶۳)

(۱۰/۳۷۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَةَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ فَمَکَثَ ذٰلِکَ الْیَوْمِ وَ لَیْلَةَ الثُّلٰثَاءِ وَ دُفِنَ مِنَ اللَّیْلِ وَ قَالَ سُفْیَانُ وَ قَالَ غَیْرُهُ یُسْمَعُ صَوْتُ الْمَسَاحِیْ مِنْ اٰخِرِ اللَّیْلِ ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن ابی عمر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے سفیان بن عیینہ نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت جعفر بن محمد سے اور انہوں نے اپنے باپ سے نقل کی امام باقرؒ سے منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا وصال دوشنبہ کے روز ہوا۔ یہ روز اور سہ شنبہ کا روز انتظام میں گذرا اور منگل بدھ کی درمیانی شب میں حضور اکرم ﷺ کو قبر شریف میں اُتارا۔ سفیانؒ جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ امام باقر کی حدیث میں تو یہی ہے کہ جو گذرا، لیکن اور روایت میں یہ بھی ہے کہ اخیر حصہ شب میں پھاوڑوں کی آواز آتی تھی۔

تدفین میں تاخیر کیوں ؟

قال قبض ...... **المساحی** جمع ہے، مفرد اس کی **مسحاة** ہے۔ پھاوڑے کو کہتے ہیں پیر کے روز وصال ہوا، پیر اور منگل کے دن لوگ زیارت سے مشرف ہوتے رہے۔ غسل اور تدفین کا انتظام کرتے رہے، منگل اور بدھ کی درمیانی شب مدفون ہوئے اور وہ بھی شب کے آخری حصہ میں، جمہور کا یہی قول ہے اور یہ حدیث مرسل ہے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں :

گویا اخیر حصۂ شب میں قبر کھودی گئی۔ اس حدیث میں یہ خلجان کیا جاتا ہے کہ حضور اقدسؐ کے دفن میں اس قدر تاخیر کیوں کی گئی۔ حالانکہ دفن کی تعجیل میں متعدد روایات وارد ہوئی ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر جس قدر مراحل درپیش تھے، ان کے لحاظ سے یہ بھی کچھ تاخیر نہیں ہوئی، بلکہ تعجیل ہی تھی کہ اوّل تو اس حادثۂ ہائلہ کی وجہ سے ہوش وحواس ہی ابوبکرؓ کے علاوہ کسی کے رہ گئے تھے، کوئی مدہوش تھا، کوئی حیرت زدہ کہ زبان سے بات نہ نکلتی تھی، کوئی صدمہ کی شدّت سے حضور اکرم ﷺ کے وصال کا یقین ہی نہ کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ جیسا بہادر استقلال وشجاعت کا مجسّمہ بے قابو تھا۔ اس کے بعد مراحلِ انتظامیہ درپیش تھے۔ وہ ایک سے ایک بڑھ کر۔ اس لئے کہ سب سے اہم کام اس وقت خلافت کا مسئلہ تھا کہ تجہیز وتکفین کے ہر ہر جز میں اس کی ضرورت تھی کہ ہر جز میں اختلاف ہو رہا تھا۔ نیز نبیؐ ہونے کی وجہ سے ہر ہر جزو میں حکم معلوم کرنے کی بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ گزشتہ اختلاف سے معلوم ہوگیا کہ کوئی مکہ مکرمہ واپس لے جانے پر مصر تھا اور کوئی مدفنِ ابراہیمی پر لے جانا چاہتا تھا وغیرہ وغیرہ۔ ایسے ہی تجہیز وتکفین اور صلوٰۃ الجنازہ میں اشکالات تھے کہ عام لوگوں کی تجہیز وتکفین ہمیشہ دیکھنے میں آئی، مگر کسی نبی کو اس سے قبل دفنانے کی نوبت نہ آئی تھی کہ کس طرح غسل دیا جائے کہ کس طرح نماز پڑھی جائے۔ ہر مسئلہ میں احادیث معلوم کرنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ کپڑوں ہی میں حضور اکرم ﷺ کو غسل دیا گیا اور بغیر جماعت کے علیحدہ علیحدہ نماز پڑھی گئی۔ جیسا کہ آئندہ آرہا ہے اور تمام مسلمانوں کی علیحدہ نماز کے لئے جتنا وقت چاہئے تھا، وہ بھی ظاہر ہے۔ اس کے علاوہ انصار میں بیعت کا مسئلہ بحث میں آجانے سے یہ مہم اور بھی زیادہ سخت بن گئی تھی کہ اگر کوئی نااہل امیر بن گیا تو دین کا سنبھالنا مشکل پڑ جائے گا اور اس کو امارت سے ہٹانا ایک مستقل فتنہ کا دروازہ ہوگا۔ اس لئے اس وقت دین کا تحفظ صرف امارت ہی کے مسئلہ پر موقوف بن گیا تھا۔ چنانچہ شام تک بیعت کا مسئلہ طے ہوا اور دوسرے دن بیعتِ عامّہ ہوجانے کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے موافق ہر ہر مرحلہ سہولت سے طے ہوتا گیا۔ (خصائل)

(۳۷۹/۱۱) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ شَرِيْكِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِى

نَـمِـرٍ عَـنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَ دُفِنَ یَوْمَ الثُّلاثَاءِ قَالَ اَبُوْعِیْسٰی هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو عبد العزیز بن محمد نے شریک بن عبداللہ بن ابی نمر کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت ابی سلمۃ بن عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے نقل کی۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا وصال دو شنبہ کے روز ہوا اور سہ شنبہ کو دفن کیے گئے۔

یوم تدفین کی روایات میں تطبیق :

اس سے ماقبل کی حدیث میں منگل اور بدھ کی درمیانی شب میں تدفین کا ذکر ہے، جبکہ یہاں منگل کے دن کا بیان ہے۔ محدثین دونوں احادیث میں تطبیق کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔

(۱) کہ تجہیز و تکفین کا عمل منگل کے روز سے شروع ہوا ہوگا اور بدھ کی شب آخر وقت میں تدفین سے فراغت ہوئی ہوگی۔ (۲) منگل اور بدھ کی درمیانی شب میں تدفین ہوئی، جس کو عرفاً منگل کا دن بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس حدیث میں عرف کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ (۳) بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ مسئلہ خلافت سے فراغت کے بعد منگل کے دن تجہیز و تکفین کی ابتداء ہوئی اور بدھ کی شب میں فراغت ہوئی۔ یہ اور پہلی توجیہ ایک ہی ہے صرف الفاظ اور تعبیر کا فرق ہے۔

(۳۸۰/۱۲) حَـدَّثَـنَا نَصْرُ بْنُ عَلِیِّ الْجَهْضَمِیُّ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دَاوٗدَ قَالَ حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ نُبَیْطٍ اَخْبَـرَنَـا عَنْ نُعَیْـمِ بْـنِ اَبِیْ هِنْدٍ عَنْ نُبَیْطِ بْنِ شُرَیْطٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عُبَیْدٍ وَ كَانَتْ لَهٗ صُحْبَةٌ قَالَ اُغْـمِیَ عَـلٰی رَسُـوْلِ الـلّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ فِیْ مَرَضِهٖ فَاَفَاقَ فَقَالَ حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَقَالُوْا نَعَمْ فَقَالَ مُرُوْا بِلَالًا فَلْیُؤَذِّنْ وَ مُرُوْا اَبَابَكْرٍ فَلْیُصَلِّ لِلنَّاسِ اَوْ قَالَ بِالنَّاسِ ثُمَّ اُغْمِیَ عَلَیْهِ فَـاَفَـاقَ فَقَالَ حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ قَالُوْا نَعَمْ فَقَالَ مُرُوْا بِلَالًا فَلْیُؤَذِّنْ وَمُرُوْا اَبَابَكْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ فَـقَـالَـتْ عَـآئِشَةُ اِنَّ اَبِیْ رَجُلٌ اَسِیْفٌ اِذَا قَامَ ذٰلِكَ الْمَقَامَ بَكٰی فَلَا یَسْتَطِیْعُ فَلَوْ اَمَرْتَ غَیْرَهٗ

قَالَ ثُمَّ اُغْمِیَ عَلَيْهِ فَاَفَاقَ فَقَالَ مُرُوْا بِلَالًا فَلْيُؤَذِّنْ وَمُرُوْآ اَبَابَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَاِنَّ كُنَّ صَوَاحِبُ اَوْ صَوَاحِبَاتُ يُوْسُفَ قَالَ فَاُمِرَ بِلَالٌ فَاَذَّنَ وَ اُمِرَ اَبُوْبَكْرٍ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ ثُمَّ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ خِفَّةً فَقَالَ انْظُرُوْآ اِلٰى مَنْ اَتَّكِیءُ عَلَيْهِ فَجَآءَتْ بَرِيْرَةُ وَ رَجُلٌ اٰخَرُ فَاتَّكَاَ عَلَيْهِمَا فَلَمَّا رَاٰهُ اَبُوْبَكْرٍ ذَهَبَ لِيَنْكُصَ فَاَوْمَاَ اِلَيْهِ اَنْ يَّثْبُتَ مَكَانَهٗ حَتّٰى قَضٰى اَبُوْبَكْرٍ صَلٰوتَهٗ ثُمَّ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قُبِضَ فَقَالَ عُمَرُ وَاللّٰهِ لَا اَسْمَعُ اَحَدًا يَّذْكُرُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قُبِضَ اِلَّا ضَرَبْتُهٗ بِسَيْفِیْ هٰذَا قَالَ وَ كَانَ النَّاسُ اُمِّيِّيْنَ لَمْ يَكُنْ فِيْهِمْ نَبِیٌّ قَبْلَهٗ فَاَمْسَكَ النَّاسُ قَالُوْا يَا سَالِمُ انْطَلِقْ اِلٰى صَاحِبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَادْعُهٗ فَاَتَيْتُ اَبَابَكْرٍ وَهُوَ فِی الْمَسْجِدِ فَاَتَيْتُهٗ اَبْكِیْ دَهِشًا فَلَمَّا رَاٰنِیْ قَالَ لِیْ اَقُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ اِنَّ عُمَرَ يَقُوْلُ لَا اَسْمَعُ اَحَدًا يَّذْكُرُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ اِلَّا ضَرَبْتُهٗ بِسَيْفِیْ هٰذَا فَقَالَ لِیْ انْطَلِقْ فَانْطَلَقْتُ مَعَهٗ فَجَآءَ هُوَ وَالنَّاسُ قَدْ دَخَلُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَقَالَ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اَفْرِجُوْا لِیْ فَاَفْرَجُوْا لَهٗ فَجَآءَ حَتّٰى اَكَبَّ عَلَيْهِ وَ مَسَّهٗ فَقَالَ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ثُمَّ قَالُوْا يَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ فَعَلِمُوْا اَنْ قَدْ صَدَقَ قَالُوْا يَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَنُصَلِّیْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ نَعَمْ قَالُوْا وَ كَيْفَ قَالَ يَدْخُلُ قَوْمٌ فَيُكَبِّرُوْنَ وَ يَدْعُوْنَ وَ يُصَلُّوْنَ ثُمَّ يَخْرُجُوْنَ ثُمَّ يَدْخُلُ قَوْمٌ فَيُكَبِّرُوْنَ وَ يُصَلُّوْنَ وَيَدْعُوْنَ ثُمَّ يَخْرُجُوْنَ حَتّٰى يَدْخُلَ النَّاسُ قَالُوْا يَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَيُدْفَنُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ نَعَمْ قَالُوْآ اَيْنَ قَالَ فِی الْمَكَانِ الَّذِیْ قَبَضَ اللّٰهُ فِيْهِ رُوْحَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَقْبِضْ رُوْحَهٗ اِلَّا فِیْ مَكَانٍ طَيِّبٍ فَعَلِمُوْآ اَنَّهٗ قَدْ صَدَقَ ثُمَّ اَمَرَهُمْ اَنْ يُّغَسِّلَهٗ بَنُوْآ اَبِيْهِ وَاجْتَمَعَ الْمُهَاجِرُوْنَ يَتَشَاوَرُوْنَ فَقَالُوْآ انْطَلِقْ بِنَآ اِلٰى اِخْوَانِنَا مِنَ الْاَنْصَارِ نُدْخِلُهُمْ مَعَنَا فِیْ هٰذَا الْاَمْرِ فَقَالَتِ الْاَنْصَارُ مِنَّا اَمِيْرٌ وَّ مِنْكُمْ اَمِيْرٌ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ مَنْ لَّهٗ مِثْلُ هٰذِهِ الثَّلٰثِ ثَانِیَ اثْنَيْنِ اِذْهُمَا فِی الْغَارِ اِذْ

يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَاتَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا مَنْ هُمَا قَالَ ثُمَّ بَسَطَ يَدَهٗ فَبَايَعَهٗ وَ بَايَعَهُ النَّاسُ بَيْعَةً حَسَنَةً جَمِيْلَةً.

ترجمہ : امامِ ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں نصر بن علی جہضمی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبد اللہ بن داؤد نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سلمۃ بن نبیط نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں نعیم بن ابی ہند نے نبیط بن شریط کے حوالہ سے اس کی خبر دی اور انہوں نے اسے سالم بن عبیدؓ صحابی رسول ﷺ سے روایت کیا۔ صحابیِ رسول سالم بن عبیدؓ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ بیماری کے دوران آپ ﷺ پر بے ہوشی طاری ہو جاتی اور پھر آرام ہو جاتا تو ارشاد فرماتے کیا نماز کا وقت ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا ہاں، ارشاد فرمایا بلال کو کہو کہ اذان کہے اور ابوبکرؓ صحابہؓ کو نماز پڑھائیں۔ پھر بے ہوشی طاری ہوئی اور پھر آرام ہو گیا تو ارشاد فرمایا کیا نماز کا وقت ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا ہاں! ارشاد فرمایا بلال کو کہو اذان دے اور ابوبکرؓ صحابہؓ کو نماز پڑھائیں۔ عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا کہ بیشک میرا باپ رقیق القلب ہے، جب وہ آپؐ کے مصلّی پر کھڑا ہو گا تو بے ساختہ رو پڑے گا۔ لہٰذا وہ آپؐ کی جگہ پر نہیں کھڑا ہو سکے گا۔ لہٰذا آرزو رکھتی ہوں کہ کسی اور کو نماز پڑھانے کا حکم دیجئے۔ سالم بن عبیدؓ نے فرمایا آپ ﷺ پر بے ہوشی طاری ہوئی اور پھر آرام ہو گیا، تو ارشاد فرمایا بلالؓ کو کہو اذان کہے اور ابوبکر کو کہو صحابہ کو نماز پڑھائے۔ پس یقیناً تم یوسف علیہ السلام کے واقعہ والی عورتیں بن رہی ہو۔ سالم بن عبیدؓ نے فرمایا کہ چونکہ بلالؓ کو امر کیا گیا تو اس نے اذان دی' اور ابوبکرؓ کو امر کیا گیا' تو انہوں نے نماز پڑھائی۔ پھر رسولِ کریم ﷺ نے کچھ آرام محسوس فرمایا' تو ارشاد فرمایا دیکھو کوئی ہے، جس پر سہارا لے کر مسجد تک جاؤں۔ حضرت بریرہؓ اور ایک دوسرے شخص آئے۔ حضور ﷺ نے ان دونوں پر سہارا لیا، پس جب ابوبکرؓ نے آپ ﷺ کو دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے، تو حضور ﷺ نے ان کی طرف اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو۔ یہاں تک کہ ابوبکرؓ نے نماز پوری کر لی۔ بالآخر رسولِ کریم ﷺ کا وصال ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! جس نے بھی یہ بات کہی اور میں نے سُنی کہ حضور ﷺ کا وصال ہوا ہے، اس کی گردن اپنی تلوار سے اُڑا دوں گا۔ راوی نے کہا کہ عام طور لوگ ناخواندہ تھے، نیز

ان میں پہلے کوئی نبی بھی نہ ہوا تھا۔ لہٰذا لوگ چپ ہو گئے۔ صحابہؓ نے کہا اے سالم! حضور ﷺ کے ساتھی کو بلالو۔ ابو بکر صدیقؓ (اپنے محلّہ کی) مسجد میں تھے کہ میں ان کے پاس پہنچ گیا۔ میں روتا ہوا دہشت زدہ ان کے پاس پہنچا۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو فرمایا کہ کیا حضور ﷺ کا وصال ہو گیا ہے۔ میں نے کہا کہ عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں جس کو یہ کہتے ہوئے سنوں گا کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا ہے، تو اس کی گردن اُڑا دوں گا۔ پس ابو بکر صدیقؓ نے مجھے کہا چلو۔ سو میں ان کے ساتھ آ گیا۔ اُس وقت صحابہؓ حضور پاک ﷺ کے وجود مبارک کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا اے لوگو مجھے راہ دے دو۔ پس آئے یہاں تک کہ آنحضور ﷺ پر گر پڑے اور وجود مبارک سے لپٹ گئے اور فرمایا یقیناً آپ ﷺ نے بھی انتقال کرنا ہے اور بیشک انہوں نے بھی مرنا ہے، پھر صحابہؓ نے کہا اے رسول کریم ﷺ کے رفیق! کیا حضور ﷺ وصال فرما چکے ہیں۔ آپ نے جواب دیا ہاں۔ پس صحابہؓ کو یقین آ گیا۔ صحابہ نے کہا اے رفیقِ رسولِ کریم ﷺ! کیا ہم رسول اللہ ﷺ پر نماز پڑھیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ کس طرح؟ فرمایا کہ ایک گروہ داخل ہو، پس تکبیر کہیں، دعا کریں اور نماز پڑھیں۔ پھر وہ باہر چلے آئیں، پھر دوسرا گروہ آئے تکبیر کہے، نماز پڑھے اور دعا کہے، پھر باہر چلا آئے، حتیٰ کہ ساری مخلوق اسی طرح حجرہ مبارکہ میں داخل ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا اے رفیقِ رسول اللہ ﷺ کیا آنحضرت ﷺ کو دفن کیا جائے گا؟ انہوں نے فرمایا ہاں! صحابہؓ نے کہا کہ کہاں؟ ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا، جس جگہ آپ ﷺ کا وصال ہوا ہے، وہی مدفن ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا وصال پاک جگہ میں کیا ہے۔ پس صحابہؓ جان گئے کہ انہوں صحیح صحیح فرمایا ہے، پھر ابو بکر صدیقؓ نے حضور ﷺ کے چچازاد بیٹوں کو فرمایا کہ تم غسل دو اور مہاجر جمع ہو کر باہم دگر مشورے کر رہے تھے۔ سو مہاجرین نے ابو بکر صدیقؓ کو کہا آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائیوں انصار کی طرف چلیں تا کہ وہ بھی اس مشورہ میں شریک ہو جائیں۔ انصار نے کہا کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم سے ہو، تو عمر بن الخطابؓ نے کہا کہ کون ہے جس میں تین فضیلتیں جمع ہیں۔ صرف دو جان سے جب وہ دونوں غار میں تھے، جب اپنے یار سے فرماتے تھے کہ غم نہ کھا' بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے تم جانتے ہو وہ

دونوں کون سی ہستیاں تھیں۔ راوی کہتا ہے کہ پھر عمرؓ نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور ابو بکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ابو بکر صدیقؓ کے دستِ مبارک پر لوگوں نے بیعت کر لی۔ بیعتِ نیک اور بہترین۔

راویان حدیث (۶۵۹) سلمۃ بن نبیطؒ (۶۶۰) نعیم بن ابی ھندؒ (۶۶۱) نبیط بن شریطؒ اور (۶۶۲) سالم بن عبیدؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

انبیاء پر بے ہوشی آ سکتی ہے، مگر جنون نہیں :

قال اغمی علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ...... بیماری کے دوران حضور اقدسؐ پر بے ہوشی طاری ہو جاتی تھی۔ یہ اس آخری بیماری کا ذکر ہے، جس کے بعد آپ صحت یاب نہ ہو سکے۔ یہ بیماری بھی درحقیقت ضعفِ بدن تھا نہ یہ قطعی بے ہوشی' انبیاء پر بے ہوشی کا آنا جائز ہے کہ بے ہوشی بھی ایک گونہ مرض ہے، جو ضعف اور فتورِ اعضاء سے لاحق ہوتی ہے۔ بخلاف جنون کے کہ وہ نقص ہے اور انبیاء اس سے پاک ہوتے ہیں اور انبیاء کی بے ہوشی بھی عام انسانوں کی طرح بے ہوشی نہیں ہوتی۔ و لیس إغماؤھم کإغماء غیرھم (مواہب ص۲۸۹) کیونکہ اس سے صرف اُن کے ظاہری حواس پر' پردہ آ جاتا ہے، مگر قلوب بحال ہوتے ہیں، کیونکہ جب ان کے دلوں پر نیند نہیں آتی تو بے ہوشی تو بطریقِ اولیٰ نہیں آنی چاہئے۔ علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں لانہ اذا عصمت عن النوم فعن الإغماء أولٰی (مواہب ص۲۸۹)

نرم دلی صدیق اکبرؓ کی طبعی افتاد تھی :

فقالت عائشۃ ...... حضرت صدیق اکبرؓ طبعی طور پر نرم دل پیدا ہوئے تھے۔ ان پر اکثر رقت طاری رہتی تھی، پھر حضور اقدس ﷺ سے بھی بہت قریب کا تعلق تھا۔ سیدہ عائشہؓ حضرت صدیق اکبرؓ کی زیرک بیٹی تھیں۔ انہیں اپنے والد کے ساتھ حضور ﷺ سے تعلقِ خاطر اور طبعی افتاد و نرم دلی کا بھی علم تھا۔ انہیں یہ تصور غالب تھا کہ حضرت صدیق اکبرؓ سے آپ ﷺ کا مصلّٰی خالی نہ دیکھا جا سکے گا۔ پھر امّ المؤمنین حفصہ بنت عمرؓ بھی حضرت عائشہؓ کی ہمنوا بن چکی تھیں۔ دونوں حضرت صدیق اکبرؓ کی بجائے کسی دوسرے شخص سے امامت کروانے پر اصرار کر رہی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کے متعدد بار

سوال و جواب پر حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا :

صواحباتِ یوسف کے ساتھ تشبیہ :

فَإِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ اَوْ صَوَاحِبَاتُ يُوْسُفَ: تم یوسف کے قصہ والی عورتیں بننا چاہتی ہو۔

قولِ اوّل :

اوّل یہ کہ تم سے مراد حضرت عائشہؓ ہیں اور عورتوں سے مراد صرف زلیخا ہیں اور جمع کا لفظ تعظیمی محاورہ کے اعتبار سے فرمایا۔ اس قول کے موافق (الف) تشبیہ بیجا بات پر اصرار کرنے میں ہے کہ جیسا زلیخا نے ایک ناحق اور نامناسب بات پر حضرت یوسفؑ پر بہت زیادہ اصرر کیا۔ ایسے ہی تم بھی بے جا بات پر اصرار کر رہی ہو۔ (ب) یہ کہ تشبیہ اس بات میں ہے کہ جیسے زلیخا نے اپنی ملامت کرنے والیوں کو دعوت کے نام سے بلایا اور ظاہر یہ کیا کہ دعوت مقصود ہے، لیکن اصل مقصد یہ تھا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حُسن و جمال کو دیکھ کر زلیخا کو معذور سمجھیں۔ ایسے ہی حضرت عائشہؓ ظاہراً تو یہ فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ رقیق القلب ہیں، وہ آپ ﷺ کی جگہ پر کھڑے ہونے کی طاقت نہیں رکھتے، لیکن دل میں یہ ہے جیسا کہ حضرت عائشہ سے خود دوسری جگہ منقول ہے کہ مجھے حضور اکرم ﷺ سے بار بار مراجعت کرنے کا تقاضا اس وجہ سے ہو رہا تھا کہ میرے نزدیک لوگ اُس شخص کو کبھی بھی پسند نہ کریں گے، جو حضور اکرم ﷺ کی جگہ پر کھڑا ہوا اور اس کو منحوس سمجھیں گے۔

قولِ دوم :

دوسرا قول یہ ہے کہ تم سے مراد حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما ہیں اور حضرت یوسفؑ والی عورتوں سے مراد وہ عورتیں ہیں، جن کو زلیخا نے دعوت کے نام سے بلایا تھا۔ اس قول کے موافق بھی (الف) تشبیہ بیجا بات پر اصرار میں ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما بے جا بات پر اصرار فرما رہی تھیں۔ چنانچہ بعض راویات میں ہے کہ حضرت حفصہؓ نے بھی اس چیز پر اصرار کیا۔ (ب) یہ کہ تشبیہ وہی دل کے خلاف بات ظاہر کر کے اصرار کرنے میں ہے کہ (حضرت عائشہؓ کے ذہن

میں تو یہ مضمون تھا کہ لوگ حضورِ اکرم ﷺ کی جگہ حضرت صدیق اکبرؓ کو کھڑا ہوا دیکھیں گے، تو نحوست کا وسوسہ کریں گے۔ اور حضرت عمرؓ کی بیٹی حضرت حفصہؓ سے بھی اپنی موافقت پر اصرار کرایا اور شاید ان کے دل میں اپنے والد کی بڑھوتری ہو کہ نبی کی نیابت کا حق ادا کرنے کا واہمہ ہو، اس لئے حضور اکرم ﷺ نے ان کو حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ والیوں کے ساتھ تشبیہ دی کہ وہ ظاہر میں تو حضرت یوسف علیہ السلام پر زلیخا کی موافقت کا اصرار کر رہی تھیں، لیکن در حقیقت ہر ایک اپنی طرف مائل کرنے کا انداز برت رہی تھی۔

صدیق اکبرؓ نے امتثالِ امر کو ترجیح دی :

بعض روایات میں اس جگہ حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد بھی منقول ہے کہ اللہ جل شانہٗ اور مسلمان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی کو نہیں مانیں گے۔ امتثالِ حکم پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی (اور حضور اکرم ﷺ کے شام وصال تک سترہ (۱۷) نمازیں ادا فرمائیں۔ اس لئے کہ یہ قصہ جس کا ذکر اوپر سے ہو رہا ہے، پنجشنبہ کی شام کا ہے کہ پنجشنبہ کے روز حضور اقدس ﷺ کی طبیعت مبارک زیادہ ناساز رہی اور جمعہ کی شب میں عشاء کے نماز کے وقت یہ تمام گفتگو ہے اور عشاء کی نماز سے حضرت ابوبکرؓ نے نماز پڑھانا شروع کی اور دوشنبہ کے روز چاشت کے وقت حضور اکرم ﷺ کا وصال ہوا۔ اس لئے کل سترہ (۱۷) نمازیں ہوئیں، جو مسلسل حضرت صدیق اکبرؓ نے حضور اکرم ﷺ کے شدّتِ مرض کے ایام میں پڑھائیں۔ بندۂ ناکارہ کے نزدیک چونکہ مرض کی ابتداء اس سے بہت پہلے سے تھی۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے ان ایام میں بھی کبھی کبھی نماز پڑھائی۔ (خصائل)

جن خوش نصیبوں پر حضور ﷺ نے تکیہ فرمایا تھا :

فقال انظروا ...... حضرت بریرہؓ جو آپ ﷺ کی لونڈی تھیں اور حضرت عائشہؓ کی آزاد کردہ کنیز تھیں۔ دوسرے صاحب کا نام نوبہ تھا۔ بعض نے حضرت علیؓ، حضرت قثمؓ اور حضرت فضل بن عباسؓ کے نام بھی لیئے ہیں۔ یعنی دوسرے شخص کا مصداق ان میں سے کوئی ایک تھا۔ **وفی روایة**

للشيخين خرج بين عباس و رجل آخر وهو علیّ وفی رواية العباس وولده الفضل ' و فی اخرىٰ العباس و أسامة و للدار قطنی أسامة و الفضل و يمكن التوفيق بين الروايات بتعدد خروجه صلی الله عليه وسلم (مواهب ص۲۹۰) (اور بخاری و مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ حضرت عباسؓ اور ایک دوسرے شخص کے سہارے نکلے اور وہ حضرت علیؓ تھے اور ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عباسؓ اور اس کے بیٹے حضرت فضلؓ کے سہارے نکلے اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباسؓ اور حضرت اسامہؓ کے سہارے اور دار قطنی کی روایت میں ہے کہ حضرت اسامہؓ اور حضرت فضلؓ کے سہارے نکلے۔ اور سب روایات کے درمیان تطبیق کی یہی صورت ممکن ہے کہ آپ ﷺ کا باہر آنا متعدد بار ہوا ہوگا)

آپ ﷺ کا وصال' اُمت کے لئے عظیم صدمہ :

قضٰی ابوبكر صلواته ' حضرت ابوبکرؓ نے اپنی نماز مکمل کر لی۔ یہ پیر کی صبح کا واقعہ ہے، پھر تکلیف میں اضافہ ہوا اور اسی روز چاشت کے وقت وصال فرمایا۔ صحابہؓ کے اوپر یہ سخت وقت جس قدر بھی مشکل اور کٹھن تھا، وہ ظاہر ہے، منافقین اور مخالفین کے فتنے اور حضور اکرم ﷺ کے تیئیس (۲۳) سالہ باغ کی حفاظت اور ان سب کے ساتھ حضور اکرم ﷺ جیسی قدسی ذات کی مفارقت اور اُس محبوب کی جدائی جس کی بدولت گھر بار خویش و اقارب مال و متاع سب لُٹا دیا تھا اور چونکہ آج صبح سے افاقہ کے آثار معلوم ہو رہے تھے، جو در حقیقت سنبھالا تھا نہ کہ افاقہ۔ اس لئے حضور اکرم ﷺ کے وصال کی خبر کا باوجود بہت مشہور ہو جانے کے بہت سے حضرات کو یقین نہیں آیا، چنانچہ حضرت عمرؓ (جیسے باعظمت اور قوی القلب آدمی بھی بایں فضل و کمال اور بدیں شجاعت و ہمت تحمل نہ فرما سکے اور از خود رفتہ ہو کر برہنہ تلوار لے کر کھڑے ہو گئے۔ (خصائل)

فقال عمر والله لا اسمع ...... حضرت عمرؓ فرمانے لگے، واللہ ! آپ ﷺ کا وصال نہیں ہوا، جو بھی آپ ﷺ کے وصال کی بات کرے گا، اس کی گردن اُڑا دوں گا۔ حالات نازک تھے ،نزاکت اور سامعین کے سکوت کی وجہ ترجمہ میں بیان کر دی گئی ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کو بلایا گیا۔

آپ ﷺ کے جسدِ اقدس کے قریب پہنچے، حتی اکب علیہ تو آپ ﷺ پر جھک گئے، ومسه (اوراس کو ہاتھ لگایا) جس کی تفصیل گذشتہ حدیث میں آ گئی ہے۔ پیشانی مبارک پر بوسہ دیا اور یہ آیت تلاوت فرمائی انک میت و انهم میتون (الزمر:۳۰) (تحقیق تو بھی مرنے والا ہے اور تحقیق وہ بھی مرنے والے ہیں) اس کے بعد کی تمام تفصیلات تحت اللفظ ترجمہ میں آ گئی ہیں۔

نمازِ جنازہ کی نوعیت وتفصیلات :

انصلی علی رسول الله صلی الله علیه وسلم ...... صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، اے رفیقِ رسولِ کریمؐ ! کیا ہم حضور ﷺ پر نماز جنازہ پڑھیں۔ انہوں نے فرمایا ہاں! صحابہؓ نے عرض کیا کس طرح؟ انہوں نے فرمایا ایک گروہ داخل ہو، پس تکبیر کہیں دعا کریں اور درود پڑھیں، پھر وہ باہر چلے آئیں، پھر دوسرا گروہ داخل ہو، یعنی چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں لوگ حجرۂ مبارکہ میں جائیں، تکبیر، دعا اور صلوٰۃ پڑھ کر واپس چلے آئیں۔

نمازِ جنازہ کا یہ طریقہ حضور ﷺ کے لئے خاص تھا۔ اس کی تفصیلات مستدرکِ حاکم اور مسندِ بزار میں موجود ہیں۔ ایک موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے گھر والوں کو حجرۂ عائشہؓ میں اکٹھا کیا تو انہوں نے آپؐ سے دریافت کیا کہ حضور ! موت تو ہر ذی روح کے لئے برحق ہے، جب آپ کی ذاتِ مبارکہ پر یہ وقت آ جائے، تو مَنْ یُصَلِّیْ عَلَیکَ تو آپ کا جنازہ کون پڑھے گا؟ آپ نے فرمایا کہ جب تم مجھے غسل دے کر تین سفید کپڑوں میں کفن پہنا دو تو مجھے چارپائی پر رکھ دینا، پھر تم تھوڑی دیر کے لئے کمرے سے باہر نکل جانا۔ سب سے پہلے میرا جنازہ مقرب فرشتے اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ پڑھیں گے، یعنی جبرائیل علیہ السلام، پھر میکائیل، پھر اسرافیل اور پھر ملک الموت اپنی اپنی جماعتوں کے ساتھ نمازِ جنازہ پڑھیں گے۔ پھر تم گروہ در گروہ کمرے میں داخل ہو کر فَصَلُّوْا عَلَیَّ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا مجھ پر درود وسلام پڑھنا۔

چونکہ حضرت ابو بکرؓ کو یہ حدیث یاد تھی۔ لہٰذا انہوں نے لوگوں کو بتلایا کہ دس دس کے گروہ میں لوگ کمرے میں داخل ہو کر آپ کا جنازہ پڑھیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ صحابہؓ میں سے پہلے مردوں

نے دس دس کی تعداد میں اندر داخل ہوکر مذکورہ طریقے سے آپ کا جنازہ پڑھا اور پھر اسی طریقے سے عورتوں نے اور پھر بچوں نے۔

جناب قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری لکھتے ہیں :

نماز جنازہ پہلے کنبے والوں نے، پھر مہاجرین نے، پھر انصار نے، مردوں اور عورتوں نے، پھر بچوں نے ادا کی۔ اس نماز میں کوئی امام نہیں تھا ...... نماز یہ تھی۔ ان اللّٰہ و ملئکته یصلون علی النبی یاایها الذین اٰمنوا صلوا علیه و سلموا تسلیما ،اللّٰهم ربنا لبیک و سعدیک صلوٰة اللّٰه البر الرحیم . و الملائکة المقربین والنبین والصدیقین والصالحین وماسبح لک من شئی یا رب العلمین علٰی محمد بن عبد اللّٰه خاتم النبیین و سید المرسلین و امام المتقین ورسول رب العلمین الشاهد المبشر الداعی باذنک السراج المنیر و بارک و سلم (رحمۃ اللعالمین ج۲ص۳۲۶) (بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی کے اوپر اے ایمان والو تم بھی درود بھیجو اور سلام بھیجو۔ سلام بھیجنا اے اللہ ہمارے ربّ! ہم بار بار آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ اے ربّ رحیم اے رب العالمین تو اپنا اور مقرب فرشتوں، نبیوں، صدیقین اور نیکوکار اور ہر وہ مخلوق جو تیری پاکی بیان کرے کا درود وسلام پہنچادے۔ محمد بن عبداللہ خاتم النبیین والمرسلین متقین کے مقتدا اور رب العالمین کے رسول شاہد، مبشر جو آپ کے حکم سے داعی ہیں اور سراج منیر ہیں)

مدفن مبارک :

قال فی المکان الذی قبض اللّٰه فیه روحه ...... ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس جگہ آپ ﷺ کا وصال ہوا ہے۔ وہی مدفن ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا وصال پاک جگہ میں کیا ہے۔ علامہ عبدالرؤف تحریر فرماتے ہیں :

اخرج ابن الجوزی فی الوفاء عن عائشة قالت لما قبض رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اختلفوا فی دفنه فقال لی علی رضی اللّٰه عنه انه لیس فیَ الارض بقعة اکرم علی اللّٰه من بقعة قبض فیها نفس نبیه قال الشریف السمهودی فهذا اصل الاجماع علی تفضیل

البقعة التي ضمت اعضاء ه على جميع الارض حتى الكعبة ۔(مناوی ج ۲ ص ۲۷۲)

یعنی الوفاء میں ابن جوزی تخریج کرتے ہیں کہ امّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جس وقت حضور ﷺ کا وصال ہوا تو دفن کرنے کی جگہ پر مختلف آراء پیدا ہوگئیں۔ پس مجھے علی کرم اللہ وجہہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک روئے زمین پر اس جگہ سے افضل کوئی مقام نہیں، جہاں اس کے نبی کا وصال شریف ہوا ہو۔ الشریف السمہودی نے فرمایا یہ حدیث اجماع (اُمت) کی اصل ہے۔ اس بات پر کہ تمام روئے زمین حتی کہ کعبۃ اللہ سے بھی وہ جگہ افضل ہے، جہاں حضور اقدس نبی الانبیاء جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے وجودِ مطہر کے اعضاءِ شریفہ لگے ہوئے ہیں۔

غسل کا مرحلہ :

ثم امرهم ان يغسله بنو أبيه...... پھر ابوبکر صدیق نے اہل بیت اور آپ ﷺ کے قریبی رشتہ داروں کو غسل اور تجہیز و تکفین کا حکم فرمایا۔ آپ ﷺ کے غسل میں حضرت عباسؓ، حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ کے دونوں بیٹے فضلؓ اور قثمؓ، آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام اسامہ بن زید اور صالح حبشی شریک تھے۔ بعض محدثین کرامؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی اجازت سے اوس بن خولی انصاریؓ، سعد بن وقاصؓ کے کنویں سے پانی بھر کر لاتے تھے اور حجرۂ انور میں پہنچاتے تھے۔ حجرۂ انور کا دروازہ بند تھا اور یہ چھ حضرات اندر تھے۔ بیہقی نے دلائل میں حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ کا اس بات پر اختلاف ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کو کپڑے میں غسل دیا جائے یا دیگر اموات کی طرح برہنہ کرکے نہلایا جائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اُن پر نیم خوابی کا عالم طاری کر دیا کہ انہوں نے اپنی ٹھوڑیوں کو اپنے سینوں پر پہنچا دیا، یعنی اونگھ غالب آ گئی۔ اچانک گھر مبارک کے ایک کونہ سے ایک شخص کی صدا آئی اغسلوا النبي صلى الله عليه وسلم و عليه ثيابه (جمع ج ۲ ص ۲۷۳) یعنی خدا کے پیغمبر کو برہنہ نہ کرو اور اس کے کپڑوں میں ہی اسے غسل دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا فغسلوه و عليه قميصه يصبون الماء فوق القميص ۔(جمع ج ۲ ص ۲۷۳) (پس انہوں نے آپ ﷺ کو غسل دیا قمیص پہنے ہوئے اور اس کے اوپر ہی پانی ڈال رہے تھے)

مسئلہ خلافت اور امیر کا انتخاب :

واجتمع المهاجرون...... مہاجرین نے جمع ہو کر کارِ خلافت چلانے کے لئے انتخابِ امیر کے لئے باہمی مشورہ شروع کر دیا، ادھر انصار بھی سقیفۂ بنی سعد میں جمع ہو کر امیر کے انتخاب پر صلاح مشورہ کر رہے تھے۔ اس مسئلہ پر صحابہ کرامؓ میں کچھ اختلاف بھی ہوا۔ بہرحال جب حفاظتِ اسلام اور رفع اختلافات کے لئے کسی شخص کو مدارِ رائے بنانے کی تجویز شروع ہوئی۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ جب تلوار سونتے ہوئے کھڑے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ حضور اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا ہے، اس کی گردن اُڑا دوں گا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کے اس مقولہ پر تنبیہ فرمائی اور ایک خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں کلامِ پاک کی آیت وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ...... 'تلاوت فرمائی، اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جو شخص محمد ﷺ کی پرستش کرتا ہو تو حضور اکرم ﷺ کا تو وصال ہو چکا، لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی پرستش کرتا ہو، تو اللہ جل جلالہٗ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ لوگ سب کے سب حضرت ابوبکرؓ کے خطبہ کی آواز سن کر منبر کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے اسی خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ دین کی حفاظت کے لئے ایک شخص کی ضرورت ہے، جو اس کی نگرانی کرے اور اس کی حفاظت کرے۔ تم لوگ اپنی اپنی رائے اس بارے میں بتاؤ۔ مہاجرین نے آپس میں مشورہ کیا، پھر یہ تجویز ہوا کہ) انصار کی شرکت بھی اس مشورے میں ضروری ہے۔ ان کی شرکت سے کوئی امر قرار پانا چاہئے۔ اس لئے اُن کی مجلس میں یہ حضرات گئے۔ وہاں یہ مسئلہ پہلے سے چھڑا ہوا تھا۔ انصار نے یہ تجویز کی کہ انصار میں سے ایک امیر مستقل ہو اور مہاجرین میں علیحدہ امیر ہو۔ (اس پر حضرت ابوبکرؓ نے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد الائمة من قريش امیر قریش میں سے ہو نقل کیا)

ابوبکر صدیقؓ کی تین امتیازی خصوصیات :

حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کون ہے وہ شخص جس کے لئے ایک ہی واقعہ میں تین فضیلتیں ہوں، چہ جائیکہ اور فضائل اور پھر یہ تین بھی ایسی کہ جن میں ہر ایک کمالِ فضل پر دال ہو۔

اوّل حضور اقدس ﷺ کے ساتھ اتحاد وارتباط اور تنہائی کے وقت ساتھ دینا، جس کو حق تعالیٰ

شانہٗ ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْھُمَا فِی الْغَارِ (دوسرا دو میں کا جس وقت کہ وہ دونوں غار میں تھے سے ارشاد فرما رہے ہیں۔ دوسرے حق تعالیٰ شانہٗ ان کو حضور اکرم کا ساتھی اور رفیق فرما رہے ہیں) اذ قال لصاحبہ لاتحزن (جس وقت کہ کہتا تھا اپنے رفیق کو کہ غم نہ کھا) تیسرے اللہ جل شانہٗ کی معیّت کہ حضور اقدسؐ نے اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا فرمایا کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے) اُس وقت حضور اکرم ﷺ اور حضرت صدیق اکبرؓ دونوں حضرات وہاں تھے، جن کے متعلق حضور اکرم ﷺ نے ہمارے ساتھ فرمایا۔ تم ہی بتاؤ کہ وہ دو کون تھے، جن کا آیت میں ذکر ہے، کس قدر بڑی ذات ہے، ان دونوں حضرات کی (یعنی حضور اقدسؐ اور حضرت ابوبکرؓ کے برابر کون سی ہستی ہوسکتی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی گفتگو درمیان میں ہوتی رہی، جو مختلف روایات میں وارد ہوئی ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے حضور ﷺ کی زندگی میں آپؐ کی نیابت فرمائی:

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے انصار کی جماعت تمہیں معلوم ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو مصلّے پر کھڑا کیا اور بیماری کے زمانے میں حکماً نماز پڑھوائی۔ تم میں سے کون گوارا کرسکتا ہے کہ ایسے شخص کو امامت سے ہٹائے، جس کو حضور ﷺ نے امام بنایا ہو۔ انصار نے کہا اللہ کی پناہ۔ ہم حضرت ابوبکرؓ کے آگے نہیں بڑھ سکتے) اس کے بعد حضرت عمرؓ نے بیعت کے لئے ہاتھ پھیلا دیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔ اس کے بعد سقیفہ کے سب لوگوں نے برضاورغبت بیعت کی۔

یہ ابتدائی بیعت تھی، جو انصار کی مجلس میں ہوئی۔ اس کے بعد دوسرے دن مسجد نبوی میں بیعتِ عامہ ہوئی، جس میں اوّل حضرت عمرؓ نے ایک خطبہ جس میں حضرت ابوبکرؓ کے فضائل بھی تھے اور دیگر اُمور تھے ارشاد فرمائے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ کی قسم میں کبھی بھی خلیفہ بننے کا خواہشمند نہیں ہوا۔ نہ مجھے کبھی اس کی ترغیب ہوئی، نہ کبھی بھی پوشیدگی میں یا علانیہ اس کے حصول کی دعاء کی۔ اپنے انکار پر اُمت میں فتنہ پیدا ہوجانے کے ڈر سے میں نے اس کو قبول کیا ہے۔ مجھے اس میں کوئی راحت نہیں ہے اور جو کام مجھ پر ڈال دیا گیا ہے،

میری طاقت سے باہر ہے۔ اللہ ہی کی مدد سے کچھ کام چل سکتا ہے۔ (خصائل)

ایک اعتراض کا جواب :

واجتمع المهاجرون يتشاورون 'معلوم ہوا کہ تاخیر اس مشاورت کی وجہ سے تھا۔ روافض کا کہنا ہے کہ صحابہ کرامؓ خلافت کی فکر میں تجہیز و تکفین سے بے پرواہ ہو گئے۔ طبقات ابن سعد میں بعض روایاتِ منکرہ ایسی منقول ہیں، جن سے ان کے قول کی تائید ہوتی ہے، لیکن کہا جائے گا کہ تجہیز و تکفین تو اہلِ بیت کا کام تھا۔ چنانچہ ان يغسله بنو ابيه (اس کو غسل اس کے خویش و اقارب دے دیں) کا حکم ارشاد فرما چکے تھے۔ صحابہ کرامؓ پر کیا اعتراض ہے۔ صحیح جواب یہ ہے کہ طبقات ابن سعد کی روایات موضوعہ ہیں۔ انتفاخ نعش کی نوبت نہیں آئی۔ البتہ تاخیر ضرور ہو گئی جو ہونی چاہئے تھی۔ کما مرّ...... چونکہ تجہیز و تکفین آخری خدمت تھی۔ جب کہ آپ ﷺ کی زندگی میں صحابہ کرامؓ ہر خدمت میں مسابقت کرتے تھے۔ تو اس وقت مجادلہ ہو جاتا بغیر انتخابِ خلیفہ کے قتل و قتال کی نوبت آتی۔ یہ داخلی فتنہ تھا ادھر ملوک عجم مسلمانوں سے خار کھائے بیٹھے تھے۔ اس داخلی فتنہ سے خوب فائدہ اٹھاتے، اس لئے انتخابِ خلیفہ کی طرف توجہ کی گئی۔ بنا بریں فقہاء فرماتے ہیں اوّل فریضہ بعد الایمان اقامت خلافت ہے تاکہ اُمورِ ایمانیہ کی حفاظت ہو۔

(۳۸۱/۱۳) حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الزُّبَيْرِ شَيْخٌ بَاهِلِيٌّ قَدِيْمٌ بَصْرِيٌّ حَدَّثَنَا ثَابِتُ الْبُنَانِيُّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا وَجَدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ كَرْبِ الْمَوْتِ مَا وَجَدَ فَقَالَتْ فَاطِمَةُ وَاكَرْبَاهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا كَرْبَ عَلٰى اَبِيْكِ بَعْدَ الْيَوْمِ اِنَّهُ قَدْ حَضَرَ مِنْ اَبِيْكِ مَا لَيْسَ بِتَارِكٍ مِّنْهُ اَحَدًا الْوَفَاةُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں نصر بن علی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبد اللہ بن زبیر شیخ باہلی قدیم بصری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ثابت بنانی نے حضرت انس بن مالکؓ سے یہ روایت نقل کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب مرض الوفاۃ میں

سخت تکلیف برداشت فرما رہے تھے، تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ہائے ابا کی تکلیف۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آج کے بعد تیرے باپ پر کچھ تکلیف نہیں رہے گی۔ بے شک آج تیرے باپ پر وہ اٹل چیز اُتری ہے یعنی موت جو قیامت تک کبھی کسی سے ٹلنے والی نہیں۔

راوی حدیث (۶۶۳) عبداللہ بن الزبیرؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور ﷺ کے وصال پر صحابہؓ غم سے نڈھال ہو گئے :

و اکرباہ ...... کرب، شدت، سختی، تنگی اور تکلیف میں ہونے کو کہتے ہیں۔ لفظ وا عربی زبان میں اظہارِ افسوس کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ مقصود رنج کا اظہار ہوتا ہے۔ علامہ یوسف نبہانیؒ تحریر فرماتے ہیں :

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور اقدس ﷺ کا وصال ہوا تو صحابہؓ غم سے نڈھال ہو گئے۔ بہت سے لوگوں کی روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں۔ میں نے اپنے کپڑے سے حضور ﷺ کا جسم مبارک ڈھانپ دیا۔ لوگ مختلف باتیں کرنے لگے، کسی نے کہا حضور ﷺ کی رحلت نہیں ہوئی، کسی نے کہا حضور ﷺ دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے اور منافقوں کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے، ان کا قلع قمع کریں گے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا جو یہ کہے گا کہ حضور ﷺ کی رحلت ہو گئی ہے، میں اس کی گردن اُڑا دوں گا۔ مختلف باتوں سے شور و شغب ہو گیا۔ حضرت علیؓ نڈھال ہو کر گھر بیٹھ گئے۔ عثمان غنیؓ پر سکتہ کا عالم طاری ہو گیا، لوگ کوئی بات پوچھتے تو ہاتھ کے اشاروں سے جواب دیتے۔ مصیبت اور غم و اندوہ کے اِس طوفان میں جس کو اپنے ہوش و حواس پر مکمل قابو تھا، وہ صِرف حضرت ابوبکرؓ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقعہ پر حضرت ابوبکرؓ کی مدد فرمائی اور انہیں ثابت قدم رکھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے جب یہ آیت لوگوں کو پڑھ کر سنائی تو لوگ مطمئن ہو گئے۔ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَ اِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ ، ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عِنْدَ رَبِّکُمْ تَخْتَصِمُوْنَ (الزمر ۳۰، ۳۱) (تحقیق تو بھی مرنے والا ہے اور تحقیق وہ بھی مرنے والے ہیں، پھر تحقیق تم دن قیامت کے نزدیک پروردگار اپنے کے

جھگڑو گے) (وسائل الوصول)

(۳۸۲/۱۴) حَدَّثَنَا اَبُوْ الْخَطَّابِ زِيَادُ بْنُ يَحْيَى الْبَصْرِيُّ وَ نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ رَبِّهِ بْنُ بَارِقِ الْحَنَفِيُّ قَالَ سَمِعْتُ جَدِّيْ اَبَا اُمِّيْ سِمَاکَ بْنَ وَلِيْدٍ يُحَدِّثُ اَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يُحَدِّثُ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ كَانَ لَهُ فَرَطَانِ مِنْ اُمَّتِيْ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهِمَا الْجَنَّةَ فَقَالَتْ لَهُ عَائِشَةُ فَمَنْ كَانَ لَهُ فَرَطٌ مِّنْ اُمَّتِکَ قَالَ وَ مَنْ كَانَ لَهُ فَرَطٌ يَامُوَفَّقَةُ قَالَتْ فَمَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ فَرَطٌ مِنْ اُمَّتِکَ قَالَ فَاَنَا فَرَطٌ لِّاُمَّتِيْ لَنْ يُّصَابُوْا بِمِثْلِيْ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ابوالخطاب زیاد بن یحییٰ بصری اور نصر بن علی نے یہ حدیث بیان کی ۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم کو عبدربہ بن بارق حنفی نے یہ روایت بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے نانا سماک بن ولید کو کہتے ہوئے سنا ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے دو بچے ذخیرۂ آخرت بن جائیں تو حق تعالیٰ شانہٗ اُن کی بدولت اس کو ضرور جنت میں داخل فرمائیں گے ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (ﷺ)! جس کا ایک ہی بچہ ذخیرہ بنا ہو، اس کا کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کا ایک ہی بچہ چل دیا ہو، وہ بھی بخش دیا جائے ۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ جس کا ایک بھی نہ مرا ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے لئے میں ذخیرۂ آخرت بنوں گا ۔ اس لئے کہ میری وفات کا رنج آل واولاد سب سے زیادہ ہوگا ۔

راویان حدیث (۶۶۴) ابوالخطاب زیاد بن یحییٰ ؒ (۶۶۵) عبدربہ بن بارق الحنفیؒ اور (۶۶۶) جدی ابا امی سماک بن الولیدؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں ۔

لفظِ فرط کا معنیٰ :

عن ابن عباس ...... مضمونِ حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے ۔ فرطؔ بچے کا معصومیت کے زمانہ میں انتقال ہونا، قافلہ پہنچنے سے قبل ایک شخص کا مقررہ مقام پر پہنچ کر پانی اور چارے کا بندوبست اور انتظام کرنا، وھو السابق الی محل لابد من الوصول الیہ لیھیٔ المنزل و یزیل ما

یخاف منه و یأخذ الامن فیه للمتأخر عنه فھو بمعنیٰ فاعل ۔(مناوی ج ۲ ص ۲۸۱) (علامہ مناویؒ فرط کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کسی شخص کا ایسے مقام کی طرف پہلے پہنچ جانا تاکہ بعد میں آنے والوں کے لئے محفوظ جگہ اور دوسرے ضروریاتِ زندگی کا مکمل انتظام کر دے تو فرط بمعنیٰ فارط اسم فاعل کے ہوگا)

فوت ہونے والے چھوٹے ذخیرۂ آخرت بنیں گے :

حضور اقدس علیہ وسلم فرماتے ہیں :

جس شخص کے میری اُمت سے دو چھوٹے بچے فوت ہوجائیں، یعنی حضور علیہ وسلم کے اُمتی میں سے کسی کے دو چھوٹے بچے مرجائیں، تو یہ دونوں اس کے لئے آخرت کا ذخیرہ ہوں گے۔ یہ اس شخص کی سفارش کریں گے اور اس کی بخشش کا ذریعہ ہوں گے۔ ان کی بدولت یہ جنت میں جائے گا۔ گویا اس کے دخولِ جنت کا یہ بچے وسیلہ بنیں گے۔ اُمّ المؤمنینؓ کے استفسار پر تو اس شفیقِ اُمت علیہ وسلم نے تو یہاں تک ارشاد فرمایا کہ اگر ایک چھوٹا بچہ فوت ہوا، تو وہ بھی ذخیرہ بن جائے گا۔ نیز اُمت میں وہ لوگ کہ جن کا کوئی چھوٹا بچہ فوت نہ ہوا ہو، تو ان کے متعلق ارشاد ہے کہ ان کے لئے میں ذخیرۂ آخرت ہوں حدیث شریف میں ہے : انا فرطکم علی الحوض (جمع ج ۲ ص ۲۸۱) میں حوضِ کوثر پر تمہارا پیش خیمہ ہوں۔ یعنی پہلے جا کر تمہارے لئے تمام سہولت اور آرام کا انتظام کرنے والا ہوں۔ اس لئے پیغمبرِ اسلام علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو تعلیم دی کہ جب تمہارا چھوٹا بچہ فوت ہوجائے، تو اس کی نمازِ جنازہ میں یہ دعا پڑھا کرو۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ لَنَا فَرَطًا۔ (جمع ج ۲ ص ۲۱۸) یا اللہ! اس بچہ کو ہمارا پیش خیمہ بنا۔ یعنی یہ جو ہم سے آگے آیا ہے، اس کو آخرت میں کام آنے کے لئے ہمارے لئے اجر وثواب بنا یا ہمارا سفارشی بنا دے۔ ایک حدیث شریف میں ہے صغیرسن بچہ جو گذر گیا ہوا پنے ماں باپ کی سفارش کرے گا

حضور اقدس علیہ وسلم کی جدائی سب سے بڑا صدمہ ہے :

انا فرط لامتی ...... میرے وصال کا رنج آل اولاد سب سے زیادہ ہوگا یعنی میری اُمت کو میرا یہ دنیاوی فراق ناقابلِ قبول ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے جب کسی شخص کو کوئی مصیبت پہنچے تو

میری جدائی کی مصیبت سے تسلی کرے۔ حضرت احمد عبدالجواد الدومیؒ تحریر فرماتے ہیں :

وکان الرجل من اهل المدینة الشریفة اذا اراد ان یعزی اخاه عزاه فی النبی قبل ای یعزیه فی مصیبته (اتحافات ص۴۰۰) (مدینہ شریف کے لوگوں میں سے جب کوئی اپنے بھائی مسلمان کی کسی مصیبت وغیرہ میں تعزیت کے لئے جاتا۔ تو اس مصیبت کی تعزیت سے پہلے حضور ﷺ کے وصال وفراق کی مصیبت کی تعزیت اس کے ساتھ کرتا)

یقیناً حضور اکرم ﷺ کی جدائی ایسی ہی چیز ہے کہ ماں باپ اعزّہ احباب بیوی اولاد ہر شخص کی جدائی اور موت حضور اکرم ﷺ کی جدائی اور وفات کے مقابلہ میں کوئی بھی حقیقت نہیں رکھتی۔ اسی لئے ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب کسی شخص کو کوئی مصیبت پہنچے تو میری جدائی کی مصیبت سے تسلی کرے یعنی یہ سوچے کہ جب حضور اقدس ﷺ کی مفارقت پر صبر کرلیا تو اس کے مقابلہ میں یہ کیا حقیقت رکھتی ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات مصائب شدیدہ میں سے اتنی شدید ترین مصیبت ہے کہ اس پر کبھی صبر و برداشت ہو بھی نہیں سکتا اور جب اُمت نے یہ صدمہ شدیدہ برداشت کرلیا (اور نہ کرنا نہیں چاہئے تھا) تو یہ معمولی مصائب کو بھی برداشت کرلینا چاہئے۔

ایک شاعر نے تو اس سلسلہ میں اس حد تک بھی کہدیا کہ ....

والصبر یحمد فی المصائب کلها

الا علیک فان مذ موم

(مناوی ج۲ص۲۱۸)

(اور صبر محمود ہے ہر قسم کے مصائب میں مگر آپ ﷺ (کی مفارقت جدائی) پر مذموم ہے)

==

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ مِیْرَاثِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ

باب ! حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ کے بیان میں

(۳۸۳/۱) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِیْعٍ حَدَّثَنَا حُسَیْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا اِسْرَآئِیْلُ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ اَخِیْ جُوَیْرِیَۃَ لَہٗ صُحْبَۃٌ قَالَ مَا تَرَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اِلَّا سَلَاحَہٗ وَ بَغْلَتَہٗ وَ اَرْضًا جَعَلَھَا صَدَقَۃً .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن منیع نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حسین بن محمد نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسرائیل نے ابی اسحٰق کے حوالے سے یہ روایت بیان کی اور انہوں نے اسے صحابی رسول اور امّ المؤمنین جویریہؓ کے بھائی عمرو بن الحارثؓ (المصطلقی) سے نقل کی۔

عمرو بن الحارث جو امّ المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں، کہتے ہیں کہ حضور اقدسؐ نے اپنے ترکہ میں صرف ہتھیار اور اپنی سواری کا خچر اور کچھ حصہ زمین کا چھوڑا تھا اور ان کو بھی صدقہ فرما گئے تھے۔

راویان حدیث (۶۶۷) حسین بن محمدؒ اور (۶۶۸) عمرو بن الحارثؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضوراقدس ﷺ کی وراثت :

قال ما ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ...... میراث' ترکہ' میت کا چھوڑا ہوا مال خواہ کسی بھی صورت میں ہو۔ اس باب میں حضور سرورِ کون ومکان، خاتم النبیین، شفیع المذنبین، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ترکہ کا بیان ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا سب کا سب ترکہ صدقہ ہے۔ اس مسئلہ میں اہل سنت والجماعت متفق ہیں۔ آنجناب ﷺ کے ترکہ میں ہتھیار' ایک سفید خچر اور کچھ زمین تھی جو کہ

صدقہ فرمادی۔ اسلحہ، خود، نیزہ، تلوار اور زرہ پر مشتمل تھا۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ تحریر فرماتے ہیں :

و فی الباب سبعة احادیث و منه ندرک ان هذا الرسول العظیم قد و دع الدنیا بمثل ماجاء ها لم یکنز الاموال و لم یترک القصور ، انما کان عف الید و اللسان ، طاهر النفس و القلب ، نظیف السیرة و الثیاب ، مسکینا من المساکین و نفسه اعلیٰ من نفوس الملوک و تلامیذه اساتذة العالمین ، ولقد انتقل الی الرفیق الاعلیٰ و لم یترک شیئاً من الحطام الفانی ، و انما ترک لنا ما ان تمسکنا به لن نضل بعده ابدا : کتاب الله و سنة رسول الله صلی الله علیه و سلم. یاامة الاسلام : ان میراث نبیکم فی کتاب الله و السنة الهادیة فحافظوا علیهما تکونوا من الصالحین (اتحافات ص ۴۰۵) یعنی اس باب میں سات احادیث ہیں۔ ان احادیث سے ہم سمجھے ہیں کہ اس عظیم شان والے رسول نے دنیائے فانی کو اس حالت میں چھوڑا ہے جس حالت میں پایا تھا۔ نہ تو دولت کے ڈھیر لگائے اور نہ ہی اپنے بعد محلات چھوڑے، اس میں کوئی شک نہیں۔ آنجناب ﷺ کے ہاتھوں اور زبان سے عفت اور پاکیزگی ظاہر ہوتی تھی۔ آپ ﷺ کا نفس پاک، دل مقدس، سیرت عمدہ اور کپڑے ستھرے تھے، اگرچہ آنحضور ﷺ کا وجودِ اقدس تمام مسکینوں میں سے ایک مسکین جیسا تھا، لیکن شان یہ تھی کہ دنیا کے تمام شہنشاہوں سے ارفع و اعلیٰ، اور آپؐ کے شاگرد یعنی صحابہ کرامؓ تمام دنیا کے اساتذہ تھے۔ اور یقیناً جس وقت حضور ﷺ محبوبِ حقیقی سے واصل ہوئے، اس وقت حقیر و فانی دنیا کی کوئی چیز نہیں چھوڑی، اور درحقیقت ہمارے لئے ایک ایسی چیز چھوڑی ہے کہ اگر ہم اس کو مضبوطی سے پکڑ لیں تو کبھی بھی گمراہ نہ ہوں گے اور وہ قرآنِ مجید اور سنّتِ رسولِ کریم ﷺ ہے۔ اے ملتِ اسلامیہ ! بیشک آپ کے نبی کریم ﷺ کی میراث قرآنِ مجید اور سنت ہے جو کہ ہدایت کے راستے پر پہنچا دیتی ہے۔ پس ان دونوں چیزوں کی حفاظت کرو تو صالح بن جاؤ گے۔

ترکۂ انبیاء کے وارث نہ ہونے کی حکمتیں :

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں :

باب کی سب احادیث کا حاصل یہی ہے کہ آپ ﷺ کا جملہ متروکہ مال صدقہ ہے۔ وہ

وارثوں پر تقسیم نہیں ہوگا۔ یہ علماء کا اجماعی مسئلہ ہے۔ اس میں کسی عالم کا بھی اہلِ سنت والجماعت میں سے خلاف نہیں ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے ترکہ میں وراثت نہ تھی۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ حکم حضور اقدس ﷺ کے ساتھ خاص تھا یا تمام انبیاء علیہم السلام کا یہی حکم ہے۔ جمہور علماء کی یہی رائے ہے کہ تمام انبیاء کا یہی حکم ہے کہ ان کے متروکہ مال کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ اس کی وجوہ میں علماء کے متعدد اقوال ہیں، اور متعدد وجوہ ہونے میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے۔ مختصراً چند وجوہ لکھی جاتی ہیں۔

(۱) انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کی ملک باقی رہتی ہے۔ اسی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کی بیویوں سے کسی کے نکاح کرنے کی قرآن پاک میں صاف لفظوں میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔

(۲) نبی کی کوئی چیز زندگی میں بھی ملک نہیں ہوتی۔ وہ متولیانہ تصرف کرتے ہیں۔ صوفیہ کرامؒ میں بھی یہ مقولہ مشہور ہے، **الصوفی لایملک** صوفی مالک کسی چیز کا نہیں ہوتا۔ یہ مطلب نہیں کہ شرعاً مالک نہیں ہوتا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ ان ناپائیدار چیزوں کو اپنی نہیں سمجھتا۔

(۳) دنیا کی ہر چیز اللہ کی ملک ہے اور نبی اللہ کا خلیفہ ہونے کی حیثیت سے تصرف کرتا ہے۔

(۴) اگر انبیاءؑ کے مال میں میراث جاری ہو، تو احتمال ہے کہ کوئی بدنصیب وارث مال کی طمع میں نبی کی ہلاکت کا ذریعہ بنے یا تمنا کرے اور دونوں چیزیں اس کی بربادی کا سبب ہوں گی۔

(۵) لوگوں کو یہ واہمہ نہ گزرے کہ نبوت کا دعویٰ مال جمع کرنے کے واسطے اور اپنے اہل وعیال کو مالدار چھوڑ کر جانے کے واسطے ہے۔

(۶) مال کے زنگ اور میل کچیل سے ان کی قدسی ذات کو محفوظ رکھنا اس کی وجہ ہے۔

(۷) نبی تمام اُمت کے لئے بمنزلۂ باپ کے ہے، لہٰذا اس کا مال تمام اولاد کا مال ہے' وغیرہ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ کے احکامات کی حکمتیں بے نہایت ہوتی ہیں۔ آدمی اپنی اپنی سمجھ کے موافق حکمتوں کا بیان کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ نہ معلوم کتنی حکمتیں اللہ کے علم میں ہیں۔ (خصائل)

(۳۸۴/۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِیْدِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ جَآءَ تْ فَاطِمَةُ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَقَالَتْ مَنْ یَّرِثُکَ فَقَالَ اَهْلِیْ وَوَلَدِیْ فَقَالَتْ مَالِیْ لَا اَرِثُ اَبِیْ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ یَقُوْلُ لَا نُوْرَثُ وَلٰکِنِّیْ اَعُوْلُ مَنْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَعُوْلُهٗ وَ اُنْفِقُ عَلٰی مَنْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُنْفِقُ عَلَیْهِ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں محمد بن مثنیٰ نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابوالولید نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حماد بن سلمۃ نے محمد بن عمرو کے واسطہ سے یہ روایت بیان کی انہوں نے یہ روایت ابوسلمۃ سے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائیں اور فرمایا کہ تمہارا کون وارث ہوگا؟ انہوں نے فرمایا کہ میرے اہل وعیال۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا، پھر میں اپنے والد ﷺ کے متروکہ کی وارث کیوں نہیں بنی؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ البتہ (میں وقف کا متولی ہونے کی وجہ سے) جن لوگوں کا روزینہ حضور اقدس ﷺ نے مقرر فرما رکھا تھا، اُس کو میں بھی ادا کروں گا اور جن لوگوں پر حضور اقدس ﷺ خرچ فرمایا کرتے تھے، اُن پر میں بھی خرچ کروں گا۔

سیّدہ فاطمہؓ کے سوال کا منشاء اور تفصیلی جواب :

فقالت من یرثک ' یعنی جب آپؓ کا وصال ہوجائے گا تو آپؓ کا وارث کون ہوگا' تو حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا، میرے گھر والے اور میری اولاد میری وارث ہوگی۔ تو سیدہ فاطمہؓ نے عرض کیا کہ پھر میں کیوں اپنے والد ﷺ کی وارثہ نہیں بن سکتی۔ حضرت فاطمہؓ نے استدلال اس لئے کیا تھا کہ اسے علم ہوگیا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی وراثت نہیں چلے گی۔ اس لئے جواب میں حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں نے خود رسول اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ ہماری وراثت نہیں ہے' یعنی ہم انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا، بلکہ تمام سامان اُمت کی ملکیت ہوتا ہے۔

حضور اقدس ﷺ کا جمیع ترکہ :

جبکہ حضور اقدس ﷺ تو کچھ چھوڑ کر بھی نہیں گئے تھے۔ عمرو بن الحارث سے روایت ہے کہ **ماترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند موتہ دیناراً ولا درھما ولاعبدا ولا أمۃ ولاشیئاً الا بغلۃ البیضاء و سلاحہ و ارضاً جعلھا صدقۃ**۔ (بخاری کتاب الوصایا) حضور اقدس ﷺ نے اپنے وصال کے وقت نہ تو کوئی دینار چھوڑا، نہ درھم، نہ غلام، نہ لونڈی، نہ کچھ اور مگر ایک سفید خچر اور کچھ اسلحہ اور کچھ زمین جسے حضور اقدس ﷺ نے صدقہ کر دیا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کا ارشاد ہے، **ما ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم دیناراً ولادرھماً و لابعیرا ولاشاۃ**۔ (ابوداؤد) یعنی آپ ﷺ نے نہ تو کوئی دینار چھوڑا' نہ درھم' نہ اونٹ نہ بکری۔

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے، **لانورث ماترکنا صدقۃ** ۔ (بخاری' کتاب الجہاد) یعنی ہم انبیاء کسی کو وارث نہیں بناتے، جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے مسئلہ شرعی کی وضاحت کر دی :

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ تحریر فرماتے ہیں :

بظاہر فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ خیال فرماتی تھیں کہ بادشاہ ہونے کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کے مال کو ترکۂ میراثی قرار نہیں دیا گیا۔ اس لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے دریافت فرمایا کہ تمہارا بھی کوئی وارث ہوگا یا نہیں؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شرعی مسئلہ کے موافق جواب مرحمت فرما دیا، ورنہ ان کی اپنی وصیت کے موافق جس میں انہوں نے فرمایا کہ اس مال کو بیت المال میں واپس کر دینا۔ اُس کے موافق حضرت ابوبکرؓ کا بھی کوئی وارث نہیں ہوا۔ حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ مشہور حدیث ہے، جو مختلف الفاظ سے نقل کی گئی ہے۔ بعض روایات میں اتنا ہی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا، بعض روایات میں ہے کہ ہم انبیاء کی جماعت کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے مسوّیٰ میں لکھا ہے۔ یہ مضمون کہ حضور اکرم ﷺ کا کوئی وارث نہیں ہے۔ دس صحابہؓ سے زیادہ حضرات سے منقول ہے (خصائل)

انبیاء کے عیال کے نفقہ کا مسئلہ :

ولکن اعول ...... انبیاء علیہم السلام کی حیات فی القبور پر علامہ سیوطیؒ نے انتباہ الاذکیاء فی حیات الانبیاء اور امام بیہقیؒ نے بھی حیات الانبیاء پر ایک رسالہ لکھا ہے۔ اب انبیاء علیہم السلام کے زندہ فی القبور ہونے کا معنی اگر یہ ہے کہ ان کی روح زندہ ہے تو وہ ہر شخص کو حاصل ہے، کیونکہ منکر نکیر سے مکالمہ ہوتا ہے، تو اعادۂ روح اور حیات روح فی البرزخ مشترک ہوئی۔ اس میں انبیاء علیہم السلام کی کوئی خصوصیت نہیں۔ اگر حیات دنیوی مراد ہے، تو پھر اِنَّکَ مَیِّتٌ وَ اِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ (تحقیق تو بھی مرنے والا ہے اور تحقیق وہ بھی مرنے والے ہیں) کے کوئی معنی نہیں، آج اگر کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو آپؐ کے پاس فیصلہ نہیں لے جایا جا سکتا، تو حیات دنیوی پر موت کا طریان ہوا ہے۔ تو کہا جائے گا حیات کلی مشکک ہے۔

(۱) حیات عنصری جس میں اتصال الروح بالجسد ہے، کہ ایک کے بغیر دوسرا بیکار ہوتا ہے۔ اس حیات عنصری کو موت فنا کر دینے والی ہے۔

(۲) حیاتِ برزخی وہ بھی ہر ایک کو حاصل ہے۔

(۳) حیاتِ اخروی یہ بھی سب کو حاصل ہوگی۔ تو نوع کے اعتبار سے اشتراک ہوا، مگر اشخاص کے اعتبار سے خصوصیت ہے کہ عالم برزخ میں جو حیات انبیاء علیہم السلام کو دی جاتی ہے، وہ اور کسی کو حاصل نہیں۔ جیسے ایک پہلوان کی زندگی اور مدقوق کی زندگی میں تفاوت ہوتا ہے۔ ایسے انبیاء علیہم السلام کو عالم برزخ میں اعلیٰ درجہ کی زندگی دی گئی اور دوسرے درجہ کی زندگی شہداء کو عطا کی گئی کہ جس کے اثر سے ان کا بدن محفوظ رہتا ہے۔ ان شہداء کی زندگی کا اثر عالم احکام میں کوئی نہیں ہوتا۔ ان کی میراث تقسیم کی جاتی ہے۔ عدّت کے بعد ان کی بیوگان سے نکاح کرنا جائز ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے ابدان محفوظ ہیں، ان کے اموال میں میراث جاری نہیں ہوتا۔ ان کی ازواج سے نکاح کرنا حرام ہوتا ہے اور ان کے عیال کا نفقہ انبیاء پر واجب ہوتا ہے، جو ان کا نائب ادا کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں، اعول علی من کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعولہ'...... الخ۔ (جن لوگوں کا روزینہ

حضور ﷺ نے مقرر فرما رکھا تھا اس کو میں ادا کروں گا)

(۳/۳۸۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ كَثِيرٍ الْعَنبَرِيُّ اَبُوْغَسَّانٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ اَبِى الْبُخْتَرِي اَنَّ الْعَبَاسَ وَعَلِيًّا جَآءَ ا اِلٰى عُمَرَ يَخْتَصِمَانِ يَقُوْلُ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا لِصَاحِبِهٖ اَنْتَ كَذَا اَنْتَ كَذَا فَقَالَ عُمَرُ لِطَلْحَةَ وَ الزُّبَيْرِ وَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَ سَعْدٍ اَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ اَسَمِعْتُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كُلُّ مَالِ نَبِيٍّ صَدَقَةٌ اِلَّا مَا اَطْعَمَهٗ اِنَّا لَانُوْرَثُ وَ فِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن المثنیٰ نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے یحییٰ بن کثیر عنبری ابوغسان نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو شعبہ نے یہ روایت بیان کی۔ انہوں نے اسے عمرو بن مرۃ سے ابوالبختری کے واسطہ سے نقل کیا۔ ابوالبختری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ دونوں حضرات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اُن کے پاس تشریف لائے۔ ہر ایک دوسرے پر اعتراض کر رہا تھا اور اس کو انتظام کے ناقابل بتا رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اکابر صحابہ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، ان سب حضرات کو متوجہ فرما کر یہ فرمایا کہ تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم سب نے حضور اکرم ﷺ سے یہ نہیں سنا کہ نبی کا تمام مال صدقہ ہوتا ہے۔ بجز اس کے جو وہ اپنے اہل کو کھلائے۔ ہم انبیاء کی جماعت کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے۔ اس حدیث میں ایک قصہ ہے۔

راویان حدیث (۶۶۹) یحییٰ بن کثیر العنبریؒ اور (۶۷۰) ابی البختریؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کی باہمی خصومت کی حقیقت :

یختصمان ...... شبہ ہوتا ہے کہ یہ کبار صحابہؓ کیسے جھگڑا کر رہے ہیں کہ گالی گلوچ تک نوبت پہنچ گئی۔ بعض حضرات نے تو اس روایت کا انکار کر دیا، مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عباسؓ

حضرت علیؓ کے چچا ہیں۔ چچا بھتیجے کو کوئی سخت کلمہ کہہ دے تو اس کے لئے جائز ہے، کسی دوسرے کو اس کا حق نہیں پہنچتا۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے سلوک کیا۔ جس پر لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِيْ (میری داڑھی کو نہ پکڑ) کہنا پڑا۔ اس لئے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی نے اس آیت کے تحت لکھا ہے، کہ اگر حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کو کوئی سخت اور ثقیل کلمہ کہہ دیا تو وہ آپس میں بھائی تھے۔ ایک دوسرے کی اصلاح کے لئے سخت الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ہمیں اجازت نہیں کہ ہم ان میں سے کسی کے متعلق کچھ کہیں۔ (بلکہ یوں سمجھئے کہ یہ از قبیلہ حسنات الابرار سیئات المقربین (نیکوکار لوگوں کی نیکیاں اللہ کے مقرب بندوں کی سیئات شمار ہوتی ہیں) کے ہے)۔

ابوداؤد کی روایت :

وفی الحدیث قصة 'امام ترمذیؒ کا مقصود صرف میراث نہ ہونے کا ذکر تھا۔ وہ حاصل ہو گیا تھا۔ اس لئے پورا قصہ طویل ہونے کی وجہ سے ذکر نہیں فرمایا۔ امام ابوداؤدؒ نے اس کو ذرا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور تھوڑا سا ذکر کرنے کے بعد مالک بن اوسؓ کی حدیث پر جو نمبر ۶ پر آ رہی ہے، حوالہ کر دیا۔ اس لئے کہ مالک بن اوسؓ کی روایت مشہور تھی۔ حدیث کی سب کتابوں میں کثرت سے ذکر کی گئی۔ بخاری شریف، مسلم شریف اور خود ابوداؤد شریف میں مفصل مذکور تھی۔ اس لئے ایک قصہ کو پورا کا پورا ہر جگہ ذکر کرنا تطویل کا سبب تھا۔ ابوداؤد شریف کی روایت کا ترجمہ یہ ہے کہ ابوالبختریؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص سے ایک حدیث سنی، جو مجھے بہت پسند آئی۔ میں نے اُن سے درخواست کی کہ یہ حدیث مجھے لکھ کر دیجئے، تو وہ ایک نہایت پختہ تحریر لائے۔ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ یہ شخص غالباً مالک بن اوسؓ ہی ہیں۔ اُس تحریر میں یہ لکھا تھا کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے پاس اُس وقت حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ پہلے سے موجود تھے۔ وہ دونوں حضرات یعنی حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ آپس میں جھگڑ رہے تھے، یعنی ایک دوسرے کو بدنظمی کا الزام دے رہے تھے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت طلحہؓ وغیرہ چاروں حضرات کو مخاطب بنا کر یہ دریافت فرمایا کہ تم لوگ یہ

نہیں جانتے کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ نبی کا ہر مال صدقہ ہوتا ہے، مگر وہ مال جو وہ اپنے اہل وعیال کو کھلائے یا پہنائے۔ اس لئے کہ ہم لوگوں کا (یعنی انبیاء علیہم السلام کا) کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ان چاروں حضرات نے اقرار کیا کہ بیشک حضور اکرم ﷺ نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا پس حضور اقدس ﷺ اپنی حیات میں اس میں سے اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتے رہے اور جو بچ جاتا تھا، اس کو صدقہ کر دیتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ بنے اور اپنی دو سالہ زندگی میں وہی عمل درآمد کرتے رہے، جو حضور اقدس ﷺ کا معمول تھا۔ اس کے بعد امام ابوداؤد کہتے ہیں کہ مالک بن اوسؓ کی حدیث کے قریب قریب آگے سارا قصہ ہے۔

اصل مسئلہ :

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہٗ ارشاد فرماتے ہیں :

یہ وہی واقعہ اور اس کی بعض تفصیلات ہیں، جس کی وجہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان میں زمین اور باغات کی مشترکہ تولیت ہونے کی وجہ سے اکثر اختلاف رائے رہتا تھا۔ یہ حضرات چاہتے تھے کہ یہ تولیت ان دونوں میں تقسیم کر دی جائے تاکہ وہ اپنی اپنی تولیت والی جائیداد کا اپنی صوابدید کے مطابق خود انتظام کر سکیں، مگر حضرت عمرؓ نے پہلے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عدم وراثت کو ثابت کیا اور پھر تولیت کو تقسیم کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ آپ کا نظریہ یہ تھا کہ اگر آج تولیت کو تقسیم کر دیا گیا تو ممکن ہے کل کو تمہاری اولادیں اس کو وراثت کے طور پر تقسیم کر لیں گے۔ اوقاف کے سلسلہ میں اس قسم کے واقعات دنیا میں پیش آتے رہتے ہیں۔ الغرض! حضرت عمرؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ترکہ کی تولیت کی تقسیم کی اجازت بھی نہیں دی۔ اس حدیث میں جھگڑا وراثت کی تقسیم کا نہیں تھا، بلکہ تولیت کی تقسیم کا تھا۔ حضرت عمرؓ نے صاف کہہ دیا کہ اگر تم قریبی رشتہ دار ہونے کی حیثیت سے اس مشترکہ تولیت کو نبھا سکتے ہو تو ٹھیک ہے، ورنہ میں کسی دوسرے شخص کو متولی مقرر کر دیتا ہوں۔ اسی مضمون کی روایت آگے نمبر ۶ پر بھی آ رہی ہے (شمائل ترمذی ج ۲ ص ۶۷۳)

(۳۸۶/۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عِیْسٰی عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَیْدٍ عَنِ الزُّھْرِیِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَانُوْرَثُ مَا تَرَکْنَا فَھُوَ صَدَقَةٌ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے صفوان بن عیسٰی نے اسامہ بن زید سے جنہوں نے زہری کے واسطہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عروۃ سے اور انہوں نے امّ المومنین عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہم انبیاء کی جماعت جو مال چھوڑتی ہے، وہ صدقہ ہوتا ہے۔

قال لا نورث ...... ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، جو کچھ ہم چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہوتا ہے۔ شیخ عبدالرؤفؒ تحریر فرماتے ہیں :

قال الحافظ ابن حجر الذی یظھر ان ما ترکه النبیؐ بعده من جنس الاوقاف المطلقة ینتفع بھا من یحتاج الیھا و تقر تحت یدمن یؤتمن علیھا و لھذا کان له عند سھل قدح و عند انس آخر و عند عبد اللّٰه ابن سلام آخر، و کان الناس یشربون منھا تبرکا و کانت جبة عند اسماء بنت ابی بکر الٰی غیر ذالک مما ھو معروف (مناوی ج۲ ص۲۸۶)

یعنی حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں جو بات اس سے ثابت ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ حضور نبی کریمؐ کے وصال شریف کے بعد جو چیز رہ گئی ہے، وہ محض وقف تھی، جو اس کا محتاج ہوتا تھا، وہ اس سے نفع حاصل کرتا، نیز وہ چیز اسی کے قبضہ میں رہی، جو امانت سمجھ کر استعمال کرتے تھے۔ اسی واسطے حضرت سہلؓ کے پاس ایک پیالہ تھا۔ حضرت انسؓ کے پاس ایک دوسرا پیالہ تھا، اور اسی طرح حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے پاس ایک تیسرا پیالہ تھا اور صحابہ کرامؓ اور دیگر حضرات ان پیالوں میں ...... (پانی) ...... یا ...... اپنی دیگر اشیاء ڈال) .... ڈال کر بطور تبرک پیتے تھے اور اسماء بنت ابی بکرؓ کے پاس حضور پاک ﷺ کا جُبّہ مبارک تھا۔ ان معروف اشیاء میں سے یہ مشہور چیزیں ذکر کی گئی ہیں۔

(۵/۳۸۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ اَبِی الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَقْسِمُ وَرَثَتِیْ دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا مَا تَرَكْتُ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَآئِیْ وَ مُؤْنَةِ عَامِلِیْ فَهُوَ صَدَقَةٌ ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبد الرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے سفیان نے ابوزناد سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت اعرج سے اور انہوں نے صحابی رسول حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضواقدس ﷺ نے ارشادفرمایا کہ میرے ورثہ دینار اور درہم تقسیم نہ کریں۔ میرے ترکہ سے میرے اہل وعیال کا نفقہ اور میرے عامل کا نفقہ نکالنے کے بعد جو کچھ بچے وہ صدقہ ہے۔

نہی اور نفی کی صورت میں مراد کی تعیین :

قال لایقسم ورثتی …… یا تو نہی ہے کہ میراث تقسیم نہ کیا جائے یا نفی ہے کہ ہم اتنا مال نہیں چھوڑیں گے، جس کو تقسیم کیا جا سکے۔ بعد نفقۃ نسائی یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی اور مؤنته عاملی سے خلیفہ کی تنخواہ مراد ہے کہ ہر عامل کی مؤنتہ ہے کہ وہ اپنے کام کے مطابق بیت المال سے خرچہ لے او ر یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو زمینوں کی پیداوار جمع کر کے لانے والا ہو۔

مولانا محمد زکریاؒ کی مزید توضیح :

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ اسی بات کو مزید وضاحت سے تحریر فرماتے ہیں :

عامل سے مراد وہ شخص بھی بتلایا ہے، جو حضور اکرم ﷺ کے بعد خلیفۂ وقت ہونے والا ہے اور وہ بھی کہا گیا ہے، جو زمینوں کی پیداوار جمع کر کے لانے والا ہو۔ یعنی ان زمینوں کا منتظم اور نگران ہو۔ دونوں محتمل ہیں کہ خلیفہ کی تنخواہ بھی بیت المال کے ذمہ ہے اور ہر وقت کے نگران اور منتظم کو اُس وقف سے حق الخدمت لینے کا حق ہے۔ دینار و درہم کی تخصیص مقصود نہیں ہے۔ تمثیل کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے، جیسا کہ یہ کہہ دیا جائے کہ روپیہ پیسہ تقسیم نہ کریں کہ اور چیزیں بطریق اولیٰ داخل ہوگئیں۔ یا یہ کہا جائے کہ تقسیم ہمیشہ قیمت لگا کر ہوتی ہے، جو روپیہ پیسہ ہی کی طرف لوٹ آئے (خصائل)

(۶/۳۸۸) حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيِّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ مَالِكَ بْنَ اَنَسٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عُمَرَ فَدَخَلَ عَلَيْهِ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَ طَلْحَةُ وَ سَعْدٌ وَجَآءَ عَلِيٌّ وَالْعَبَّاسُ يَخْتَصِمَانِ فَقَالَ لَهُمْ عُمَرُ اَنْشُدُكُمْ بِالَّذِىْ بِاِذْنِهٖ تَقُوْمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَانُوْرَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ فَقَالُوا اللّٰهُمَّ نَعَمْ وَفِى الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ طَوِيْلَةٌ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں حسین بن علی خلال نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے بشر بن عمر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ روایت مالک بن انس سے زہری کے واسطہ سے سماعت کی۔ انہوں نے یہ روایت مالک بن اوس سے سنی۔ مالک بن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو ان کے پاس عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور طلحہؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ بھی تشریف لائے۔ (اُس کے تھوڑی دیر بعد) حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ جھگڑتے ہوئے تشریف لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سب حضرات کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اُس ذاتِ پاک کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں، کیا تمہیں حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد کا علم ہے کہ ہم انبیاء کی جماعت کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے، جو کچھ ہم ترکہ چھوڑ جاتے ہیں، وہ سب صدقہ ہوتا ہے۔ اُن سب حضرات نے فرمایا کہ بیشک یہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے۔ اس حدیث میں ایک طویل قصہ ہے۔

راویانِ حدیث (۶۷۱) حسن بن علی الخلالؒ (۶۷۲) بشر بن عمرؒ اور (۶۷۳) مالک بن اوس بن الحدثانؒ کے حالات "تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض اعتراضات کے جوابات :

فقالوا اللھم نعم ...... روافض تو کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کے ڈر سے **اللھم نعم** کہا اور تقیہ کیا، مگر جس ذات کو یہ لوگ **بعد الانبیاء افضل الناس** اور **اشجع الناس** کہتے ہیں، وہ محض اپنی جان کے خوف سے نبی کریم ﷺ پر کیسے تہمت باندھ سکتے ہیں۔ جب کہ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ

مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (جس نے میرے اوپر قصداً جھوٹ باندھا پس وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے) کا فرمان بھی پیش نظر ہو۔ بالخصوص ایک صحابی کی تو یہ شان نہیں ہے کہ کسی سے ڈر کر وہ آنحضرت ﷺ پر افتراء پردازی کرے۔ چنانچہ مولانا اسماعیل شہیدؒ کا واقعہ ہے کہ وہ دہلی سے پیدل چل کر لکھنو گئے۔ منادی کرا کر تقریر کرنے لگے تو درمیان میں ایک شخص نے اُٹھ کر کہا کہ یہ شخص تنِ تنہا دہلی سے چل کر تمہاری شان وشوکت کے دور میں تقریر کر رہا ہے کہ کیا حضرت علیؓ اس سے بھی گئے گزرے تھے۔ تو اب حضرت علیؓ ایسے ہیں، جیسے خوارج کہتے ہیں یا کم از کم جیسے اہل سنت آپ کو چوتھے نمبر پر رکھتے ہیں، تو اس نے کہا میرے قلب پر یہ خطرہ گزرا ہے، کوئی اس کا حل بتائے، تو اس پر سو (۱۰۰) قریب آدمیوں نے موافقت کی اور حضرت شہیدؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

الحاصل! جب حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کو یہ حدیث معلوم تھی، تو پھر حضرت ابو بکرؓ سے کیوں مطالبہ کیا۔ بعدازاں دوسری مرتبہ حضرت عمرؓ سے مطالبہ کرنے کے کیا معنی ہیں۔ جواب یہ ہے کہ حدیث تو ان کو یقیناً معلوم تھی، مگر بظاہر وہ اس حدیث کو مخصوص سمجھتے تھے۔ مثلاً دنانیر کے ساتھ جس کی بناء پر حضرت ابو بکر صدیقؓ سے سوال کیا اور اس کے بعد دوبارہ حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں ان سے سوال اس خیال سے ہو کہ شاید حضرت عمرؓ کی رائے ان دونوں کے موافق ہو، لیکن مطالبہ کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کی رائے بھی وہی ہے، جو سب حضرات کی ہے۔ تیسرا سوال یہ ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے انکار پر اور آپ ﷺ کے ارشاد ماتر کناه فهو صدقة (جو ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہے) پر ان دونوں حضرات نے متفقہ طور پر اپنی ولایت میں جاگیر کو لے لیا تھا۔ تو اب آپس میں جھگڑا پیدا ہو جانے کی کیا وجہ ہے، جس کی وجہ سے تلخ کلامی کی نوبت آئی اور اب تقسیم کی استدعا کس وجہ سے تھی، تو جواب یہ ہے کہ یہ بات تو متحقق ہوگئی کہ میراث جاری نہیں ہوتی، پھر ان دونوں حضرات کا آپس میں تقسیم کے مطالبہ کی وجہ یہ تھی کہ کیفیت خرچ میں ان دونوں حضرات میں کثرت سے اختلاف ہوتا تھا۔

حضرت عباسؓ نہایت منتظم اور مدبّر تھے۔ دوراندیش تھے، وہ ہر مال کو نہایت احتیاط سے خرچ

فرمانا چاہتے تھے۔ حضرت علیؓ نہایت فیاض، سخی، زاہد اور متوکل تھے۔ آنحضرت ﷺ کی طرز پر جو آیا فوراً تقسیم کر دینا چاہتے تھے۔ اس لئے دونوں حضرات میں ہر وقت کشاکشی پیش آتی تھی۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں دارقطنی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ ان حضرات کا آپس کا اختلاف میراث میں نہیں تھا، بلکہ تولیت اور مصارف کے بارے میں تھا۔ حضرت عمرؓ تولیت کو بھی علیحدہ اس لئے نہیں کرنا چاہتے تھے کہ بعد میں میراث بن جانے کا احتمال تھا۔ استدلال میں گنجائش ملتی کہ حضرت عمرؓ نے اپنے فیصلہ سے رجوع کر لیا۔ ابتداءً اگر چہ اہلِ بیت حضرات کا خیال یہی تھا کہ یہ میراث ہے، مگر اخیر میں ان حضرات کی رائے بھی شیخینؓ کی رائے کے موافق ہو گئی تھی۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اس کو اسی طرح باقی رکھا۔ ورنہ اگر وہ میراث سمجھتے تو اپنی خلافت کے دور میں اسے تقسیم کر دیتے۔ ابتداء میں حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کی مشترک تولیت رہی۔ حضرت عثمانؓ کے دور میں پھر حضرت حسینؓ اور پھر حسین بن علیؓ کے قبضہ میں رہی۔

تفصیلی قصہ :

وفی الحدیث قصة طویلة ' یہ وہی قصہ ہے جس کی طرف نمبر ۳ پر ابوالبختریؒ کی روایت میں بھی اشارہ گزر چکا ہے۔ قصہ طویل ہے اور حدیث کی تقریباً سب کتب میں مختصر یا مفصل نقل کیا گیا ہے۔ بخاری شریف کی حدیث سے اس کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے اور توضیح کے طور پر فتح الباری وغیرہ سے دوسری روایات میں جو اضافے ہیں، وہ بھی بقدرِ ضرورت ساتھ ہی ذکر کیے جا رہے ہیں۔

مالک بن اوسؓ کہتے ہیں کہ میں اپنے گھر میں تھا۔ دن کچھ چڑھ گیا تھا کہ حضرت عمرؓ کا قاصد مجھے بُلانے آیا۔ میں حاضرِ خدمت ہوا تو حضرت عمرؓ ایک بوریے پر بیٹھے ہوئے تھے، جس پر کوئی اور کپڑا بچھا ہوا نہ تھا۔ میں سلام کر کے بیٹھ گیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہاری قوم کے کچھ ضرورت مند لوگ آئے تھے، میں نے ان کو کچھ دینے کو کہہ دیا ہے، تم اس کو لے جا کر ان پر تقسیم کر دو۔ میں نے عرض کیا کہ تقسیم کے لئے کسی اور کو تجویز فرما دیتے تو اچھا تھا۔ آپؓ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں تم ہی تقسیم کر دو۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ آپ کے خادم جن کا نام یرفا تھا، حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت عثمانؓ، عبدالرحمٰن بن

عوفؓ، زبیرؓ، سعد بن ابی وقاصؓ حاضری کی اجازت چاہتے ہیں۔

بعض روایات میں حضرت طلحہؓ کا بھی نام ہے۔ حضرت عمرؓ نے اجازت دیدی۔ یہ حضرات تشریف لائے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں برفا دوبارہ آئے اور عرض کیا کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ حاضری کی اجازت چاہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اجازت فرمادی۔ وہ دونوں حضرات تشریف لائے اور سلام کر کے بیٹھ گئے اور حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ میرے اور اس ظالم کے درمیان فیصلہ کر دیجئے۔ حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کو ظالم کے علاوہ اور بھی کچھ سخت لفظ کہے۔ دونوں حضرات میں آپس میں سخت کلامی ہوگئی۔ حضرت عثمانؓ وغیرہ حضرات جو پہلے سے بیٹھے تھے، انہوں نے ان کی تائید اور سفارش کی کہ آپ ان کا فیصلہ ضرور کر دیجئے اور ہر ایک کو دوسرے سے نجات دیجئے۔ مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے۔ مالک بن اوسؓ کہتے ہیں کہ مجھے ان کی سفارش اور تائید کے انداز سے یہ خیال ہوا کہ دونوں حضرات نے ان سب حضرات کو اپنی تائید ہی کے لئے آگے بھیجا تھا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا ذرا ٹھہرو۔ اس کے بعد اُس جماعت کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ تم کو اُس پاک ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، جس کے حکم سے آسمان زمین قائم ہیں، کیا تم کو معلوم ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں، صدقہ ہوتا ہے۔ اُس جماعت نے اقرار کیا کہ بے شک حضور اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ ان دونوں حضرات' عباسؓ اور علیؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور اسی طرح ان سے بھی قسم دے کر دریافت فرمایا۔ ان دونوں حضرات نے بھی اس کا اقرار کیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ غور سے سنو ! اللہ جل شانہٗ نے یہ فے کا مال (باغ وغیرہ) مخصوص طور پر حضور اکرم ﷺ کو دیا کسی دوسرے کی اس میں شرکت نہ تھی، لیکن حضور اکرم ﷺ نے اس کو اپنے لئے مخصوص نہیں فرمایا، بلکہ تم لوگوں پر تقسیم فرمایا اور بہت تھوڑا حصہ زمین کا اپنے اور اپنے عیال کے گزران کے لئے رکھا اور اس میں بھی گھروں میں تھوڑا سا دینے کے بعد جو بچتا، وہ اللہ کے راستہ میں خرچ فرمادیتے تھے۔ میں تم لوگوں کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا ایسے ہی تھا یا نہیں؟ اوّل ان پانچوں حضرات کو قسم دے کر اس کی تصدیق کرائی،

اس کے بعد ان دونوں حضرات سے قسم کر کے تصدیق کرائی، پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا، اس کے بعد حضور اکرم ﷺ کا وصال ہوگیا اور ابو بکرؓ خلیفہ بنے اور انہوں نے اس سب پیداوار میں اُسی طرز کو جاری رکھا جو حضور اکرم ﷺ کا معمول تھا اور اللہ پاک کی قسم ابو بکرؓ اپنے اس رویّہ میں نیکی پر تھے۔ راہِ راست پر تھے، حق کا اتباع کرنے والے تھے، لیکن تم لوگوں نے ان کو چناں چنیں سمجھا۔ تم (حضرت عباسؓ) اپنے بھتیجے (ﷺ) کی میراث طلب کرنے اور تم (حضرت علیؓ) اپنی بیوی کے حصہ کا مطالبہ کرنے آئے۔

حضرت ابو بکرؓ نے حضور ﷺ کا ارشاد کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، سنایا تم نے ان کی بات کو صحیح نہ سمجھا۔ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے وفات پائی اور میں خلیفہ بنا اور اپنی خلافت کے ابتدائی دو سال تک حضور اقدس ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے طریقہ کے موافق اس میں عمل کرتا رہا اور اللہ جل شانہٗ خوب جانتا ہے کہ میں اپنے اس طرز میں سچا ہوں۔ نیکی پر عمل کرنے والا ہوں۔ حق کا اتباع کرنے والا ہوں۔ اُس کے بعد تم دونوں میرے پاس آئے اور وہی ایک کلمہ ایک بات بھتیجے کی میراث کا مطالبہ اور بیوی کا حصہ۔ میں نے تم سے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، سنا دیا۔ اس کے بعد میں نے مناسب سمجھا کہ بطور تولیت کے تمہارے حوالے کردوں تو میں نے عہد و پیمان لیا کہ تم اس میں اُسی طرح عمل درآمد کرو گے، جس طرح حضور اقدس ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ اور دو برس تک میں خود عمل کرتا رہا ہوں، تم نے اس کو قبول کیا اور اس طرح میں نے اس کو تمہارے حوالہ کیا۔ تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا میں نے اسی طرح حوالہ نہیں کیا تھا؟ اس جماعت نے بھی اس کا اقرار کیا اور ان دونوں حضرات نے بھی اس کا اقرار کیا۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب تم اس کے خلاف مجھ سے فیصلہ کرانا چاہتے ہو۔ اُس ذات کی قسم جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں۔ اس کے خلاف ہرگز فیصلہ نہ کروں گا، اگر تم اس کے انتظام سے عاجز ہو، تو مجھے واپس کردو، میں خود انتظام کرلوں گا۔

یہ ہے وہ طویل قصہ جس کی طرف امام ترمذیؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اس حدیث میں طویل قصہ ہے۔ اس میں چند اُمور قابلِ لحاظ ہیں۔

(۱) حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کو ظالم وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا اور دونوں حضرات میں سخت کلامی ہوئی۔ یہ چیز بظاہر مستبعد معلوم ہوتی ہے، مگر ایک تو حضرت عباسؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے چچا ہیں۔ اس حیثیت سے ان کو تنبیہ کا حق ہے۔ دوسرے جب وہ حضرت علیؓ کو ناحق سمجھ رہے ہیں، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے، تو ان کے فعل کو ظلم سمجھنا ہی چاہئے۔

(۲) یہ کہ جب حضرت عباسؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یہ حدیث معلوم تھی، جیسا کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کے سوال پر اقرار کیا تو کیوں حضرت ابوبکرؓ سے مطالبہ کیا اور کیوں حضرت عمرؓ سے مطالبہ کیا اور اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ پہلے سے معلوم نہ تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کے کہنے سے معلوم ہوئی تو پھر جب حضرت ابوبکرؓ اس حدیث کی وجہ سے انکار فرما چکے تھے، تو پھر حضرت عمرؓ سے دوبارہ کیوں سوال کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث تو یقیناً ان کو معلوم تھی، مگر بظاہر اس حدیث کو وہ مخصوص سمجھتے تھے۔ مثلاً درہم اور دینار ہی کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہوں، جیسا کہ پہلے ایک حدیث میں ان دونوں کا ذکر آ چکا ہے، لیکن اور سب حضرات کے نزدیک یہ حدیث سب چیزوں کو شامل ہے، جیسا کہ بہت سی حدیثوں میں جو کچھ میں چھوڑوں، وہ صدقہ ہے کا لفظ آیا ہے۔

اس صورت میں حضرت ابوبکرؓ سے اولاً سوال اپنے اس خیال کے موافق ہو کہ یہ حضرات اس کو خصوصیت پر سمجھتے تھے اور اس کے بعد دوبارہ حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں ان سے سوال اس خیال سے ہو کہ شاید حضرت عمرؓ کی رائے ان دونوں کے موافق ہو، یعنی حضرت عمرؓ بھی اس کو مخصوص خیال فرماتے ہوں، لیکن مطالبہ کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کی رائے بھی وہی ہے، جو اور سب حضرات کی ہے اور حدیث کے الفاظ کا ظاہر بھی یہی ہے کہ یہ ارشاد سب چیزوں کو شامل ہے، کسی چیز کی تخصیص نہیں۔

یہاں ایک نہایت اہم اور ضروری چیز یہ ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ جب حضرات شیخینؓ کے متعلق ہم لوگ یہ سمجھے ہیں کہ وہ حضور اقدس ﷺ کے پاک ارشاد کی وجہ سے میراث تقسیم کرنے سے معذور و مجبور تھے اور باوجود ان حضرات کے اصرار کے تقسیم نہ فرمایا، وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ ان اکابر کی شان میں کسی قسم کا سوءِ ظن کرنا کہ جب مال کی وجہ سے بار بار اصرار کرتے تھے اور حضور اکرمؐ کے

اس صاف اور صریح ارشاد کے خلاف عمل چاہتے تھے، انتہائی بے ادبی ہے۔ ان کا اصرار اس وجہ سے تھا کہ یہ حضرات اس کو ایک شرعی حق سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے اپنی تحقیق کے خلاف ہونے کی وجہ سے مخالفت کرنے والوں پر انکار کرتے تھے، جس کو حضرت عمرؓ نے اپنے اس کلام سے ظاہر کیا کہ تم نے حضرت ابوبکرؓ کو چناں چنیں سمجھا۔

(۳) یہ کہ جب حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے انکار پر اور حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد پر کہ ہمارا کوئی وارث نہیں بنتا، ان دونوں حضرات نے متفقہ طور پر اپنی ولایت میں لے لیا تھا، تو اب آپس میں جھگڑا پیدا ہو جانے کی کیا وجہ ہے، جس کی وجہ سے آپس میں سخت کلامی کی نوبت آئی اور اب تقسیم کی استدعا کس وجہ سے تھی۔ جب کہ پہلے ہی سے تقسیم کا انکار ہوتا چلا آیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ چیز تو متحقق ہوگئی تھی کہ اس میں میراث جاری نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے حضرات شیخینؓ نے انکار بھی کر دیا تھا اور ان حضرات نے قبول بھی کر لیا تھا۔ اس کے باوجود پھر ان دونوں حضرات کا آپس میں تقسیم کے مطالبہ کی وجہ حضرت مولانا محمد یحیٰی صاحبؒ نے یہ ارشاد فرمائی تھی کہ کیفیتِ خرچ میں دونوں حضرات میں اکثر اختلاف ہوتا تھا۔ حضرت عباسؓ نہایت منتظم اور مدبر تھے۔ دور اندیش تھے۔ وہ ہر مال کو نہایت احتیاط سے خرچ فرمانا چاہتے تھے اور ضرورت کے مواقع کے لئے پس انداز اور ذخیرہ فراہم رکھنا چاہتے تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نہایت فیاض، سخی، زاہد اور متوکل تھے۔ حضور اکرم ﷺ کے طرز کے موافق جو آیا فوراً تقسیم کرا دینا چاہتے تھے کہ ایک درم بھی باقی نہ بچے اس وجہ سے دونوں حضرات میں ہر وقت کشاکشی پیش آتی تھی۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں دارقطنی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ ان حضرات کا آپس کا اختلاف میراث کے بارے میں نہیں تھا، بلکہ تولیت اور مصارف کے بارے میں تھا کہ اس پیداوار کو کس طرح صرف کیا جائے۔ امام ابوداوٗدؒ نے لکھا ہے کہ ان دونوں حضرات کی درخواست یہ تھی کہ اس مال کو دونوں میں نصف نصف تقسیم کر دیا جائے، نہ یہ کہ حضور اکرم ﷺ کے ارشاد کے بعد اب میراث کا مطالبہ تھا۔

(۴) یہ کہ جب یہ حضرات تولیت علیحدہ کرنا چاہتے تھے، میراث نہیں چاہتے تھے تو پھر حضرت عمرؓ کو کیا

مانع تھا۔ اس میں بظاہر کوئی اشکال نہ تھا کہ ہر ایک کا تولیت نامہ علیحدہ ہوتا، وہ اپنی رائے سے اپنی پیداوار کو جلدی یا بدیر تقسیم کرتا، اس کی وجہ علماء نے یہ لکھی ہے کہ اس صورت میں بعد میں میراث بن جانے کا احتمال تھا اور اس پر استدلال کی گنجائش ملتی کہ حضرت عمرؓ نے اپنے پہلے فیصلہ سے رجوع کر لیا۔ اس لئے کہ دونوں میں نصف نصف تقسیم ہی میراث کی تقسیم تھی کہ آدھا بیٹی کا حصہ ہے، اور آدھا عصبہ ہونے کی وجہ سے چچا کا۔ اس لئے اگر یہ فیصلہ حضرت عمرؓ منظور فرما لیتے تو بعد میں آنے والوں کو اس جائداد کے میراث ہونے کے لئے حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ ہی دلیل اور حجت بن جاتا۔

(۵) یہ کہ ابتداء میں ان حضراتِ اہل بیت کا خیال اگر چہ یہی تھا کہ یہ میراث ہے اور اسی لئے اس کا حضرات شیخینؓ سے مطالبہ ہوا، مگر اخیر میں ان حضرات کی رائے بھی شیخینؓ کی رائے کے موافق ہوگئی تھی۔ اسی لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اس کو اسی طرح باقی رکھا، ورنہ اگر وہ میراث سمجھتے تو اپنی خلافت کے زمانے میں اُس کی تقسیم کر دیتے۔ ابتداء میں حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کی مشترک تولیت رہی۔ حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں حضرت عباسؓ نے اس سے علیحدگی اختیار فرمالی۔ تنہا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قبضہ میں رہی، پھر حضرت حسنؓ کے پھر حضرت حسینؓ کے پھر علی بن حسینؓ کے (فتح الباری) یہ چند ضروری ابحاث مختصر طور پر اس قصہ کے متعلق ذکر کر دی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی ابحاث اس میں ہیں، جن کو اختصار کی وجہ سے ترک کر دیا گیا۔ (خصائل)

(۳۸۹/۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمِ بْنِ بَهْدَلَةَ عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَلَا شَاةً وَلَا بَعِيْرًا قَالَ وَ اَشُكُّ فِي الْعَبْدِ وَالْاَمَةِ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبد الرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان نے عاصم بن بہدلہ سے زر بن حبیش کے واسطہ سے یہ روایت بیان کی اور انہوں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہ سے نقل کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ

عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے نہ دینار چھوڑا، نہ درہم، نہ بکری، نہ اونٹ۔ راوی کہتے ہیں کہ مجھے غلام اور باندی کے ذکر میں شک ہوگیا کہ حضرت عائشہؓ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ نہ غلام، نہ باندی یا نہیں فرمایا۔

راوی حدیث (٦٧٤) عاصم بن بھدلۃ ؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

و اشک فی العبد والامة 'بخاری میں حضرت جویریہؓ سے روایت ہے، جس میں تصریح ہے۔ ولا عبداً و لا امةً ،مگر اس روایت میں راوی کو تردد ہوگیا۔ اس لئے اس نے کلمہ تردید کے ساتھ اس پر متنبہ کردیا۔

==============================

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ رُؤْیَةِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْمَنَامِ

باب ! حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب میں دیکھنے کے بیان میں

لفظِ رویۃ اور رؤیا کا معنیٰ اور فرق :

الرؤیة ! مطلقاً دیکھنے کو کہتے ہیں، خواہ وہ بیداری میں دیکھنا ہو یا نیند میں، مگر الرؤیا صرف خواب میں دیکھنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ صاحب اتحافات اسی فرق کا ذکر اس عبارت میں کررہے ہیں) الرؤیة : تکون فی الیقظة و فی المنام، بخلاف الرؤیا فانھا تکون فی النوم غالباً۔ (اتحافات ص۴۰۶) جیسے قربة بمعنی مطلقاً تقرب کے اور قربیٰ بمعنیٰ رشتہ داری کے تقرب کے آتا ہے۔ باب ھذا میں فی المنام کی تصریح کی وجہ سے رویة کہا گیا ہے۔ باب ھذا کی غرضِ انعقاد خواب میں حضوراقدس ﷺ کی زیارۃ وملاقات کا بیان ہے۔ اس باب میں امام ترمذیؒ نے سات (۷) احادیث نقل فرمائی ہیں۔

حقیقتِ خواب :

(۱) بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ خواب محض خیالات، بے معنی چیز اور اضغاث احلام (پریشان خواب) ہیں۔ جو مختلف قسم کے اوہام اور خیالات کی ایک بے جوڑسی غیر مرتب گھڑی ہوتی ہے ، جس کی اصل حقیقت کوئی نہیں۔ یہ نظریہ جماعتِ فلاسفہ اور بعض متکلمین کا ہے، کہتے ہیں، یہ قوتِ متصرفہ کے جوڑنے اور توڑنے کا نتیجہ ہے۔ اس کی حقیقتِ متصلہ کچھ بھی نہیں، بلکہ یہ انتزاعات میں سے ہے۔

(۲) دوسرا نظریہ حکیموں اور طبیبوں کا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خواب کا تعلق انسان کی جسمانی

کیفیات سے ہے۔ اِنسانی بدن میں جونسا خلط بھی غالب ہوگا، خواب اسی کے مطابق نظر آئے گا۔ اگر بلغمی خلط غالب ہے، تو وہ خواب میں پانی والی اشیاء سمندر، دریا، نہریں، سیلاب، اور تیرنا ڈوبتا دیکھتا رہے گا۔ اور اگر بدن میں صفراوی خلط غالب ہے، تو وہ خواب میں آگ اور اس کے متعلقات جلنا، جلانا، اور جلتے بجھاتے ہوئے دیکھتا رہے گا اور اگر خلط سودا غالب ہے، تو وہ خواب میں اندھیرے، سیاہ ڈراؤنی چیزیں دیکھے گا اور اگر خون غالب ہے تو وہ سرور و مستیاں دیکھتا رہے گا۔ بہر حال اطباء کہتے ہیں کہ خواب کا تعلق جسمانی کیفیات کے ساتھ ہے۔ اس سے بڑھ کر اس کی کچھ حقیقت نہیں ہے۔

(۳) فلاسفروں کے نزدیک جو واقعات عالم میں رونما ہوتے ہیں۔ ان کی صورتِ مثالیہ فوٹو کی طرح عالم بالا میں منقوش ہے۔ اس لئے نفس کے سامنے ان میں سے کوئی چیز آتی ہے، تو اس کا انعکاس ہوتا ہے۔

منامی حقائق اور مسلکِ اہل سنت والجماعت :

(۴) اہل سنت کے نزدیک یہ تصورات ہیں، جن کو حق تعالیٰ شانہٗ بندہ کے دل میں پیدا کرتے ہیں، جو کبھی بواسطہ فرشتے کے پیدا کیے جاتے ہیں اور کبھی شیطان کے ذریعہ سے۔ علماء نے لکھا ہے کہ خواب تین طرح کا ہوتا ہے۔ (۱) ایک تو اُس فرشتہ کے تصرف سے ہوتا ہے جو اس پر مقرر ہوتا ہے۔ یہ حق ہوتا ہے (۲) اور دوسرا شیطانی اثر سے ہوتا ہے کہ شیطان اپنے تصرف سے کچھ مثالیں اور تصویریں دکھاتا ہے۔ (۳) تیسرے نفسانی خطرات بھی اس کا سبب ہوتے ہیں کہ جس قسم کے خیالات جاگتے ہوئے آتے ہیں، وہی سوتے ہوئے دل میں گزرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے پاک ارشاد سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ابوداؤد شریف میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ذکر کیا گیا ہے کہ خواب تین طرح کا ہوتا ہے۔ ایک رویا صالحہ یعنی مبارک خواب۔ یہ اللہ کی طرف سے بشارت ہوتی ہے۔ دوسرا ڈراؤنا خواب جو شیطان کی طرف سے رنج پہنچانا ہوتا ہے۔ تیسرا خواب جو آدمی کے اپنے خیالات اور وساوس ہوتے ہیں۔ علماءِ تعبیر نے لکھا ہے کہ جو فرشتہ خواب دکھانے پر متعین ہے، اُس کا نام صدیقون ہے جو مثالوں سے آدمیوں کو خواب کی شکل میں سمجھاتا ہے۔ یہ عام خواب کے متعلق ہے۔ حضور اقدس ﷺ کی

زیارت اگر خواب میں ہو تو وہ تصرفاتِ شیطانی سے خالی ہوتی ہے۔

خود نبی کریم ﷺ کا ارشاد متعدد روایات احادیث میں آ رہا ہے کہ جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا، اس نے حقیقۃً مجھ ہی کو خواب میں دیکھا۔ اس لئے کہ شیطان کو یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ میری صورت بنالے۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص نبی کریم ﷺ کی خواب میں زیارت ایسی طرح کرے کہ جو حضور اکرم ﷺ کی شان کے مناسب نہیں ہے۔ مثلاً جو حلیہ شریف آپ ﷺ کا شروع کتاب میں گزرا ہے، اس کے خلاف دیکھے یا کوئی اور ایسی بات دیکھے جو آقائے نامدار ﷺ کی بیماری یا پریشانی وغیرہ کو ظاہر کرے یا کسی ایسے کام کا حکم کرتے یا منع کرتے ہوئے دیکھے جو خلافِ شرع ہو، یا شانِ نبویؐ کے مناسب نہ ہو تو وہ دیکھنے والے کی غلطی کوتاہی اور قصور کی بناء پر ہوتا ہے۔ اس کو شرّاح و مشائخ آئینہ سے تشبیہ دیا کرتے ہیں، کہ ایک شے کو اگر سرخ آئینہ میں دیکھو تو سرخ نظر آتی ہے اور سبز میں سبز، ایسے ہی سیاہ سفید اور لمبی چوڑی غرض مختلف الانواع نظر آتی ہے۔ اسی طرح خواب میں ذات تو نبی کریمؐ ہی کی نظر آتی ہے، لیکن اُس ذاتِ اقدسؐ کے ساتھ جو احوال و اوصاف نظر آتے ہیں، وہ خواب دیکھنے والے کے تخیل اور ادراک کا اثر ہے کہ جس قسم کے احوال خواب دیکھنے والے کے ہوں گے، ویسے ہی صفات کے ساتھ زیارت نصیب ہوگی۔ مثلاً بعض صوفیہ نے لکھا ہے کہ جو شخص خواب میں دیکھے کہ نبی کریمؐ اس کو دنیا کمانے کی ترغیب دے رہے ہیں تو اس میں دیکھنے والے کی ظلمت کا شمول ہے کہ وہ کسی مکروہ فعل کے ارتکاب میں بلا ارادہ مبتلا ہے۔ (خصائل)

(٣٩٠/١) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ اَبِی اِسْحٰقَ عَنْ اَبِی الْاَحْوَصِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ لَايَتَمَثَّلُ بِیْ.

ترجمہ: امامِ ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبد الرحمٰن بن مہدی نے روایت کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو سفیان نے ابی اسحٰق کے حوالہ سے یہ روایت بیان

کی۔ انہوں نے ابوالاحوص کے واسطہ سے نقل کی اور انہوں نے یہ حدیث صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا، اس نے حقیقۃً مجھ ہی کو دیکھا ہے۔ اس لئے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔

شیطان، حضور اقدس ﷺ کی شکل وصورت نہیں بنا سکتا :

من رآنی فی المنام ...... یعنی شیطان کو یہ قدرت، طاقت اور صلاحیت نہیں دی گئی ہے کہ وہ حضور اقدس ﷺ کی شکل وصورت اختیار کر سکے۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، وھـــذا معجزة له صلی اللہ علیه وسلم۔ (اتحافات ص۴۰۶) اور یہ بھی حضور اقدس ﷺ کا معجزہ ہے۔

شیخ عبدالرؤفؒ تحریر فرماتے ہیں :

لانه سبحانه و تعالٰی جعله رحمة للعالمین هادیا للضالین محفوظا عن وسواس الشیاطین و اذا تنوّر العالم بنوره و وجوده رجمت الشیاطین لمیلاده وهدمت بنیان الکهنة فکیف یتصور ان یتمثل الشیطان بصورته ۔(مناوی ج۲ص۲۹۱)

جبکہ حضور اقدس ﷺ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنایا، گمراہوں کے لئے ہادی بنایا ہر قسم کے شیطانی وسوسوں سے محفوظ رکھا اور جبکہ آنحضرت ﷺ کے وجودِ انور کے نور سے کُل عالَم کو منوّر فرمایا اور حضور ﷺ کی پیدائش کے وقت شیطانوں پر سنگباری کر دی گئی اور اسی وقت کہانت کی بنیادوں کو گرا دیا گیا تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے اور تصور کیا جا سکتا ہے کہ شیطان (نعوذ باللہ) آنجنابؐ کی شکل اختیار کر سکتا ہے ۔

(۳۹۱/۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِیْ حُصَیْنٍ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَایَتَصَوَّرُ اَوْ قَالَ لَا یَتَشَبَّهُ بِیْ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار اور محمد بن مثنیٰ نے یہ روایت بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم کو اسے محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے شعبہ نے ابو حصین کے حوالہ سے اور انہوں نے ابو صالح کے واسطہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے خواب میں مجھے دیکھا، اس نے حقیقۃً مجھ ہی کو دیکھا ہے۔ اس لئے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔

راوی حدیث (۶۷۵) ابی حصینؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرماویں۔

ایک طے شدہ امر :

حق تعالیٰ جل شانہٗ نے جیسا کہ عالمِ حیات میں حضور اقدس ﷺ کو شیطان کے اثر سے محفوظ فرما دیا تھا۔ ایسے ہی حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد بھی شیطان کو یہ قدرت مرحمت نہیں فرمائی کہ وہ آپ ﷺ کی صورت بنا سکے۔ یہ امر طے شدہ ہے۔ اس کے بعد یہ بحث ہے کہ حضور اقدسؐ کی ذاتِ مبارکہ بعینہٖ نظر آتی ہے، یعنی یہ کہ دیکھنے والے میں اتنی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ ذاتِ اقدس کی زیارت اپنی جگہ پر کرے یا صورت مثالی کی زیارت ہوتی ہے۔ جیسے کوئی شخص آڑ میں بیٹھ کر اپنے سامنے ذرا فصل سے ایک بڑا آئینہ رکھ لے اور دوسرا شخص جو اس آڑ کے پیچھے ہے، جو اس آئینہ کو دیکھے، تو اس آئینہ میں اس بیٹھنے والے شخص کی مثال ہوگی۔ بعینہٖ اس کی ذات آئینہ میں نہیں آ رہی ہے۔ صوفیہ کا قول ہے کہ دونوں طرح زیارت ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کو بعینہٖ ذاتِ اقدس کی زیارت ہوتی ہے اور بعض کو آئینہ کی طرح مثال کی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مرتبہ دوسرے لوگوں کی صورت میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت ہوتی ہے کہ گویا وہ آئینہ ہے نبی کریم ﷺ کی صورت کا۔

شیخ مدنیؒ کی تقریر :

اس حدیث کے ذیل میں شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ ارشاد فرماتے ہیں :

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آنجناب ﷺ کی صورت شیطانی تصرف سے محفوظ ہوتی ہے۔

جیسے حینِ حیات وہ شیطان آپ ﷺ کی صورت اختیار نہیں کرسکتا۔ ورنہ بہت دشواری پیش آتی۔ معلوم ہوا کہ خواب میں سے جو شیطانی قسم ہے، وہ یہاں نہیں چل سکتی اور قوتِ متخیلہ بھی یہاں نہیں چل سکتی، تو تیسرا احتمال متعین ہوگیا، جو کچھ آپ ﷺ کو دیکھا حق ہے، تمام ائمہؒ کا اس پر اتفاق ہے۔ البتہ ایک جماعت متکلمین اور محدثین کی اس طرف ہے کہ آپ ﷺ کو خواب میں کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا۔ وہ ان روایات میں تاویل کرتے ہیں۔ یا سند کے اعتبار سے ان کو ضعیف کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ قرطبی نے رسالہ تاویل الاحادیث میں وہ اشکال نقل کیا ہے کہ آنِ واحد میں شخصِ واحد امکنۂ متعدد میں نہیں دیکھا جاسکتا، مگر اس اشکال کا جواب گزر چکا ہے۔ بعض لوگوں نے اسے معجزہ قرار دیا ہے کہ باری تعالیٰ درمیان سے پردے ہٹا لیتے ہیں۔ تب انسان دیکھ سکتا ہے، مگر اس کی ضرورت نہیں، کیونکہ جب عادت کے اعتبار سے ممکن ہے، تو پھر خرق عادت اور معجزہ کہنے کی کیا ضرورت ہے۔

امر منامی کی شرعی حیثیت :

البتہ ایک اشکال یہ ہے کہ جب آپ ﷺ کو دیکھا، تو جو کچھ آپ ﷺ فرمائیں، اس پر عمل واجب ہو، اگر کوئی انکار کرے تو اس کی تکفیر کرنی چاہیئے۔ حالانکہ علماءِ اُمت میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ امر خوابی کو فرض قرار دے اور بعض نے یہ بھی دیکھا ہے کہ آپ ﷺ نے ظاہر شریعت کے خلاف حکم دیا۔ جواب یہ ہے کہ خواب میں جو کچھ آپ ﷺ نے فرمایا انسان اس کا مکلّف نہیں ہے۔ آپ ﷺ کا جو حکم حینِ حیات میں ہے، وہ واجب العمل ہے۔ ارشادِ منامی کو ترک کیا جائے گا، اگر وہ معارض ہو، اگر معارض نہ ہو تو عمل کرنا جائز ہے، واجب نہیں۔

امام شاطبیؒ کا نقل کردہ قصہ :

چنانچہ شاطبیؒ نے کتاب الاعتصام میں ذکر کیا ہے کہ ایک مقدمہ کسی قاضی کے پاس پیش ہوا، مگر اس وقت اس نے فیصلہ نہ کیا، اٹھ کر چلا گیا۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ فرما رہے ہیں، اس مقدمہ کا فیصلہ نہ کرنا یہ محض کذب ہے۔ تو یہ اٹھ بیٹھا اور حیران رہ گیا کہ جب بیداری میں ان گواہوں کا تزکیہ ہو چکا ہے، تو ظاہر شریعت کو کیسے ترک کیا جائے۔ علماء کو جمع کیا، جنہوں نے فرمایا کہ تم ظاہر شریعت

پر عمل کرو۔ اگر اس کو ایک حدیث بھی قرار دیا جائے، تو جو ظاہر احادیث ہیں، ان پر عمل کرنا ہوگا۔ چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ کے زمانہ میں ایک طالب علم نے کہا کہ آنحضرت ﷺ مجھے فرماتے ہیں کہ تم شرح جامی نہ پڑھو۔ تو حضرتؒ نے فرمایا کہ تمہیں شرح جامی پڑھنی پڑے گی۔ اب یہ بات رہ جاتی ہے کہ بسا اوقات آنحضرت ﷺ کو اشکال مختلفہ میں دیکھا جاتا ہے۔ تو جب وہ شکل حلیہ مبارک کے خلاف ہو، تو وہ زیارت نہ ہونی چاہئے۔ اور یہی من رانی سے نکالتے ہیں کہ آپ ﷺ کو اپنے حلیہ میں دیکھا جائے۔ مگر جمہور اس کے خلاف ہیں کہ حلیہ مبارک آئینہ ہے۔ جس میں دیکھنے والے کو اپنی شکل نظر آتی ہے۔ اس لئے اسے اپنی اصلاح کرنی چاہئے۔ جس سے مقصود اس کو تنبیہ کرنا ہوتی ہے، جیسا کہ بعض لوگوں نے آپ ﷺ کو ہندوستان میں کوٹ، پتلون پہنے ہوئے دیکھا۔ اس طرح ابن سیرینؒ کے زمانہ میں آپ ﷺ کو لیٹے ہوئے حالتِ وفات میں دیکھا، تو ابن سیرینؒ نے تعبیر دی کہ تم مسجد میں جاکر خلافِ سنت کرتے ہو۔ اس سے اماتتِ سنت مراد ہے۔ ذات میں تو تمثیل متخیّلہ ہو نہیں سکتی، مگر صفات میں ہوسکتی ہے۔ یہی امام غزالیؒ کی تحقیق ہے۔ قوۃ متخیلہ کی وجہ یہ ہے کہ ان الحس یغلط کثیراً (کہ حواس بہت غلطی کیا کرتے ہیں) اس کی مثال ایسے ہے جیسے ریل میں ہو تو درخت دوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں، اس مشاہدہ میں غلطی نہیں، لیکن قوۃ متخیلہ نے ایک حرکت جوڑ دی ہے اور اسی حس میں غلطی ہے۔

(۳۹۲/۳) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ خَلِيفَةَ عَنْ اَبِي مَالِكِ الْاَشْجَعِيِّ عَنْ اَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَاٰنِىْ فِى الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِىْ قَالَ اَبُوْعِيْسٰى وَ اَبُوْمَالِكٍ هٰذَا هُوَ سَعْدُ بْنُ طَارِقِ بْنِ اَشْيَمَ وَطَارِقُ بْنُ اَشْيَمَ هُوَ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ رَوٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَادِيْثَ. وَسَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ حُجْرٍ يَقُوْلُ قَالَ خَلَفُ بْنُ خَلِيفَةَ رَاَيْتُ عَمْرَو بْنَ حُرَيْثٍ صَاحِبَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَنَا غُلَامٌ صَغِيْرٌ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے خلف بن

خلیفہ نے ابو مالک اشجعی کے حوالہ سے بیان کیا۔انہوں نے یہ روایت اپنے باپ سے نقل کی۔ان کے باپ طارق بن اشیم سے یہ ارشادِ نبوی منقول ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا۔اس نے حقیقۃً مجھ ہی کو دیکھا۔اس لئے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔

امامِ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ابو مالک سعد بن طارق بن اشیم ہی ہیں اور طارق بن اشیم حضورؐ کے صحابی ہیں۔اس نے کئی احادیث حضور ﷺ سے روایت کی ہیں اور میں نے علی بن حجر سے سنا کہ وہ کہتے ہیں کہ خلف بن خلیفہ نے کہا کہ میں نے عمرو بن حریث جو کہ حضور ﷺ کے صحابی ہیں،کو دیکھا اور میں چھوٹا بچہ تھا۔

راویانِ حدیث (۶۷۶) خلف بن خلیفہؒ (۶۷۷) ابی مالک الاشجعیؒ اور (۶۷۸) ابیہ طارق بن اشیمؓ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

من رآنی فی المنام ٗمضمونِ حدیث سابقہ دونوں احادیث میں آ چکا ہے۔

(۴/۳۹۳) حَدَّثَنَا قُتَیْبَۃُ هُوَ ابْنُ سَعِیْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِیَادٍ عَنْ عَاصِمِ بْنِ کُلَیْبٍ حَدَّثَنِی اَبِی اَنَّہٗ سَمِعَ اَبَا هُرَیْرَۃَ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَایَتَمَثَّلُنِیْ قَالَ اَبِیْ فَحَدَّثْتُ بِہٖ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ قَدْ رَاَیْتُہٗ فَذَکَرْتُ الْحَسَنَ بْنَ عَلِیٍّ فَقُلْتُ شَبَّهْتُہٗ بِہٖ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنَّہٗ کَانَ یُشْبِهُہٗ .

ترجمہ : امامِ ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبۃ بن سعید نے یہ حدیث بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالواحد بن زیاد نے عاصم بن کلیب کے واسطہ سے بیان کیا،وہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے باپ نے بیان کیا کہ انہوں حضرت ابو ہریرہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو مجھے خواب میں دیکھے،وہ حقیقۃً مجھ ہی کو خواب میں دیکھتا ہے۔اس لئے کہ شیطان میرا شبیہ نہیں بن سکتا۔کلیبؒ کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تذکرہ کیا اور یہ بھی کہا کہ مجھے خواب میں زیارتِ اقدس میسر ہوئی۔اُس وقت مجھے حضرت امام حسنؓ کا خیال آیا۔میں نے حضرت ابن عباسؓ

سے کہا کہ میں نے اس خواب کی صورت کو حضرت حسنؓ کی صورت کے بہت مشابہ پایا۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی تصدیق فرمائی کہ واقعی حضرت حسنؓ آپ ﷺ کے بہت مشابہ تھے راویان حدیث (۶۷۹) عبدالواحد بن زیادؒ اور (۶۸۰) عاصم بن کلیبؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

فذکرت الحسن ...... یہ حدیث بھی گذشتہ احادیث کے ہم معنیٰ ہے۔ البتہ اس میں اس قدر اضافہ ہے کہ خواب دیکھنے والے نے آپ ﷺ کو حضرت حسنؓ کے مشابہ پایا تو حضرت ابن عباسؓ نے اس کی تصدیق کی۔ حضرت علیؓ سے بھی یہ ارشاد نقل ہوتا چلا آ رہا ہے کہ ...... الحسن اشبه رسول الله صلى الله عليه وسلم ما بين الصدر الى الرأس والحسين اشبه النبى صلى الله عليه و سلم ما كان اسفل من ذلك ۔ (مواہب ص ۳۰۱) یعنی حضرت حسنؓ سر سے سینہ تک اور حضرت حسینؓ سینہ سے نیچے آپ ﷺ کے ساتھ مشابہت رکھتے تھے۔ وهذه الرؤيا تفيد أن الرائى وهو كليب رأه قريباً الى حقيقته صلى الله عليه وسلم ۔ (اتحافات ص ۴۰۷) (اس خواب سے معلوم ہوا کہ خواب دیکھنے والے حضرت کلیبؒ نے آپ ﷺ کو حقیقی صورت کے قریب ہی دیکھا تھا)

(۳۹۴/۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِىْ عَدِيٍّ وَ مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَوْفُ ابْنُ اَبِىْ جَمِيْلَةَ عَنْ يَزِيْدِ الْفَارِسِيِّ وَ كَانَ يَكْتُبُ الْمَصَاحِفَ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فِى الْمَنَامِ زَمَنَ ابْنِ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ اِنِّىْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فِى النَّوْمِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يَّتَشَبَّهَ بِىْ فَمَنْ رَاٰنِىْ فِى النَّوْمِ فَقَدْ رَاٰنِىْ هَلْ تَسْتَطِيْعُ اَنْ تَنْعَتَ هٰذَا الرَّجُلَ الَّذِىْ رَاَيْتَهُ فِى النَّوْمِ قَالَ نَعَمْ اَنْعَتُ لَكَ رَجُلًا بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ جِسْمِهٖ وَ لَحْمِهٖ اَسْمَرَ اِلَى الْبَيَاضِ اَكْحَلَ الْعَيْنَيْنِ حَسَنَ الضِّحْكِ جَمِيْلَ دَوَآئِرِ الْوَجْهِ قَدْ مَلَاَتْ لِحْيَتُهٗ مَا بَيْنَ هٰذِهٖ اِلٰى هٰذِهٖ قَدْ مَلَاَتْ نَحْرَهٗ قَالَ عَوْفٌ وَلَا اَدْرِىْ مَا كَانَ مَعَ هٰذَا النَّعْتِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَوْ رَاَيْتَهٗ فِى الْيَقْظَةِ

مَا اسْتَطَعْتَ اَنْ تَنْعَتَهُ فَوْقَ هٰذَا.

قَالَ اَبُوْعِيْسٰى وَ يَزِيْدُ الْفَارِسِيُّ هُوَ يَزِيْدُ بْنُ هُرْمُزَ وَهُوَ اَقْدَمُ مِنْ يَزِيْدَ الرَّقَاشِيِّ وَ رَوٰى يَزِيْدُ الْفَارِسِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَحَادِيْثَ وَ يَزِيْدُ الرَّقَاشِيُّ لَمْ يُدْرِكِ ابْنَ عَبَّاسٍ وَهُوَ يَزِيْدُ بْنُ اَبَانَ الرَّقَاشِيُّ وَهُوَ يَرْوِىْ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَ يَزِيْدُ الْفَارِسِيُّ وَ يَزِيْدُ الرُّقَاشِيُّ كِلَاهُمَا مِنْ اَهْلِ الْبَصْرَةِ وَ عَوْفُ بْنُ اَبِىْ جَمِيْلَةَ هُوَ عَوْفُ الْاَعْرَابِىُّ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوٗدَ سُلَيْمَانُ بْنُ سَلْمِ الْبَلْخِيُّ حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ قَالَ قَالَ عَوْفُ الْاَعْرَابِىُّ اَنَا اَكْبَرُ مِنْ قَتَادَةَ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے ابن ابی عدی اور محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم کو عوف بن ابی جمیلہ نے یزید فارسی کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی اور یزید فارسی کلام اللہ لکھا کرتے تھے۔ یزید الفارسیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو نیند میں دیکھا۔ اس وقت ابن عباس زندہ تھے۔ میں نے یہ خواب ابن عباسؓ کو بیان کیا، تو ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حضور پاک ﷺ یقیناً فرماتے تھے کہ بیشک شیطان طاقت نہیں رکھتا کہ میری صورت پہ آ سکے۔ لہٰذا جس نے مجھے نیند میں دیکھا، اس نے مجھے ہی دیکھا۔ کیا تو اس (ﷺ) شخص کی صورت مبارک کو جسے تو نے خواب میں دیکھا ہے بیان کرنے کی طاقت رکھتا ہے کہا کہ ہاں میں آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں۔ آپ ﷺ کا وجود مبارک اور قد مبارک دونوں درمیانہ اور معتدل تھے۔ رنگ مبارک گندمی مائل بسفیدی تھا، آنکھیں مبارک سرگیں، خندہ رو، خوبصورت، گول چہرہ اقدس، گھنی داڑھی مبارک چہرۂ اقدس کو گھیرے ہوئے تھی۔ سینۂ پاک پر آئی ہوئی تھی۔ عوف کہتے ہیں کہ یزید الفارسی نے اور جو جو صفتیں بیان کیں، وہ مجھے یاد نہیں رہیں، پھر ابن عباس نے فرمایا (اے یزید الفارسی) اگر تو سید دو عالم ﷺ کو بحالتِ بیداری بھی دیکھتا تو اس توصیف سے بڑھ کر حلیۂ مبارک کے اوصاف نہ کر سکتا۔

راویان حدیث (۶۸۱) ابن ابی عدیؒ (۶۸۲) عوف بن ابی جمیلہؒ اور (۶۸۳) یزید الفارسیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

توضیح :

یزید الفارسی نے حضور اقدس ﷺ کے حلیہ مبارک بیان کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جو حضور اقدس ﷺ کی زیارت مبارکہ' مقدسہ' مطہرہ ومنوّرہ سے خواب میں مشرف ہوتا ہے۔ وہ بعینہٖ اسی طرح مشرف ہوتا ہے، جس طرح حضور اقدس ﷺ بنفسِ نفیس ہیں۔ شمائل ترمذی کے اولین باب میں حضور اقدس ﷺ کا تفصیل سے حلیہ مبارک نقل کیا گیا ہے۔ اس میں یہی صفات مبارک نقل ہوئے ہیں۔

(۳۹۵/۶) حَـدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِی الزِّنَادِ حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ اَخِی ابْنِ شِهَابِ الزُّهْرِیِّ عَنْ عَمِّهٖ قَالَ قَالَ اَبُوْ سَلَمَةَ قَالَ اَبُوْقَتَادَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مَنْ رَاٰنِیْ يَعْنِیْ فِی النَّوْمِ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ .

ترجمہ : امامِ ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ ابن ابی زناد نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے یعقوب بن ابراہیم بن سعد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ابن اخی ابن شہاب زہری نے اپنے چچا (ابن شہاب الزہری) کے واسطہ سے یہ روایت بیان کی۔ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے بھی حضور اکرمؐ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا، اس نے واقعی امر دیکھا۔

راوی حدیث (۶۸۴) ابن اخی ابن شہاب الزہریؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

رویت حق کا معنیٰ :

فقد رأى الحق اى فقد رأى رؤيا الحق وهى التى ليست مِن الشيطان ۔(اتحافات ص۴۰۹)

(یعنی اس نے بالکل سچا خواب دیکھا اور سچا وہی ہوتا ہے جو شیطان کی طرف سے نہیں ہوتا)

حق : یقین کرنے' واجب ہونے' ثابت ہونے کو کہتے ہیں۔ الحق اللہ تعالیٰ کا نام بھی ہے، کیونکہ وہی واجب' وہی ثابت اور حقیقۃً وہی موجود ہے۔ باقی سب چیزوں کا وجود مثل عدم کے ہے، جو زوال پذیر

ہے۔شارحینؒ نے اس حدیث شریف کے بہت معانی بیان فرمائے ہیں۔حضرت ملا علی قاریؒ امامِ کرمانیؒ سے نقل کرتے ہیں :

ای الثابتة لا اضغاث فیه و لا احلام (جمع ج۲ص۲۹۸) یعنی یہ اسی طرح صحیح اور درست ہے، جس طرح کہ دیکھا گیا ہے۔اس میں کوئی گڑبڑ نہیں ہے ۔

الطیبیؒ فرماتے ہیں :**الحق ھنا** حق یہی ہے۔زین العرب فرماتے ہیں، **الحق ضد الباطل** حق ضدِ باطل ہے۔یعنی یہ خواب حق ہی ہے۔حضرت علامہ موصوف فرماتے ہیں :

نعم یصح یراد به الحق سبحانه علی تقدیر مضاف ای رأی مظهر الحق او مظهره و من رانی فسیر اللّٰه سبحانه لان من رأی النبی صلی اللّٰه علیه و سلم فی المنام فسیراہ یقظة فی دارالسلام فیلزم منه انه یر اللّٰه فی ذالک المقام ولایعدان یکون المعنی من رانی فی المنام فسیری اللّٰه فی المنام فان رؤیتی له مقدمة او مبشرة لذالک المرام و قال الحنفی الحق مفعول به ای الامر الثابت الذی هو انا فیرجع الی معنی قوله فقد رانی ۔(جمع ج۲ص۲۹۸)

یعنی ہاں صحیح ہے، اگر بتقدیر مضاف اس الحق سے مراد حق سبحانہٗ وتعالیٰ مراد لیا جائے گویا مظہرِ حق کو دیکھا یا اس کے مظہر کو (یعنی حضور اقدس ﷺ ہی اس سبحانہٗ وتعالیٰ کے مظہر ہیں) اور جس نے مجھے دیکھا عنقریب اللہ جل جلالہٗ کو دیکھ لے گا۔اس لئے کہ جس نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا خواب میں، تو عنقریب وہ بیداری میں حضور ﷺ کی زیارت سے دارالسلام میں مشرف ہوگا۔لہٰذا ضروری ہے کہ وہ اللہ جل جلالہٗ کی زیارت اس مقام پر کرے گا اور یہ بھی محال نہیں ہے کہ اس کا یہ معنی ہو کہ جس نے مجھے نیند میں دیکھا تو وہ عنقریب اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کو نیند میں دیکھے گا۔بے شک حضور ﷺ کی زیارت اس امر کا پیش خیمہ اور خوشخبری ہے کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کی زیارت سے مشرف ہوگا ۔

(۳۹۶/۷) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا مُعَلَّی بْنُ اَسَدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِیْزِ بْنُ الْمُخْتَارِ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ

فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَایَتَخَیَّلُ بِیْ قَالَ وَ رُءْ یَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّ اَرْبَعِیْنَ جُزْءً ا مِّنَ النُّبُوَّةِ .

ترجمہ : امامِ ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی معلّٰی بن اسد نے ، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عبدالعزیز بن مختار نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ثابت سے حضرت انس بن مالکؓ کے حوالہ سے بیان کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھے خواب میں دیکھے ، اس نے حقیقۃً مجھ ہی کو دیکھا۔ اس لئے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔ حضور اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مؤمن کا (وہ خواب جو فرشتہ کے اثر سے ہوتا ہے) نبوت کے چھیالیس جزو میں سے ایک جزو ہوتا ہے۔

راویان حدیث (۶۸۵) معلّٰی بن اسدؒ اور (۶۸۶) عبدالعزیز بن المختارؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے :

و رؤیا المؤمن ...... گذشتہ روایات کی نسبت اس روایت میں یہی بات زائد ہے۔ شمائل ترمذی کے آخری باب کی یہ آخری روایت ہے۔ یہاں محض مومن کی قید ہے۔ بخاری شریف میں رؤیا صالح کی قید ہے۔ علماء وشارحینِ حدیث نے یہاں بہت زیادہ تفصیل سے علماء کے اقوال نقل کئے ہیں۔ علامہ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ چونکہ اس کو علم نبوت کا ایک جزو فرمایا ہے، اور علوم نبوی انبیاء ہی کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں۔ اس لئے اس کو بھی انبیاء ہی کے ساتھ مخصوص سمجھنا چاہئے۔ مجملاً اتنا معلوم ہونا کافی ہے کہ مبارک اور اچھا خواب ایک بڑی بشارت ہے، جو نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔ اتنا ہی اس کی شرافت اور عظمت و برکت کے لئے کافی ہے۔ باقی نبوت کے چھیالیس جزو نبی ہی صحیح طور پر معلوم کر سکتے ہیں۔ اس لئے وہی اس جزو کو صحیح طور پر سمجھ سکتے ہیں کہ یہ چھیالیسواں جزو کیسے ہوا۔

طالبانِ علومِ نبوت کے لئے دو خصوصی نصیحتیں

حضور اقدس ﷺ کے شمائل و خصائل، سیرت مبارکہ اور اس کے متعلقات سے روایات، ترتیبِ ابواب واحادیث اختتام پذیر ہوئے۔ آخر میں امام ترمذیؒ طالبانِ علوم نبوت کے لئے خصوصی تنبیہ ونصیحت اور خیر خواہی وفلاح کے پیش نظر دو اثر نقل کرنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کے آخر میں کلمتان حبیبتان...... کا اندراج فرما کر ذکر الٰہی کی اہمیت ومطلوب ہونے پر تنبیہ فرمائی ہے۔ اسی طرح امام ترمذیؒ آخر میں دو اثر نقل کر کے بعض اہم اہداف کو ملحوظ رکھنے کی نصیحت کرنا چاہتے ہیں۔

منقولات کے اتباع کا اہتمام :

(۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ اَبِیْ یَقُوْلُ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَکِ اِذَا ابْتُلِیْتَ بِالْقَضَآءِ فَعَلَیْکَ بِالْاَثَرِ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن علی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ عبداللہ بن مبارک نے کہا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کبھی قاضی اور فیصل کنندہ بننے کی نوبت آئے تو منقولات کا اتباع کی جیو۔

امام عبداللہ بن مبارکؒ:

یہ اثر حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے منقول ہے، جو بڑے ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ فقیہ بھی ہیں اور محدث بھی، امام اعظم ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔ صوفیاء میں بھی ان کا مقام بلند ہے۔ بڑے زاہد، عابد اور متقی و پرہیزگار ہیں۔ حفاظ حدیث میں بھی ان کا شمار اوائل میں ہوتا ہے۔ ان کی سیرت وسوانح پر بھی بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ احقر نے بھی علماءِ احناف کے تذکرہ میں ان پر خصوصیت سے رسالہ لکھا

ہے، جو کئی مرتبہ چھپ کر تقسیم ہو چکا ہے۔

اتباعِ سنت کی تاکید :

اذا ابتلیت بالقضاء ...... یعنی جب تو قضا کے ساتھ آزمایا جائے' قاضی، جج، فیصل کنندہ بننے کی نوبت آئے تو اثر یعنی منقولات کی پیروی کی جیو' یعنی حضور اقدس ﷺ کے ارشادات' خلفائے راشدین کے اقوال پر عمل کرنا ہے۔ تاکہ گمراہی کے دلدل میں پھنسنے سے بچا جا سکے۔ اثر سے مراد حدیث بھی ہے، صحابہ وتابعین کے اقوال بھی اور افعال بھی۔

عبداللہ بن مبارکؒ کی یہ نصیحت قضا سمیت زندگی کے تمام حالات ومعاملات کو شامل ہے۔ امام ترمذیؒ اس بات پر بھی تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ امامِ ترمذیؒ نے اپنی کتاب کو دو اثروں پر ختم کیا۔ جو حقیقت میں دو نصیحتیں ہیں اور مہتم بالشان تنبیہات ہیں۔ امام بخاریؒ نے کلمتان حبیبتان عند الرحمن ثقیلتان فی المیزان خفیفتان علی اللسان سبحان اللّٰہ و بحمدہ سبحان اللّٰہ العظیم. (دو کلمے ہیں جو اللہ کو پیارے ہیں وزن میں بھاری ہیں اور زبان پر ہلکے اور آسان ہیں (وہ دو کلمے) سبحان اللہ وبحمدہ اور سبحان اللہ العظیم ہیں) ان کا مقصد یہ ہے کہ ذکر الٰہی مطلوب ہے۔ اور امام ترمذیؒ متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ طالب علم کے لئے تحصیلِ علمِ حدیث ضروری ہے اور خصوصاً جب قاضی بنتا ہو۔ امام شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ قدوہ (مقتدیٰ) وہ نہیں ہوسکتا، جو کہ محدث، مفسر، فقیہ اور صوفی نہ ہو۔ تو پہلے اثر میں یہ نصیحت ہے کہ دین کا مدار آنخضرت ﷺ کے اتباع پر ہے۔ لہٰذا ہر فیصلہ میں حضور اکرم ﷺ کا اتباع کرنا چاہے۔

گذشتہ باب سے مناسبت :

گذشتہ باب سے بھی اس کو ایک خاص مناسبت ہو سکتی ہے۔ وہ یہ کہ خواب کی تعبیر بھی ایک فیصلہ ہے۔ اس لئے اُس میں بھی اپنی رائے سے غتربود نہ کرنا چاہئے، بلکہ اسلاف کی تعبیروں کو دیکھنا چاہئے۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعینؒ سے بکثرت خوابوں کی تعبیریں نقل کی گئی ہیں۔ فن تعبیر کے علماء نے لکھا ہے کہ تعبیر دینے والا شخص ضروری ہے کہ سمجھ دار متقی، پرہیز گار کتابُ

اللہ اور سنتِ رسول اللہ کا واقف ہو۔ عرب کی لغات اور زبان زد مثالوں کو جانتا ہو، وغیرہ وغیرہ۔ بہت سی شرائط اور آداب علمِ تعبیر کی کتابوں میں لکھے ہیں۔

علم حدیث میں اُستاد کا انتخاب :

(۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا النَّضرُ اَخبَرَنَا ابْنُ عَوفٍ عَنِ ابْنِ سِيرِيْنَ قَالَ هٰذَا الْحَدِيثُ دِيْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَاْخُذُوْنَ دِيْنَكُمْ ۔

ترجمہ : امامِ ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن علی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے نضر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر ابن عوف نے دی۔ انہوں نے اسے ابن سیرین سے نقل کیا۔ ابن سیرینؒ کہتے ہیں کہ علم حدیث (اور ایسے ہی اور دینی علوم سب) دین میں داخل ہیں۔ لہٰذا علم حاصل کرنے سے قبل یہ دیکھو کہ اس دین کو کس شخص سے حاصل کر رہے ہو۔

علم الحدیث' دین ہے :

هٰذا الحديث دين ...... یہ دوسرا قول امام ابن سیرینؒ کا ہے جو تعبیر الرؤیا کے بہت بڑے امام تھے۔ بہت بڑے محدث' زاہد' عابد' فقیہ اور مجتہد تھے۔ سید التابعین ہیں۔ حضرات صحابہ کرامؓ سے تعلیم و تربیت کی سعادت حاصل کی۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ علم حدیث دین ہے اور دین کا مدار ہے۔ حدیث' قرآن کی تفصیل و تشریح اور عملی تعبیر و تفسیر ہے۔ لہٰذا استاذ کا انتخاب بھی اسی نسبت و معیار سے کیا جائے کہ وہ متدیّن ہو' عالم ہو' عامل ہو' اور متقی و پرہیز گار ہونے کے ساتھ ساتھ منشأ نبوت کو سمجھتا ہو۔

تکمیل روایت :

یہ دراصل ایک مرفوع حدیث کا حصہ ہے۔ علامہ علی قاریؒ نے اسے اپنی کتاب میں مکمل نقل کر دیا ہے۔ اِنَّ هٰذَا الْحَدِيْثَ دِيْنٌ وَالصَّلٰوةُ دِيْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَاْخُذُوْنَ هٰذَا الْعِلْمَ وَ كَيْفَ تُصَلُّوْنَ هٰذَا الصَّلٰوةَ فَاِنَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔ (جمع ج۲ ص۳۰۲)

یعنی علم حدیث بھی دین ہے۔ لہٰذا اچھی طرح جانچ لو، پرکھ لو کہ یہ علم تم کن لوگوں سے حاصل کر

رہے ہو، اور نماز کس طریقہ سے ادا کر رہے ہو، کیونکہ ان کے متعلق قیامت کے روز تم سے پوچھا جائے گا۔

امامِ ترمذیؒ کی غرضِ ایرادِ اثر :

امام ترمذیؒ امام ابن سیرینؒ کے قول کی روشنی میں ادھر توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ ہر کس و ناکس، فاسق و فاجر سے علم حدیث حاصل نہ کرو، بلکہ استاذ کو دیکھو، اس کے علم، اس کے دین، اس کے اعتقاد، مسلک، عمل اور تقویٰ و دیانت کو پرکھو، اگر علم و عمل میں کوتاہی کرتا ہے یا بے دین اور بد عمل ہے، تو وہ قابل اتباع نہیں ہے، اس کی صحبت کے برے اثرات مرتب ہوں گے۔
ادھر بھی توجہ دلائی کہ خود رائی، عجب، عقل و ذہانت پر غرور اور گھمنڈ، مضرت رساں ہے، بلکہ احادیث، صحابہؓ کے اقوال، تابعینؒ کے ارشادات اور اکابر و علماء اور صلحاء کے ہدایات کی پیروی کرنی چاہئے۔

باب سے مناسبت :

اس حدیث کو باب سے بھی خاص مناسبت ہے کہ تعبیر الرؤیا، ایک خاص علم ہے اور نبوت کا چھیالیسواں جزء ہے۔ اس کا تعلق بھی علم سے ہے۔ گویا خواب کی تعبیر ایک علمی فیصلہ ہوتا ہے۔ اسی لئے اس میں اپنی رائے اور اپنی تعبیرات سے بچا جائے۔ اسلاف کی تعبیروں سے استفادہ کرنا چاہئے، چونکہ یہ تعبیر مہتم بالشان ہے۔ اس لئے جس پر اعتماد کر کے تعبیر لے رہے ہو، اسے بھی دیکھا کرو کہ وہ اس کا اہل بھی ہے یا نہیں۔ چنانچہ علماء فرماتے ہیں کہ تعبیر دینے والا شخص سمجھ دار ہو، علم تعبیر الرؤیا سے مناسبت رکھتا ہو۔ متقی و پرہیز گار ہو، سنت رسولؐ اور علم حدیث سے واقف ہو، محاورہ، لغت اور مروّجہ امثال کو بھی خوب جانتا ہو۔

شیخ عبدالرؤفؒ رقمطراز ہیں : و اخرج الشافعی عن عروة انه کان یسمع الحدیث فیستحسنه ولایرویه لکونه لایثق ببعض رواته لئلا یأخذ عنه ۔(مناوی ج۲ص۳۰۲)

یعنی حضرت عروہؒ غیر عامل شخص سے روایت تو لیتے تھے، لیکن اس کو آگے نہیں بیان کرتے تھے کہ کہیں لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو کر اس کو مقتدیٰ نہ بنا لیں۔ شیخ ابراہیم الپیجوریؒ مواہب ص ۳۰۵ میں ارشاد فرماتے ہیں :

انما ختم المصنف رحمه اللّٰه تعالیٰ کتابه بهذین الأثرین اشارة الی الحث علی اتقان الحدیث و الإکثار منه و بذل الجهد فی تحصیله و ختمه بذلک نظیر الابتداء فی أکثر کتب الحدیث بحدیث انما الاعمال بالنیات احسن اللّٰه البدأ و الختام بجاه النبی علیه الصلوٰة والسلام و آله و اصحابه السادة الکرام و جمعنا و ایاهم فی دارالسلام بسلام و الحمد للّٰه رب العالمین و هو حسبی و نعم الوکیل ولاحول ولا قوة الا باللّٰه العلی العظیم

(اور مصنفؒ کی غرض اپنی کتاب (شمائل) کو ان دو آثار پر ختم کرنے سے علماء اور طلباءِ حدیث کو ضبط و اتقانِ حدیث اور کثرتِ روایات اور اس کے تعلیم و تعلم میں خلوص نیت اور پوری جد و جہد محنت اور کاوش پر برانگیختہ کرنا مقصود ہے اور اس طرز اختتام میں ان محدثین کرام کی مشابہت بھی جنہوں نے کتبِ حدیث میں ابتداء و آغاز انما الاعمال بالنیات سے کر کے طلبہ علومِ دینیہ کو ان کے حصول میں خلوص نیت کی ترغیب دلانی مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ ابتداء و اختتام کو بحرمت النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والسلام احسن اور بہتر بنادے آمین۔ وصلی اللّٰه علیه وعلی آله واصحابه السادة الکرام وجمعنا وایّاهم فی دارالسلام والحمدللّٰه رب العالمین وهو حسبی ونعم الوکیل ولا حول ولا قوة الا باللّٰه العلی العظیم)

==================================

آج بعد از نماز مغرب بروز جمعۃ المبارک ۱۶ ربیع الاوّل ۱۴۲۵ھ بمطابق ۷ مئی 2004ء شرح شمائل ترمذی کی جلد ثانی بھی تکمیل پذیر ہوئی۔ یہ خالص اللہ ہی کا فضل و کرم، اسی کی توفیق و عنایت لطفِ بے غایت اور حضور اقدس ﷺ سے ایک ادنیٰ امتی ہونے کی حیثیت سے نسبت کی برکت ہے۔ والحمد للّٰه علی ذلک حمداً کثیراً ....

کہاں میں کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

صلی اللّٰه علیٰ خیر خلقه محمد و آله و صحبه اجمعین

مکتوباتِ افغانیؒ

بنام !

شیخ التفسیر حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب کلاچوی

مرتب : مولانا عبدالقیوم حقانی

شمس الاولیاء حضرت العلامہ مولانا شمس الحق افغانیؒ کے مکتوباتِ قدسیہ کا وقیع مجموعہ جن میں تصوف وسلوک، طریقت وراہِ معرفت، عبدیت وانابت، اہتمامِ سنت واطاعت، اصلاحِ ظاہر وباطن، شیخِ کامل سے استفادہ وافادہ، بےنفسی وفنائیت، اخلاصِ کامل وللّٰہیت، تفویض وتوکل، عشقِ رسولؐ ومحبت اور اکابر علماءِ دیوبند کے مسلک واعتدال کی اچھوتے انداز میں تشریح وتوضیح کی گئی ہے۔

صفحات : 202 .... قیمت :

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد، ضلع نوشہرہ، سرحد، پاکستان